اظہار الحق کا اُردو ترجمہ اور شرح و تحقیق

مکتبہ دار العلوم کراچی

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ

بائبل سے قرآن تک

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی
بانی دارالعلوم حرم مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ

کی شہرۂ آفاق تالیف

"اظہار الحق"

کا اردو ترجمہ اور شرح وتحقیق

جلد دوم

ترجمہ
مولانا اکبر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ
سابق استاذ حدیث دارالعلوم کراچی

شرح وتحقیق
محمد تقی عثمانی
استاذ حدیث دارالعلوم کراچی

ناشر
مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴

باہتمام : محمد قاسم گلگتی

طبع جدید : شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ ...... جولائی 2010ء

فون : 5042280 - 5049455

ای میل : mdukhi@cyber.net.pk

" " mdukhi@gmail.com

ملنے کے پتے

مکتبہ دارالعلوم احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی ﴿ناشر﴾

- ادارۃ المعارف احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی
- مکتبہ معارف القرآن احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی
- ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور
- دارالاشاعت اردو بازار کراچی
- بیت الکتب گلشن اقبال نزد اشرف المدارس کراچی

فہرست مضامین "اظہار الحق" جلد دوم

جلد سوم کی ابتداء

احادیث پر پادریوں کے اعتراضات
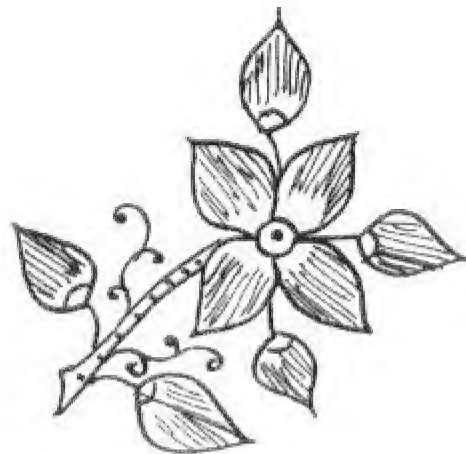
باب ۲ دوم

بائبل کی تحریفیں

- تبدیلیاں
- حذفِ الفاظ
- اضافے

یحرفون الکلم عن مواضعہ
یہ لوگ
کلمات کو ان کی جگہوں سے
بگاڑ ڈالتے ہیں

باب دوم

بائبل میں تحریف کے دلائل

تحریف کی قسمیں

تحریف کی دو قسمیں ہیں: لفظی اور معنوی،

دوسری قسم کی نسبت ہمارے اور عیسائیوں کے درمیان کوئی جھگڑا نہیں ہے، کیونکہ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ عہدِ عتیق کی وہ آیات جن میں عیسائیوں کے خیال کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام کی جانب اشارہ تھا، اور وہ احکام جو یہودیوں کے نزدیک دائمی اور ابدی ہیں، ان کی تفسیر میں یہودیوں کی جانب سے تحریف معنوی کا صدور ہوا ہے، اور علماء پروٹسٹنٹ یہ بھی اعتراف کرتے ہیں کہ پاپا کے معتقدین کی طرف سے دونوں عہدناموں میں اس قسم کی تحریف کی گئی ہے، بالکل اسی طرح پاپا کے معتقدین یہی الزام بڑی شدت سے پہلے فریق پر لگاتے ہیں، اس لئے ہم کو اس کے ثابت کرنے کی چنداں ضرورت نہیں،

ف تحریف لفظی کا مطلب یہ ہے کہ اصل الفاظ میں تبدیلی کر دی جائے، خواہ ایک لفظ کی جگہ دوسرا رکھ کر یا کسی لفظ کو حذف کر کے یا کوئی لفظ بڑھا کر، اور تحریفِ معنوی کا مطلب یہ ہے کہ الفاظ میں تو کوئی تبدیلی نہ کی جائے، مگر عبارت کی کوئی من مانی تفسیر کی جائے، جو اصل معنی کے خلاف ہو ۱۲

اب تحریفِ لفظی باقی رہ جاتی ہے جس کا علماء پروٹسٹنٹ بظاہر عام مسلمانوں کو دھوکہ میں ڈالنے کے لئے سختی سے انکار کرتے ہیں، اور جھوٹے من گھڑت دلائل اپنے رسالوں میں پیش کرتے ہیں، تاکہ دیکھنے والوں کو شک میں مبتلا کرسکیں، اس لئے اس کے ثابت کرنے کی ضرورت ہے، اللہ کی مدد کے بھروسہ پر ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ تحریف لفظی اپنی تمام قسموں سمیت خواہ الفاظ کی تبدیلی ہو یا کمی بیشی، ان کتابوں میں موجود ہے، اب ہم ان تینوں قسموں کی ترتیب والے تین[۳] مقاصد میں بیان کرتے ہیں:۔

مقصدِ اوّل

تحریفِ لفظی کا ثبوت، الفاظ کی تبدیلی کی شکل میں،

پہلے یہ سمجھئے کہ اہلِ کتاب کے نزدیک عہدِ عتیق کے مشہور نسخے تین ہیں:۔

(۱) عبرانی نسخہ جو یہودیوں کے نزدیک بھی معتبر ہے اور علماء پروٹسٹنٹ کے نزدیک بھی،

(۲) یونانی نسخہ: جو عیسائیوں کے نزدیک پندرہ صدیوں میں سے ساتویں صدی تک معتبر تھا، اس وقت تک عیسائی حضرات عبرانی نسخہ کو تحریف شدہ مانتے تھے، یونانی نسخہ آج تک یونانی گرجوں اور مشرقی گرجوں میں معتبر مانا جاتا ہے، یہ دونوں نسخے عہدِ عتیق کی تمام کتابوں پر مشتمل ہیں،

(۳) سامری نسخہ، جو سامریوں کے نزدیک معتبر ہے، یہ نسخہ درحقیقت عبرانی نسخہ ہے، مگر یہ عہدِ عتیق کی صرف سات کتابوں پر مشتمل ہے، یعنی پانچ کتابیں جو موسیٰ علیہ السلام کی جانب منسوب ہیں، اور کتاب یوشع اور کتاب القضاۃ، اس لئے کہ سامری لوگ عہدِ عتیق کی بقیہ کتابوں کو تسلیم نہیں کرتے دوسرا فرق یہ ہے کہ اس میں عبرانی نسخہ کی نسبت بہت سے الفاظ اور فقرے زائد

ہیں، جو آجکل اس میں موجود نہیں ہیں، اور اکثر محققین علماء پروٹسٹنٹ مثلاً کنی کاٹ، ہیلز، ہیتو بی کینٹ وغیرہ اس کو معتبر مانتے ہیں، عبرانی نسخہ کو تسلیم نہیں کرتے، اُن کا یہ اعتقاد ہے کہ یہودیوں نے عبرانی نسخہ میں تحریف کر دی تھی، اور تقریباً سارے ہی علماء پروٹسٹنٹ بعض موقعوں پر اس کے ماننے پر مجبور ہو جاتے ہیں، اور عبرانی نسخہ پر اس کو ترجیح دیتے ہیں جیساکہ ابھی ابھی آپ کو معلوم ہو سکے گا،

اس کے بعد مندرجہ ذیل شواہد پر غور فرمائیے جو کھلی تحریف پر دلالت کرتے ہیں:۔

پہلا شاہد ——— حضرتِ آدمؑ سے طوفانِ نوحؑ تک

آدمؑ سے لے کر طوفانِ نوحؑ تک کا زمانہ عبرانی نسخہ کے مطابق ۱۶۵۶ سال ہے، یونانی نسخہ کے مطابق ۲۲۶۲[1] سال بنتا ہے، اور سامری نسخہ کے موافق ۱۳۰۷ سال ہے، ہنری واسکاٹ کی تفسیر میں ایک جدول دی گئی ہے، جس میں نوحؑ کے سوا ہر شخص کے سامنے اس کی وہ عمر لکھی گئی ہے جو اس کے لڑکے کی پیدائش کے وقت تھی، اور حضرت نوحؑ کے سامنے اُن کی وہ عمر درج کی گئی ہے جو طوفان کے وقت تھی،

نقشہ درج ذیل ہے:۔

نام	عبرانی نسخہ	سامری نسخہ	یونانی نسخہ
آدم علیہ السلام	۱۳۰	۱۳۰	۲۳۰
شیث علیہ السلام	۱۰۵	۱۰۵	۲۰۵
آنوش	۹۰	۹۰	۱۹۰
قینان	۷۰	۷۰	۱۷۰

[1] تمام نسخوں میں یہ عدد اسی طرح مذکور ہے، لیکن آنے والے جدول کے مطابق حاصل جمع ۲۲۶۲ بنتا ہے، اس لئے یا تو اس عدد میں غلطی ہوئی ہے یا نقشہ کے کسی درمیانی عدد میں، واللہ اعلم ۱۲ تقی

نام	عبرانی نسخہ	سامری نسخہ	یونانی نسخہ
مہلائیل	۶۵	۶۵	۱۶۵
بارد	۱۶۲	۶۲	۲۶۲
حنوک	۶۵	۶۵	۱۶۵
متوسالح	۱۸۷	۶۷	۱۸۷
لامک	۱۸۲	۵۳	۱۸۸
نوح علیہ السلام	۶۰۰	۶۰۰	۶۰۰
کل میزان	۱۶۵۶	۱۳۰۷	۲۲۶۲ [۱]

ان مذکورہ نسخوں میں مذکورہ مدت کے بیان میں بے شمار فرق موجود ہے، اور اتنا شدید اختلاف ہے کہ اس میں تطبیق ممکن نہیں ہے، اور چونکہ تینوں نسخوں کے مطابق نوح علیہ السلام کی عمر طوفان کے وقت ۶۰۰ سال کی متعین ہے، اور آدم علیہ السلام کی عمر ۹۳۰ سال کی ہوئی ہے، اس لئے سامری نسخہ کے مطابق لازم آتا ہے کہ آدم علیہ السلام کی وفات کے وقت نوح علیہ السلام کی عمر ۲۱۳ سال کی تھی، اور یہ بات باتفاق مؤرخین غلط ہے، اور عبرانی و یونانی نسخے بھی اس کی تکذیب کرتے ہیں، کیونکہ پہلے نسخہ کے بیان کے مطابق نوح علیہ السلام کی پیدائش آدم علیہ السلام کی وفات کے ۱۲۶ سال بعد اور دوسرے نسخہ کے مطابق ۷۳۲ سال بعد ہوئی ہے، اور اسی فحش اختلاف کی بنا پر مشہور یہودی مؤرخ یوسیفس نے جو عیسائیوں کے نزدیک بھی معتبر ہے، ان میں سے کسی نسخہ پر اعتماد نہیں کیا، اور فیصلہ کیا کہ صحیح مدت ۲۲۵۶ ہے،

طوفانِ نوح ؑ سے حضرت ابراہیم ؑ تک ــــــ شاہد نمبر ۲

طوفانِ نوح ؑ سے لے کر ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش تک کا زمانہ عبرانی نسخہ کے مطابق

[۱] اگر جدول کے درمیانی اعداد درست ہیں تو یہاں ۲۲۶۲ کی بجائے ۲۳۶۲ ہونا چاہئے کیونکہ حاصل جمع یہی نکلتا ہے ۱۲ ت

۲۹۲ سال ہے، یونانی نسخہ کے مطابق ۱۰۷۲ سال ہے، اور سامری نسخہ کے مطابق ... ۹۴۲ سال ہے، تفسیر ہنری واسکاٹ میں گذشتہ نقشہ کی طرح ایک نقشہ دیا گیا ہے مگر اس نقشہ میں سام کے سوا ہر شخص کے نام کے مقابل اس کے بچہ کا سالِ پیدائش ہے لکھا ہوا ہے، اور سام کے نام کے مقابل اس بچہ کا سالِ پیدائش لکھا ہوا ہے جو طوفان کے بعد پیدا ہوا،

نقشہ درج ذیل ہے:۔

نام	نسخۂ عبرانیہ	نسخۂ سامریہ	نسخۂ یونانیہ
سام	۲	۲	۲
ارفخشد	۳۵	۱۳۵	۱۳۵
قینان	+	+	۱۳۰
شالخ	۳۰	۱۳۰	۱۳۰
عابر	۳۴	۱۳۴	۱۳۴
فالغ	۳۰	۱۳۰	۱۳۰
رعو	۳۲	۱۳۲	۱۳۲
سروغ	۳۰	۱۳۰	۱۳۰
ناحور	۲۹	۷۹	۷۹
تارح[1]	۷۰	۷۰	۷۰
کل میزان	۲۹۲	۹۴۲	۱۰۷۲

[1] "تارح" حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام ہے، آذر اس کا لقب تھا، اور بعض مفسرین و مؤرخین کا کہنا ہے کہ آذر درحقیقت حضرت ابراہیمؑ کا چچا تھا، اور قرآن کریم میں مجازاً اس پر "اب" (باپ) کے لفظ کا اطلاق کر دیا گیا ہے (دیکھئے تفسیر کبیر) تقی

یہ اختلاف بھی اس قدر شدید اور فحش ہے کہ ان نسخوں میں کسی طرح تطبیق ممکن نہیں ہے، اور چونکہ عبرانی نسخہ کے مطابق ابراہیمؑ کی پیدائش طوفان کے ۲۹۲ سال بعد معلوم ہوتی ہے، اور نوح علیہ السلام طوفان کے بعد ۳۵۰ سال زندہ رہے، جس کی تصریح کتاب پیدائش باب ۹ آیت ۲۸ میں موجود[1] ہے اس لئے لازم آتا ہے کہ ابراہیمؑ کی عمر نوح علیہ السلام کی وفات کے وقت ۵۸ سال کی ہو، جو باتفاق مورخین بھی غلط ہے، اور یونانی و سامری نسخے بھی اس کی تکذیب کرتے ہیں، کیونکہ پہلے نسخہ کے مطابق ابراہیمؑ کی پیدائش نوحؑ کی وفات کے ۷۲۲ سال بعد ہوئی، اور دوسرے نسخہ کے مطابق ۵۹۲ سال بعد، دوسرے یونانی نسخہ میں ارفکسد اور شالخ کے درمیان ایک پشت کا اضافہ ہے جو دوسرے دونوں نسخوں میں موجود نہیں،

لوقا انجیلی نے یونانی نسخہ پر اعتماد کرتے ہوئے مسیحؑ کے نسب کے بیان میں قینان کا بھی اضافہ کیا ہے، اس فحش اختلاف کے نتیجہ میں عیسائیوں میں باہمی اختلاف پیدا ہو گیا، پھر مؤرخین نے تو تینوں نسخوں کو کالعدم ٹھہرایا اور کہا کہ صحیح مدت ۳۵۲ سال ہے، اسی طرح مشہور یہودی مؤرخ یوسیفس نے بھی ان نسخوں پر اعتماد نہیں کیا، اور یہ کہا کہ صحیح مدت ۹۹۳ سال ہے، جیسا کہ ہنری و اسکاٹ کی تفسیر میں موجود ہے،

اور آگسٹائن کی جو چوتھی صدی مسیحی کا سب سے بڑا عالم ہے اسی طرح دوسرے متقدمین کی رائے یہی ہے کہ یونانی نسخہ ہی درست ہے،

مفسر ہارسلی نے کتاب پیدائش باب ۱۱ آیت ۱۱ کی تفسیر کے ذیل میں اسی کو ترجیح دی ہے ہیلز کا نظریہ یہ ہے کہ سامری نسخہ ہی درست ہے،

مشہور محقق ہورن کا رجحان بھی اسی جانب معلوم ہوتا ہے، ہنری و اسکاٹ کی تفسیر جلد اوّل میں یوں لکھا ہے کہ:-

"آگسٹائن کہا کرتا تھا کہ یہودیوں نے ان اکابر کے حالات کے بیان میں جو طوفان سے قبل گذرے تھے، یا اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کے عہد تک ہوئے ہیں عبرانی نسخہ میں

---

[1] "اور طوفان کے بعد نوحؑ ساڑھے تین سو برس اور جیتا رہا" (پیدائش ۹: ۲۸)

تحریف کر ڈالی، اور یہ حرکت اس لئے کی کہ یونانی نسخہ کا اعتبار جاتا رہے، اور اس لئے بھی کہ مذہبِ عیسوی سے اُن کو سخت دشمنی تھی، اور معلوم ہوتا ہے کہ متقدمین عیسائی بھی ایسا ہی کہا کرتے تھے، اور اُن کا خیال یہ تھا کہ یہودیوں نے یہ تحریف توریت میں ۱۳۰ء میں کی ہے"

ہورن اپنی تفسیر کی جلد اوّل میں لکھتا ہے کہ:۔

"محقق ہیلز نے مضبوط دلائل سے سامری نسخہ کی صحت ثابت کی ہے، اس جگہ اُس کے دلائل کا خلاصہ بیان کرنا ممکن نہیں، جو صاحب چاہیں اس کی کتاب صفحہ ۸۰ سے آخر تک ملاحظہ فرمالیں، اور کنی کاٹ کہتا ہے کہ اگر ہم توریت کی نسبت سامریوں کے طور طریق کو اور اُن کی عادات کو نگاہ میں رکھیں، اور مسیح کی اُس وقت کی خاموشی کو پیشِ نظر رکھیں، جبکہ اُن کی گفتگو سامری عورت سے ہوئی تھی، اور اگر دوسری باتوں کو بھی سامنے رکھیں تو اُن سب کا تقاضا یہ ہے کہ یہودیوں نے جان بوجھ کر توریت میں تحریف کی، اور عہد عتیق اور جدید کے محققین کا یہ کہنا کہ سامریوں نے قصداً تحریف کی ہے بے بنیاد ہے"

سامری عورت[1] سے حضرت مسیح کی جس گفتگو کی طرف کنی کاٹ نے اشارہ کیا ہے... وہ انجیلِ یوحنا کے باب ۴ میں اس طرح مذکور ہے کہ:۔

"عورت نے اس سے کہا اے خداوند! مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تو نبی ہے، ہمارے باپ دادا

[1] پورا واقعہ یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام جب سامرہ تشریف لے گئے تو وہاں ایک کنوئیں پر ایک سامری عورت سے آپ نے پانی مانگا، سامری فرقہ کے بارے میں ہم پیچھے ص ۱۴۱ کے حاشیہ پر ذکر کر چکے ہیں کہ وہ یروشلم کے بجائے کوہ جرزیم پر عبادت کیا کرتے تھے، اور یہ فرقہ یہودیوں کے نزدیک اچھوت کی حیثیت رکھتا تھا، اس لئے عورت کو تعجب ہوا کہ ایک یہودی مجھ سے پانی کیوں مانگ رہا ہے؟ اس پر دونوں میں گفتگو ہوئی، اور بعض غیر معمولی چیزیں دیکھ کر عورت کو یقین ہو گیا کہ حضرت مسیح نبی ہیں اس لئے اس نے فوراً کوہ جرزیم کے بارے میں سوال کیا، ۱۲ تقی

نے اس پہاڑ پر (یعنی کوہِ جریزم) پر پرستش کی اور تم کہتے ہو کہ وہ جگہ جہاں پرستش کرنا چاہیے یروشلم ہے" (آیات ۱۹و۲۰)

یعنی جب اس عورت کو یہ پتہ چلا کہ عیسیٰ علیہ السلام نبی ہیں تو ان سے اس نے اس اہم مسئلہ کی تحقیق کی جو یہودیوں اور سامریوں کے درمیان سب سے بڑا اختلافی مسئلہ تھا، اور ہر فریق اس میں دوسرے پر تحریف کا الزام لگاتا تھا، تاکہ اپنا اہلِ حق ہونا ظاہر کرسکے، اب اگر اس موقع پر سامری تحریف کے مجرم ہوتے تو مسیح علیہ السلام کا فرض تھا کہ وہ اس سوال کے جواب میں اس معاملہ کی اصل حقیقت کو واضح کرتے، لیکن انھوں نے اس کے بجائے سکوت اختیار فرمایا، آپ کی یہ خاموشی سامری مسلک کے درست ہونے کی دلیل ہے،

غور فرمائیں کہ عیسائی حضرات کس صاف بیانی کے ساتھ تحریف کا اعتراف کر رہے ہیں اور سوائے اقرار کے ان کو کوئی چارۂ کار نظر نہیں آتا،

تیسرا شاہد ——— کوہ جریزم یا کوہ عیبال؟

کتاب الاستثناء باب ۲۷ آیت ۴ نسخہ عبرانی میں یوں کہا گیا ہے کہ:۔

"سو تم یردن کے پار ہو کر ان پتھروں کو جن کی بابت میں تم کو آج کے دن حکم دیتا ہوں، کوہِ عیبال پر نصب کر کے اُن پر چونے کی استر کاری کرنا"

اور یہ عبارت سامری نسخہ میں اس طرح ہے کہ:۔

"ان پتھروں کو جن کی بابت میں تم کو آج کے دن حکم دیتا ہوں کوہ جریزم پر نصب کرو"

اور عیبال و جریزم ایک دوسرے کے مقابل دو پہاڑ ہیں، جیسا کہ اسی باب کی آیت ۱۲و۱۳ اور اس کتاب کے باب ۱۱ آیت ۲۹ سے معلوم ہوتا ہے،

غرض عبرانی نسخہ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے کوہِ عیبال پر ہیکل یعنی مسجد کی تعمیر کا حکم دیا تھا، اور سامری نسخہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کوہِ جریزم پر بنانے کا حکم دیا تھا، یہودیوں اور سامریوں کے درمیان اگلوں میں بھی اور پچھلوں میں بھی یہ جھگڑا مشہور چلا آرہا ہے، ہر ایک فرقہ دوسرے پر توریت کی تحریف کا الزام عائد کرتا ہے، ایسا ہی اختلاف

اس موقع پر علماء پروٹسٹنٹ کے درمیان بھی موجود ہے، ان کا مشہور مفسر آدم کلارک اپنی تفسیر کی جلد اول، ص ۸۱۷ میں کہتا ہے کہ:-

"محقق کنی کاٹ سامری نسخہ کی صحت کا مدعی ہے، اور محقق پاری اور محقق درشیور دونوں عبرانی نسخہ کی صحت کے دعویدار ہیں، لیکن اکثر لوگوں کو اس بات کا علم ہے کہ کنی کاٹ کے دلائل لاجواب ہیں، اور لوگوں کو یقین ہے کہ یہودیوں نے سامریوں کی عداوت میں تحریف کا ارتکاب کیا ہے، اور یہ بات بھی سب کو تسلیم ہے کہ جرزیم میں بیشمار چشمے، باغات اور نباتات ہیں، اور کوہ عیبال ایک خشک پہاڑ ہے، جس میں ایک[1] بھی مذکورہ خوبی موجود نہیں ہے، ایسی شکل میں پہلا پہاڑ برکتوں کے سنانے کے لئے اور دوسرا لعنت کے لئے مناسب ہے"

اس سے معلوم ہوا کہ کنی کاٹ اور دوسرے لوگوں نے اسی کو ترجیح دی ہے کہ تحریف عبرانی نسخہ میں واقع ہوئی ہے، اور یہ کہ کنی کاٹ کے دلائل بہت وزنی ہیں،

چوتھا شاہد ______ ریوڑ یا چرواہے؟

کتاب پیدائش باب ۲۹ کی آیت میں ہے کہ:-

"اور اس نے دیکھا کہ (کھیت[2]) میں ایک کنواں ہے، اور کنویں کے نزدیک بھیڑ بکریوں کے تین ریوڑ بیٹھے ہیں، کیونکہ اسی کنویں سے بکریاں پانی پیتی تھیں[3]، اور کنویں کے منہ پر ایک بڑا پتھر دھرا رہتا تھا۔"

---

[1] چنانچہ استثناء ۱۱: ۲۹ میں تصریح ہے کہ "تو کوہ گرزیم پر سے برکت اور کوہ عیبال پر سے لعنت سُنانا"۔ ظاہر ہے کہ مسجد "برکت سنانے" کی جگہ پر بنائی جانی چاہئے، لعنت کی جگہ پر نہیں ۱۲

[2] یہ اصل عربی سے ترجمہ ہے، انگریزی ترجمہ کے الفاظ بھی یہی ہیں، مگر اردو ترجمہ میں "کھیت" کے بجائے "میدان" کا لفظ ہے۔

[3] یہ بھی عربی سے ترجمہ کیا گیا ہے، اردو ترجمہ میں الفاظ یہ ہیں "کیونکہ چرواہے اسی کنویں سے ریوڑوں کو پانی پلاتے تھے"، انگریزی میں "چرواہے" کی بجائے (وہ سب) کے الفاظ ہیں ۱۲ تقی

۱　اور آیت ۸ میں ہے کہ :-

"انھوں نے کہا ہم ایسا نہیں کرسکتے، جب تک کہ سب ریوڑ جمع نہ ہو جائیں"

اس میں آیت ۲ کے اندر "بکریوں کے تین ریوڑ" اور آیت ۸ میں "سب ریوڑ" کے الفاظ غلط ہیں، اُن کی جگہ "چرواہے" ہونا چاہئے، جیساکہ سامری اور یونانی نسخوں میں اور والٹن کے عربی ترجمہ میں موجود ہے،

مفسر ہارسلی اپنی تفسیر کی جلد اول ص ۴۷ میں آیت ۲ کے ذیل میں کہتا ہے کہ :-

"غالباً اس جگہ تین چرواہے کا لفظ تھا، دیکھئے کنی کاٹ کو"

پھر آیت ۸ کے ذیل میں کہتا ہے کہ :-

"اگر اس جگہ یہ الفاظ ہوتے کہ "یہاں تک کہ چرواہے اکٹھے ہو جائیں" تو بہتر ہوتا، دیکھئے سامری نسخہ اور یونانی نسخہ ـــــــ اور کنی کاٹ اور ہیوبی کینٹ کا عربی ترجمہ"

آدم کلارک اپنی تفسیر کی جلد اول میں کہتا ہے کہ :-

"ہیوبی کینٹ کو اس بات پر زبردست اصرار ہے کہ نسخۂ سامریہ صحیح ہے"

ہورن اپنی تفسیر کی جلد اول میں کنی کاٹ اور ہیوبی کینٹ کے قول کی تائید کرتے ہوئے کہتا ہے کہ :-

"کاتب کی غلطی سے بجائے لفظ "چرواہے" کے "بکریوں کے دو ریوڑ" لکھا گیا ہے"

سات سال یا تین سال ــــــ شاھد نمبر ۵

کتاب سموئیل ثانی باب ۲۴ آیت ۱۳ میں لفظ "سات سال" لکھا ہے، اور کتاب تواریخ اول باب ۲۱ آیت ۱۲ میں لفظ "تین سال" لکھا ہوا ہے، یقینی طور پر اُن میں سے ایک غلط ہے، آدم کلارک سموئیل کی عبارت کے ذیل میں کہتا ہے کہ :-

"کتاب تواریخ میں تین سال کا لفظ آیا ہے نہ کہ سات سال، اور یونانی نسخہ میں بھی تواریخ کی طرح تین سال لکھا ہے، یہی عبارت بلاشبہ درست و صحیح ہے"

ل اس اختلاف کی تفصیل پیچھے صفحہ ۵، ۶ پر ملاحظہ فرمائیے، ۱۲

بہن یا بیوی؟ ــــــــــ شاہد نمبر ۶

کتاب تواریخ اوّل باب ۹ آیت ۳۰ کے عبرانی نسخہ میں یوں لکھا ہے کہ :۔
جس کی بہن کا نام معکہ تھا، حالانکہ صحیح یہ ہے کہ لفظ "بہن" کی جگہ "بیوی" تھا "
آدم کلارک کہتا ہے کہ :۔
"عبرانی نسخہ میں لفظ "بہن" آیا ہے، اور سریانی، یونانی اور لاطینی نسخوں میں لفظ "بیوی" لکھا ہے، مترجموں نے انہی ترجموں کا اتباع کیا ہے "
اس موقع پر تمام پروٹسٹنٹ علماء نے عبرانی نسخہ کو چھوڑ کر مذکورہ ترجموں کی پیروی کی لہٰذا عبرانی نسخوں تحریف واقع ہونا اُن کے نزدیک بھی متعین ہے،

بیٹا باپ سے ۲ دو سال بڑا تھا ــــــــــ شاہد نمبر ۷

کتاب تواریخ ثانی باب ۲۲، آیت ۲ کے عبرانی نسخہ میں یوں لکھا ہے کہ :۔
"اخزیاہ بیالیس ۴۲ برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا"
یقینی طور پر یہ غلط ہے، اس لئے کہ اس کا باپ یہورام اپنی وفات کے وقت چالیس سال کا تھا[1]، اور وہ اپنے باپ کی وفات کے بعد بلا تاخیر تخت نشین ہو گیا تھا، اب اگر اس قول کو درست مان لیا جائے تو لازم آئے گا کہ وہ اپنے باپ سے ۲ دو سال بڑا ہو،
کتاب سلاطین ثانی باب ۸ آیت ۲۶ میں یوں ہے کہ :۔
"اخزیاہ بائیس برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا"
آدم کلارک اپنی تفسیر کی جلد ۲ میں کتاب تواریخ کی عبارت کے ذیل میں یوں کہتا ہے کہ :۔
"سریانی اور یونانی ترجموں میں بائیس ۲۲ سال کا لفظ ہے، اور بعض یونانی نسخوں میں بیس ۲۰ سال واقع ہوا ہے، غالب یہی ہے کہ عبرانی نسخہ اصل میں اسی طرح تھا، مگر وہ لوگ

[1] جیسا کہ ۲۔ توا۔ ۲۰: ۲۰ میں ہے کہ "وہ بتیس ۳۲ برس کا تھا، جب سلطنت کرنے لگا، اور اس نے آٹھ برس یروشلم میں سلطنت کی، اور وہ بغیر ماتم کے رخصت ہوا"، ۱۲ تقی

اعداد کو حروف کی شکل میں لکھنے کے عادی تھے، اس لئے کاتب کی غلطی سے کاف کی جگہ میم لکھا گیا"

پھر کہتا ہے کہ:-

"کتاب سلاطین ثانی کی عبارت صحیح ہے، دونوں عبارتوں میں مطابقت ممکن نہیں ہے ظاہر ہے کہ وہ عبارت کیونکر صحیح ہو سکتی ہے، جس سے بیٹے کا باپ سے ۲ دو سال عمر میں بڑا ہونا ظاہر ہوتا ہو"

ہورن کی تفسیر کی جلد ۱ میں اور ہنری و اسکاٹ کی تفسیر میں بھی اس امر کا اعتراف پایا جاتا ہے کہ یہ کاتبوں کی غلطی ہے،

اسرائیل یا یہوداہ ——— شاہد نمبر ۸

کتاب تواریخ ثانی باب ۲۸ آیت ۱۹ عبرانی نسخہ میں یوں کہا گیا ہے کہ:-

"خداوند نے شاہ اسرائیل آخز کے سبب سے یہوداہ کو پست کیا"

یقینی طور پر لفظ "اسرائیل" غلط ہے، کیونکہ یہ شخص یہوداہ کا پادشاہ تھا نہ کہ اسرائیل کا، جناب یونانی اور لاطینی نسخوں میں لفظ یہودا موجود ہے، اس لئے عبرانی نسخہ میں تحریف ثابت ہے،

پولس کے خط میں تحریف ——— شاہد نمبر ۹

زبور ۴۰ آیت ۶ میں ہے کہ:-

"تو نے میرے کان کھول دیئے ہیں"

پولس نے عبرانیوں کے نام خط کے باب ۱۰ آیت ۵ میں زبور کا یہ جملہ نقل کیا ہے، مگر اس میں اس کی جگہ یوں ہے کہ:-

"بلکہ میرے لئے ایک بدن تیار کیا"

اس لئے یقیناً ایک عبارت غلط اور محرّف ہے، مسیحی علماء حیران ہیں، ہنری و اسکاٹ کی تفسیر کے جامعین کہتے ہیں:-

۱ دیکھئے ۲۔ توا، ۲۸: ۱۹،

"یہ فرق کاتب کی غلطی سے ہوا، اور ایک ہی مطلب صحیح ہے"

غرض ان جامعین نے تحریف کا اعتراف کرلیا، لیکن وہ کسی ایک عبارت کی جانب تحریف کی نسبت کرنے میں توقف کرتے ہیں،

آدم کلارک اپنی تفسیر کی جلد ۳ زبور کی عبارت کے ذیل میں کہتا ہے کہ :-

"متن عبرانی جو مروّج ہے وہ محرّف ہے"

غرض تحریف کی نسبت زبور کی عبارت کی جانب کرتا ہے،

ڈی آئلی اور رچرڈمنٹ کی تفسیر میں یوں ہے کہ :-

"نہایت عجیب بات ہے کہ یونانی ترجمہ میں اور عبرانیوں کے نام خط کے باب ۱۰ آیت ۵ میں اُس فقرہ کی جگہ یہ فقرہ ہے: "میرے لئے ایک بدن تیار کیا"

یہ دونوں مفسّر تحریف کی نسبت انجیل کی جانب[1] کررہے ہیں،

زبور میں تحریف کی ایک اور مثال ـــــــ شاہد نمبر ۱۰

زبور نمبر ۱۰۵ عبرانی کی آیت ۲۸ میں یوں ہے کہ :-

"اُنھوں نے اس کی باتوں سے سرکشی نہیں کی"

اور یونانی نسخہ میں بھی یوں ہے کہ :-

"انھوں نے اس کے قول کے خلاف کیا"

پہلے نسخہ میں نفی ہے، اور دوسرے میں اثبات ہے، اس لئے یقیناً ایک غلط ہے، عیسائی علماء اس جگہ متحیّر ہیں، چنانچہ ہنری واسکاٹ کی تفسیر میں ہے کہ :-

"اس فرق کی وجہ سے بحث طویل ہوگئی، اور ظاہر یہی ہے کہ اس کا سبب کسی حرف کی زیادتی ہے یا کمی"

بہرحال اس تفسیر کے جامعین نے تحریف کا اقرار کرلیا، مگر اس کی تعیین پر وہ قادر نہیں ہیں،

---

[1] یعنی عبرانیوں کے نام خط کی جانب ۱۲ تقی

مردم شماری میں اختلاف اور آدم کلارک کا عمومی اعتراف تحریف

شاہد نمبر ١١

کتاب سموئیل ثانی باب ٢۴ آیت ٩ میں یوں کہا گیا ہے کہ:۔

"اسرائیل میں آٹھ لاکھ بہادر مرد نکلے، جو شمشیر زن تھے اور یہوداہ کے مرد پانچ لاکھ نکلے"

اور کتاب سلاطین اول باب[1] ٢١ آیت ۵ میں یوں ہے کہ:۔

"سب اسرائیلی گیارہ لاکھ شمشیر زن مرد تھے، اور یہوداہ کے چار لاکھ ستر ہزار شمشیر زن مرد تھے"

یقیناً ان میں سے ایک آیت تحریف شدہ ہے، آدم کلارک اپنی تفسیر کی جلد ٢ سموئیل کی عبارت کے ذیل میں کہتا ہے کہ:۔

"دونوں عبارتوں کا صحیح ہونا ناممکن ہے، اغلب یہی ہے کہ پہلی صحیح ہے، نیز عہد عتیق کی تاریخی کتابوں میں دوسرے مقامات کے لحاظ سے بکثرت تحریفات پائی جاتی ہے اوران میں تطبیق کی کوشش کرنا محض بے سود ہے، اور بہتر یہی ہے کہ اس بات کو شروع ہی میں مان لیا جائے جس کے انکار کی گنجائش نہ ہو، عہد عتیق کے مصنفین اگرچہ صاحب الہام تھے مگر ان سے نقل کرنے والے لوگ ایسے نہ تھے"

ملاحظہ کیجئے! یہ مفسر صاف تحریف کا اعتراف کر رہا ہے، لیکن وہ محرّف عبارات کی تعیین پر قادر نہیں ہے، اور یہ بھی اعتراف کرتا ہے کہ تاریخی کتابوں میں بڑی کثرت سے تحریفات پائی جاتی ہیں، اور انصاف پسندی سے کام لے کر کہتا ہے کہ سلامتی کی راہ یہی ہے کہ شروع ہی میں تحریف کو تسلیم کر لیا جائے،

ہارسلے کا کھلا اعتراف ــــــ شاہد نمبر ١٢

مفسر ہارسلے اپنی تفسیر کی جلد اول صفحہ ٢٩١ پر کتاب القضاۃ کے باب ١٢ آیت ۴ کے

[1] سب نسخوں میں کتاب سلاطین ہی کا حوالہ مذکور ہے، مگر یہ درست نہیں، صحیح کتاب تواریخ ہے کیونکہ یہ عبارت وہیں ہے ١٢

ذیل میں یوں کہتا ہے کہ :۔

"اُس میں شبہ نہیں ہے کہ یہ آیت محرّف ہے[۱]"۔

آرام یا ادوم ؟ ——— شاہد نمبر ۱۳

کتاب سموئیل ثانی باب ۱۵ آیت ۸ میں لفظ "آرام" استعمال ہوا ہے جو یقیناً غلط ہے، صحیح لفظ "ادوم" ہے، مفسر آدم کلارک نے پہلے تو یہ فیصلہ کیا کہ یہ یقیناً غلط ہے، پھر کہتا ہے کہ "اغلب یہ ہی کہ یہ کاتب کی غلطی ہے"

چار یا چالیس ؟ ——— شاہد نمبر ۱۴

اسی باب کی آیت ۷ میں ہے کہ :۔

"اور چالیس برس کے بعد یوں ہوا کہ ابی سلوم نے بادشاہ سے کہا"

اس میں لفظ "چالیس" یقیناً غلط ہی، صحیح لفظ "چار" ہے، آدم کلارک اپنی تفسیر کی جلد ۲ میں کہتا ہی کہ:

"اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ عبارت محرّف ہے"

پھر کہتا ہے کہ :۔

"اکثر علماء کی رائے یہی ہی کہ کاتب کی غلطی سے بجائے چار کے چالیس لکھا گیا ہے"

کنی کاٹ کا اعتراف ——— شاہد نمبر ۱۵

آدم کلارک اپنی تفسیر کی جلد ۲ میں کتاب سموئیل ثانی باب ۲۳ آیت ۸ کے ذیل میں یوں کہتا ہے کہ :۔

"کنی کاٹ کے نزدیک متنِ عبرانی کی اس آیت[۲] میں تین زبردست تحریفات کی گئی ہیں"

---

۱ قضاۃ، ۱۲: ۴ یہ ہے "تب افتاح سب جلعادیوں کو جمع کرکے افرائیمیوں سے لڑا اور جلعادیوں نے افرائیمیوں کو مار لیا کیونکہ وہ کہتے تھے کہ تم جلعادی افرائیم ہی کے بھگوڑے ہو جو افرائیمیوں اور منسیوں کے درمیان رہتے ہو" ۱۲

۲ اس کی عبارت پیچھے حاشیہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں ۱۲ ت

ملاحظہ فرمائیے، اس موقع پر تین عظیم الشان تحریفات کا اقرار کیا جا رہا ہے۔

شاہد نمبر ۱۶ —— کتاب تواریخ اول باب آیت ۶ میں یوں کہا گیا ہے کہ:-
"بنی بنیمین یہ ہیں: بالع اور بکر اور یدیعئیل یہ تینوں"

اور باب ۸ میں ہے کہ:-
"اور بنیمین سے اس کا پہلوٹھا بالع پیدا ہوا، دوسرا اشبیل، تیسرا اخرخ، چوتھا نوحہ، پانچواں رفا،"

اور کتاب پیدائش باب ۴۶ آیت ۲۱ میں ہے کہ:-
"بنی بنیمین یہ ہیں بالع اور بکر، اور اشبیل اور جیرا، اور نعمان اخی، اور روس، اور مفیم اور حفیم اور ارد۔"

دیکھئے ان تینوں عبارتوں میں دو طرح کا اختلاف ہے، اوّل ناموں میں، دوسرے تعداد میں، کیونکہ پہلی عبارت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بنیامین کے تین بیٹے ہیں، اور دوسری کہتی ہے کہ پانچ بیٹے ہیں، اور تیسری سے معلوم ہوتا ہے کہ دس ہیں، اور چونکہ پہلی اور دوسری عبارت ایک ہی کتاب کی ہے تو ایک ہی مصنف یعنی عزرا پیغمبر کے کلام میں تناقض لازم آ رہا ہے، بلاشبہ عیسائیوں کے نزدیک اُن میں سے ایک ہی عبارت صحیح ہوگی، اور دوسری دونوں غلط اور جھوٹی، علماءِ اہلِ کتاب اس سلسلہ میں سخت حیران ہیں، اور مجبور ہو کر انھوں نے عزرا پیغمبر کی طرف اس غلطی کی نسبت کر ڈالی، چنانچہ آدم کلارک پہلی عبارت کے ذیل میں کہتا ہے کہ:-

"اس جگہ اس طرح اس لئے لکھا گیا کہ مصنف کو بیٹے کی جگہ پوتے اور پوتے کی جگہ بیٹے میں امتیاز نہ ہو سکا، سچی بات تو یہ ہے کہ اس قسم کے اختلافات میں تطبیق دینا بیکار محض ہے، علماءِ یہود کہتے ہیں کہ عزرا پیغمبر جو اس کتاب کے کاتب ہیں اُن کو یہ پتہ نہیں تھا کہ اُن میں بعض بیٹے ہیں اور بعض پوتے، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ نسب کے اوراق جن سے عزرا نے نقل کیا ہے اُن میں سے اکثر ناقص تھے، اور ہمارے لئے ضروری ہے کہ اس قسم کے معاملات کو نظر انداز کریں۔"

ملاحظہ فرمائیے کہ تمام اہلِ کتاب خواہ یہودی ہوں یا عیسائی، کس طرح اقرار کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں، اُن کو یہ کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ عزرا پیغمبر نے جو کچھ لکھا ہے وہ غلط ہے، اور انھوں نے بیٹوں اور پوتوں میں تمیز نہ ہونے کی وجہ سے جو چاہا لکھ ڈالا، اور مفسّر جب تطبیق سے ناامید ہو گیا تو پہلے تو کہتا ہے کہ:-

"اس قسم کے اختلافات میں تطبیق دینے کا کوئی فائدہ نہیں ہے"

پھر دوبارہ کہتا ہے کہ:-

"ہمارے لئے ضروری ہے کہ اس قسم کے معاملات کو نظر انداز کر دیں"

آدم کلارک کے اعتراف سے حاصل ہونیوالے عظیم نتائج!

تمام اہلِ کتاب کا دعویٰ ہے کہ کتاب تواریخ اوّل و ثانی کو عزرا پیغمبر نے حجیؑ اور زکریاؑ پیغمبروں کی اعانت سے تصنیف کیا ہے، تو گویا ان دونوں کتابوں پر تینوں پیغمبر متفق ہیں، دوسری جانب تاریخی کتب اس امر کی شہادت دے رہی ہیں کہ عہد عتیق کی کتابوں کا حال بخت نصر کے حادثہ سے پہلے بدتر تھا، اور اس حادثہ کے بعد تو ان کا نام ہی نام رہ گیا تھا، اور اگر عزراؑ دوبارہ ان کتابوں کی تدوین نہ کرتے تو ان کے زمانہ میں یہ کتابیں موجود نہ ہوتیں، دوسرے زمانوں کا تو ذکر ہی کیا ہے،

اور یہ بات اہلِ کتاب کی اس کتاب میں تسلیم کی گئی ہے جو حضرت عزراؑ کی طرف منسوب[1] ہے، اگرچہ فرقہ پروٹسٹنٹ اس کو آسمانی کتاب نہیں مانتا، مگر اس اعتقاد کے باوجود اس کا رتبہ اُن کے نزدیک مؤرخین کی کتابوں سے بہر حال کم نہیں ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں کہ:-

"توریت جلادی گئی تھی، اور کوئی شخص بھی اس کا علم نہیں رکھتا تھا، اور کہا گیا ہے کہ عزراؑ نے روح القدس کی مدد سے اس کو دوبارہ جمع کیا"

[1] غالباً اس کتاب سے مراد ۲۔ آیسڈرلیس ۱۴: ۱۹، ۴۸ ہے، کیونکہ اسی میں یہ واقعات ذکر کئے گئے ہیں، واضح رہے کہ یہ کتاب موجودہ پروٹسٹنٹ بائبل میں موجود نہیں ہے، کیتھولک بائبل میں پائی جاتی ہے (دیکھئے حاشیہ ص ج ۱)

اور کلیمنس اسکندریانوس کہتا ہے کہ:۔

"آسمانی کتابیں سب ضائع ہوگئی تھیں، پھر عزرا کو الہام ہوا کہ وہ ان کو دوبارہ لکھے"۔

ٹرٹولین کہتا ہے کہ:۔

"مشہور یہی ہو کہ عزرا نے بابل والوں کی یروشلم پر غارتگری کے بعد تمام کتابیں لکھیں"۔

تھیو فلیکٹ کہتا ہے کہ:۔

"کتب مقدسہ بالکل ناپید ہو چکی تھیں، عزرا نے الہام کے ذریعہ اُن کو دوبارہ جنم دیا"۔

جان ملز کیتھولک اپنی کتاب مطبوعہ ڈربی ۱۸۴۳ء کے صفحہ ۱۱۵ میں یوں کہتا ہے کہ:۔

"اہل علم اس امر پر متفق ہیں کہ اصل توریت کا نسخہ اور اسی طرح عہد عتیق کی کتابوں کے اصل نسخے بخت نصر کے فوجیوں کے ہاتھوں ضائع ہوگئے، اور جب اُن کی صحیح نقلیں عزرا پیغمبر کے ذریعہ شائع ہوئیں وہ بھی نیتوکس کے حادثہ[1] میں ضائع ہوگئیں"۔

ان اقوال کے معلوم ہو جانے کے بعد اب ہم دوبارہ مفسر مذکور[2] کے کلام کی طرف رجوع کرتے ہیں، کہ اس سے سات کھلے نتائج سامنے آتے ہیں:۔

پہلا نتیجہ:۔

یہ مروجہ توریت ہرگز وہ توریت نہیں ہو سکتی جس کا الہام اولاً موسیٰ علیہ السلام کو ہوا تھا، پھر اس کے ضائع ہونے کے بعد جس کو دوبارہ عزرا نے الہام سے لکھا تھا، ورنہ عزرا پھر اس کی جانب رجوع کرتے، اور اس کی مخالفت نہ کرتے، اور اس کے مطابق اس کی نقل[3] کرتے، اور ان ناقص اوراق پر ہرگز بھروسہ نہ کرتے جن میں غلط اور صحیح کے درمیان وہ تمیز بھی نہ کر سکتے تھے، اگر عیسائی یہ کہیں کہ یہ وہی توریت ہے لیکن اُن ناقص نسخوں سے منقول ہے جو اُن کو دستیاب ہو سکے تھے مگر لکھتے وقت وہ اُن کے درمیان اس طرح امتیاز نہ کر سکے جس طرح ناقص اوراق میں اُن کو امتیاز نہ ہو سکا تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایسی

---

[1] ان حادثات کے تعارف کے لئے دیکھئے صفحہ ۳۲۶ کا حاشیہ ۱۲ [2] یعنی آدم کلارک،
[3] حالانکہ کتاب تواریخ میں کتاب پیدائش کی مخالفت کی گئی ہے، جو توراۃ کا ایک حصہ ہے ۱۲ ت

شکل میں توریت ہرگز اعتماد کے لائق نہیں رہتی، خواہ اس کے نقل کرنے والے حضرت عزرا علیہ السلام ہی کیوں نہ ہوں،

دوسرا نتیجہ

جب عزرا نے اس کتاب میں دو پیغمبروں کی شرکت و معاونت کے باوجود غلطی کی تو دوسری کتابوں میں بھی اُن سے غلطی واقع ہونا ممکن ہے تو پھر کوئی مضائقہ نہ ہونا چاہئے اگر کوئی شخص ان میں سے کسی کتاب کا انکار کردے، بالخصوص جبکہ وہ دلائل قطعیہ کے خلاف ہوں، یا بداہت سے ٹکراتی ہوں، مثلاً اس واقعہ کا انکار کردیا جائے جو کتاب پیدائش کے باب ۱۹ میں منقول ہے، کہ لوط علیہ السلام نے نعوذ باللہ اپنی دو بیٹیوں کے ساتھ زنا کیا تھا اور دونوں کو اپنے باپ کا حمل رہ گیا، اور اُن سے دو بیٹے پیدا ہوئے، جو موآبیوں اور عمانیوں کے جدِ امجد ہیں،

یا اُس واقعہ کا انکار کردیا جائے جو سفر سموئیل اوّل کے باب ۲۱ میں پایا جاتا ہے، کہ داؤد علیہ السلام نے اوریا کی بیوی سے زنا کیا تھا، اور وہ زنا سے حاملہ ہوگئی، پھر اس کے شوہر کو حیلہ سے قتل کرڈالا، اور اس میں تصرّف کیا،

یا اُس واقعہ کا انکار کرے جو کتاب سلاطین اوّل باب ۱۱ میں منقول ہے، کہ سلیمان علیہ السلام اپنی آخری عمر میں اپنی بیویوں کی ترغیب سے مرتد ہوگئے تھے، اور بت پرستی کرنے لگے تھے، اور اس کام کے لئے بُت خانے بھی تعمیر کرائے اور خدا کی نظر سے گرگئے

اور اس قسم کے دوسرے شرمناک اور دلدوز قصے جن سے انسانی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، اور ایمان والوں پر لرزہ طاری ہوجاتا ہے اور دلائل جن کی تردید کرتے ہیں،

تیسرا نتیجہ :-

یہ کہ جب کسی چیز میں تحریف واقع ہوگئی تو نہ تو یہ ضروری ہے کہ وہ تحریف بعد میں آنے والے پیغمبر کی کوشش سے جاتی رہے، اور نہ یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ محرّف مقامات کی ضرور ہی اطلاع کریں، نہ عادتِ الٰہیہ اس طرح جاری ہے[1]،

[1] لہٰذا عیسائی حضرات کو یہ کہنے کی گنجائش نہیں ہے کہ یہودیوں نے توریت میں جہاں تحریف کی تھی اسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے پیغمبروں کو مطلع فرمادیا اور ان کی کوششوں سے وہ درست ہوگئی، اس لئے کہ یہاں تو تحریف ابتک ... تقی ۱۲

چوتھا نتیجہ :-

علماء پروٹسٹنٹ کا دعویٰ ہے کہ حواری اور پیغمبر اگرچہ گناہوں اور خطاء بھول چوک، سے معصوم نہیں ہیں، لیکن بایں ہمہ وہ تبلیغ و تحریر میں معصوم ہیں، اس لئے جب وہ کسی حکم کی تبلیغ کریں یا لکھیں تو ایسی صورت میں وہ غلطی اور بھول چوک سے پاک ہیں،

ہم کہتے ہیں کہ اس دعویٰ کی کوئی اصل و بنیاد ان کی کتابوں میں نہیں ہے، ورنہ بتایا جائے کہ پھر عزرا، کی تحریر غلطی اور خطاء سے کیوں نہ بچ سکی؟ حالانکہ دو پیغمبر ان کے مددگار بھی تھے،

پانچواں نتیجہ :-

بعض اوقات بعض معاملات میں نبی کو الہام نہیں ہوتا، حالانکہ اس وقت الہام کی سخت ضرورت ہوتی ہے، چنانچہ عزرا کو الہام نہ ہوسکا، حالانکہ اس سلسلہ میں ان کو الہام کی سخت ضرورت تھی،

چھٹا نتیجہ :-

مسلمانوں کا یہ دعویٰ صحیح ثابت ہوگیا کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ جو کچھ ان کتابوں میں درج ہے وہ سب الہامی اور خدا کی طرف سے ہے کیونکہ غلط بات الہامی نہیں ہوسکتی نہ وہ خدا کی جانب سے ہوسکتی ہے اور یہ چیزیں اُن کتابوں میں موجود ہیں، جیسا کہ ابھی ابھی آپ کو معلوم ہوچکا ہے، اور گذشتہ شواہد میں بھی، اور انشاء اللہ آئندہ شہادتوں سے مزید معلوم ہوگا،

ساتواں نتیجہ :-

جب عزرا، علیہ السلام تحریر میں غلطی کرنے سے پاک نہیں ہیں تو پھر مرقس اور لوقا صاحب انجیل جو حواری نہیں ہیں وہ تحریر میں غلطی کرنے سے کیسے معصوم ہوسکتے ہیں؟ کیونکہ عزرا، اہل کتاب کے نزدیک صاحبِ الہام پیغمبر ہیں، اور دو صاحبِ الہام پیغمبر تحریر میں ان کے مددگار بھی تھے،

اس کے برعکس مرقس و لوقا دونوں صاحبِ الہام پیغمبر نہیں ہیں، بلکہ ہمارے نزدیک تومتی اور یوحنا کی پوزیشن بھی ایسی ہی ہے، (اگرچہ فرقہ پروٹسٹنٹ کے نزدیک وہ رسول

ہیں) اور ان چاروں کا کلام اغلاط و اختلافات سے لبریز ہے،

سترہواں شاہد

آدم کلارک اپنی تفسیر کی جلد ۲ کتاب تواریخ اوّل کے باب ۸ آیت ۲۹ کے ذیل میں یوں کہتا ہے کہ:-

"اس باب میں اس آیت سے آیت ۳۲ تک اور باب ۹ میں آیت ۳۵ سے آیت ۴۴ تک مختلف نام موجود ہیں[۱۵] اور علماءِ یہود کا بیان یہ ہے کہ عزراءؑ کو ایسی دو کتابیں دستیاب ہوئی تھیں جن میں یہ چند فقرے مع چند مختلف ناموں کے موجود تھے، لیکن عزراءؑ اس میں یہ امتیاز نہ کرسکے کہ ان ناموں میں کونسا ٹھیک اور بہتر ہے، اس لئے انھوں نے دونوں نقل کر دیئے"

اس معاملہ میں وہی بات کہی جاسکتی ہے جو گذشتہ شاہد میں عرض کی گئی ہے،

ابیاہ اور یُربعام کے لشکروں کی تعداد ــــــ شاہد نمبر ۱۸

کتاب تواریخ ثانی باب ۱۳ آیت ۳ میں ابیاہ کے لشکروں کی تعداد کے ذیل میں لفظ چار لاکھ اور یُربعام کے لشکر کی تعداد میں لفظ آٹھ لاکھ واقع ہوا ہے، اور آیت ۱۷ میں یُربعام کے لشکر کے مقتولین کی تعداد پانچ لاکھ بیان کی گئی ہے[۱۶]،

اور چونکہ ان بادشاہوں کی افواج کی یہ تعداد قیاس کے خلاف ہے، اس لئے اکثر لاطینی ترجموں میں پہلے مقام پر تعداد گھٹاکر چالیس ہزار اور دوسری جگہ اسّی ہزار، اور تیسری جگہ پچاس ہزار کر دی گئی ہے، اور مفسرین حضرات اس تغیر پر راضی ہوگئے، چنانچہ ہورن اپنی تفسیر کی جلد اوّل میں یوں کہتا ہے کہ:-

اغلب یہ ہے کہ ان نسخوں (یعنی لاطینی ترجموں) میں بیان کردہ تعداد صحیح ہے"

اسی طرح آدم کلارک اپنی تفسیر کی جلد ۲ میں کہتا ہے کہ:-

---

[۱۵] یہ نام پیچھے گذر چکے ہیں، ملاحظہ صفحہ ۳۱ کا حاشیہ،

[۱۶] پوری عبارت کے لئے دیکھئے صفحہ ۲۵۳ جلد اول،

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ چھوٹا عدد (یعنی جو لاطینی نسخوں میں پایا جاتا ہے) بہت ہی صحیح ہے، اور ہم کو ان تاریخی کتابوں کے اعداد میں بکثرت تحریف واقع ہونے پر زبردست فریاد کا موقع ہاتھ آ گیا"

دیکھئے یہ مفسر اس جگہ تحریف کا اقرار کرنے کے بعد اعداد میں کثرت سے تحریفات واقع ہونے کی تصریح کر رہا ہے۔

سلطنت کے وقت یہویاکین کی عمر ——— شاہد نمبر ۱۹

کتاب تواریخ ثانی باب ۳۶ آیت ۹ میں یوں کہا گیا ہے کہ:۔

"یہویاکین آٹھ برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا"

اس میں لفظ "آٹھ برس" غلط ہے، اور کتاب سلاطین ثانی باب ۲۴ کی آیت ۸ کے خلاف ہے

"اور یہویاکین جب سلطنت کرنے لگا تو وہ اٹھارہ برس کا تھا"

آدم کلارک اپنی تفسیر کی جلد ۲ کتاب سلاطین کی آیت کے ذیل میں کہتا ہے کہ:۔

"کتاب تواریخ ثانی کے باب ۳۶ آیت ۹ میں لفظ آٹھ استعمال ہوا ہے، جو یقیناً غلط ہے، اس لئے کہ اس کی حکومت صرف تین ماہ رہی، پھر قید ہو کر بابل چلا گیا، اور قید خانہ میں اس کے ساتھ اس کی بیویاں بھی تھیں، اب غالب یہی ہے کہ آٹھ یا نو برس کے بچے کی بیویاں نہیں ہو سکتیں، اس قدر کم عمر بچہ کی نسبت یہ کہنا بھی دشوار ہے کہ اس نے وہ فعل کیا ہے جو خدا کے نزدیک قبیح ہو، لہٰذا کتاب کا یہ مقام تحریف شدہ ہے"

شاہد نمبر ۲۰ بعض نسخوں کے مطابق زبور ۲۱ آیت ۱۷ میں اور بعض کے مطابق زبور ۲۲ کی آیت ۱۶ میں یہ جملہ عبرانی نسخہ میں استعمال ہوا ہے:۔

"اور میرے دونوں ہاتھ شیر کی طرح ہیں"

مگر کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کے عیسائی اپنے ترجموں میں اس کو یوں نقل کرتے ہیں کہ:۔

"وہ میرے ہاتھ اور میرے پاؤں چھیدتے ہیں"

اس موقع پر پھر سب لوگ عبرانی نسخہ میں تحریف واقع ہونے کا اعتراف کرتے ہیں:۔

شاہد نمبر ۲۱

آدم کلارک اپنی تفسیر کی جلد ۴ میں کتاب اشعیاء کے باب ۶۴ آیت ۲[1] کی تفسیر کے ذیل میں یوں کہتا ہے کہ:

"اس جگہ عبرانی متن میں بے شمار تحریف کی گئی ہے، اور صحیح یوں ہونا چاہئے "جس طرح موم آگ میں پگھل جاتا ہے"

جنت یا خدا؟ ——— شاہد نمبر ۲۲

اس باب کی آیت ۴ میں ہے کہ:-

"کیونکہ ابتدا ہی سے نہ کسی نے سنا نہ کسی کے کان تک پہنچا اور نہ آنکھوں نے تیرے سوا ایسے خدا کو دیکھا جو اپنے انتظار کرنے والے کے لئے کچھ کر دکھائے"

لیکن پولس نے کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب ۲ آیت ۹ میں اس آیت کو اس طرح نقل کیا ہے:-

"بلکہ جیسا لکھا ہے ویسا ہی ہوا کہ جو چیزیں نہ آنکھوں نے دیکھیں اور نہ کانوں نے سنیں نہ آدمی کے دل میں آئیں وہ سب خدا نے اپنے محبت رکھنے والوں کے لئے تیار کر دیں"

غور کیجئے کہ دونوں میں کس قدر فرق[2] ہے؟ اس لئے یقیناً ایک میں ضرور تحریف ہوئی ہے، ہنری واسکاٹ کی تفسیر میں یوں لکھا ہے کہ:-

"بہترین رائے یہی ہے کہ عبرانی نقل میں تحریف کی گئی ہے"

آدم کلارک نے اشعیاء علیہ السلام کی عبارت کے ذیل میں بہت سے اقوال نقل کئے ہیں اور ان پر جرح و تردید کی ہے، پھر کہا ہے کہ:-

"میں حیران ہوں کہ ان مشکلات میں سوائے اس کے اور کیا کروں کہ ناظرین کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار دوں کہ خواہ یہ مان لیں کہ اس موقع پر یہودیوں نے عبرانی متن

---

[1] "جس طرح آگ سوکھی ڈالیوں کو جلاتی ہے اور پانی آگ سے جوش مارتا ہے تاکہ تیرا نام تیرے مخالفوں میں مشہور ہو اور قومیں تیرے حضور میں لرزاں ہوں" (یسعیاہ، ۶۴: ۲)

[2] پہلی عبارت میں اللہ تعالیٰ کو خطاب ہے اور ان کے حق میں یہ کہا گیا ہے کہ انھیں نہ تو کسی نے دیکھا اور نہ سنا اور دوسری عبارت میں جنت کی نعمتوں کا تذکرہ ہے کہ انھیں آج تک چشم تصور بھی نہ دیکھ سکی" ۱۲ تقی

اور یونانی ترجمہ میں ارادۃً تحریف کی ہے، جیسے کہ عہدِ عتیق سے عہد جدید میں نقل کئے جانے والے دوسرے مقامات میں تحریف کا قوی احتمال ہے" (آدم ون کی کتاب کو فصل نمبر ۶ سے فصل نمبر ۹ تک یونانی ترجمہ کی نسبت ملاحظہ کیجئے)۔

یا یہ مان لیا جائے کہ پولس نے اس کتاب سے نقل نہیں کیا ہے، بلکہ کسی ایک یا کئی جعلی کتابوں سے مثلاً کتاب معراج اشعیاء علیہ السلام اور مشاہدات ایلیاہ سے جن میں یہ فقرہ موجود ہے نقل کیا ہو کیونکہ کچھ لوگوں کا گمان ہے کہ حواری نے جعلی کتابوں سے نقل کیا ہے، غالباً عام لوگ پہلے احتمال کو آسانی سے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں گے، اس لئے ہم ناظرین کی اطلاع کے لئے ہوشیار کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ جیروم نے دوسرے احتمال کو الحاد اور بددینی سے زیادہ بدتر قرار دیا ہے"

شاہد نمبر ۲۳ تا ۲۸

ہورن اپنی تفسیر کی جلد ۲ میں کہتا ہے کہ:-

"معلوم ہوتا ہے کہ عبرانی متن میں مفصلہ ذیل فقروں میں تحریف کی گئی ہے:-

۱۔ ملاکی کے باب ۳ آیت ۱،
۲۔ کتاب میکاہ کے باب ۵ آیت ۲،
۳۔ زبور نمبر ۱۶ کی آیت ۸ تا ۱۱،
۴۔ کتاب عاموص باب ۹ آیت ۱۱ و ۱۲،
۵۔ زبور نمبر ۴۰ آیت ۶ تا ۸،
۶۔ زبور ۱۱۰ آیت ۴

دیکھئے عیسائی محققین ان مقامات پر ان آیات میں تحریف کا اقرار کر رہے ہیں، پہلی جگہ میں اقرار کی صورت یہ ہے کہ اس کو متی نے اپنی انجیل کے باب ۱۱ آیت ۱۰ میں نقل کیا ہے، اور اس کی نقل ملاکی کے کلام کے مخالف ہے، جو عبرانی متن میں اور دوسرے ترجموں میں منقول ہے، دو وجہ سے، اوّل اس لئے کہ متی کی عبارت یہ ہے:-

---

ل موجودہ اردو ترجمہ میں یہ عبارت ۴۰:۱ کے بجائے ۲:۷ پر موجود ہے: ہم عرض کر چکے ہیں کہ زبوروں کی ترتیب میں کافی گڑبڑ واقع ہوئی ہے ۱۲ ۲ کتاب ملاکی کی عبارت یہ ہے: "دیکھو میں اپنے رسول کو بھیجوں گا اور وہ میرے آگے راہ درست کرے گا" (۳:۱) اور متی میں اُسے یوں نقل کیا ہے: "دیکھ میں اپنا پیغمبر تیرے آگے بھیجتا ہوں جو تیری راہ تیرے آگے تیار کرے گا" (۱۱:۱۰)،

"دیکھ! میں اپنا پیغمبر... تیرے آگے بھیجتا ہوں"

جس میں لفظ "تیرے آگے" زائد ہے، جو ملاکی کے کلام میں موجود نہیں ہے، دوسرے اس لئے کہ اس کی منقولہ عبارت میں تو یہ ہے کہ "جو تیری راہ تیرے آگے تیار کرے گا" اس کے برعکس ملاکی کے کلام میں یوں ہے کہ:

"وہ میرے آگے راہ درست کرے گا"

ہورن حاشیہ میں کہتا ہے کہ:۔

"اس اختلاف کی وجہ آسانی سے نہیں بتائی جا سکتی، سوائے اس کے کہ پرانے نسخوں میں کچھ تحریف واقع ہو گئی ہے"

دوسرے مقام کو بھی متی نے اپنی انجیل کے باب ۲ آیت ۶ میں نقل کیا ہے، حالانکہ دونوں میں اختلاف موجود ہے[1]،

تیسرے مقام کو لوقا نے کتاب اعمال الحواریین کے باب ۲ آیت ۲۵ تا ۲۸ میں نقل کیا ہے، اور دونوں میں سخت اختلاف ہے[2]،

چوتھے مقام کو لوقا نے کتاب اعمال الحواریین کے باب ۱۵ آیت ۱۶ اور ۱۷ میں نقل کیا ہے، حالانکہ دونوں میں اختلاف ہے[3]،

پانچویں مقام کو پولس نے عبرانیوں کے نام آیت ۵ تا ۷ میں نقل کیا ہے[4]، حالانکہ دونوں مختلف ہیں،

اور چھٹے مقام کا حال ہم پر پورے طور پر واضح نہیں ہو سکا[5]، مگر چونکہ ہورن عیسائیوں

---

[1] ان دونوں عبارتوں اور ان کے درمیان اختلاف دیکھنے کے لئے ملاحظہ فرمائیے ص ۲۵۸ اور اس کا حاشیہ۔

[2] یہ اختلاف پیچھے ص ۴۰۹ پر گذر چکا ہے ۱۲ [3] اس کی تفصیل ص ۴۰۷ پر دیکھئے ۱۲

[4] یہ بھی ص ۴۰۷ پر گذر چکا ہے ۱۲ [5] یہ زبور ۱۱۰: ۴ کی عبارت ہے جس میں یہوواہ کے ملک کو خطاب ہے: "خداوند نے قسم کھائی ہے کہ تو ملک صدق کے طور پر ابد تک کاہن ہے" یہ عبارت عبرانیوں ۵: ۶ و ۷: ۱۷ و ۷: ۲۱ پر نقل کی گئی ہے، مگر دونوں میں بظاہر کوئی فرق نہیں، اس لئے ہمیں ہورن کے کہنے کی بنیاد معلوم نہیں ہو سکی ۱۲

کے نزدیک معتبر اور محقق عالم شمار ہوتا ہے، اس لئے اس کا اقرار عیسائیوں کے خلاف پورے طور پر حجت ہوگا،

شاہد نمبر ۲۹ کتاب الخروج اصل عبرانی متن کے باب ۲۱ آیت ۸ میں باندی کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے نفی[1] کا لفظ استعمال ہوا ہے، اور حاشیہ کی عبارت میں اثبات کا لفظ ہے،

شاہد نمبر ۳۰ کتاب الاحبار کے باب ۱۱ آیت[2] ۲۱ میں اُن پرندوں کے حکم کے بیان میں جو کہ زمین پر چلتے ہیں عبرانی متن میں نفی پائی جاتی ہے اور حاشیہ کی عبارت میں اثبات ہے،

شاہد نمبر ۳۱ کتاب الاحبار کے باب ۲۵ آیت[3] ۳۰ میں متن کے اندر مکان کے حکم میں نفی موجود ہے، اور حاشیہ کی عبارت میں اثبات ہے،

علماء پروٹسٹنٹ نے ان تینوں مقامات میں اپنے ترجموں میں اثبات ہی کو اختیار کیا ہے، اور حاشیہ ہی کی عبارت کو ترجیح دی ہے، اصل متن کو بالکل چھوڑ دیا ہے، گویا اُن کے نزدیک اصل متن میں ان تین مقامات پر تحریف کی گئی ہے،

نیز ان عبارتوں میں تحریف واقع ہوجانے کی وجہ سے وہ تین احکام جو اس میں درج ہیں ان میں اشتباہ پیدا ہوگیا، اور یقینی طور پر یہ بات معلوم نہ ہوسکی کہ وہ حکم جو نفی سے حاصل ہو رہا ہے وہ صحیح ہے یا وہ حکم درست ہے جو اثبات سے حاصل ہوا، اور یہ امر بھی متحقق ہوگیا کہ عیسائیوں کا یہ دعویٰ بالکل غلط ہے کہ کتب سماویہ میں اگر کہیں تحریف ہوتی ہے تو اس

---

[1] اگر اس کا آقا جس نے اس سے نسبت کی ہے اس سے خوش نہ ہو تو وہ اس کا فدیہ منظور کرے، پھر اُسے اختیار نہ ہوگا کہ اس کو کسی اجنبی قوم کے ہاتھ بیچے الخ

[2] مگر پردار رینگنے والے جانوروں میں سے جو چار پاؤں کے بل چلتے ہیں تم ان جانوروں کو کھا سکتے ہو جن کے زمین کے اوپر کودنے پھاندنے کو پاؤں کے اوپر ٹانگیں ہوتی ہیں" (۱۱: ۲۱)

[3] "اور اگر وہ یعنی مکان پورے ایک سال کی میعاد کے اندر چھڑایا نہ جائے تو اس فصیل دار شہر کے مکان پر خریدار کا نسل در نسل دائمی قبضہ ہوجائے اور وہ سال یوبلی میں بھی نہ چھوٹے" (۲۵: ۳۰)

سے احکام پر اثر نہیں پڑتا،

شاہد نمبر ۳۲ کتاب الاعمال کے باب۲۰ آیت ۲۸ میں یوں کہا گیا ہے کہ :۔
"تاکہ خدا کے کلیسا کی گلہ بانی کرو جسے اس نے خاص اپنے خون مول لیا"

کریباخ کہتا ہے کہ لفظ "خدا" غلط ہے، صحیح لفظ "رب" ہے، یعنی اس کے نزدیک اس لفظ میں تحریف کی گئی ہے، تیمتھیس کے نام پہلے خط کے باب۳ آیت ۱۶ میں یوں کہا گیا ہے کہ :۔
"خدا جسم میں ظاہر ہوا" کریباخ کہتا ہے کہ لفظ اللہ غلط ہے، صحیح لفظ ضمیر غائب یعنی "وہ" ہے[۱]،

شاہد نمبر ۳۳ کتاب مکاشفہ باب۸ آیت ۱۳ میں یوں کہا گیا ہے کہ :۔
"پھر میں نے ایک فرشتہ اڑتا ہوا دیکھا"، کریباخ کہتا ہے کہ "فرشتہ[۲]" غلط ہے، صحیح لفظ "عقاب" ہے،

شاہد نمبر ۳۴ افسیون کے نام خط کے باب۵ آیت ۲۱ میں یوں ہے کہ :۔
"خدا[۳] کے خوف سے ایک دوسرے کے تابع رہو"، کریباخ اور شولز... کہتے ہیں کہ لفظ "اللہ" غلط ہے، صحیح لفظ "مسیح" ہے،

طوالت کے اندیشہ سے "مقصد اول" کے شواہد کے بیان میں اس مقدار پر ہم اکتفاء کرتے ہیں ؏

۱؎ چنانچہ موجودہ اردو ترجمہ میں "وہ" ہی کا لفظ لکھ دیا گیا ہے، قدیم انگریزی ترجمہ VERSION KING JAMES مطبوعہ ۱۶۱۱ء میں "خدا" ہی کا لفظ ہے، مگر جدید ترجمہ مطبوعہ ۱۹۶۱ء میں "وہ جو" کر دیا گیا ہے

۲؎ یہاں بھی قدیم انگریزی ترجمہ میں فرشتہ ANGEL کا لفظ ہے اور اردو ترجمہ نیز جدید انگریزی ترجمہ میں اسے "عقاب" EAGLE بنا دیا گیا ہے ۱۲

۳؎ اس جگہ بھی قدیم انگریزی ترجمہ میں خدا GOD لکھا ہوا ہے، مگر اب اردو اور جدید انگریزی ترجموں میں اسے "مسیح" CHRIST سے بدل دیا گیا ہے ۱۲ تقی

مقصدِ دوم

"تحریفِ لفظی" الفاظ کی زیادتی کی شکل میں:

شاہد نمبر ۱

یہ بات بھی سمجھ لینا ضروری ہے کہ ۳۲۴ء تک عیسائی دنیا میں عہد عتیق کی حسب ذیل آٹھ کتابیں ناپسندیدہ اور غیر مقبول رہی ہیں

۱۔ کتاب آستیر، ۲۔ کتاب باروک، ۳۔ کتاب یہودیت، ۴۔ کتاب طوبیا، ۵۔ کتاب دانش، ۶۔ کتاب پند کلیسا، ۷۔ مکابیین کی پہلی کتاب، ۸۔ مکابیین کی دوسری کتاب

پھر ۳۲۵ء میں شہنشاہ قسطنطین کے حکم سے شہر نائس میں مسیحی علماء کی ایک زبردست کانفرنس ہوئی، تاکہ مشکوک کتابوں کی تحقیق اور ان کی نسبت مشورہ کریں، مشورہ اور تحقیق کے بعد اس کمیٹی نے بالاتفاق یہ فیصلہ کیا کہ کتاب یہودیت واجب التسلیم ہے، اور باقی کتابوں کو بدستور مشکوک ہی باقی رکھا گیا، اس کی تحقیق اس مقدمہ سے جو جیروم نے اس کتاب پر لکھا ہے اچھی طرح ہوسکتی ہے،

اس کے بعد ۳۶۴ء میں دوبارہ اسی قسم کا اجلاس شہر لوڈیشیا میں منعقد ہوا، اس کمیٹی نے کتاب یہودیت کی نسبت گذشتہ کمیٹی کے فیصلہ کو برقرار رکھتے ہوئے اس پر یہ اضافہ کیا کہ ان کتابوں میں سے کتاب آستیر بھی واجب التسلیم ہے، اور اپنے فیصلہ کو عام اعلان کے ذریعہ پختہ کردیا،

پھر ۳۹۷ء میں ایک تیسری کانفرنس کارتھیج میں منعقد ہوئی، اس اجلاس میں اپنے وقت کے بڑے اور مشہور علما جن کی تعداد ایک سو ستائیس تھی شریک ہوئے، ان شرکا میں مشہور فاضل اور عیسائی طبقہ کا ہر دلعزیز شخص آگسٹائن بھی تھا، اس مجلس نے گذشتہ دونوں کمیٹیوں کے فیصلہ کو تسلیم کرتے ہوئے باقی کتابوں کو بھی تسلیم کرلیا، البتہ ان لوگوں نے کتاب باروک کو کتاب آرمیا کا جُزو قرار دیا، کیونکہ بارو خ، ارمیاء کے نائب کی حیثیت رکھتے تھے، اس لئے انھوں نے کتابوں کی فہرست میں کتاب بارو ک کا نام مستقل طور پر علیحدہ نہیں رکھا،

اس کے بعد تین کانفرنسیں اور بھی ہوئیں، یعنی ٹرلو کانفرنس اور ٹرنٹ کانفرنس، اور فلورنس کانفرنس، ان تینوں کمیٹیوں کے شرکاء نے گذشتہ تینوں کمیٹیوں کے فیصلوں پر مہر تصدیق ثبت کی، اس کے عرصہ دراز کے بعد یہ مردود کتابیں ان مجالس کے فیصلوں کے تحت عیسائی دنیا میں تسلیم شدہ بن گئیں، اور ۱۲۰۰ء تک اُن کو تسلیم کیا جاتا رہا،

پھر ایک بار انقلاب آتا ہے، یعنی پروٹسٹنٹ کے ظہور کے بعد انھوں نے اپنے اسلاف اور اکابر کے فیصلے کتاب باروک اور کتاب طوبیا، کتاب یہودیت، کتاب دانش، اور کتاب پندکلیسا اور مکابیوں[1] کی دونوں کتابوں کی نسبت قطعی رد کردیئے، اور دعویٰ کیا کہ یہ کتابیں الہامی طور پر قابل تسلیم نہیں ہیں، بلکہ واجب الرد ہیں، یہی نہیں، بلکہ پچھلوں کے فیصلہ کو کتاب آستر کے ایک جزو کی نسبت بھی رد کردیا، اور صرف ایک جزو کو تسلیم کیا، اس طور پر کہ اس کتاب کے ۱۶ ابواب میں سے اوّل کے ۹ ابواب اور باب ۱۰ کی تین آیتیں تسلیم کی گئیں، اور اس باب کی دس آیات اور باقی ۶ ابواب کو رد کردیا گیا، اور اپنے اس دعوے پر چند وجوہ سے استدلال کیا، مثلاً :-

۱- یوسی بیس مؤرخ نے کتاب رابع کے باب ۲۲ میں تصریح کی ہے کہ:

"ان کتابوں میں تحریف کی گئی ہے بالخصوص مکابیوں کی دوسری کتاب میں"

۲- دوسرے یہودی بھی ان کتابوں کو الہامی نہیں مانتے، اور رومی گرجا والے جس کے

---

[1] یعنی رومن کیتھولک فرقہ ۱۲

ماننے والے فرقہ پروٹسٹنٹ کے لوگوں سے کہیں زیادہ ہیں، ان کتابوں کو آج تک تسلیم کرتے آرہے ہیں، اور ان کو الہامی وواجب التسلیم خیال کرتے ہیں، اور یہ کتابیں اُن کے لاطینی ترجمہ میں داخل ہیں جو اُن کے یہاں بہت ہی معتبر شمار کیا جاتا ہے، اور اُن کے دین اور دیانت کی بنیاد مانا جاتا ہے،

اس بنیادی نکتہ کو سمجھ لینے کے بعد اب ہم گذارش کرتے ہیں کہ فرقہ پروٹسٹنٹ اور یہودیوں کے نزدیک اس سے بڑھکر اور کیا تحریف ہوسکتی ہے کہ جو کتابیں ۳۲۴ سال تک مردود رہیں اور محرّف اور غیر الہامی مانی جاتی رہیں، ان کو عیسائیوں کے اکابر نے ایک نہیں بلکہ متعدد مجالس میں واجب التسلیم مان لیا، اور الہامی کتابوں میں شامل کرلیا، اور ہزاروں عیسائی علماء نے ان کی حقانیت اور سچائی پر اتفاق بھی کرلیا، نہ صرف یہ بلکہ رومی گرجا آجتک ان کے الہامی ہونے پر اصرار کئے جارہا ہے،

اس سے معلوم ہوا کہ ان کے اسلاف کے اجماع کا کوئی بھی اعتبار نہیں ہے اور مخالف کے مقابلہ میں یہ اجماع کمزور سی دلیل بھی نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ کوئی قوی دلیل بنے، پھر اگر ایسا زبردست اجماع ان غیر الہامی اور محرّف کتابوں کی نسبت ہونا ممکن ہی تو ہوسکتا ہے کہ اس قسم کا اجماع ان لوگوں نے چاروں محرّف اور غیر الہامی مروجہ انجیلوں کی نسبت بھی کرلیا ہو،

کیا یہ چیز مخفی ہوسکتی ہے کہ یہی اکابر واسلاف یونانی نسخہ کی صحت پر متفق تھے اور عبرانی نسخہ کی تحریف کا اعتقاد رکھتے تھے، اور یہ دعویٰ کرتے تھے کہ یہودیوں نے سنہ ۱۳۰ء میں عبرانی نسخہ میں تحریف کرڈالی تھی، جیسا کہ آپ کو مقصد نمبر ایک کے شاہد نمبر ۲ میں معلوم ہوچکا ہے[1]، اور یونانی اور مشرقی گرجے آج تک اس کی صحت پر متفق ہیں، اور ان کا اعتقاد بھی اپنے اسلاف کی طرح ہے،

مگر فرقہ پروٹسٹنٹ کے تمام علماء نے ثابت کیا ہے کہ ان کے اسلاف کا اجماع اور اُن کے ماننے والوں کا اختلاف غلط ہے اور بات کو بالکل اُلٹا کردیا، اور عبرانی نسخہ کے

---

[1] دیکھئے صفحہ ۶۲۲۔

بارے میں انھوں نے وہ بات کہی جو اُن کے اسلاف نے یونانی نسخہ کے بارے میں کہی تھی،
اسی طرح رومی گرجانے لاطینی ترجمہ کی صحت پر اتفاق کیا ہے، اور اس کے خلاف اور اس کے برعکس پروٹسٹنٹ کے لوگوں نے نہ صرف اس کا محرّف ہونا ثابت کیا ہے، بلکہ ان کے نزدیک کسی ترجمہ میں ایسی تحریف کی مثال نہیں ملتی، ہورن اپنی تفسیر کی جلد ۴ نسخہ مطبوعہ ۱۸۲۲ء ص ۴۶۳ میں کہتا ہے کہ:۔

"اس ترجمہ میں پانچویں صدی سے پندرہویں صدی تک بے شمار تحریفیں اور بکثرت الحاقات کئے گئے ہیں"

پھر صفحہ ۴۶۷ پر کہتا ہے:۔

"یہ بات تمہارے خیال میں ضرور رہنی چاہئے کہ دنیا میں لاطینی ترجمہ کی طرح کسی ترجمہ میں بھی تحریف نہیں کی گئی ہے، اور اس کے ناقلوں نے نہایت بیباکی کے ساتھ عہد جدید کی ایک کتاب کے فقروں کو دوسری کتاب میں داخل کر دیا، اسی طرح حواشی کی عبارتوں کو متن میں شامل کر دیا"

پھر جب ان کا معاملہ اپنے مقبول اور ہر دلعزیز اور بے انتہا مروّج ترجمہ کے ساتھ اس قسم کا ہے تو اُن سے یہ امید کیونکر کی جا سکتی ہے کہ انھوں نے اس اصلی متن میں تحریف نہ کی ہو گی، جو اُن کے یہاں مروّج نہیں ہے، بلکہ ظاہر یہ ہے کہ جن لوگوں نے ترجمہ میں تحریف کی جرأت کی ہے انھوں نے اصل کی تحریف میں بھی سبقت کی ہو گی، تاکہ یہ حرکت اُن کی قوم کی نگاہوں میں اُن کی پردہ پوش بن سکے،

تعجب تو پروٹسٹنٹ حضرات پر ہے کہ جب انھوں نے ان سب کتابوں کا انکار کیا تھا تو کتاب آستیر کے ایک جزو کو کس لئے باقی رکھا، اور سرے سے اس کا انکار کیوں نہیں کیا، کیونکہ اس کتاب میں شروع سے اخیر تک ایک جگہ بھی خدا کا نام نہیں آیا، اس کی صفات اور اس کے احکام کا تو کیا ذکر پھر اس کے مصنف کا حال بھی معلوم نہیں ہے، عہدِ عتیق کے شارحین کسی ایک شخص کی جانب یقین کے ساتھ اس کو منسوب بھی نہیں کرتے، بلکہ محض اندازہ اور تخمینہ سے اٹکل پچو نسبت کرتے ہیں، چنانچہ بعض لوگوں نے

اس کو عبادت خانہ کے اُن علماء کی جانب منسوب کیا ہے جو عزرا علیہ السلام کے زمانہ سے سیمن کے عہد تک ہوئے ہیں، فلو یہودی نے اس کو یہویاکین کی جانب منسوب کیا ہے اور بابل سے اسیروں کی رہائی کے بعد آیا تھا، آگسٹائن اس کو براہِ راست عزرا علیہ السلام کی طرف منسوب کرتا ہے، کچھ لوگوں نے اس کی نسبت مرد کی طرف کی ہے، اور بعض نے اس کی اور استیر کی جانب کی ہے، کیتھولک ہیرلڈ جلد ۲ صفحہ ۳۴۷ میں ہے کہ:۔

"فاضل میلیٹو نے مسلمہ کتابوں کے ناموں میں اس کتاب کا نام نہیں لکھا جس کی تصریح یوسی بیس نے تاریخ کلیسا کے کتاب ۴ باب ۲۶ میں کی ہے، گریگوری نازین زن نے اپنے اشعار میں صحیح کتابوں کو ضبط کیا ہے جس میں اس کا نام نہیں ہے، ایمفی لوکیس نے اپنے اشعار میں جو اس نے سلیوکس کو لکھے تھے اس کتاب کا شبہ ظاہر کیا ہے، اتھاناشیس اپنے خط نمبر ۳۹ میں اس کتاب کا رد کرتا ہوا برائی کرتا ہے"

شاہد نمبر ۲

کتاب پیدائش باب ۳۶ آیت ۳۰ میں یوں کہا گیا ہے کہ:۔

"یہی وہ بادشاہ ہیں کہ جو ملک ادوم پر پیشتر اس سے کہ اسرائیل کا کوئی بادشاہ ہو مسلط تھے"

اس آیت کا موسیٰ علیہ السلام کا کلام ہونا ممکن نہیں ہے، اس لئے کہ یہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ یہ بات کہنے والا اس دور کا کوئی اور شخص ہے،[1] جب کہ بنی اسرائیل کی سلطنت قائم ہو چکی تھی، اور اُن کا پہلا بادشاہ ساؤل[2] ہوا ہے، جو موسیٰ علیہ السلام سے ۳۵۶ سال بعد گذرا ہے، آدم کلارک اپنی تفسیر کی جلد اوّل میں اس آیت کے ذیل میں یہ کہتا ہے کہ:۔

"میرا غالب گمان یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے یہ آیت نہیں لکھی ہے، اور نہ وہ آیت

---

[1] کیونکہ "پیشتر اس سے کہ کوئی اسرائیل کا بادشاہ ہو" کے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ لکھنے والا بنی اسرائیل کے بادشاہوں کے دور کا ہے،

[2] یہ وہی ساؤل ہے جسے قرآن کریم میں طالوت کہا گیا ہے ۱۲

جو اس کے بعد آیت ۳۹ تک ہیں، بلکہ یہ آیات درحقیقت کتاب تواریخ اوّل کے پہلے باب کی ہیں، اور قوی گمان جو یقین کے قریب ہو یہ ہے کہ یہ آیات توریت کے صحیح نسخہ کے حاشیہ پر لکھی ہوئی تھیں، ناقل نے اس کو متن کا جزء سمجھ کر متن میں شامل کر دیا۔"

غرض اس مفسر نے یہ اعتراف کرلیا کہ یہ نَو آیات الحاقی ہیں، اور اس کے اس اعتراف کی بناء پر یہ بات لازم آگئی ہے کہ اُن کی کتابوں میں تحریف کی صلاحیت تھی، کیونکہ یہ نَو آیات باوجود اس کے کہ توریت کی نہ تھیں اس میں داخل ہو کر تمام نسخوں میں پھیل گئیں،

شاہد نمبر ۳

کتاب استثناء کے باب ۳ آیت ۱۴ میں ہے کہ:۔

"اور منسّی کے بیٹے یائیر نے جسوریوں اور معکاتیوں کی سرحد تک اور جوب کے سارے ملک کو لے لیا، اور اپنے نام پر بسن کے شہروں کو حوّوت یائیر (یعنی یائیر کی بستیاں) کا نام دیا جو آج تک چلا آتا ہے"۔

یہ بھی موسیٰ علیہ السلام کا کلام نہیں ہوسکتا، کیونکہ یہ بات کہنے والا لازمی ہے کہ یائیر سے کافی پیچھے گذرا ہو، جیسا کہ اس کے بعد لفظ "آج تک" اس کی غمازی کرتا ہے، اس لئے کہ اس قسم کے الفاظ عیسائی محققین کی تحقیق کی بناء پر زمانۂ بعید ہی میں استعمال کئے جاسکتے ہیں،

مشہور فاضل ہورن ان دونوں فقروں کے بارے میں جن کو میں نے شاہد نمبر ۲ و ۳ میں نقل کیا ہے، اپنی تفسیر کی جلد اوّل میں کہتا ہے کہ:۔

"ان دونوں فقروں کے لئے ممکن نہیں ہے کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کا کلام ہو، کیونکہ پہلا فقرہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اس کتاب کا مصنف اُس دور کے بعد ہوا ہے، جبکہ بنی اسرائیل کی سلطنت قائم ہوچکی تھی، اسی طرح دوسرا فقرہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا مصنف فلسطین میں یہودیوں کے قیام کرنے کے بعد گذرا ہے، لیکن اگر ہم ان دونوں آیتوں کو الحاقی تسلیم کرلیں تب بھی کتاب کی سچائی میں کوئی نقص واقع نہ ہوگا، اور جو شخص بھی گہری نظر سے دیکھے گا وہ سمجھ لیگا کہ یہ دونوں فقرے بے فائدہ نہیں ہیں، بلکہ متنِ کتاب پر درزنی اور بھاری ہیں، بالخصوص دوسرا فقرہ، کیونکہ خواہ اس کا مصنف موسیٰ علیہ السلام ہوں، یا کوئی

دوسرا شخص، بہرحال وہ "آج تک" نہیں کہہ سکتا، اس لئے غالب یہی ہے کہ کتاب میں صرف یہ عبارت تھی: "منسّی کے بیٹے یائیر نے جسوریوں اور معکاہیوں کی سرحد تک ارجوب کے سارے ملک کو لے لیا، اور بسن نے اس کے نام پر اسے حوّوت یائیر کا نام دیا"، پھر کچھ صدیوں بعد یہ الفاظ حاشیہ میں بڑھا دیئے گئے، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اس خطہ کا نام جو اس وقت تک رکھا گیا تھا وہی آج بھی ہے، پھر آئندہ نسخوں میں یہ عبارت حاشیہ سے منتقل ہو گئی، اگر کسی کو شک ہو تو اس کو یونانی نسخہ دیکھنا چاہئے، اس میں یہ ثبوت مل جائے گا کہ جو الحاقی عبارتیں بعض نسخوں کے متن میں موجود ہیں، یہ دوسرے نسخوں کے حاشیہ پر پائی جاتی ہیں"

بہرحال اس محقق فاضل نے یہ اعتراف کر لیا کہ یہ دونوں فقرے موسیٰ علیہ السلام کا کلام نہیں ہو سکتے، اس کا یہ کہنا کہ "غالب یہ ہے" اس امر پر دلالت کر رہا ہے کہ اس کے پاس سوائے اپنے زعم کے اس دعوے کی کوئی سند نہیں ہے، اور یہ کہ اس کتاب میں اپنی تالیف کے چند صدیوں بعد تحریف کرنے والوں کے لئے تحریف کی گنجائش اور صلاحیت تھی، اس لئے کہ اس کے قول کے مطابق ان الفاظ کا اضافہ کئی صدیوں بعد کیا گیا ہے، اس کے باوجود وہ کتاب کا جزء ہو گئے، اور آئندہ تمام نسخوں میں شائع ہو گئے، باقی اس کا یہ کہنا کہ "اگر ہم ان دونوں فقروں کو الحاقی ہی مان لیں الخ" کھلے طور پر تعصب پر دلالت کرتا ہے، ہنری واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین دوسرے فقرہ کے ذیل میں یوں کہتے ہیں کہ:-

"آخری جملہ الحاقی ہے جس کو موسیٰ علیہ السلام کے بعد کسی نے شامل کیا ہے، اور اگر اس کو چھوڑ دیا جائے تو بھی مضمون میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی"

ہم کہتے ہیں کہ آخری فقرہ کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں ہے، کیونکہ دوسرا فقرہ پورا ناممکن ہے، کہ "موسیٰ علیہ السلام کا کلام ہو سکے"، جس کا اعتراف ہورن بھی کرتا ہے،

ایک اہم بات

دوسرے فقرہ میں ایک اور بھی چیز باقی ہے کہ یائیر منسّی کا بیٹا ہرگز نہیں ہے، بلکہ وہ شجوب کا بیٹا ہے، جس کی تصریح کتاب تواریخ اول باب ۲ آیت ۲۲ میں موجود[1] ہے،

[1] "اور شجوب سے یائیر پیدا ہوا" (۱- توا ۲/۲۲)۔

یائیر کی بستیاں شاہد نمبر ۴،

کتاب گنتی باب ۳۲ آیت ۴۰ میں ہے کہ:-
"اور منسی کے بیٹے یائیر نے اس نواح کی بستیوں کو جا کر لے لیا اور ان کا نام حووت یائیر رکھا۔"

اس آیت کی پوزیشن کتاب استثناء کی آیت جیسی ہے جو شاہد نمبر ۳ میں آپ کو معلوم ہو چکی ہے، ڈکشنری بائبل جو امریکہ اور انگلینڈ اور انڈیا میں چھپی ہے، جس کی تالیف کا آغاز کالمنٹ نے اور تکمیل زابٹ اور ٹیلر نے کی، اس میں یوں ہے کہ:-

"بعض جملے جو موسیٰ علیہ السلام کی کتاب میں پائے جاتے ہیں وہ صاف اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ ان کا کلام نہیں ہے، مثلاً کتاب گنتی کے باب ۳۲ آیت ۴۰ اور کتاب استثناء کے باب ۲ کی آیت ۱۴ اور اسی طرح اس کتاب کی بعض عبارتیں موسیٰ علیہ السلام کے کلام کے محاورات کے مطابق نہیں ہیں، اور ہم یقین کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ جملے اور یہ عبارتیں کس شخص نے شامل کی ہیں، البتہ ظن غالب کے طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ عزرا علیہ السلام نے ان کو شامل کیا ہے، جیسا کہ اُن کی کتاب کے باب ۹ آیت ۱۰ سے پتہ چلتا ہے، اور کتاب نحمیاہ کے باب ۸ سے معلوم ہوتا ہے۔"

غور کیجئے کہ ان علماء کو اس بات کا یقین ہے کہ بعض جملے اور عبارتیں موسیٰ علیہ السلام کا کلام نہیں ہیں، البتہ یہ لوگ متعین طور پر یہ نہیں بتا سکتے کہ ان کو کس نے شامل کیا ہے، محض گمان کے درجہ میں عزرا علیہ السلام کی جانب الحاق کو منسوب کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ گمان محض بیکار ہے، گذشتہ ابواب سے یہ بات ظاہر نہیں ہوتی کہ عزرا علیہ السلام نے کوئی جز و بھی توریت میں شامل کیا ہے، اس لئے کہ کتاب عزرا سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے بنی اسرائیل کے افعال پر افسوس اور خطاؤں[۱] کا اعتراف کیا ہے، اور کتاب نحمیاہ سے پتہ چلتا ہے کہ عزرا علیہ السلام نے اُن کے سامنے توریت[۲] پڑھی ہے،

خداوند کا پہاڑ شاہد نمبر ۵،

کتاب پیدائش باب ۲۲ آیت ۱۴ میں یوں ہے کہ:-
"چنانچہ آج تک یہ کہاوت ہے کہ خداوند کے پہاڑ پر مہیا کیا جائے گا۔"

[۱] دیکھئے کتاب عزرا باب ۹، [۲] دیکھئے کتاب نحمیاہ باب ۸،

حالانکہ اس[1] پہاڑ پر "خداوند کے پہاڑ" کا اطلاق اس ہیکل کی تعمیر کے بعد ہی ہوا ہے جس کو سلیمانؑ نے موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے ۴۵۰ سال بعد بنایا تھا، آدم کلارک نے کتاب عزرا کی تفسیر کے دیباچہ میں فیصلہ کر دیا ہے کہ یہ جملہ الحاقی ہے، پھر کہتا ہے کہ:-

"اس پہاڑ پر اس نام کا اطلاق ہیکل کی تعمیر سے پہلے قطعی نہیں ہوا"

شاہد نمبر ۶

کتاب استثناء کے باب ۲ آیت ۱۲ میں کہا گیا ہے کہ:-

"اور پہلے شعیر میں حوری قوم کے لوگ بسے ہوئے تھے، لیکن بنی عیسو نے ان کو نکال دیا، اور ان کو اپنے سامنے سے نیست و نابود کر کے آپ اُن کی جگہ بس گئے جیسے اسرائیل نے اپنی میراث کے ملک میں کیا، جسے خداوند نے اُن کو دیا"

آدم کلارک نے کتاب عزرا کے دیباچہ کی تفسیر میں فیصلہ کیا ہے کہ یہ آیت الحاقی ہے اور اس قول کو کہ "جیسے بنی اسرائیل نے اپنی میراث کے ملک میں کیا" الحاق کی دلیل قرار دیا ہے،

شاہد نمبر ۷

کتاب استثناء باب ۳ آیت ۱۱ میں اس طرح ہے کہ:-

"کیونکہ رفائیم کی نسل میں سے فقط بسن کا بادشاہ عوج باقی رہا تھا اس کا پلنگ لوہے کا بنا ہوا تھا، اور وہ بنی عمون کے شہر ربہ میں موجود ہے، اور آدمی کے ہاتھ کے ناپ کے مطابق ۹ ہاتھ لمبا اور چار ہاتھ چوڑا ہے"

آدم کلارک کتاب عزرا کی تفسیر کے دیباچہ میں کہتا ہے کہ:

"یہ گفتگو بالخصوص آخری عبارت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ یہ آیت اس بادشاہ کی وفات کے عرصہ دراز بعد لکھی گئی ہے، موسیٰ علیہ السلام نے نہیں لکھی، کیونکہ اس کی وفات پانچ ماہ میں ہو گئی تھی"

شاہد نمبر ۸

کتاب گنتی باب ۲۱ آیت میں یوں ہے کہ:-

"اور خداوند نے اسرائیل کی فریاد سنی، اور کنعانیوں کو ان کے حوالہ کر دیا اور انھوں نے ان کو اور ان کے شہروں کو نیست کر دیا، چنانچہ اس جگہ کا نام بھی حرمہ پڑ گیا"

[1] یہ اس پہاڑ کا ذکر ہے جس پر بائبل کی روایت کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے صاحبزادے حضرت اسحاق علیہ السلام کو قربان کرنے کے لئے لے گئے تھے ۱۲ تقی

آدم کلارک اپنی تفسیر کی جلد اول صفحہ ۶۹۷ میں کہتا ہے کہ :۔

"میں خوب جانتا ہوں کہ یہ آیت یوشعؑ کی وفات کے بعد شامل کی گئی ہے، کیونکہ تمام کنعانی موسیٰؑ کے عہد میں ہلاک نہیں ہوئے، بلکہ اُن کی وفات کے بعد ہلاک ہوئے"

شاہد نمبر ۹

کتاب خروج کے باب ۱۶ آیت ۳۵ میں یوں کہا گیا ہے کہ :۔

"اور بنی اسرائیل جب تک آباد ملک میں نہ آئے، یعنی چالیس برس تک مَن[1] کھاتے رہے، الغرض جب تک وہ ملکِ کنعان کی حدود تک نہ آئے مَن کھاتے رہے"

یہ آیت بھی موسیٰ علیہ السلام کا کلام نہیں ہوسکتی، کیونکہ خدا نے بنی اسرائیل سے مَن کو موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں بند نہیں کیا، اور وہ اس عرصہ میں کنعان کی سرزمین میں داخل نہیں ہوئے،

آدم کلارک اپنی تفسیر کی جلد ص ۳۹۹ میں کہتا ہے کہ :۔

"لوگوں نے اس آیت سے یہ سمجھا کہ سفر خروج بنی اسرائیل کے مَن سے محروم کردئیے جانے کے بعد لکھی گئی ہے، مگر یہ بات ممکن ہے کہ ان الفاظ کو عزراؑ نے آیت میں شامل کر دیا ہو"

ہم کہتے ہیں کہ لوگوں کا یہ گمان قطعی صحیح ہے، اور مفسر کا یہ احتمال جو بے دلیل ہے اس قسم کے مواقع پر قابلِ قبول نہیں ہے، اور صحیح بات یہی ہے کہ وہ پانچ کتابیں جو موسیٰ علیہ السلام کی جانب منسوب ہیں درحقیقت اُن کی تصنیف نہیں ہیں، جیسا کہ اس دعویٰ کو باب ۱ میں دلائل سے ثابت کیا گیا ہے،

خداوند کا جنگ نامہ
شاہد نمبر ۱۰

کتاب گنتی باب ۲۱ آیت ۱۴ میں یوں لکھا ہے کہ :۔

"اسی لئے خداوند کے جنگ نامہ میں کہا جاتا ہے کہ جس طرح اس نے بحر سوف میں کیا تھا اسی طرح ارنون کی وادیوں میں کریگا[2]"

---

[1] "مَن" سے مراد وہ آسمانی غذا ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے بنی اسرائیل پر اتاری گئی تھی، جس کا ذکر قرآن نے بھی فرمایا ہے، وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى یعنی مفسرین کا کہنا یہ ہے کہ یہ ترنجبین کا پھل ہے ۱۲

[2] یہ عربی سے ترجمہ ہے، موجودہ ترجمہ اردو کی عبارت یہ ہے "اسی سبب سے خداوند کے جنگ ناموں میں یوں لکھا ہے "واہیب جو سوفہ میں ہے اور ارنون کے نالے" اور انگریزی ترجمہ کی عبارت ان دونوں کے خلاف اور نامکمل ہے یعنی "جو کچھ اس نے بحر احمر اور ارنون کے نالوں میں کیا"، اس مبتدا کی خبر غائب ہے ۱۲

یہ آیت بھی موسیٰ علیہ السلام کا کلام نہیں ہوسکتی، بلکہ اس بات پر دلالت کرتی ہی کہ وہ کتاب گنتی کے مصنف نہیں ہیں، کیونکہ اس مصنف نے اس مقام پر خداوند کے جنگ نامہ کا حوالہ دیا ہے، اور آج تک یقین کے ساتھ پتہ نہیں چل سکا کہ اس کتاب کا مصنف کون ہے؟ کس زمانہ میں تھا؟ کس ملک کا تھا؟ اور یہ صحیفہ اہل کتاب کے نزدیک عنقا، کی سی پوزیشن رکھتا ہے، جس کا نام تو ساری دنیا سے سُنا لیکن دیکھا کسی نے بھی نہیں، اور نہ وہ اُن کے پاس موجود ہے،

آدم کلارک نے کتاب پیدائش کی تفسیر کے دیباچہ میں فیصلہ کیا ہے کہ یہ آیت الحاقی ہے، پھر کہتا ہے کہ :۔

"غالب یہ ہی کہ خدا کی لڑائیوں کا صحیفہ حاشیہ میں تھا، پھر متن میں داخل ہوگیا"

دیکھئے! کیسا اعتراف ہی کہ ہماری کتابیں اس قسم کی تحریفات کی صلاحیت رکھتی تھیں کیونکہ اس کے اقرار کے مطابق حاشیہ کی عبارت متن میں داخل ہو کر تمام نسخوں میں شائع ہوگئی.

حبرون اور دان
شاہد نمبر ۱۱

کتاب پیدائش کے باب ۱۳ آیت ۱۸ اور باب ۳۵، آیت ۲۷ اور باب ۳۷ آیت ۱۴ میں لفظ حبرون استعمال ہوا ہے، جو ایک بستی کا نام ہے، گذشتہ دَور میں اس بستی کا نام قریت اربع تھا، اور بنی اسرائیل نے یوشع علیہ السلام کے زمانہ میں فلسطین کو فتح کرنے کے بعد اس نام کے بجائے حبرون رکھ دیا تھا، جس کی تصریح کتاب یوشع باب ۱۴ میں موجود ہے[1]، اس لئے یہ آیتیں موسیٰ علیہ السلام کا کلام نہیں ہوسکتیں، بلکہ ایک ایسے شخص کا کلام ہیں جو اس فتح اور نام کی تبدیلی کے بعد گذرا ہے،

اسی طرح کتاب پیدائش باب ۱۴ آیت ۱۴ میں لفظ دان استعمال کیا گیا ہے، یہ وہ بستی ہے جو قاضیوں کے عہد[2] میں آباد ہوئی تھی، کیونکہ بنی اسرائیل نے یوشع کی وفات کے بعد قاضیوں کے دَور میں شہر لیس کو فتح کر کے وہاں کے باشندوں کو قتل کر دیا اور اس شہر

---

[1] "اور اگلے وقت میں حبرون کا نام قریت اربع تھا" (یشوع ۱۴: ۱۴)،
[2] "قاضیوں کے عہد سے کیا مراد ہے؟ اس کی تشریح ص ۳۰۷ کے حاشیہ پر ملے گی ۱۲

کو جلا دیا تھا اور اس کی جگہ پر ایک نیا شہر آباد کیا تھا جس کا نام دآن تھا، جس کی تصریح کتاب القضاۃ باب ۱۸ میں موجود ہے[1]، اس لئے یہ آیت بھی موسیٰؑ کا کلام نہیں ہو سکتی
ہورن اپنی تفسیر میں کہتا ہے کہ:۔

"ممکن ہو کہ موسیٰ علیہ السلام نے رائیع اور لیس کی بستی لکھا ہو اور کسی ناقل نے ان دونوں الفاظوں کو حبرون اور دآن سے تبدیل کر دیا ہو"

ناظرین ملاحظہ فرمائیں کہ یہ بڑے بڑے عقل کے پتلے کیسے کیسے کمزور اور بودے اعذار سے سہارا پکڑ رہے ہیں، اور کس صفائی سے تحریف کو تسلیم کر رہے ہیں، اور کس سہولت سے اُن کو یہ ماننا پڑا کہ اُن کی کتابوں میں تحریف کی صلاحیت ہے،

شاہد نمبر ۱۲

کتاب پیدائش باب ۱۳ آیت ۷ میں یوں کہا گیا ہے کہ:۔

"اور کنعانی اور فرزی[2] اس وقت ملک میں رہتے تھے"

اور کتاب پیدائش باب ۱۲ آیت ۶ میں یہ جملہ یوں ہے کہ:۔

"اس وقت ملک میں کنعانی رہتے تھے"

یہ دونوں جملے اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ دونوں آیتیں موسیٰ علیہ السلام کا کلام نہیں ہو سکتیں، عیسائی مفسرین بھی اُن کا الحاق ہونا مانتے ہیں،
ہنری و اسکاٹ کی تفسیر میں　　ہے کہ:۔

"یہ جملہ کہ 'اس وقت ملک میں کنعانی رہتے تھے' اور اسی طرح کے دوسرے جملے ربط کی وجہ سے شامل کر دیئے گئے ہیں جن کو عزرا علیہ السلام نے یا کسی دوسرے الہامی شخص نے کسی وقت میں تمام کتبِ مقدسہ میں شامل کر دیا ہے"

دیکھئے اس میں اقرار کیا جا رہا ہے کہ بہت سے جملوں کا الحاق کیا گیا ہے، اُن کی یہ بات کہ

---

[1] اس شہر کا نام اپنے باپ دآن کے نام پر جو اسرائیل کی اولاد تھا دآن ہی رکھا، لیکن پہلے اس شہر کا نام لیس تھا (قضاۃ ۱۸: ۲۹)

[2] تمام نسخوں میں ایسا ہی ہے، مگر بائبل کے ترجموں میں "فرزی" ہے ۱۲

"عزراء یا کسی دوسرے الہامی شخص نے ان کو شامل کیا ہے" ماننے کے لائق نہیں ہے، اس لئے کہ اس دعوے کی اُن کے پاس ظن کے سوا کوئی دلیل نہیں ہے،

استثناء کی پہلی پانچ آیتیں
شاھد نمبر ۱۳

آدم کلارک سفر استثناء باب ۱ کی تفسیر جلد ۱ صفحہ ۷۴۹ میں کہتا ہے کہ :-

اُس باب کی پہلی پانچ آیات باقی کتاب کے لئے مقدمہ کی حیثیت رکھتی ہیں، جو موسیٰ علیہ السلام کا کلام نہیں ہیں[ل]، غالب یہی ہے کہ یوشعؑ یا عزراءؑ نے اُن کو شامل کیا ہے "

اس میں پانچ آیات کے الحاقی ہونے کا اعتراف موجود ہے، اور محض اپنے گمان کی بنا پر بغیر کسی دلیل کے یوشعؑ یا عزراءؑ کی جانب نسبت کی جارہی ہے، حالانکہ محض قیاس کافی نہیں ہوسکتا،

استثناء کا باب ۳۴ الحاقی ہے
شاھد نمبر ۱۴

کتاب استثناء کا باب ۳۴ موسیٰ علیہ السلام کا کلام نہیں[ب] ہے، چنانچہ آدم کلارک اپنی تفسیر کی جلد ۱ میں کہتا ہے کہ :-

" پھر موسیٰؑ کا کلام گذشتہ باب پر ختم ہوگیا ہے، اور یہ باب ان کا کلام نہیں ہے، اور یہ بات ممکن نہیں ہے کہ موسیٰؑ نے اس باب کو بھی الہام سے لکھا ہو، کیونکہ یہ احتمال سچائی اور صحت سے بعید ہے، اور تمام مقصود کو فوت کرنے والا ہے، اس لئے کہ روح القدس نے جب اگلی کتاب کا الہام کسی شخص کو کیا تو اسی شخص کو اس باب کا الہام بھی کیا ہوگا.

[ل] ان کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے کہ " یہ وہی باتیں ہیں جو موسیٰؑ نے یردن کے اس پار بیابان میں یعنی اُس میدان میں جو سوف کے مقابل اور فاران اور توفل اور لابن اور حصیرات اور دیزہب کے درمیان ہے سب اسرائیلیوں سے کہیں" (۱:۱) ظاہر ہے کہ یہ کسی اور کا کلام ہے ۱۲

[ب] اس باب میں حضرت موسیٰؑ کی وفات کا حال اور ان کی قبر کا محلِ وقوع اور حضرت یوشعؑ کا انکی نیابت کرنا بیان کیا گیا ہے، اور اس میں ایک آیت یہ بھی ہے: " اور اس وقت سے اب تک بنی اسرائیل میں کوئی نبی موسیٰؑ کے مانند جس سے خدا نے روبرو باتیں کیں نہیں اٹھا" (۳۴: ۱۰) ۱۲

مجھ کو اس کا یقین ہے کہ یہ باب کتاب یوشع کا باب اول تھا، اور وہ حاشیہ جو کسی ہوشیار یہودی عالم نے اس مقام پر لکھا تھا وہ پسندیدہ تھا، کہتا ہے کہ اکثر مفسرین کا قول ہے کہ کتاب استثناء اس الہامی دعاء پر ختم ہو جاتی ہے، جو موسیٰ علیہ السلام نے بارہ خاندانوں کے لئے کی تھی، یعنی اس فقرہ پر کہ: "مبارک ہے تو اے اسرائیل! تو خداوند کی بچائی ہوئی قوم ہے، سو کون تیری مانند ہے، اور اس باب کو ستر مشائخ نے موسیٰ کی وفات کے عرصہ کے بعد لکھا تھا: اور یہ باب کتاب یوشع کا سب سے پہلا باب تھا، مگر وہ اُس مقام سے اِس جگہ منتقل کر دیا گیا۔"

غرض یہود بھی اور عیسائی بھی دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ یہ باب موسیٰ علیہ السلام کا کلام نہیں ہے، بلکہ الحاقی ہے، اور یہ بات جو کہی گئی ہے کہ "مجھ کو اس کا یقین ہے کہ یہ باب یوشع کی کتاب کا پہلا باب تھا"، یا یہودیوں کا یہ کہنا کہ "اس کو ستر مشائخ نے لکھا ہے"، محض بے دلیل ہے، اور بے سند ہے، اس لئے ہنری و اسکاٹ کی تفسیر کے جامعین نے کہا ہے کہ:-

"پھر موسیٰ علیہ السلام کا کلام گذشتہ باب پر ختم ہو گیا یہ باب الحاقی ہے، اور شامل کرنے والا یا یوشع ہے یا سموئیل یا عزرا یا اور کوئی بعد کا پیغمبر ہے، جو یقین کے ساتھ معلوم نہیں ہے، غالباً آخری آیتیں اس زمانہ کے بعد شامل کی گئی ہیں، جبکہ بنی اسرائیل کو بابل کی قید سے آزادی حاصل ہوئی۔"

اسی طرح کی بات ڈی آئلی اور رچرڈ مینٹ کی تفسیروں میں بھی ہے، اب آپ اُن کے اس ارشاد کو ملاحظہ کیجئے کہ "الحاق کرنے والا یا یوشع ہے الخ" کس طرح شک کا اظہار کیا جا رہا ہے، اور یقین کا انکار اور ان کے قول میں اور یہودیوں کے کلام میں کس قدر بیّن تفاوت ہے، اور یہ کہنا کہ "یا کسی بعد کے پیغمبر نے شامل کیا ہوگا" یہ بھی بلا دلیل ہے، یہ بات خوب اچھی طرح سے سمجھ لینا چاہیئے کہ ہم نے جن آیات کی نسبت یہ کہا ہے کہ یہ تحریف بالزوائد کے شواہد ہیں، اس کی بنیاد اس پر ہے کہ اہل کتاب کے اس دعوے کو مان لیا گیا تھا کہ یہ پانچوں مروجہ کتابیں موسیٰ کی تصنیف ہیں، ورنہ پھر تو یہ آیات اس

امر کی دلیل ہوں گی کہ یہ کتابیں موسیٰؑ کی تصنیف نہیں ہیں، اور ان کی نسبت موسیٰؑ کی جانب غلط ہے، چنانچہ علماءِ اسلام کا نظریہ بھی یہی ہے،

شاہد نمبر ۹ میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ اہلِ کتاب کے کچھ لوگوں نے بھی ان میں سے بعض آیات کی بناء پر ہماری ہمنوائی کی ہے، علماءِ پروٹسٹنٹ کا یہ دعویٰ کہ ان آیتوں اور جملوں اور الفاظ کو کسی پیغمبر نے شامل کیا ہے، اس وقت تک شنوائی کے لائق نہیں ہے جب تک وہ اس پر کوئی دلیل اور کوئی ایسی سند نہ پیش کریں جو اس شامل کرنے والے معین نبی تک براہِ راست پہونچتی ہو، ظاہر ہے کہ یہ چیز اُن کو قیامت تک میسّر نہیں آسکتی،

شاہد نمبر ۱۵ آدم کلارک اپنی تفسیر جلد صفحہ ۷۷۹ وصفحہ ۷۸۰، کتاب استثناء کے باب ۱۰ کی شرح کرتے ہوئے کنی کاٹ کی ایک طویل تقریر نقل کرتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے :-

"سامری کے متن کی عبارت صحیح ہے، اور عبرانی کی عبارت غلط، اور چار آیات، یعنی آیت ۶ تا ۹ اس مقام پر قطعی بے جوڑ ہیں[ل] اگر ان کو علحدہ کر دیا جائے تو تمام عبارت میں بے نظیر ربط پیدا ہو سکتا ہے، یہ چاروں آیتیں کاتب کی غلطی سے اس موقع پر لکھی گئی ہیں، جو کتاب استثناء کے دوسرے باب کی ہیں"

اس تقریر کو نقل کرنے کے بعد اس پر اپنی خوشنودی اور تائید کی مُہر لگا کر لکھتا ہے کہ :-

"اس تقریر کے انکار کرنے میں عجلت مناسب نہیں ہے"

کیا حضرت داؤد خدا کی جماعت میں داخل ہیں؟ شاہد نمبر ۱۶

کتاب استثناء، باب ۲۳ آیت ۲ میں کہا گیا ہے کہ :-

"کوئی حرام زادہ خداوند کی جماعت میں داخل نہ ہو، دسویں پشت تک اس کی نسل میں سے کوئی خدا کی جماعت میں نہ آنے پائے"

[ل] اس لئے کہ ان سے قبل اور بعد میں حضرت موسیٰؑ کے پہاڑ پر جانے کے واقعات بتائے جا رہے ہیں، بیچ میں اسرائیلیوں کے ایک سفر اور حضرت ہارون علیہ السلام کی رحلت کا بالکل بے جوڑ تذکرہ ہے ۱۲

ظاہر ہے کہ یہ حکم خدا کا نہیں ہو سکتا، اور موسیٰؑ نے لکھا ہے، ورنہ لازم آئے گا کہ داؤد علیہ السلام اور فارض تک اُن کے تمام آباء و اجداد خدا کی جماعت میں داخل نہ ہوں، کیونکہ داؤد علیہ السلام فارض کی دسویں پشت میں ہیں، جیسا کہ انجیل متی کے باب اول سے معلوم ہوتا ہے، اور فارض ولد الزنا ہے جس کی تصریح کتاب پیدائش باب ۳۸ میں موجود ہے[۱]، اور ہارسلے مفسر نے فیصلہ کیا ہے کہ یہ الفاظ کہ "دسویں پشت تک اس کی نسل میں سے کوئی الخ" الحاقی ہیں،

شاہد نمبر ۱۷ ہنری واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین کتاب یشوع کے باب ۴ آیت ۹ کے ذیل میں کہتے ہیں کہ:-

"یہ جملہ اس مقام پر اور اسی طرح کے دوسرے جملے آج تک عہد عتیق کی اکثر کتابوں میں موجود ہیں، اور غالب یہ ہو کہ یہ الحاقی ہیں"[۲]

غرض اس جملہ اور اس قسم کے دوسرے جملوں کی نسبت جو عہد عتیق میں موجود ہیں یہ لوگ الحاقی ہونے کا فیصلہ کر چکے ہیں، اس طرح بہت سے مقامات پر الحاق کا اعتراف پایا جاتا ہے، اس لئے کہ اس قسم کے جملے کتاب یشوع باب ۵ آیت ۹ میں اور باب ۸ آیت ۲۸ و ۲۹ میں اور باب ۱۰ آیت ۲۷ میں اور باب ۱۳ آیت ۱۳ میں اور باب ۱۴ آیت ۱۴ میں اور باب ۱۵ آیت ۶۳ میں اور باب ۱۶ آیت ۱۰ میں موجود ہیں[۳]، لہٰذا اسی کتاب کے دوسرے آٹھ مقامات[۴]

---

[۱] اس کی تفصیل صفحہ ۳۲۴ و ۳۲۵ پر ملاحظہ فرمائیے ۱۲

[۲] اور یشوع نے یردن کے بیچ میں اس جگہ جہاں عہد کے صندوق کے اٹھانے والے کاہنوں نے پاؤں جمائے تھے بارہ پتھر نصب کئے، چنانچہ وہ آج کے دن تک وہیں موجود ہیں۔

[۳] ان تمام جملوں میں "آج کے دن تک" کا لفظ پایا جاتا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ اُسے حضرت یوشع نے نہیں لکھا، ۱۲

[۴] بلکہ جی، ٹی مینکی نے کہا ہے کہ اس کتاب میں چودہ مرتبہ یہ الفاظ آئے ہیں، شاید انہی وجوہ کی بناء پر کیل (Keil) کہتا ہے کہ "یہ کتاب حضرت یوشع کی وفات کے بعد کسی نامعلوم بزرگ نے تالیف کی ہے، مینکی نے بھی اسی کو پسند کیا ہے" (دیکھئے ہماری کتب مقدسہ از مینکی، ص ۱۲۶)

میں مذکورہ جملوں کے الحاقی ہونے کا اعتراف ثابت ہوا، اور اگر عہد عتیق کی تمام کتابوں کے جملوں کو ذکر کریں تو بات طویل ہو جائے گی،

شاہد نمبر ۱۸ کتاب یشوع باب ۱۰ آیت ۱۳ میں یوں کہا گیا ہے کہ:

"اور سورج ٹھہر گیا، اور چاند تھما رہا جب تک قوم نے اپنے دشمنوں سے اپنا انتقام نہ لے لیا، کیا یہ سفر الیسیر میں لکھا نہیں ہے"

اور بعض ترجموں میں سفر یاصار اور بعض میں سفر یاشر لکھا ہے[1]، بہرصورت یہ آیت یوشع کا کلام نہیں ہو سکتی، کیونکہ یہ بات مذکورہ کتاب سے نقل کی گئی ہے، اور آج تک یہ پتہ نہیں چل سکا کہ اس کا مصنف کب گذرا، اور اس نے یہ کتاب کب تصنیف کی، البتہ سموئیل ثانی باب ۱ آیت ۱۸ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شخص داؤد علیہ السلام کا ہمعصر تھا، یا اُن کے بعد ہوا ہے[2]،

اور ہنری داسکاٹ کی تفسیر کے جامعین نے باب ۱۵ آیت ۶۳ کے ذیل میں یہ اعتراف کیا ہے کہ اس فقرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب یوشع داؤد علیہ السلام کی تخت نشینی کے ساتویں سال سے پہلے لکھی گئی ہے، حالانکہ داؤد علیہ السلام یوشع کی وفات کے ۳۵۸ سال بعد پیدا ہوئے، ہیں جس کی تصریح علماء پروٹسٹنٹ کی لکھی ہوئی تاریخی کتابوں میں موجود ہے، اور باب مذکورہ کی آیت ۱۵ عیسائی محققین کے اقرار کے مطابق عبرانی متن میں تحریف کے طور پر بڑھائی گئی ہے جو یونانی ترجموں میں موجود نہیں ہے[3]، مفسّر ہارسلی اپنی تفسیر کی جلد اول صفحہ ۲۶۰ میں کہتا ہے کہ:

"یونانی ترجمہ کے مطابق اس آیت کو ساقط ہونا چاہئے"

شاہد نمبر ۱۹ مفسّر ہارسلے کا بیان ہو کہ باب ۱۳ کی آیت ۷، ۸ دونوں غلط ہیں[4]،

---

[1] اردو ترجمہ میں آشر کی کتاب لکھا ہے ۱۲

[2] کیونکہ اس میں آشر کی کتاب سے ایک مرثیہ نقل کیا گیا ہے، جسے حضرت داؤدؑ نے پڑھنے کا حکم دیا تھا ۱۲

[3] پھر یشوع اور اس کے ساتھ سب اسرائیلی جلجال کو خیمہ گاہ میں لوٹے ۱۲

[4] اُن کے غلط ہونے کی وجہ ہمیں معلوم نہیں ہو سکی ۱۲

شاہد نمبر ۲۰
کتاب یوشع باب ۱۳ آیت ۲۵ میں بنی جاد کی میراث کے بیان میں یہ عبارت استعمال کی گئی ہے کہ:

"اور بنی عمون کا آدھا ملک عروعیر تک جو ربّہ کے سامنے ہے"

یہ غلط اور محرّف ہے، کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے بنی جاد، بنی عمون کی زمین کا کوئی جزو بھی نہیں دیا، کیونکہ خدا نے اُن کو ایسا کرنے سے منع کر دیا تھا جس کی تصریح کتاب الاستثناء کے باب ۲ میں موجود ہے، اور چونکہ یہ غلط اور محرّف تھی، اس لئے مفسّر ہارسلی نے مجبور ہو کر یہ کہا کہ اس جگہ عبرانی میں تحریف کی گئی ہے،

شاہد نمبر ۲۱
کتاب یوشع باب ۱۹ آیت ۳۴ میں یہ جملہ پایا جاتا ہے کہ:-

"اور مشرق میں یہوداہ کے حصّہ کے یردن تک پہونچی"

یہ بھی غلط ہی، کیونکہ بنی یہوداہ کی زمین جنوب کی جانب کافی دور فاصلہ پر تھی، اسی لئے آدم کلارک کہتا ہی کہ "غالب یہ ہی کہ متن کے الفاظ میں کچھ نہ کچھ ضرور تحریف کی گئی ہے"

شاہد نمبر ۲۲
ہنری واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین نے کتاب یوشع کے آخری باب کی شرح میں یوں کہا ہے کہ:-

"آخر کی پانچ آیتیں یقیناً یوشع کا کلام نہیں ہیں، بلکہ اُن کو فینحاس یا سموئیل نے شامل کیا ہے، اور متقدمین میں اس قسم کے الحاق کا رواج بکثرت موجود تھا"

معلوم ہوا کہ یہ پانچوں آیتیں عیسائیوں کے نزدیک یقیناً الحاقی ہیں، اُن کا یہ کہنا کہ الحاق کرنے والے فینحاس یا سموئیل ہیں ہم کو تسلیم نہیں ہے، کیونکہ اس کی نہ کوئی دلیل ہے اور نہ کوئی سند، اور ان کا یہ کہنا کہ اُس قسم کے الحاق کا رواج متقدمین میں بڑی کثرت سے تھا" ہماری عرض یہ ہی کہ اسی رواج نے تو تحریف کا دروازہ کھولا ہے، کیونکہ جب یہ بات کوئی عیب ہی شمار نہیں ہوتی تھی تو ہر شخص کو بڑھانے اور زیادہ کرنے کی جرأت پیدا

لہ "میں بنی عمون کی زمین کا کوئی حصّہ تجھے میراث کے طور پر نہیں دوں گا" (استثناء ۲: ۲۹)

لہ اس میں بنو نفتالی کی سرحد بیان کی جارہی ہے ۱۲

لہ کیونکہ انمیں حضرت یوشع علیہ السلام کی رحلت اور اس کے بعد کے واقعات مذکور ہیں ۱۲ تقی

ہوگئی، جس کے نتیجہ میں بے شمار تحریفات واقع ہوئیں، اور ان میں سے بیشتر تمام محرّف نسخوں میں پھیل گئیں،

شاہد نمبر ۲۳

مفسّر ہارسلی اپنی تفسیر کی جلد اول ص ۲۸۳ میں کہتا ہے کہ :۔

"کتاب القضاۃ باب ۱ کی ۹ آیات اور دسویں آیت کے ۱۵ تک الحاقی ہیں"[۵]

شاہد نمبر ۲۴

کتاب القضاۃ باب ۱۷ آیت ۷، میں بنی یہوداہ کے ایک شخص کے حال کے بیان میں یہ جملہ لکھا ہے کہ "جو لاوی تھا" اور چونکہ یہ غلط ہے، اس لئے مفسّر ہارسلی کہتا ہے کہ :۔

"یہ غلط ہے، کیونکہ بنی یہوداہ کا کوئی شخص لاوی نہیں ہو سکتا"،

اور ہیوبی کینٹ نے اس کے الحاقی ہونے کے جاننے کے بعد اس کو متن سے خارج کر دیا،

بیتِ شمس کے ہلاک شدگان شاہد نمبر ۲۵

سفر سموئیل اول، باب ۶ آیت ۱۹ میں یوں کہا گیا ہے کہ "اور اس نے بیتِ شمس کے لوگوں کو مارا اس لئے کہ انھوں نے خداوند کے صندوق کے اندر جھانکا تھا، سو اس نے ان کے پچاس ہزار اور ستّر آدمی مار ڈالے"،

یہ بھی غلط ہے، آدم کلارک تفسیر کی جلد ۲ میں قدح اور جرح کے بعد کہتا ہے کہ :۔

"غالب یہ ہے کہ عبرانی متن میں تحریف کی گئی ہے، یا تو بعض الفاظ حذف کر دیئے گئے ہیں یا دانستہ خواہ نادانستہ پچاس ہزار کے الفاظ بڑھا دیئے گئے ہیں، کیونکہ اس قدر چھوٹی بستی کے باشندوں کی تعداد کا اس قدر ہونا عقل میں نہیں آتا، پھر یہ کثیر تعداد کسانوں کی ہوگی جو کھیتوں کی کٹائی میں مشغول ہوں گے، اور اس سے زیادہ بعید یہ ہے کہ پچاس ہزار انسان ایک صندوق کو ایک دفعہ میں دیکھ سکیں، جو یوشع کے کھیت میں ایک بڑے پتھر پر تھا"،

---

[۵] غالباً اس لئے کہ ان آیات میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے وہ یشوع ۱۵: ۱۳ تا ۱۹ کے خلاف ہے، کچھ تو واقعہ کی تفصیلات میں اختلاف ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت یوشع کی حیات کا ہے، حالانکہ کتاب القضاۃ میں اُسے وفات کے بعد واقعات میں ذکر کیا ہے ۱۲ تقی،

پھر کہتا ہے کہ:

"لاطینی ترجمہ میں سات سو ستّر آدمی اور پچاس ہزار ستر آدمی کے الفاظ تھے، اور سریانی میں پانچ ہزار ستر، اسی طرح عربی ترجمہ میں بھی پانچ ہزار ستر آدمی ہے، مورخین نے صرف ستر آدمی لکھے ہیں، سلیمان جارجی ربی اور دوسرے ربیوں نے دوسری مقدار لکھی ہے، یہ اختلافات اور مذکورہ تعداد کا ناممکن ہونا ہم کو یہ یقین دلا رہا ہے کہ یہاں پر یقینی طور پر تحریف ہوئی ہے، یا کچھ بڑھایا گیا ہے، یا گھٹایا گیا ہے"

ہنری واسکاٹ کی تفسیر میں ہے کہ:۔

"مرنے والوں کی تعداد اصل عبرانی نسخہ میں اُلٹ لکھی ہے، اس سے بھی قطع نظر کرتے ہوئے یہ بات بعید ہے کہ اس قدر بے شمار انسان گناہ کے مرتکب ہوں، اور چھوٹی سی بستی میں مارے جائیں، اس واقعہ کی سچائی میں شک ہے، اور یوسیفس نے مقتولین کی تعداد صرف ستر لکھی ہے"

دیکھئے یہ مفسرین حضرات اس واقعہ کو کس قدر مستبعد خیال کر رہے ہیں، اور تردید کرتے ہیں اور تحریف کے معترف ہیں،

شاہد نمبر ۲۶

آدم کلارک سفر سموئیل اوّل کے باب ۱۷ آیت ۱۸ کی شرح میں یوں کہتا ہے کہ "اس باب میں اس آیت سے آیت ۳۱ تک اور آیت ۴۱ اور آیت ۵۴ سے آخر باب تک اور باب ۱۸ کی پہلی پانچ آیتیں اور آیت ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۷، ۱۸ و ۱۹ یونانی ترجمہ[1] میں موجود نہیں ہیں، اور اسکندریانوس کے نسخہ میں موجود ہیں، اس باب کے آخر میں دیکھئے کہ کنی کاٹ نے پورے طور پر ثابت کر دیا کہ آیاتِ مذکورہ اصل کا جُز و نہیں ہیں"

پھر اس باب کے آخر میں کنی کاٹ کی ایک طویل تقریر نقل کی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آیت محرّف اور الحاقی ہے، ہم اس سے کچھ جملے نقل کرتے ہیں:

[1] ان تمام آیتوں میں حضرت داؤد علیہ السلام کے جالوت کو قتل کرنے کے سلسلہ میں مختلف تفصیلی واقعات کا تذکرہ ہے ۱۲ تقی

اگر تم پوچھو کہ یہ الحاق کب ہوا؟ تو میں کہوں گا کہ یوسیفس کے زمانہ میں یہودیوں نے چاہا کہ کتب مقدسہ کو دعاؤں اور گانوں اور جدید اقوال گھڑ کر خوش نما بنادیں، ذرا ان بے شمار الحاقات کو دیکھو جو کتاب استیر میں موجود ہیں، اور شراب و عورت اور سچائی کی باتوں کو دیکھئے، جو عزرا، اور نحمیا کی کتاب میں بڑھائی ہیں، اور آجکل عزرا کی پہلی کتاب کے نام سے مشہور ہیں، اور تین بچوں کے گیت کو دیکھئے، جو کتاب دانیال میں بڑھایا گیا ہے، اور یوسیفس کی کتاب میں جو بے شمار الحاق ہوئے ہیں اُن کو ملاحظہ کیجئے، ممکن ہے کہ یہ آیتیں بھی حاشیہ پر لکھی ہوں، پھر کاتبوں کی لاپرواہی سے متن میں داخل کر دی گئی ہوں؟

مفسر ہارسلے اپنی تفسیر جلد اول صفحہ ۲۳۰ میں لکھتا ہے کہ:۔

"کنی کاٹ سفر سموئیل کے باب ۱۷ کی نسبت جانتا ہے کہ بعض آیات بارہویں سے ۳۱ تک الحاقی ہیں، اور قابل اخراج ہیں، اور امید کرتا ہے کہ ہمارے ترجمہ کی جب دوبارہ تصحیح کی جائے گی، تو ان آیات کو داخل نہیں کیا جائے گا"

ہم کہتے ہیں کہ چونکہ یوسیفس کے دور میں یہودیوں کی یہی عادت تھی، جس کا اقرار کنی کاٹ نے کیا ہے کہ انھوں نے اتنی تحریف کی، کہ جس کی اس موقع پر تصریح کی گئی ہے، اور دوسرے مختلف مقامات پر بھی اس کا ذکر آیا ہے، اس کے بعض اقوال گذشتہ شواہد میں منقول ہو چکے ہیں، اور کچھ آئندہ شواہد میں نقل کئے جائیں گے، ایسی صورت میں ان کتابوں کی نسبت اُن کی دیانت پر کس طرح بھروسہ کیا جا سکتا ہے،

اس لئے کہ جب اُن کے نزدیک کتب مقدسہ میں اس قسم کی تحریف سے ان کی زینت اور خوش نمائی میں اضافہ ہوتا ہے تو پھر یہ حرکت اُن کے خیال میں مذموم کیونکر ہو سکتی ہے، اس لئے وہ دل کھول کر جو چاہتے تھے کرتے تھے،

دوسری جانب کاتبوں کی لاپرواہی کی وجہ سے اُن کی تحریفات تمام نسخوں میں پھیل گئیں، پھر اس کے نتیجہ میں جو بگاڑ اور فساد پیدا ہوا وہ دنیا پر روشن ہے، اس سے معلوم ہوا کہ علماء پروٹسٹنٹ اپنی تقریروں اور تحریروں میں مغالطہ دینے کے لئے یہ باتیں بناتے

ہیں کہ تحریف کا صدور یہودیوں سے نہیں ہوا، کیونکہ وہ لوگ دیانتدار تھے اور عہد عتیق کی کتابوں کی نسبت اُن کا اقرار تھا کہ وہ اللہ کا کلام ہے، یہ قطعی فریب ہے،

ہیرودیاس کا شوہر
شاہد نمبر ۲۷

انجیل متی باب ۱۴ آیت ۳ میں یوں کہا گیا ہے کہ :-

"کیونکہ ہیرودیس نے اپنے بھائی فلپس کی بیوی ہیرودیاس کے سبب سے یوحنا کو پکڑ کر باندھا اور قید خانہ میں ڈال دیا"

اور انجیل مرقس باب ۶ آیت ۱۷ میں ہے کہ :-

"کیونکہ ہیرودیس نے اپنے آدمی کو بھیج کر یوحنا کو پکڑوادیا، اور اپنے بھائی فلپس کی بیوی ہیرودیاس کے سبب سے اُسے قید خانہ میں باندھ رکھا تھا، کیونکہ ہیرودیس نے اس سے بیاہ کر لیا تھا"

اور انجیل لوقا باب ۳ آیت ۱۹ میں اس طرح ہے کہ :-

"لیکن چوتھائی ملک کے حاکم ہیرودیس نے اپنے بھائی فلپس کی بیوی ہیرودیاس کے سبب سے اور ان سب برائیوں کے باعث جو ہیرودیس نے کی تھیں، یوحنا سے ملامت اٹھا کر ان سب سے بڑھکر یہ بھی کیا کہ اس کو قید میں ڈالا"

ان آیتوں میں لفظ فلپس غلط ہے، تاریخ کی کسی کتاب سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہیرودیاس کے شوہر کا نام فلپس تھا، بلکہ یوسیفس نے کتاب ۱۸ باب ۵ میں تصریح کی ہے کہ اس کا نام بھی ہیرود تھا، اور چونکہ یہ نام یقینی طور پر غلط تھا، اس لئے ہورن اپنی تفسیر کی جلد اوّل صفحہ ۶۳۲ میں یوں کہتا ہے کہ

"غالب یہ ہے کہ لفظ فلپس متن میں کاتب کی غلطی سے لکھا گیا ہے، اس لئے وہ قابلِ حذف تھا، اور کریسباخ نے اس کو حذف کر دیا"

اور ہمارے نزدیک یہ لفظ صاحبانِ انجیل کے اغلاط میں سے ہے، ان کا اس کو کاتب کی غلطی کہنا ٹھیک نہیں، اس لئے کہ اس دعویٰ پر کوئی دلیل نہیں، اور یہ امر عقلاً بہت بعید ہے، کہ تینوں انجیلوں میں ایک ہی مضمون میں کاتب سے غلطی واقع ہو سکے، اور اُن کی جرأت اور بیباکی قابلِ دید ہے، کہ محض اپنے قیاس کی بنیاد پر اپنے الفاظ

حذف یا داخل کر دیتے ہیں، ان کی یہ تحریف ہر زمانہ میں جاری اور قائم رہی، اور چونکہ شواہد کا بیان الزامی حیثیت سے ہے، اس لئے میں نے اس شاہد کو بھی تحریف بالزیادۃ کی مثالوں میں اُن کی بات تسلیم کرتے ہوئے ذکر کیا ہے، اور یہ تنہا ایک ہی شاہد تینوں انجیلوں کے اعتبار سے تینوں شواہد کے درجہ میں ہے،

شاہد نمبر ۲۸

انجیل لوقا باب ۷ آیت ۳۱ میں یوں ہے کہ:-

"پھر خدا نے کہا کہ اس زمانہ کے آدمیوں کو میں کس سے تشبیہ دوں اور وہ کس کے مانند ہیں؟

اس میں یہ جملہ کہ "پھر خدا نے کہا" تحریف کر کے بڑھایا گیا ہے، مفسّر آدم کلارک اس آیت کے ذیل میں کہتا ہے کہ:-

"یہ الفاظ کبھی بھی لوقا کے متن کے اجزاء نہیں تھے، اس دعویٰ کی مکمل شہادت موجود ہے، اور ہر محقق نے ان الفاظ کا انکار کیا ہے، اور بنجل اور کریسباخ نے ان کو متن[ل] سے نکال دیا"

ملاحظہ کیجئے کہ اس مفسّر نے کس خوبی سے مدعا ثابت کیا ہے، پھر پروٹسٹنٹ عیسائیوں پر انتہائی تعجب ہوتا ہے کہ وہ اب بھی اپنے ترجموں میں ان الفاظ کو ترک نہیں کرتے، کیا جن الفاظ کا زائد ہونا مکمل شہادت سے ثابت ہو چکا ہو، اور جن کو ہر محقق رد کر چکا ہو ان کو اس کتاب میں جس کو اللہ کی کتاب سمجھتے ہیں داخل کر دینا تحریف نہیں ہے؟

کتاب یرمیاہ کا غلط حوالہ
شاہد نمبر ۲۹

انجیل متی باب ۲۷ آیت ۹ میں یوں لکھا ہے کہ:-

"اور اس وقت وہ پورا ہوا، جو یرمیاہ نبی کی معرفت کہا گیا تھا، کہ جس کی قیمت ٹھہرائی گئی تھی انھوں نے اس کی قیمت کے وہ تیس[۲] روپے لے لئے"

ل چنانچہ ہمارے پاس اردو اور جدید انگریزی ترجموں میں یہ الفاظ حذف کر دیئے گئے ہیں، مذکورہ عبارت میں "پھر خدا نے کہا" کے الفاظ عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۵ء اور قدیم انگریزی ترجمہ میں ابتک موجود ہیں ۱۲ تقی

اس میں لفظ یرمیاہ انجیلِ متی کی مشہور اغلاط میں سے ایک غلطی ہے، کیونکہ اس کا کوئی پتہ نشان نہ تو کتاب یرمیاہ میں پایا جاتا ہے، اور نہ یہ مضمون عہد عتیق کی کسی دوسری کتاب میں ان الفاظ کے ساتھ موجود ہے،

البتہ کتابِ زکریا باب ۱۱ آیت ۱۳ میں ایک عبارت متی کی نقل کردہ عبارت سے ملتی جلتی[1] موجود ہے، مگر دونوں عبارتوں میں بہت بڑا فرق ہے، جو یہ فیصلہ کرنے میں مانع ہے کہ متی نے اس کتاب سے نقل کیا ہو، نیز اس فرق سے قطع نظر کرتے ہوئے بھی کتابِ زکریا کی عبارت کو اُس واقعہ کے ساتھ جس کو متی نے نقل کیا ہے، کوئی بھی مناسبت موجود نہیں، اس سلسلہ میں مسیحی علماء کے اقوال خواہ اگلے ہوں یا پچھلے بہت ہی مختلف ہیں،

وارڈ کیتھولک اپنی کتاب الاغلاط مطبوعہ ۱۸۴۱ء صفحہ ۲۶ میں کہتا ہے کہ:۔

"مسٹر جوول نے اپنی کتاب میں کہا ہے کہ مرقس نے غلطی سے اخی ملک کی جگہ ابیاتر[2] لکھ دیا ہے، اسی طرح متی نے بھی غلطی کرتے ہوئے زکریا کی جگہ ارمیاہ لکھ دیا ہے"

ہورن اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۲۲ء کی جلد ۲ صفحہ ۳۸۵، ۳۸۶ میں کہتا ہے کہ:۔

"اس نقل میں بہت بڑا اشکال ہے، کیونکہ کتاب ارمیاہ میں اس طرح موجود نہیں ہے، اور کتاب زکریا کے باب ۱۱ آیت ۱۳ میں موجود ہے، مگر متی کے الفاظ اس کے الفاظ کے مطابق نہیں ہیں، بعض محققین کا خیال ہے کہ متی کے نسخہ میں غلطی واقع ہوئی ہے، اور کاتب نے زکریا کی جگہ ارمیاہ لکھ دیا ہے، یا پھر یہ لفظ الحاقی ہے"

اس کے بعد الحاق کی شہادتیں نقل کرنے کے بعد کہتا ہے کہ:۔

---

[1] "اور میں نے ان سے کہا کہ اگر تمہاری نظر میں ٹھیک ہو تو میری مزدوری کے لئے تیس[۳] روپے تول کر دیجئے، اور خداوند نے مجھے حکم دیا کہ اسے کمہار کے سامنے پھینک دے، یعنی اس بڑی قیمت کو جو انھوں نے میرے لئے ٹھہرائی، اور میں نے یہ تیس روپے لیکر خداوند کے گھر میں کمہار کے سامنے پھینک دیئے" (۱۱، ۱۲، ۱۳)

[2] اس کی تفصیل ۵۲۳ و ۵۲۴ پر گذر چکی ہے، اور اجمال صفحہ ۴۶۱ پر بیان ہوا ہے ۱۲

"اور اغلب یہ ہے کہ متی کی عبارت میں نام کے بغیر صرف یوں تھا کہ: "اور وہ پورا ہوا جو پیغمبر کی معرفت کہا گیا تھا" اس خیال کی تقویت اور تائید اس سے ہوتی ہے، کہ متی کی عادت ہے کہ جب پیغمبروں کا تذکرہ کرتا ہے تو ان کے نام چھوڑ جاتا ہے"

اور اپنی تفسیر کی جلد اول صفحہ ۶۲۵ میں کہتا ہے کہ:-

"صاحب انجیل نے اصل میں پیغمبر کا نام نہیں لکھا تھا مگر کسی ناقل نے اس کو درج کر دیا ہے"

ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک راجح قول یہی ہے کہ یہ لفظ الحاقی ہے، ڈی آئلی اور رچرڈ منٹ کی تفسیر میں اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے کہ:-

"یہ الفاظ جو یہاں منقول ہیں ارمیاہ کی کتاب میں موجود نہیں ہیں، بلکہ کتاب زکریا کے باب ۱۱ آیت ۱۲ میں پائے جاتے ہیں، اس کی ایک توجیہہ یہ بھی ہے کہ گذشتہ زمانہ میں ناقل نے انجیل لکھتے ہوئے غلطی سے زکریا کی جگہ ارمیاہ لکھ دیا ہوگا، پھر یہ غلطی متن میں شامل ہو گئی، جیسا کہ پیرس لکھتا ہے"

جواد ابن سباط نے اپنی کتاب البراہین الساطعۃ کے مقدمہ میں ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ میں نے اس سلسلہ میں بہت سے پادریوں سے سوال کیا تو مختلف جوابات ملے، طامن نے کہا کہ کاتب کی غلطی ہے، ہیوکانان، مارطیر دس اور کیراکوس نے کہا کہ متی نے اپنی یاد کے بھروسہ پر کتابوں کی جانب مراجعت کئے بغیر لکھدیا ہے، اس لئے غلطی واقع ہو گئی، ایک پادری نے یہ کہا کہ ہو سکتا ہے کہ زکریا ہی کا دوسرا نام ارمیا بھی ہو، ہم کہتے ہیں کہ راجح بات یہی ہے کہ یہ غلطی متی سے صادر ہوئی ہے، جس پر ظاہر بھی دلالت کرتا ہے[1]، اور جس کا اعتراف وارڈ اور جوڈیل اور ہیوکانان اور مارطیرس اور کیراکوس بھی کر رہے ہیں، دوسرے احتمالات بہت ہی کمزور ہیں، اور اُن کی تردید کے لئے

---

[1] ماضی قریب کے مفسرین میں سے آر، اے، ناکس نے بھی یہاں صاف لفظوں میں تحریف کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "ہمارے پاس متی کا جو متن ہے اس میں یہاں تحریف معلوم ہوتی ہے، یہ دو آیتیں سیاق و سباق میں ٹھیک نہیں بیٹھتیں" (تفسیر عہد نامۂ جدید از ناکس، ص ۶۸ ج ۱، مطبوعہ لندن ۱۹۵۳ء)۔

ہمارا گذشتہ بیان کافی ہے،

اور نیز ہورن نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے کہ متی کے الفاظ زکریا کے مطابق نہیں ہیں اس لئے کسی ایک عبارت کی تحریف کا اعتراف کئے بغیر کتاب زکریا کے الفاظ بھی صحیح نہیں مانے جا سکتے، ہم نے یہ شہادت اُن لوگوں کے خیال کے مطابق پیش کی ہے جو اس لفظ کو کاتب کی زیادتی کہتے ہیں،

متی کے اغلاط سے فارغ ہونے پر اب ہم مرقس کی غلطیاں جن کا اعتراف جو ڈیل اور وارڈ نے کیا ہے بیان کرنا مناسب سمجھتے ہیں،

باب ۲ آیت ۲۵ میں اس کی انجیل کی عبارت اس طرح ہے کہ:۔

"اس نے ان سے کہا کیا تم نے کبھی نہیں پڑھا کہ داؤد نے کیا کیا، جب اس کو اور اس کے ساتھیوں کو ضرورت ہوئی، اور وہ بھوکے ہوئے؟ وہ کیونکر ابیاتر سردار کاہن کے دنوں میں خدا کے گھر میں گیا، اور اس نے نذر کی روٹیاں کھائیں جن کو کھانا کاہنوں کے سوا اور کسی کو روا نہیں، اور اپنے ساتھیوں کو بھی دیں"

اس متن میں لفظ ابیاتر غلط ہے، جس کا اعتراف دونوں کرتے ہیں، اسی طرح یہ دونوں جملے کہ "اس کو اور اس کے ساتھیوں کو ضرورت ہوئی"، اور "اپنے ساتھیوں کو دیں"، یہ بھی غلط ہیں، اس لئے کہ داؤد علیہ السلام اس وقت اکیلے تھے، اُن کے ساتھ کوئی دوسرا قطعی نہیں تھا[1]، کتاب سموئیل کے ناظروں سے یہ بات پوشیدہ نہ ہوگی،

اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ انجیل مرقس کے یہ دونوں جملے غلط ہیں، تو یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اُن کی طرح اور دوسرے جملے بھی جو متی اور لوقا کی انجیل میں پائے جاتے ہیں وہ بھی غلط ہوں گے، مثلاً انجیل متی باب ۱۲ آیت میں یوں کہا گیا ہے کہ:۔

"اس نے اُن سے کہا کیا تم نے نہیں پڑھا کہ جب داؤد اور اس کے ساتھی بھوکے تھے تو اس نے کیا کیا؟ وہ کیونکر خدا کے گھر میں گیا، اور نذر کی روٹیاں کھائیں جن کو

[1] اس کی تفصیل صفحہ ۵۲۳ و ۵۲۴ جلد اوّل اور اس کے حاشیہ پر ملاحظہ فرمائیے ۱۲

کھانا نہ اس کو روا تھا نہ اس کے ساتھیوں کو، مگر صرف کاہنوں کو؛؛

اور انجیل لوقا باب ۶ آیت ۳ و ۴ میں اس طرح سے ہے کہ :-

یسوع نے جواب میں اُن سے کہا کیا تم نے یہ بھی نہیں پڑھا کہ جب داؤد اور اس کے ساتھی بھوکے تھے تو اس نے کیا کیا؟ وہ کیونکر خدا کے گھر میں گیا، اور نذر کی روٹیاں لے کر کھائیں، جن کو کھانا کاہنوں کے سوا اور کسی کو روا نہیں، اور اپنے ساتھیوں کو بھی دیں ؛؛

اس مسیحی قول کی نقل میں تینوں انجیلوں میں سات غلطیاں واقع ہوئی ہیں، اب اگر ان ساتوں غلطیوں کی نسبت کاتبوں کی جانب کرتے ہیں تو عیسائیوں کو ساتوں مقامات پر تحریف ماننا پڑے گی، اگرچہ یہ چیز ظاہر کرکے خلاف ہو مگر ہمارے لئے مضر نہیں ہے،

شاہد نمبر ۳

انجیل متی باب ۲۷ آیت ۳۵ میں یوں کہا گیا ہے کہ :-

”اور انھوں نے اسے صلیب پر چڑھایا اور اس کے کپڑے قرعہ ڈال کر بانٹ لئے، تاکہ وہ پورا ہو جائے جو نبی کی معرفت کہا گیا تھا کہ انھوں نے میرے کپڑے آپس میں بانٹ لئے اور میرے لباس پر قرعہ ڈالا ؛؛

اس میں یہ عبارت کہ ”تاکہ وہ پورا ہو جائے جو نبی کی معرفت کہا گیا تھا“ عیسائی محققین کے نزدیک قطعی محرف اور واجب الحذف ہے، اسی لئے گریسباخ نے اس کو حذف[1] کر دیا، ہورن نے قطعی دلائل کے ذریعہ اپنی تفسیر کی جلد ۱ صفحہ ۳۳۰ و ۳۳۱ میں ثابت کیا ہے کہ یہ جملہ الحاقی ہے، پھر کہتا ہے کہ :-

”گریسباخ نے یہ ثابت ہونے پر کہ یہ صاف جھوٹ ہو اس کو حذف کرکے بہت ہی اچھا کام کیا ہے ؛؛

آدم کلارک اپنی تفسیر جلد ۵ مذکورہ آیت کے ذیل میں کہتا ہے کہ :-

”اس عبارت کا ترک کرنا واجب ہی، اس لئے کہ یہ متن کا جزو نہیں ہے، صحیح ترجموں

[1] چنانچہ موجودہ اردو اور جدید انگریزی ترجمہ میں یہ جملہ حذف کر دیا گیا ہے، ہم نے مذکورہ ترجمہ عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۵ء اور قدیم انگریزی ترجموں کے مطابق کیا ہے ۱۲ تقی

اور نسخوں میں اس کو چھوڑ دیا گیا ہے، اِلاّ ماشاء اللہ، اسی طرح بہت سے متقدمین نے بھی اس کو ترک کر دیا ہے، یہ صاف الحاقی ہے جو انجیلِ یوحنا باب ۱۹ آیت ۲۴ سے لیا گیا ہے"

یوحنا کے خط میں کھلی تحریف
شاہد نمبر ۳۱

یوحنا کے پہلے خط باب ۵ آیت ۷ میں یوں کہا گیا ہے :-

"اس لئے کہ آسمان میں گواہی دینے والے تین ہیں، باپ، کلمہ، اور روح القدس، اور یہ تینوں ایک ہیں، اور زمین میں گواہی دینے والے بھی تین ہیں، روح اور پانی اور خون، اور یہ تینوں ایک ہی بات پر متفق ہیں"

ان دونوں آیتوں میں اصل عبارت عیسائی محققین کے خیال میں صرف اس قدر تھی[1] :-

"اور گواہی دینے والے تین ہیں، روح اور پانی اور خون، اور یہ تینوں ایک ہی بات پر متفق ہیں"

معتقدینِ تثلیث نے یہ عبارت اپنی طرف سے بڑھا دی ہے کہ :

"آسمان میں گواہی دینے والے تین ہیں، باپ، کلمہ اور روح القدس، اور یہ تینوں ایک ہیں اور زمین میں الخ"

جو یقیناً الحاقی ہے، اور کریسباخ نیز شولز اس کے الحاقی ہونے پر متفق ہیں، ہورن باوجود اپنے تعصب کے کہتا ہے کہ یہ الحاقی اور واجب الترک ہیں، ہنری واسکاٹ کے جامعین نے بھی ہورن اور آدم کلارک کے قول کو ترجیح دی ہے، اور اس کے الحاقی ہونے کی طرف مائل ہیں،

آگسٹائن نے جو چوتھی صدی عیسوی کا سب سے بڑا عالم شمار کیا جاتا ہے، اور جو آج تک اہلِ تثلیث کے نزدیک معتبر و مستند مانا جاتا ہے، اس خط کے اوپر دس رسائل لکھے ہیں، اور ان میں سے کسی رسالہ میں بھی یہ عبارت نہیں لکھی، حالانکہ وہ تثلیث کا

---

[1] چنانچہ اردو اور جدید انگریزی ترجموں میں اب عبارت اسی قدر ہی، مذکورہ بالا ترجمہ ہم نے عربی اور قدیم انگریزی ترجموں سے لیا ہے ۱۲ تقی،

معتقد اور عاشق ہے، اور ہمیشہ ایرین فرقہ کے ساتھ جو تثلیث کے منکر تھے مناظرے کیا کرتا تھا، اب اگر یہ عبارت اس کے زمانہ میں موجود ہوتی تو وہ اس سے استدلال کرتا اور نقل بھی کرتا، اور ہمارا ذاتی اندازہ تو یہ ہے کہ چونکہ اس نے اس آیت میں ایک دور از کار تکلف کرتے ہوئے حاشیہ پر لکھا ہے کہ "پانی سے مراد باپ اور خون سے مراد بیٹا اور روح سے مراد روح القدس ہیں"، چونکہ یہ توجیہ بہت ہی بعید تھی، اس لئے معتقدینِ تثلیث نے یہ عبارت جو اُن کے لئے مفیدِ اعتقاد تھی بنا ڈالی، اور اس کو خط کی عبارت کا جز و بنا دیا،

میزان الحق کے مصنف کے اور میرے درمیان ۱۲۷۰ھ میں جو مناظرہ ہوا تھا اس میں انھوں نے اقرار کیا تھا کہ یہ عبارت تحریف شدہ ہے، اور جب اُن کے ساتھی نے یہ دیکھا کہ اب یہ دوسری ایسی بھی عبارتیں پیش کرے گا جن میں تحریف کا اقرار کرنا پڑے گا تو دوسری عبارتیں پیش کئے جانے سے پہلے ہی انھوں نے پیشگی اعتراف کر لیا کہ میں اور میرا ساتھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ سات یا آٹھ مقامات پر تحریف واقع ہوئی ہے،

اس لئے یوحنا کی عبارت میں تحریف کا انکار کرنے والا سوائے ہٹ دھرم کے اور کوئی نہیں ہو سکتا، ہورن نے اس عبارت کی تحقیق میں بارہ ورق لکھے ہیں، پھر دوبارہ اپنی تقریر کا خلاصہ کیا ہے، اور اس تقریر کے تمام ترجمہ کے نقل کرنے میں ناظرین کے اُکتا جانے کا خطرہ ہے، ہنری واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین نے بھی اس کے خلاصہ کا خلاصہ کیا ہے، ہم اس تفسیر سے وہ خلاصۃ الخلاصہ نقل کرتے ہیں:-

اس تفسیر کے جامعین کہتے ہیں :-

"ہورن نے دونوں فریق کے دلائل لکھے ہیں، اور پھر مکرر لکھے ہیں، دوسری تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ اس عبارت کا جھوٹا ہونا ثابت کرتے ہیں ان کے چند دلائل ہیں:

۱- یہ عبارت ان یونانی نسخوں میں سے کسی میں بھی موجود نہیں جو سولھویں صدی سے قبل لکھے ہوئے تھے،

۲- یہ عبارت اُن نسخوں میں نہیں پائی جاتی جو پہلے زمانہ میں بڑی محنت

اور تحقیق کے ساتھ طبع ہوئے ہیں،

۳۔ یہ عبارت سوائے لاطینی ترجمہ کے اور کسی قدیم ترجمہ میں موجود نہیں ہے،

۴۔ یہ عبارت اکثر قدیم لاطینی نسخوں میں بھی موجود نہیں ہے،

۵۔ اس عبارت سے نہ متقدمین میں سے کسی نے کبھی استدلال کیا ہے اور نہ گرجا کے کسی مؤرخ نے،

۶۔ فرقہ پروٹسٹنٹ کے مقتداؤں اور ان کے مصلحین مذہب نے یا تو اس کو کاٹ دیا ہے، یا اس پر شک کی علامت لگادی ہے،

اور جو لوگ اس عبارت کو صحیح تصور کرتے ہیں اُن کے بھی متعدد دلائل ہیں:۔

۱۔ یہ عبارت قدیم لاطینی ترجمہ میں اور لاطینی ترجمہ کے اکثر نسخوں میں موجود ہے،

۲۔ یہ عبارت کتاب العقائد الیونانیہ اور یونانی گرجا کی کتاب آداب الصلوٰۃ میں اور لاطینی گرجا کی کتاب الصلوٰۃ قدیم میں موجود ہے، اس عبارت سے بعض لاطینی بزرگوں نے استدلال بھی کیا ہے، یہ دونوں دلیلیں مخدوش ہیں،

اس عبارت کی سچائی کی چند اندرونی شہادتیں ہیں:۔

۱۔ کلام کا ربط، ۲۔ نحوی قاعدہ، ۳۔ حرف تعریف، ۴۔ اس عبارت کا یوحنا کی عبارت سے محاورہ میں مشابہ ہونا،

نسخوں میں اس عبارت کے ترک کیے جانے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اصل کے دو نسخے ہوں، یا پھر یہ واقعہ اس زمانہ میں پیش آیا ہو جب کہ کاتب کی مکاری یا غفلت کی وجہ سے نسخے قلیل تھے، یا اس کو فرقہ ایرین نے حذف کردیا ہو،.... یا دیندار وں نے اس عبارت کو اس لئے اڑادیا ہو کہ یہ تثلیث کے اسرار میں سے ہے یا کاتب کی غفلت اس کا سبب بن گئی ہو، جس طرح اس کی بے پرواہی دوسرے نقصانات کا سبب ہو جاتی ہے، گریگ کے مرشدین نے اس بحث کے کئی جملے چھوڑ دیتے،

ہورن کے مذکورہ دلائل پر نظر ثانی کرنے کے بعد بڑے انصاف اور خلوص کے

ساتھ یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس جعلی اور فرضی جملہ کو خارج کیا جائے، اس کا داخل کیا جانا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ اس پر ایسے نسخے شہادت نہ دیں جن کی صحت غیر مشکوک ہو، مارش کی موافقت اور تائید کرتے ہوئے کہا ہے کہ اندرونی شہادتیں اگرچہ مضبوط ہیں، مگر ایسی ظاہری شہادتوں پر غالب نہیں آسکتیں جو اس مطلب پر موجود ہیں"

آپ غور کر سکتے ہیں کہ ان کا مسلک بھی وہی ہے جو ہورن کا ہے، اس لئے کہ وہ کہتے کہ ہورن نے انصاف اور خلوص کے ساتھ فیصلہ کیا ہے، اور دوسرے فریق کے دلائل مردود ہیں، اور فریق جو عذر پیش کرتا ہے اس سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں،

ایک یہ کہ طباعت اور چھپائی کی صنعت کے ایجاد ہونے سے پہلے تحریف کرنیوالے کاتبوں اور مخالف فریق کے لئے گنجائش تھی، اور وہ اپنے مقصود میں کامیاب ہوجاتے تھے، دیکھئے، کاتب کی تحریف یا فرقہ ایرین کی یا عیسائیوں کے خیال کے مطابق دینداروں کی تحریف اس موقع پر اس قدر شائع ہے کہ یہ عبارت تمام مذکورہ یونانی نسخوں سے اور لاطینی ترجمہ کے سوا، تمام ترجموں سے اور اکثر لاطینی نسخوں سے بھی گرادی جاتی ہے جیسا کہ پہلے فریق کے دلائل سے ظاہر ہو رہا ہے،

دوسرے یہ کہ دیندار عیسائی بھی جب تحریف میں کوئی مصلحت خیال کرتے تھے، تو جان بوجھ کر تحریف کردیتے تھے جیسا کہ اس عبارت کو یہ سمجھ کر کہ یہ تثلیث کے اسرار میں سے ہے، حذف کردیا، یا جیسے فرقہ گریک کے مرشدین نے وہ فقرے جو اس بحث میں تھے، حذف کردیئے، پھر جب تحریف کرنا مرشدین کا محبوب مشغلہ اور دیندار عیسائیوں کی پاکیزہ عادت تھی تو پھر باطل فرقوں اور تحریف کرنے والے کاتبوں کی شکایت کس منہ سے کی جاسکتی ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان لوگوں نے طباعت کی ایجاد سے پہلے تحریف کا کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا، اور کیوں نہ ہو جبکہ طباعت کے بعد بھی ماشاء اللہ یہ سلسلہ بند نہیں ہوا، اب ہم صرف ایک واقعہ نقل کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں جس کا تعلق اس عبارت سے ہے:-

لوتھر کے ترجمہ میں تحریف

غور فرمائیے کہ فرقۂ پروٹسٹنٹ کا امام اول اور مذہب عیسوی کے مصلحین کا سرگروہ یعنی لوتھر جب اس مذہب کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے سب سے پہلے کتبِ مقدسہ کا ترجمہ جرمنی زبان میں اس لئے کیا کہ اس کے ماننے والے مستفید ہوں، اس نے اس عبارت کو کسی ترجمہ میں نہیں لیا، یہ ترجمہ اُس کی زندگی میں متعدد مرتبہ طبع ہوا، مگر یہ عبارت ان نسخوں میں موجود نہ تھی، پھر جب بوڑھا ہوگیا، ایک مرتبہ پھر اس کے چھاپنے کا ارادہ کیا، اور سنہ ۱۵۴۶ء میں اس کی طباعت شروع ہوئی، یہ شخص اہل کتاب کی عادت سے بالعموم اور عیسائیوں کی خصلت سے بالخصوص خوب واقف تھا، اس لئے اس نے اس ترجمہ کے مقدمہ میں وصیت کی کہ میرے ترجمہ میں کوئی صاحب تحریف نہ کریں، لیکن چونکہ یہ وصیت اہلِ کتاب کے مزاج و عادت کے خلاف تھی اس لئے اس پر عمل نہ کر سکے، چنانچہ یہ جعلی عبارت اس کے ترجمہ میں بھی شامل کردی، جبکہ اس کا انتقال ہوئے تینؔ سال بھی نہ گذرے تھے۔

اس تحریف کا ارتکاب سب سے پہلے فرینکؔ فورٹ کے باشندوں نے کیا، کیوں کہ انھوں نے سنہ ۱۵۷۴ء میں جب اس ترجمہ کو چھپوایا تو اس عبارت کو شامل کرلیا، اس کے بعد شاید اُن کو خدا کا خوف ہوا یا لوگوں کے طعن و تشنیع کی فکر ہوئی تو بعد کی طباعتوں میں اس کو حذف کردیا، اہلِ تثلیث کو اس عبارت کا حذف کیا جانا بڑا ہی گراں گذرا، اس لئے وٹنؔ برگ کے باشندوں نے سنہ ۱۵۹۶ء اور سنہ ۱۵۹۹ء میں اور ہمبرگ کے لوگوں نے سنہ ۱۵۹۶ء میں اس عبارت کو پھر اس ترجمہ میں داخل کیا،

مگر جب وٹنؔ برگ کے باشندوں کو پھر لوگوں کے طعن کا اندیشہ فرینکؔ فرٹ والوں کی طرح پیدا ہوا، تو انھوں نے بھی دوسری طباعت میں اس کو نکال دیا، اس کے بعد مترجم کے معتقد عیسائیوں میں کوئی بھی اس کے خارج کرنے پر راضی نہ ہوا، اس لئے اس ترجمہ میں اس کی شمولیت اپنے امام کی وصیت کے خلاف عام ہوگئی، تو پھر قلیل الوجود نسخوں میں تحریف نہ ہونے کی کیونکر امید کی جاسکتی ہے، جبکہ صنعتِ طباعت بھی موجود نہ تھی، بالخصوص ایسے لوگوں کی طرف جن کی عادت آپ معلوم کرچکے ہیں۔ ہم کو

ایسے لوگوں سے تحریف کے سوا کسی دوسری بات کی ہرگز توقع نہیں ہو سکتی،

مشہور فلسفی اسحاق نیوٹن نے ایک رسالہ لکھا ہے جس کی ضخامت تقریباً ۵۰ صفحات ہے، اس نے اس میں ثابت کیا ہے کہ یہ عبارت اور اسی طرح تیمتھیس کے نام پہلے خط کی آیت نمبر ۱۶ دونوں محرّف ہیں، آیتِ مذکورہ میں یہ ہے کہ:

اُس میں کلام نہیں کہ دینداری کا بھید بڑا ہے، یعنی وہ جو جسم میں ظاہر ہوا اور روح میں راست باز ٹھہرا، اور فرشتوں کو دکھائی دیا، اور غیر قوموں میں اس کی منادی ہوئی اور دُنیا میں اس پر ایمان لائے اور جلال میں اوپر اٹھایا گیا"

چونکہ یہ آیت بھی اہلِ تثلیث کے لئے بہت مفید تھی، اس لئے اپنے عقیدۂ فاسدہ کو ثابت کرنے کے لئے اس میں خوب تحریف کی،

شاہد نمبر ۳۲ کتاب مکاشفہ یوحنا باب اوّل آیت ۱۰ میں ہے کہ:-

"اور خداوند[1] کے دن میں روح میں آگیا، اور اپنے پیچھے نرسنگے کی سی ایک بڑی آواز سنی جو یہ کہہ رہا تھا کہ میں الف اور یا ہوں، اول ہوں اور آخر ہوں، اور جو کچھ تو دیکھتا ہے اس کو کتاب میں لکھ"

کریسباخ اور شولز دونوں اس پر متفق ہیں کہ یہ دونوں الفاظ "اول اور آخر" الحاقی ہیں، اور بعض مترجموں نے ان کو ترک کر دیا ہے، اور عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۶۷۱ء و ۱۸۲۱ء میں لفظ "الف" اور "یا" کو بھی ترک کر دیا گیا،[2]

شاہد نمبر ۳۳ کتاب اعمال باب ۸ آیت ۳۷ میں ہے کہ

"پس فیلبس[3] نے کہا کہ اگر تو دل وجان سے ایمان لائے تو بپتسمہ

---

[1] خداوند کا دن سے مراد عیسائیوں کے یہاں اتوار کا دن ہے ۱۲ تقی

[2] موجودہ اردو اور جدید انگریزی ترجموں میں بھی یہ دونوں جملے حذف کر دیئے گئے ہیں۔ ہم نے اوپر کی عبارت انگریزی کے قدیم ترجمہ سے لی ہے ۱۲

[3] یہاں فیلبس سے مراد فیلبس حواری ہیں جنھوں نے کتاب اعمال کے مطابق غزہ کے راستہ میں ایک حبشی خوجہ کو حضرت مسیحؑ کے پیغام کی تبلیغ کرتے ہوئے یہ بات کہی ۱۲

لے سکتا ہے، اس نے جواب میں کہا کہ میں ایمان لاتا ہوں کہ یسوع مسیح خدا کا بیٹا ہے "
یہ آیت الحاقی ہے جس کو کسی تثلیث پرست نے اس جملہ کی خاطر کہ "میں ایمان لاتا ہوں کہ یسوع مسیح خدا کا بیٹا ہے" شامل کر دیا ہے، کریسباخ اور شولز دونوں اس آیت کے الحاقی ہونے کے معترف ہیں[1]،

شاہد نمبر ۳۴

کتاب اعمال باب ۹ آیت ۵ میں کہا گیا ہے کہ :-
"اس[2] نے پوچھا، اے خداوند تو کون ہے؟ اس نے کہا میں یسوع ہوں، جسے تو ستاتا ہے، یہ تیرے لئے مشکل ہے، کہ تو سوراخوں کو مارے، اور اس نے کانپتے ہوئے حیران ہو کر کہا کہ تو مجھ سے کیا چاہتا ہے؟ اور خداوند نے اس سے کہا کہ اُٹھ! شہر میں جا، اور جو تجھے کرنا چاہیے وہ تجھ سے کہا جائے گا"،
کریسباخ اور شولز کہتے ہیں کہ یہ عبارت کہ "یہ تیرے لئے مشکل ہے" الحاقی ہے[3]،

شاہد نمبر ۳۵

کتاب اعمال باب ۱۰ آیت ۶ میں یوں ہے کہ :-
"وہ شمعون دباغ کے یہاں مہمان ہے، جس کا گھر سمندر کے کنارے ہے، وہ تجھ کو بتائے گا جو کام تجھ کو کرنا مناسب ہوگا"،
کریسباخ اور شولز کہتے ہیں کہ یہ عبارت کہ "وہ تجھ کو بتائے گا جو کام تجھ کو کرنا مناسب ہوگا" بالکل الحاقی ہے[4]،

---

[1] چنانچہ اردو ترجمہ میں اس پر شک کی علامت (قوسین) لگائی ہوئی ہے، قدیم انگریزی ترجمہ میں متبادل الفاظ ALTERNATIVE RENDERINGES کی فہرست میں اُسے حذف کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے، اور جدید انگریزی ترجمہ میں اُسے حذف کر دیا گیا ہے ۱۲

[2] یعنی پولس نے، یہ اُس کے مشرف بہ عیسائیت ہونے کا واقعہ ہے، ۱۲

[3] اور خداوند نے اس سے کہا کہ" سمیت" گویا اصل عبارت یوں تھی: "جسے تو ستاتا ہے، اُٹھ شہر میں جا" الخ"، چنانچہ اردو اور جدید انگریزی ترجموں میں ایسا ہی ہے، قدیم انگریزی ترجمہ یہ الحاقی عبارت میں موجود ہے، مگر متبادل الفاظ کی فہرست میں اسے حذف کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے ۱۲

[4] چنانچہ یہ عبارت بھی مذکورہ نئے ترجموں میں موجود نہیں، ترجمہ انگریزی اور عربی سے کیا گیا ہی ۱۲ تقی

شاہد نمبر ۳۶ کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب ۱۰ آیت ۲۸ میں یہ کہا گیا ہے کہ :۔

"لیکن اگر کوئی تم سے کہے کہ یہ بتوں کا ذبیحہ ہے، تو اس کے سبب سے جس نے تمھیں جتایا اور دینی امتیاز کے سبب سے نہ کھاؤ، کیونکہ زمین اور اس کے کمالات سب خدا کے ہیں"

یہ جملہ "کیونکہ زمین الخ الحاقی ہیں[1] ہورن اپنی تفسیر کی جلد ۲ صفحہ ۳۳۷ میں اس کے الحاقی ہونے کو ثابت کرنے کے بعد کہتا ہے کہ :۔

"کریسباخ نے اس جملہ کو اس یقین کے بعد کہ یہ قابلِ اخراج ہے متن سے نکالا سچی بات بھی یہی ہے کہ اس جملہ کی کوئی سند نہیں ہے، یہ قطعی زائد ہے، غالب یہ ہے کہ اس کو آیت ۲۶ سے لے کر شامل کر دیا گیا ہے"

آدم کلارک اس آیت کے ذیل میں کہتا ہے کہ :۔

"کریسباخ نے اس کو متن سے اڑا دیا، اور سچ یہ ہے کہ اس جملہ کی کوئی سند نہیں ہے نیز عربی ترجمہ مطبوعہ سنہ ۱۶۷۱ء و سنہ ۱۸۳۱ء میں بھی اسے ساقط کر دیا گیا ہے"

شاہد نمبر ۳۷ انجیل متی باب ۱۲ آیت ۸ میں یوں کہا گیا ہے کہ :۔

"کیونکہ ابن آدم سبت کا مالک بھی ہے"

اس میں لفظ "بھی" الحاقی ہے[2]، ہورن نے اس کو الحاقی ہوتے دلائل سے ثابت کیا ہے اس کے بعد اپنی تفسیر کی جلد ۲ صفحہ ۳۳۰ میں کہا ہے کہ

"یہ لفظ انجیلِ مرقس کے باب ۲ آیت ۲۸[3] سے یا پھر انجیل لوقا کے باب ۶ آیت ۵[4] سے لیا گیا اور یہاں شامل کر دیا گیا ہے، کریسباخ نے بہت ہی اچھا کیا کہ اس الحاقی لفظ کو متن سے خارج کر دیا"

---

[1] یہاں بھی بعینہ وہی معاملہ ہے جو گذشتہ تینوں حاشیوں میں بیان کیا گیا ہے ۱۲ تقی

[2] یہاں بھی وہی صورت ہے ۱۲ [3] پس ابن آدم سبت کا بھی مالک ہے۔ (۲ : ۲۸)

[4] لیکن موجودہ اردو ترجمہ میں مرقس سے بھی لفظ "بھی" ساقط کر دیا گیا ہے، جبکہ قدیم اور جدید دونوں ترجموں میں یہ لفظ یا موجود ہے ۱۲ تقی

شاہد نمبر ۳۸

انجیل متی باب ۱۲ آیت ۳۵ میں یوں کہا گیا ہے کہ :۔

"نیک[1] آدمی اپنے نیک دل کے خزانہ سے نیکیاں نکالتا ہے"،

اس میں لفظ "دل" الحاقی ہے، ہورن اس کے الحاقی ہونے کے دلائل سے ثابت کرنے کے بعد صفحہ ۳۳ میں اپنی تفسیر کی جلد ۲ میں کہا ہے کہ یہ لفظ انجیل لوقا باب ۶ آیت ۴۵ سے لیا گیا ہے،

شاہد نمبر ۳۹

انجیل متی باب ۶ آیت ۱۳ میں یوں کہا گیا ہے کہ :۔

"اور ہمیں آزمائش میں نہ لا، بلکہ برائی سے بچا، کیونکہ بادشاہی اور قدرت اور جلال ہمیشہ تیرے ہی ہیں"

اس میں یہ جملہ کہ "کیونکہ بادشاہی اور قدرت الخ" الحاقی ہے، رومن کیتھولک فرقہ کے لوگ اس کے الحاقی ہونے کا یقین رکھتے ہیں، لاطینی ترجمہ میں بھی یہ موجود نہیں ہے، اور نہ اس فرقہ کے کسی بھی انگریزی ترجمہ میں موجود ہے[2]، یہ فرقہ اس جملہ کے داخل کرنے والے کو سخت برا بھلا کہتا ہے، وارڈ کیتھولک اپنی کتاب الاغلاط مطبوعہ ۱۸۴۱ء صفحہ ۱۸ میں کہتا کہ

"ارامس نے اس جملہ کو بہت ہی قبیح قرار دیا ہے، اور بلنجر کہتا ہے کہ یہ جملہ بعد میں شامل کیا گیا ہے اور آج تک اس کا شامل کرنے والا نامعلوم ہے،

لارن عشش نے اور لامن نے جو یہ کہا ہے کہ یہ جملہ خدائی کلام سے حذف کر دیا گیا ہے، اس کی

---

[1] یہ اظہار الحق میں نقل شدہ عبارت کا ترجمہ ہے، جو مصنف کے پیش نظر کسی ترجمہ سے ماخوذ ہوگی، عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۵ء کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے: "نیک انسان دل کے نیک خزانہ سے نیکیاں نکالتا ہے"، اور اس میں "دل" کے لفظ پر شک کی علامت لگی ہوئی ہے ۱۲

[2] چنانچہ اردو ترجمہ میں اسے ساقط کر دیا گیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں، "اچھا آدمی اچھے خزانہ سے اچھی چیزیں نکالتا ہے"، البتہ تمام انگریزی ترجموں میں یہ الفاظ موجود ہیں ۱۲ تقی

[3] ہمارے قدیم انگریزی ترجمہ میں یہ عبارت موجود ہے، مگر جدید ترجمہ میں ساقط کر دی گئی ہے، اردو ترجمہ میں اس پر شک کی علامت لگی ہوئی ہے ۱۲ تقی

کوئی دلیل موجود نہیں ہے، بلکہ اس کا فرض تو یہ تھا کہ وہ ان لوگوں پر لعنت اور ملامت کرتا، جنھوں نے بڑی بیباکی سے خدا کے کلام کو کھیل بنالیا ہے"

اور اس کی تردید فرقہ پروٹسٹنٹ کے بڑے بڑے محققین نے بھی کی ہے، اور آدم کلارک نے بھی، اگرچہ اس کے نزدیک اس کا الحاقی ہونا راجح نہیں ہے، مگر اتنی بات کا معترف وہ بھی ہے کہ کریسباخ اور وٹسٹین اور بڑے پایہ کے محققین نے اس کا رد کیا ہے، جیساکہ اس آیت کی شرح کے ذیل میں اس نے تصریح کی ہے،

اور جب اس کے اقرار سے یہ ثابت ہوگیا کہ جو لوگ بڑے پایہ کے محقق ہیں انھوں نے اس کی تردید کی ہے، تو ایسی صورت میں خود اس کی مخالفت ہمارے لئے کوئی مضر نہیں ہے اور یہ جملہ فرقہ کیتھولک اور فرقہ پروٹسٹنٹ کے محققین کی تحقیق کے مطابق صلوٰۃ مسیح میں بڑھایا گیا ہے، اس بنا پر تحریف کرنے والوں نے صلاۃ مشہورہ کو بھی نہیں بخشا،

شاہد نمبر ۴

انجیل یوحنا باب ۷ کی آیت ۵۳ اور باب ۸ کی ابتدائی آیات گیارہ الحاقی ہیں[1]، اگرچہ ہورن کے نزدیک اُن کا الحاقی ہونا راجح نہیں ہے مگر وہ اپنی تفسیر کی جلد ۴ صفحہ ۳۱۰ پر یوں کہتا ہے کہ

"ارازمس[2] اور کالون اور بیزا اور کروٹیس اور لیکلرک اور وٹسٹن اور سملر اور شلز

---

[1] ان آیتوں میں ایک عورت کا واقعہ بیان کیا ہے، کہ یہودیوں نے اس پر تہمتِ زنا لگا کر حضرت مسیح سے اسے سنگسار کرنے کا مطالبہ کیا، مگر حضرت مسیح نے کہا کہ تم میں سے جو پاک دامن ہو وہ اس کا فیصلہ کرے اس پر سب لوگ چلے گئے اور کسی نے فیصلہ نہیں کیا، پھر حضرت مسیح نے اسے آئندہ گناہ نہ کرنے کی تاکید کر کے رخصت کردیا، جدید انگریزی ترجمہ سے یہ عبارت اس موقع پر حذف کردی گئی ہے، پھر انجیل یوحنا کے ختم کے بعد اس عبارت کو نقل کر کے حاشیہ پر مترجمین لکھتے ہیں کہ یہ عبارت جو عہد جدید کے عام پھیلے ہوئے نسخوں میں یوحنا ۷: ۵۳ تا ۸: ۱۱ پر پائی جاتی ہے، اس کی ہمارے قدیم صحیفوں میں کوئی متعین جگہ نہیں ہے، بعض نسخوں میں یہ عبارت سرے سے موجود ہی نہیں ہے بعض نسخوں میں یہ لوقا ۲۱: ۳۸ کے بعد موجود ہے، اور بعض میں اسے یوحنا ۷: ۳۶ یا ۷: ۵۲ یا ۲۱: ۲۴ کے بعد رکھا گیا ہے" (نیو انگلش بائبل، ص ۱۸۴) ۱۲

[2] ارازمس ERASMUS سولھویں صدی کا مشہور عالم ہے ۱۴۶۶ء م ۱۵۳۶ء یہ نشاۃ ثانیہ کے علمبرداروں میں سے ہے ۱۲

اور موّرس اور ہیّن لین اور بایّس واسٹمتھ اور دوسرے مصنفین جن کا ذکر وٹفینس اور کوچرنے کیا ہے، وہ ان آیات کی صحت تسلیم نہیں کرتے"۔

پھر کہتا ہے کہ:۔

"کریزاسٹم اور تھیوفلیکٹ اور نونس نے اس انجیل کی شروح لکھی ہیں، مگر ان آیتوں کی شرح نہیں کی، بلکہ اپنی شروح میں ان کو نقل بھی نہیں کیا، ٹرٹولین اور سائی پرن نے زنا اور پاک دامنی کے باب میں چند رسالے لکھے ہیں، مگر اس آیت سے استدلال نہیں کیا ہے، اور اگر یہ آیتیں اُن کے نسخوں میں موجود ہوتیں تو ضرور یہ ذکر کرتے، اور یقینی طور پر ان سے استدلال کرتے"۔

وارڈ کیتھولک کہتا ہے کہ:۔

"بعض متقدمین نے انجیل یوحنا کے باب کی ابتدائی آیتوں پر اعتراض کیا ہے"۔

نورٹن نے فیصلہ کیا ہے کہ یہ آیتیں یقیناً الحاقی ہیں،

شاہد نمبر ۴۱ انجیل متی باب ۶ آیت ۱۸ میں یوں ہے کہ:۔

"اس صورت میں تیرا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے علانیہ تجھے بدلہ دے گا"۔

اس میں لفظ "علانیہ" الحاقی ہے، آدم کلارک اس آیت کی شرح کے ذیل میں اس کا الحاقی ہونا ثابت کرنے کے بعد کہتا ہے کہ:۔

"چونکہ اس لفظ کی کوئی پوری سند نہیں تھی، اس لئے کریسباخ نے اور گرڈ ٹیس اور مل و بنجل نے اس کو متن سے خارج کر دیا[1]"۔

شاہد نمبر ۴۲ انجیل مرقس کے باب ۶ آیت ۱۷ میں لفظ "توبہ تک[2] واقع ہوا ہے"، جو الحاقی ہے آدم کلارک نے اسکے الحاقی ہونے کو ثابت کرنے کے بعد ان آیات کی شرح کے ذیل میں کہتا ہے کہ:۔

"کریسباخ نے اس لفظ کو حذف کر دیا اور گرڈ ٹیس اور مل اور بنجل نے اسکی پیروی کی ہے"۔

[1] چنانچہ اردو ترجمہ اور جدید انگریزی ترجموں میں اُسے ساقط کر دیا ہے، قدیم عربی اور انگریزی ترجمہ میں یہ لفظ موجود ہے، مگر انگریزی ترجمہ کے متبادل الفاظ کی فہرست میں اُسے ساقط کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے، بلکہ اس کے ساتھ ۶: ۴ اور ۶: ۶ سے بھی اس لفظ کو حذف کرنیکا مشورہ مذکور ہے ۱۲ تقی

[2] پر شک کی علامت لگی ہوئی ہے اور اردو ترجمہ میں اسے ساقط کر دیا گیا ہے ۱۲ تقی

شاہد نمبر ۴۳ انجیل متی کے باب ۹ آیت ۱۳ میں بھی لفظ "توبہ تک" واقع ہوا ہے یہ بھی الحاقی ہے، آدم کلارک نے اس کا الحاقی ہونا ثابت کرنے کے بعد اس آیت کی شرح کے ذیل میں کہا ہے کہ:-

"مل اور بنجل نے اس کا حذف کیا جانا پسند کیا ہے اور گریسباخ نے تو اسکو متن ہی سے خارج کر دیا"

شاہد نمبر ۴۴ انجیل متی کے باب ۲۰ آیت ۲۲ میں یوں کہا گیا ہے کہ:-

"پس یسوع نے جواب دیا اور کہا کہ تم نہیں جانتے کہ کیا مانگتے ہو، جو پیالہ میں پینے کو ہوں کیا تم پی سکتے ہو؟ اور جس رنگ میں رنگنے کو ہوں کیا تم اس میں رنگ سکتے ہو؟ انھوں نے کہا کہ ہم کر سکتے ہیں، تو اس نے ان سے کہا میرا پیالہ تو پیو گے اور جس رنگ میں میں رنگوں گا اس میں تو رنگو گے الخ" (آیات ۲۲ و ۲۳)

اس میں یہ قول کہ "جس رنگ میں رنگنے کو ہوں کیا تم رنگ سکتے ہو" الحاقی ہے، اسی طرح یہ قول بھی کہ "جس رنگ میں میں رنگوں گا اس میں تو رنگو گے" گریسباخ نے دونوں کو متن سے خارج کر دیا، اور آدم کلارک نے ان دونوں آیتوں کی شرح کے ذیل میں اُن کے الحاقی[1] ہونے کو ثابت کرنے کے بعد کہا ہے کہ:-

"جو قاعدے محققین نے صحیح عبارت کو غلط عبارت سے ممتاز کرنے اور پہچاننے کے لئے مقرر کر دیئے ہیں اُن کی بنا پر ان دونوں اقوال کا جزوِ متن ہونا معلوم نہیں ہوتا"

شاہد نمبر ۴۵ انجیل لوقا باب ۹ آیت ۵۵ میں ہے کہ:-

"مگر اس نے پھر کر انھیں جھڑکا، اور کہا کہ تم نہیں جانتے کہ تم کیسی روح کے ہو (کیونکہ ابن آدم لوگوں کی جان برباد کرنے نہیں بلکہ بچانے آیا ہے) پھر وہ کسی اور گاؤں میں چلے گئے"

اس میں عبارت "کیونکہ ابن آدم" الحاقی[2] ہے، آدم کلارک نے ان دونوں آیتوں کی شرح کے ذیل میں کہا ہے کہ:- "گریسباخ نے اس عبارت کو متن سے خارج کر دیا اور غالب یہ ہے کہ بہت پرانے نسخوں میں اس طرح کی عبارت ہو گی کہ "مگر اس نے پھر کر انھیں جھڑکا، اور کہا کہ تم نہیں جانتے کہ تم کیسی روح کے ہو، پھر وہ کسی اور گاؤں میں چلے گئے"

[1] ہم نے عبارت کا ترجمہ عربی اور انگریزی ترجموں سے لیا ہی، موجودہ اردو ترجمہ میں یہ الحاقی عبارت حذف کر دی گئی ہی ۱۲ تقی

[2] ابتک تمام ترجموں میں یہ عبارت چلی آرہی تھی، البتہ اردو و انگریزی میں اس پر شک کی علامت لگی ہوئی تھی، جدید انگریزی ترجمہ میں اس کو ساقط کر دیا گیا ہی ۱۲ تقی

مقصد سوم

تحریفِ لفظی الفاظ حذف کرنے کی شکل میں

پہلی شہادت

کتاب پیدائش باب ۱۵ آیت ۱۳ میں ہے کہ :۔

"اور اس نے ابرام سے کہا، یقین جان کہ تیری نسل کے لوگ ایسے مُلک میں جو اُن کا نہیں پردیسی ہوں گے، اور وہاں کے لوگوں کی غلامی کریں گے اور وہ چار سو برس تک اُن کو دُکھ دیں گے۔"

اس میں یہ لفظ کہ "وہاں کے لوگوں کی غلامی کریں گے" نیز اسی باب کی مندرجہ ذیل چودھویں آیت :۔

"لیکن میں اس قوم کی عدالت کروں گا جس کی وہ غلامی کریں گے اور بعد میں وہ بڑی دولت لے کر وہاں سے نکل آئیں گے۔"

یہ دونوں اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ سرزمین سے مراد مصر کا ملک ہی، اس لئے کہ جن لوگوں نے بنی اسرائیل کو غلام بنایا اور اُن کو تکلیف میں مبتلا کیا، اور پھر اُن کو خدا نے سزا دی، اور بنی اسرائیل بے شمار مال لے کر نکلے، یہ لوگ مصری ہی تھے، ان کے علاوہ اور کوئی نہیں، کیونکہ یہ اوصاف کسی دوسرے میں موجود نہیں ہیں،

اور کتاب الخروج باب ۱۲ کی آیت ۴۰ میں یوں ہے کہ :۔

اور بنی اسرائیل کو مصر میں بود و باش کرتے ہوئے چار سو تیس برس گذرے تھے "

ان دونوں آیتوں میں اختلاف[1] ہے، اب یا تو پہلی آیت سے "تیس" کا لفظ ساقط کیا گیا ہے، یا دوسری میں یہ لفظ بڑھایا گیا ہے، اس اختلاف اور تحریف سے قطعِ نظر کرتے ہوئے بھی ہم کہتے ہیں کہ دونوں آیتوں میں جو مدتِ قیام بیان کی گئی ہے وہ یقیناً غلط ہے جس کی کئی وجوہ ہیں؛

پہلی وجہ، مصر میں بنی اسرائیل کے قیام کی مدت

موسیٰ علیہ السلام لاوی[2] کے نواسے بھی ہیں اور ان کے پڑپوتے بھی، کیونکہ ماں کی طرف سے آپ یوکبد بنت لاوی کے بیٹے ہیں اور باپ کی طرف سے آپ عمرام بن قاہث بن لاوی کے بیٹے ہیں، گویا عمرام نے اپنی پھوپی سے شادی کی تھی، جس کی تصریح کتاب خروج باب ۶ اور کتاب گنتی باب ۲۶ میں موجود ہے، اور قاہث موسیٰ علیہ السلام کے دادا ہیں، جو بنی اسرائیل کے مصر میں آنے سے قبل پیدا ہو چکے تھے، جس کی تصریح کتاب پیدائش باب ۴۶ آیت ۱۱ میں موجود ہے، اس لئے بنی اسرائیل کی مدت قیام مصر میں کسی طرح بھی ۲۱۵ سال سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔

دوسری وجہ

عیسائی مؤرخین اور مفسرین سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ بنی اسرائیل کی مدت قیامِ مصر میں ۲۱۵ سال ہے، علماء پروٹسٹنٹ کی تصانیف میں سے ایک کتاب عربی زبان میں ہے، جس کا نام "مرشد الطالبین الی الکتاب المقدس الثمین" ہے، اس کے سرورق پر لکھا ہے کہ یہ انگریز فادر مون کے گرجے کی جماعت کے پریس میں شہر فالٹہ میں ۱۸۴۰ء میں چھپی ہے، اور اس کے جزو دوم فصل ۱۱ میں ابتدا آفرینش سے ولادتِ مسیح تک کے حوادثِ عالم کو ضبط کیا ہے، اور ہر واقعہ کے دونوں جانب سالِ وقوع لکھے گئے ہیں، داہنی طرف وہ سال ہیں جو آغاز عالم سے اس وقت تک ہو چکے ہیں، اور بائیں طرف وہ سال ہیں جو حادثہ کے وقوع سے مسیح کی ولادت تک

---

[1] کیونکہ کتاب پیدائش میں غلامی کی مدت چار سو برس بیان کی گئی ہے ۱۲

[2] یعنی لاوی بن یعقوب علیہ السلام ۱۲

ہوئے ہیں، چنانچہ صفحہ ۳۴۶ میں یوسف علیہ السلام کے بھائیوں اور اُن کے والد کے قیام کا حال یوں بیان کیا گیا ہے، صفحہ ۳۴۶ پر ہے:۔

۲۲۹۸ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں اور والد کا قیام ۱۷۰۶،

۲۵۱۳ اسرائیلیوں کا بحر قلزم کو عبور کرنا اور فرعون کا غرق ہونا، ۱۴۹۱

اب آپ جب اقل کو اکثر میں سے گھٹائیں گے تو ۲۱۵ سال رہ جاتے ہیں، صورتِ عمل مندرجہ ذیل ہوگی،

۲۵۱۳	۱۷۰۶
۲۲۹۸	۱۴۹۱
۲۱۵	۲۱۵

یہ تو مورخین کا فتویٰ ہے، مفسرین کا قول بھی ہم آدم کلارک کی عبارت میں نقل کریں گے،

تیسری وجہ

گلتیوں کے نام پولس کے خط کے باب ۳ آیت ۱۶ میں یوں کہا گیا ہے:۔

"پس ابراہام اور اس کی نسل سے وعدے لئے گئے ہیں، وہ یہ نہیں کہتا کہ نسلوں سے جیسا کہ بہتوں کے واسطے کہا جاتا ہے، بلکہ جیسا ایک کے واسطے کہ تیری نسل کو اور وہ مسیح ہے، میرا یہ مطلب ہے کہ جس عہد کی خدا نے پہلے سے تصدیق کی تھی اس کو شریعت چار سو تیس برس کے بعد آکر باطل نہیں کر سکتی کہ وہ وعدہ لاحاصل ہو۔"

اس کا کلام بھی اگرچہ غلطی سے پاک نہیں، جیسا عنقریب معلوم ہو جائے گا، مگر خروج کی عبارت کے صریح مخالف ہے، کیونکہ اس میں ابراہیم علیہ السلام سے وعدہ کرنے کے وقت سے توراۃ کے نزول تک کی مدّت چار سو تیس سال بیان کی گئی ہے، حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وعدہ بنی اسرائیل کے مصر میں داخل ہونے سے بہت پہلے ہوا تھا، اور توراۃ کا نزول اُن کے مصر سے نکل آنے کے بہت بعد، لہٰذا اس کے مطابق بنی اسرائیل کے قیامِ مصر کی مدّت چار سو تیس سال سے بہت کم قرار پاتی ہے[1]، چونکہ یہ بیان قطعی غلط تھا اس لئے کتاب خروج باب ۱۲ آیت ۴۰ کی تصحیح یونانی اور سامری نسخوں میں اس طرح سے

[1] حالانکہ خروج ۱۲: ۴۰ کی منقولہ عبارت میں کل مدّت قیام ہی چار سو تیس سال بتائی گئی ہے ۱۲ تقی

کر دی گئی ہے کہ :۔

"پھر بنی اسرائیل اور ان کے آباء و اجداد کے کنعان اور مصر میں قیام کی کل مدت ۴۳۰ سال ہے"

گویا دونوں نسخوں میں الفاظ "آباء و اجداد" اور "کنعان" کا اضافہ کر دیا گیا ہے، آدم کلارک اپنی تفسیر کی جلد ص ۳۶۹ میں آیت مذکورہ کی شرح کرتے ہوئے کہتا ہے :۔

"اس پر سب کا اتفاق ہے کہ آیت مذکورہ کا مضمون سخت اشکال کا موجب ہے"

ہم کہتے ہیں کہ آیت کا مضمون نہ صرف یہ کہ موجب اشکال ہے بلکہ یقینی طور پر غلط ہے، جیسا کہ عنقریب آپ کو معلوم ہونے والا ہے، پھر یہ مفسر نسخہ سامری کی عبارت نقل کرتے ہوئے رقم طراز ہے :۔

"اسکندریانوس کی عبارت سامری نسخہ کے مطابق ہے، اور بہت سے فضلاء کی رائے یہ ہے کہ سامری نسخہ موسیٰ علیہ السلام کی پانچوں کتابوں کے لحاظ سے سب سے زیادہ صحیح ہے، اور یہ بات بھی تسلیم شدہ ہے کہ اسکندریانوس یونانی تراجم کے نسخوں میں سب سے زیادہ صحیح ہے اور موجودہ نسخوں میں سب سے زیادہ قدیم بھی، اور پولس کے معتبر ہونے میں کسی کو شک بھی نہیں ہے، اب اس قضیہ کا فیصلہ ان تینوں کی شہادت سے ہو گیا، اور تواریخ بھی شہادت دے رہی ہیں کہ حق انہی تینوں کی جانب ہے، اس لئے ابراہیم علیہ السلام جب کنعان آئے ہیں اُن کی ولادت سے اسحٰق کی پیدائش کا زمانہ پچیس سال ہے، اور اسحٰق کی عمر یعقوب کی ولادت کے وقت ۶۰ سال کی تھی، اور یعقوب کی عمر مصر کی آمد کے وقت ۱۳۰ سال تھی، اس طرح کل مدت ۲۱۵ سال ہوتی ہے، اور بنی اسرائیل کی مصر میں قیام کی مدت بھی ۲۱۵ سال ہے، اس طرح مجموعی مدت ۴۳۰ سال ہو جاتی ہے"

ہنری و اسکاٹ کی تفسیر کے جامعین یہ تسلیم کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل کی مصر میں مدت قیام ۲۱۵ سال تھی، وہ سامری نسخہ کی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ :۔

"اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ عبارت بالکل صحیح ہے، اور متن میں پیش آنے والے ہر اشکال کو دور کر دیتی ہے"

اب یہ بات واضح ہو گئی کہ عیسائی مفسرین کے پاس خروج کی اس عبارت کے لئے

جو عبرانی نسخہ میں ہر کوئی توجیہ اس کے سوا موجود نہیں ہے، کہ وہ اس کے غلط ہونے کا اعتراف کریں،

اور ہم نے جو یہ بات کہی ہے کہ پولس کا کلام بھی غلطی سے پاک نہیں ہے وہ اس لئے کہ اس نے مدت کا لحاظ وعدہ سے کیا ہے، اور اس وعدہ کا زمانہ اسحٰقؑ کی پیدائش سے ایک سال پہلے ہے، جس کی تصریح کتاب پیدائش کے باب ۱۷ میں اور باب مذکور کی آیت ۲۱ میں یوں کی گئی ہے کہ:۔

"لیکن میں اپنا عہد اضحاق سے باندھوں گا، جو اگلے سال اسی وقتِ معیّن پر سارہ سے پیدا ہوگا"

اور توریت کا نزول بنی اسرائیل کے خروجِ مصر کے بعد تیسرے ماہ میں ہوا، جس کی تصریح کتاب الخروج باب ۱۹ میں موجود[1] ہے، اس صورت میں اگر اس حساب کا اعتبار کیا جائے جس کی تصریح آدم کلارک کرتا ہے تو یہ مدت ۴۰۷ سال ہوتی ہے، یہی تصریح فرقۂ پروٹسٹنٹ کی تواریخ میں بھی پائی جاتی ہے، نہ کہ ۴۳۰ سال، جیسا کہ پولس نے دعویٰ کیا ہے،

مرشد الطالبین کے صفحہ ۳۴۵ پر مذکور ہے کہ:

۲۱۰۷[2] ..... اللہ کا ابرام سے وعدہ اور اس کے نام کی ابرام سے ابراہیم کی ۱۸۹۷ طرف تبدیلی اور ختنہ کی تعیین، حضرت لوطؑ کی نجات، سدوم، عمورہ، اضماد اور صابوعیم کی بدکاریوں کی بنا پر تباہی"

پھر صفحہ ۳۴۷ پر ہے کہ:۔

۲۵۱۴۔ "کوہِ سینا پر شریعت کا عطا کیا جانا" ۱۴۹۰

اب اگر اقل کو اکثر میں سے گھٹا دیتے ہیں تو ٹھیک ۴۰۷ بنتے ہیں، جس کی صورت یہ ہے:۔

۲۵۱۴	۱۸۹۷
۲۱۰۷	۱۴۹۰
۴۰۷	۴۰۷

[1] "اور بنی اسرائیل کو جس دن ملکِ مصر سے نکلے تین مہینے ہوئے اسی دن وہ سینا کے بیابان میں آئے الخ" (۱۹:۱)

[2] داہنی جانب آغازِ عالم کا سال ہے اور بائیں جانب قبل مسیح،

بالائے غمہائے دگر

ہم نے جو کہا تھا کہ یوکبد، عمران کی پھوپھی تھی، یہی درست ہے متعدد انگریزی، عربی، فارسی اور اردو تراجم اس کی شہادت دیتے ہیں، لیکن عجیب بات یہ ہے کہ کتاب خروج کے باب ۶ آیت ۲۰ ترجمہ عربی مطبوعہ سنہ ۱۶۲۵ء میں یوں کہا گیا ہے کہ :۔

"پھر عمران نے اپنے چچا کی بیٹی یوکبد سے شادی کی"

"پھوپھی" کی جگہ تحریف کر کے "چچا کی لڑکی" بنا دیا گیا ہے[1]، اور جب یہ ترجمہ پوپ اربانوس ہشتم کے زمانہ میں بڑی محنت سے طبع کیا گیا، اور بہت سے پادریوں، راہبوں اور علماء نے جو عبرانی یونانی و عربی زبانوں کے ماہر تھے، اس کی تصحیح میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا، جیساکہ اس ترجمہ کے آغاز میں لکھے ہوئے مقدمہ سے معلوم ہوتا ہے، اس لئے غالب یہی ہے کہ اس تحریف کا ارتکاب ان لوگوں نے دانستہ اس لئے کیا ہے تاکہ موسیٰ علیہ السلام کے نسب میں عیب نہ پیدا ہو جائے، کیونکہ توریت کی رُو سے پھوپی سے نکاح کرنا حرام ہے، جیساکہ کتاب احبار کے باب ۱۸ آیت[2] ۱۲ اور باب ۲۰ آیت ۱۹ میں تصریح پائی جاتی ہے اور ترجمہ عربی مطبوعہ سنہ ۱۸۴۸ء میں بھی یہ تحریف پائی جاتی ہے،

ہابیل قابیل کا واقعہ شاہد نمبر ۲

کتاب پیدائش باب ۴ آیت ۸ میں یوں کہا گیا ہے :۔

"اور قائن نے اپنے بھائی ہابل کو کچھ کہا اور جب وہ دونوں کھیت میں تھے تو یوں ہوا کہ قائن نے اپنے بھائی ہابل کو قتل کر دیا"

اور سامری، یونانی اور قدیم ترجموں میں اس طرح ہے کہ :۔

"قابیل نے اپنے بھائی ہابیل سے کہا کہ آؤ ہم کھیت کی طرف چلیں، اور جب وہ دونوں کھیت پر پہونچے الخ"

اس میں یہ عبارت کہ "آؤ کھیت کی طرف چلیں" عبرانی نسخہ سے خارج کر دی گئی ہے،

ہورن اپنی تفسیر کی جلد ۲ ص ۱۹۳ کے حاشیہ پر لکھتا ہے کہ :۔

---

[1] موجودہ تراجم میں "باپ کی بہن" ہی بنا دیا گیا ہے ۱۲ تقی۔ [2] "تو اپنی پھوپھی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا" (احبار ۱۸ : ۱۲) "اور تو اپنی خالہ یا پھوپھی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا" (۲۰ : ۱۹)

"یہ عبارت سامری، یونانی، ارامی نسخوں میں اور اسی طرح اس لاطینی نسخہ میں جو پالی گلاٹ والٹن میں چھپا تھا موجود ہے، کنی کاٹ نے عبرانی نسخہ میں اس کے داخل کئے جانے کا فیصلہ کیا، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ عبارت بہترین ہے"

پھر جلد اوّل مذکور کے صفحہ ۳۳۸ میں کہتا ہے کہ :-

"کبھی کبھی یونانی ترجمہ کی عبارت صحیح ہوتی ہے، لیکن آجکل کے مروجہ عبرانی نسخوں میں نہیں ملتی، مثلاً عبرانی نسخے خواہ وہ مطبوعہ ہوں یا ہاتھ کے لکھے ہوئے وہ آیتِ مذکورہ کے سلسلہ میں بیّن طور پر ناقص ہیں، اور مہر شدہ انگریزی ترجمہ کا مترجم چونکہ اس مقام کو پورے طور پر سمجھ نہیں سکا، اس لئے اس نے یوں ترجمہ کیا، "قابیل نے اپنے بھائی ہابیل سے کہا" اور اس کمی کی تلافی یونانی ترجمہ میں کر دی گئی ہے، اور یہ ترجمہ سامری نسخے اور لاطینی ترجمہ اور ارامی ترجمہ نیز لیکو تیلا کے ترجمہ اور ان دو تفسیروں کے جو کسدی زبان میں ہیں، اور اُس فقرہ کے مطابق ہو گیا جس کو فلو یہودی نے نقل کیا ہے"

آدم کلارک نے اپنی تفسیر کی جلد، ص ۶۳ میں وہی بات کہی ہے جو ہورن نے کہی تھی، نیز یہ عبارت عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۱ء و ۱۸۴۴ء میں شامل کر دی گئی ہے،

شاہد نمبر ۳

کتاب پیدائش باب آیت ۱۷ عبرانی نسخہ میں یوں ہے کہ :-

"اور چالیس دن تک زمین پر طوفان رہا"

اور یہی جملہ بہت سے لاطینی نسخوں اور یونانی ترجموں میں اس طرح ہے کہ :-

"اور طوفان چالیس شب و روز زمین پر رہا"

ہورن اپنی تفسیر کی جلد میں کہتا ہے کہ :-

"ضروری ہو کہ لفظ شب کا اضافہ عبرانی متن میں کیا جائے"

شاہد ۴

کتاب پیدائش باب ۳۵ آیت ۲۲ کے عبرانی نسخہ میں یوں کہا گیا ہے :-

"اور اسرائیل کے اس ملک میں رہتے ہوئے یوں ہوا کہ روبن نے جا کر اپنے باپ کی حرم بلہاہ سے مباشرت کی، اور اسرائیل کو یہ معلوم ہو گیا"

ہنری و اسکاٹ کے جامعین یہ کہتے ہیں کہ :-

"یہودی مانتے ہیں کہ اس آیت میں سے کچھ نہ کچھ ضرور حذف کیا گیا ہے، یونانی ترجمہ نے اس کمی کو ان الفاظ کا اضافہ کرکے پورا کیا ہے کہ "اور وہ اس کی نگاہ میں حقیر ہوگیا"،

اس مقام پر یہودیوں کو بھی اعتراف ہے کہ حذف واقع ہوا ہے، اور ایک جملہ کا کم کردیا جانا عبرانی نسخہ سے اہل کتاب کے نزدیک کچھ زیادہ مستبعد نہیں ہے، چہ جائیکہ ایک دو حرف،

شاہد ۵

ہارسلے مفسر اپنی تفسیر کی جلد ۱، ص ۸۲ میں کتاب پیدائش کے باب ۴۴ آیت ۵[1] کے ذیل میں یوں کہتا ہے کہ:۔

"یونانی ترجمہ میں اس آیت کے شروع میں یہ جملہ بڑھایا جاتا ہے کہ تم نے میرے پیالے کیوں چرائے"،

اس میں یہ جملہ اس کے اعتراف کے مطابق عبرانی نسخہ سے حذف کردیا گیا ہے،

شاہد ۶

کتاب پیدائش باب ۵۰ آیت ۲۵ میں یوں کہا گیا ہے کہ:۔

"سو تم ضرور ہی میری ہڈیوں کو یہاں سے لے جانا"

اور سامری نسخے اور یونانی اور لاطینی ترجموں میں اور بعض قدیم ترجموں میں یوں ہے کہ:۔

"اور میری ہڈیاں یہاں سے اپنے ساتھ لے جاؤ"

گویا عبرانی نسخہ سے لفظ "اپنے ساتھ" گرادیا گیا ہے، ہورن کہتا ہے کہ:۔

"مسٹر بتھ نے اس متروک لفظ کو اپنے جدید بائبل کے ترجمہ میں شامل کرلیا اور بالکل ٹھیک کیا"،

شاہد ۷

کتاب خروج باب ۲ آیت ۲۲ میں یوں کہا گیا ہے کہ:۔

"اور اس کے ایک بیٹا ہوا، اور موسیٰؑ نے اس کا نام جیر سوم[2] یہ کہہ کر رکھا کہ میں اجنبی ملک میں مسافر ہوں"

---

[1] اس آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پیالے کی چوری کا مشہور واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ حضرت یوسفؑ نے ایک آدمی کو اپنے بھائیوں کے پیچھے بھیجتے ہوئے اسے ہدایت کی کہ وہ ان سے جاکر کہے کہ: "کیا وہ یہی چیز نہیں جس سے میرا آقا پیتا اور اسی سے ٹھیک فال بھی کھولا کرتا ہے" ۱۲ تقی

[2] جیر سوم کے معنی عبرانی زبان میں "پردیسی" کے ہیں ۱۲ تقی

اور یونانی اور لاطینی ترجموں میں اور بعض قدیم تراجم میں آیت مذکورہ کے اخیر میں یہ عبارت ہے کہ:۔

"اور اس نے ایک دوسرا لڑکا جنا، جس کا نام عاذر رکھا، پھر کہا، چونکہ میرے باپ کے خدا نے میری مدد کی، اور مجھ کو فرعون کی تلوار سے رہائی دی"

آدم کلارک اپنی تفسیر کی جلد ص ۳۱۰ میں تراجم سے مذکورہ عبارت نقل کرنے کے بعد کہتا ہے کہ:۔

"ہیوبی کینٹ نے اپنے لاطینی ترجمہ میں اس عبارت کو داخل کر کے دعویٰ کیا کہ اس کا مقام یہی ہے، حالانکہ کسی بھی عبرانی نسخہ میں خواہ قلمی ہو یا مطبوعہ یہ عبارت موجود نہیں ہے اور معتبر تراجم میں موجود ہے"

غرض عیسائیوں کے نزدیک یہ عبارت عبرانی نسخہ سے خارج کی گئی ہے،

شاہد ۸ سفر خروج باب ۶ آیت ۲۰ میں اس طرح کہا گیا ہے کہ:۔

"اس سے ہارونؑ اور موسیٰؑ پیدا ہوئے"

اور سامری نسخہ اور یونانی ترجمہ میں اس طرح ہے کہ:

"پھر اس سے ہارونؑ و موسیٰؑ اور ان کی بہن مریمؑ پیدا ہوئے"

اس میں لفظ "ان کی بہن" عبرانی نسخہ میں حذف کر دیا گیا ہے، آدم کلارک سامری اور یونانی نسخوں کی عبارت نقل کرنے کے بعد کہتا ہے کہ:۔

"بعض بڑے محققین کا خیال ہے کہ یہ لفظ عبرانی متن میں موجود تھا،

شاہد ۹ کتاب گنتی باب ۱۰ آیت ۱۰ میں ہے کہ:۔

"اور جب (تم[1]) سانس باندھکر زور سے پھونکو تو ان لشکروں کا جو جنوب کی طرف ہیں کوچ ہو"

اور یونانی ترجمہ میں اس آیت کے اخیر میں یوں کہا گیا ہے کہ:۔

[1] یہ اردو ترجمہ کی عبارت ہے، ہمارے پاس موجودہ دوسرے ترجموں میں بھی ایسا ہی ہے، مگر "اظہار الحق" میں جس عربی ترجمہ سے نقل کیا گیا ہے اس میں "جب تم" کے بجائے "جب وہ" ہے، ۱۲

"اور وہ جب تیسری بار نرسنگا پھونکیں گے تو مغربی خیمے روانگی کے لئے اٹھائے جائیں گے، اور جب چوتھی مرتبہ پھونکیں گے تو شمالی خیمے روانگی کے لئے اٹھائے جائیں گے۔"

آدم کلارک اپنی تفسیر جلد ص ۶۶۳ میں کہتا ہے کہ:۔

"اس موقع پر غربی اور شمالی خیموں کا ذکر نہیں کیا گیا، مگر معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ نرسنگا پھونکے جانے پر بھی روانہ ہو جاتے تھے، اور اسی وجہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اس مقام پر عبرانی متن ناقص ہے، یونانی نسخہ میں اسکی تکمیل یوں کی گئی ہے کہ" اور جب تیسری مرتبہ پھونکیں گے تو مغربی خیمے روانگی کے لئے اٹھالئے جائیں گے، اور جب چوتھی بار پھونکیں گے تو شمالی خیمے روانگی کے واسطے اٹھائے جائیں گے۔"

شاہد ۱۰

مفسر بارسلی کہتا ہے کہ:۔

"کتاب القضاۃ، باب ۱۶ آیت ۱۴ کے ابتدائی حصہ اور آیت ۱۳ کے آخری حصہ سے کچھ حذف کر دیا گیا ہے، اس لئے یونانی ترجمہ سے لے کر یہ عبارت بڑھائی جائے، "پھر اس[1] نے اس سے کہا کہ اگر تو میرے سر کے بالوں کی سات لٹیں لیکر ان کو تانے کے ساتھ بُن دے اور دیوار میں میخ کے ساتھ باندھ دے تو میں دوسرے لوگوں کی طرح کمزور ہو جاؤں گا، پھر میں نے اُس کو سُلا دیا، اور اس کے بالوں کے سات گچھے لے کر انھیں تانے کے ساتھ بُن دیا، اور باندھ دیا،"

شاہد ۱۱

آدم کلارک اپنی تفسیر کے جلد صفحہ ۱۶۷۶ میں کہتا ہے کہ:۔

"یونانی ترجموں سے آیت[2] ۳ پوری کی پوری سوائے لفظ "ہم نے اس کی شکایت کی" گرادی گئی ہے، اور آیت ۴، ۵، ۹، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱ حذف

---

[1] یہ سمسون کا مشہور واقعہ ہے ۱۲

[2] تمام نسخوں میں ایسا ہی ہے، کہ کتاب اور باب کا حوالہ نہیں دیا گیا، کتاب کے انگریزی مترجم نے بھی اس پر کوئی اضافہ نہیں کیا، احتمال یہ تھا کہ کتاب القضاۃ باب ۱۶ کی آیت ۳ مراد ہو، مگر وہاں اس قسم کی کوئی عبارت نہیں، واللہ اعلم بالصواب ۱۲ تقی

کردی گئیں ہیں»

نیز عربی ترجمہ میں اسی باب کی آیت ۱ لغایۃ ۲۶ اور آیت ۲۹ حذف کردی گئی ہیں،

شاھد ۱۲

کتاب ایوب کے باب ۴۲ آیت ۱۷ میں ہے کہ:۔

"اور ایوبؑ نے بوڑھا اور عمر رسیدہ ہو کر وفات پائی"

عبرانی نسخہ اس عبارت پر ختم ہو گیا، اور یونانی ترجمہ میں اس پر اس قدر اضافہ کیا گیا کہ:۔

"اور دوبارہ ان لوگوں کے ہمراہ زندہ ہوگا جن کو خداوند زندہ کرکے اٹھائے گا"

نیز ایک تتمہ بڑھایا گیا ہے جس میں ایوبؑ کے نسب اور اُن کے حالات کا مختصر طور پر بیان ہے، کامتھ اور ہر ڈر کہتے ہیں کہ یہ تتمہ الہامی کتاب کا جزء ہے، فلو اور یوبی ہسٹر نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے، آریجن کے عہد کے لوگ بھی اس کو تسلیم کرتے تھے، تھیوڈ ڈوشن نے بھی اس کو یونانی ترجمہ میں لکھا ہے، اس بناء پر متقدمین عیسائیوں اور علماء کے نزدیک عبرانی نسخہ میں کمی کرکے تحریف کی گئی ہے،

نیز فرقہ پروٹسٹنٹ کے محققین اس پر متفق ہیں کہ یہ جعلی ہے، اُن کے نزدیک یونانی ترجمہ میں تحریف بالزیادۃ لازم آتی ہے،

تفسیر ہنری و اسکاٹ کے جامعین نے یوں کہا ہے:۔

"بظاہر یہ جعلی ہے، اگرچہ مسیحؑ سے قبل لکھی گئی ہے"

ہماری گذارش یہ ہے کہ جب یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ یہ صورت مسیحؑ سے قبل کی ہے تو لازم آتا ہے کہ متقدمین عیسائی حواریوں کے زمانہ سے ۱۵۰۰ء تک اس محرف کو خدا کا کلام سمجھتے رہے، کیونکہ ان لوگوں کا عملدرآمد اس عہد تک اسی ترجمہ پر رہا، اور وہ اس کی صحت کا اعتقاد رکھتے تھے، اور عبرانی کے محرف ہونے کا،

زبور میں تحریف کی کھلی مثال

شاھد ۱۳

زبور نمبر ۱۴ کی آیت ۳ کے بعد لاطینی ترجمہ میں اور ایتھوپک ترجمہ میں اور عربی ترجمہ میں اور یونانی ترجمہ کے ویٹی کن والے نسخہ میں یہ عبارت موجود ہے کہ:۔

"ان کا گلا کھلی ہوئی قبر ہے، انھوں نے اپنی زبانوں سے فریب دیا، ان کے ہونٹوں میں سانپوں کا زہر ہے، اُن کا مُنہ لعنت اور کڑواہٹ سے بھرا ہے، اُن کے قدم خون بہانے کے لئے تیز رَو ہیں، اُن کی راہوں میں تباہی اور بد حالی ہے، اور وہ سلامتی کی راہ سے واقف نہ ہوئے، اُن کی آنکھوں میں خدا کا خوف نہیں" (آیات ۱۳ تا ۱۸)

یہ عبارت عبرانی نسخہ میں موجود نہیں ہے، بلکہ رومیوں کے نام پولس کے خط میں پائی جاتی ہے، اب یا تو یہودیوں نے یہ عبارت عبرانی نسخہ سے ساقط کر دی ہے، تب تو یہ تحریف بالنقصان ہے، یا عیسائیوں نے اپنے ترجموں میں اپنے مقدس پولس کے کلام کی تصحیح کے لئے بڑھائی ہے، تب یہ تحریف بالزیادۃ کی صورت ہوگی، اس لئے کسی نہ کسی ایک نوع کی تحریف ضرور لازم آئے گی،

آدم کلارک زبور کی آیت مذکورہ کی شرح کے ذیل میں کہتا ہے کہ:

"اس آیت کے بعد ویٹی کن کے نسخہ میں ایتھوپک والے ترجمہ میں اسی طرح عربی ترجمہ میں چھ آیات آئی ہیں جو رومیوں کے نام پولس کے خط باب ۳ آیت ۱۳ تا آیت ۱۸ کے اندر موجود ہیں[1]"

شاہد ۱۴ کتاب یسعیاہ عبرانی نسخہ باب ۴۰ آیت ۵ میں یوں کہا گیا ہے کہ:-

"اور خداوند کا جلال آشکارا ہوگا، اور تمام بشر اس کو دیکھے گا، کیونکہ خداوند نے اپنے مُنہ سے فرمایا ہے"

اور یونانی ترجمہ میں اس طرح ہے کہ:-

"اور خدا کا جلال آشکارا ہوگا، اور ہر شخص ایک ساتھ ہمارے معبود کی نجات کو دیکھے گا کیونکہ یہ بات خدا کے مُنھ کی نکلی ہوئی ہے"

آدم کلارک اپنی تفسیر کی جلد ۴ ص ۸۵، میں یونانی ترجمہ کی عبارت نقل کرنے کے بعد کہتا ہے کہ:-

"میرا خیال ہے کہ یہی عبارت اصل ہے"

---

[1] مذکورہ بالا عبارت کا ترجمہ یہیں سے لیا گیا ہے ۱۲ تقی

پھر کہتا ہے کہ :-

"عبرانی متن میں یہ کمی اور حذف بہت قدیم اور کسدی و لاطینی اور سریانی ترجموں سے مقدم ہے، اور یہ عبارت یونانی ترجمہ کے ہر نسخہ میں موجود ہے، اور لوقانے بھی باب ۳ آیت ۶ میں اس کو تسلیم کیا ہے، اور میرے پاس ایک بہت قدیم نسخہ موجود ہے اس میں یہ پوری آیت غائب ہے"

ہورن اپنی تفسیر کی جلد ۲ حصہ اول کے باب ۸ میں کہتا ہے کہ :-

"لوقا نے باب ۳ آیت ۶ میں یونانی ترجمہ کے مطابق لکھا ہے، اور لوتھر نے یہ سمجھ کر کہ یہی عبارت صحیح ہے، کتاب اشعیاء کے اپنے ترجمہ میں شامل کرلیا ہے"

ہنری واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین کا قول ہے کہ :-

"لفظ "دیکھیں گے" کے بعد "ہمارے معبود کی نجات" کے الفاظ بڑھانے ضروری ہیں، باب ۵۲ آیت ۱۰ اور یونانی[۵۲] ترجمہ قابلِ ملاحظہ ہے"

غرض ان مفسرین کے اعتراف کے مطابق عبرانی متن میں کمی کرکے تحریف کا ارتکاب کیا گیا ہے اور آدم کلارک کے اقرار کے بموجب یہ تحریف بہت قدیم ہے،

شاہد ۱۵

آدم کلارک کتاب یسعیاہ کے باب ۶۴ آیت ۵ کی شرح کے ذیل میں یوں کہتا ہے کہ :-

"میرا عقیدہ یہ ہے کہ یہ کمی کاتب کی غلطی سے ہوئی ہے، اور یہ تحریف بہت پرانی ہے، کیونکہ گزشتہ مترجمین آیت کے معنی کو خوبی سے بیان کرنے پر قادر نہ ہوسکے، بالکل اسی طرح جیسا کہ متاخرین بیان میں کامیاب نہ ہوسکے"

شاہد ۱۶
انجیل لوقا میں تحریف

ہورن اپنی تفسیر کی جلد ۴ ص ۴۷۷ میں کہتا ہے کہ :-

"انجیل لوقا کے باب ۱۷ آیت ۳۳ و ۳۴ کے درمیان پوری ایک آیت حذف کردی گئی ہے، اس لئے انجیل متی باب ۲۴ آیت ۳۶ کا حصہ

---

[۵۱] اس میں کتاب یسعیاہ کا حوالہ دیکر ایک عبارت نقل کی ہے جس میں ہے "اور ہر بشر خدا کی نجات دیکھے گا" ۱۲

[۵۲] اس میں کہا گیا ہے "اور زمین سراسر ہمارے خدا کی نجات کو دیکھے گی ۱۲ تقی

یا انجیل مرقس باب ۱۳ آیت ۳۲ کا جزو لے کر بڑھانا ضروری ہے، تاکہ لوقا دوسری دونوں انجیلوں کے موافق ہو جائے"

پھر حاشیہ میں کہتا ہے کہ :-

"جملہ محققین اور مفسرین نے اس زبردست کمی سے چشم پوشی کی ہے جو لوقا کے متن میں نظر آتی ہے، یہاں تک کہ اس پر ہیکز نے توجہ کی"

اس کے اعتراف کے مطابق انجیل لوقا کی ایک سالم آیت غائب کر دی گئی ہے، اور اس کا بڑھایا جانا اس میں نہایت ضروری ہے، اور یہ آیت انجیل متی میں یوں[1] ہے کہ :-

"لیکن اُس دن اور اُس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا نہ آسمان کے فرشتے نہ بیٹا، مگر صرف باپ"

شاہد ۱۷

کتاب اعمال باب ۱۶ آیت ۷ میں یوں کہا گیا ہے کہ :-

"پھر روح نے انھیں جانے نہیں دیا"

کریسباخ اور شولز کہتے ہیں کہ صحیح یوں ہے کہ :-

"پھر اُن کو یسوع کی روح نے اجازت نہیں دی"

اب ان دونوں کے اقرار کے مطابق لفظ یسوع حذف کر دیا گیا ہے. پھر یہ لفظ ۱۶۷۱ء و ۱۸۲۱ء میں عربی ترجمہ میں شامل کیا گیا، اور ان دونوں کی عبارت اس[2] طرح ہے کہ :-

"مگر یسوع کی روح نے انھیں جانے نہیں دیا"

انجیلِ متی، متی کی نہیں ہے اس کے شواہد، شاہد ۱۸

وہ انجیل جو اس زمانہ میں متی کی جانب منسوب ہے، اور جو سب سے پہلی انجیل ہے، اور عیسائیوں کے نزدیک سب سے قدیم ہے یقیناً متی کی تصنیف نہیں ہے، بلکہ اس کو تو ان حضرات نے تحریف کرنے کے بعد ضائع کر دیا ہے، کیونکہ تمام متقدمین عیسائی اور بے شمار متأخرین اس امر پر متفق ہیں کہ انجیل متی جو عبرانی زبان میں تھی

[1] مرقس ۱۳: ۳۲ میں بھی الفاظ کی معمولی تبدیلی سے یہی مفہوم ہے ۱۲ [2] موجودہ اردو اور جدید انگریزی ترجموں میں بھی یہ لفظ بڑھا دیا گیا ہے مگر سابق انگریزی ترجمہ میں اب تک یہ لفظ محذوف ہے ۱۲ تقی

وہ لبعض عیسائی فرقوں کی تحریف کی وجہ سے ضائع اور ناپید ہو چکی ہے، اور آجکل کی موجودہ انجیل اس کا ترجمہ ہے، اور اس ترجمہ کی سند بھی اُن کے پاس موجود نہیں ہے، یہاں تک کہ آج تک اس کے مترجم کا نام بھی یقینی طور پر معلوم نہیں، جیساکہ اس امر کا اعتراف عیسائیوں کے متقدمین میں سب سے افضل شخص جیرُدم نے کیا ہے، تو بھلا مترجم کے حالات تو کیا معلوم ہو سکتے ہیں، البتہ قیاسی گھوڑے ضرور دوڑا کر کہہ دیا ہے کہ شاید فلاں نے یا فلاں نے اس کا ترجمہ کیا ہوگا جو مخالف پر حجت نہیں، اور کوئی کتاب محض قیاس اور اندازے سے کسی مصنف کی جانب منسوب نہیں کی جا سکتی،

پھر جب تمام متقدمین عیسائی اور اکثر متاخرین کا مسلک یہ ہو تو پھر علماء پروٹسٹنٹ کے قول پر جو بغیر کسی دلیل و برہان کے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ متی نے خود ہی اس کا ترجمہ کیا ہے، کیسے بھروسہ اور اعتبار کیا جا سکتا ہے، ؟

آئیے اب ہم آپ کے سامنے اس سلسلہ کی کچھ شہادتیں پیش کرتے ہیں :-

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۱۹ میں ہے کہ :-

"عہد جدید کی ہر کتاب یونانی زبان میں لکھی گئی ہے، سوائے انجیلِ متی اور رسالہ عبرانیہ کے، کیونکہ ان دونوں کی تالیف کا عبرانی زبان میں ہونا دلائل کی بنا پر یقینی بات ہے"

لارڈنر کلیات جلد ۲ صفحہ ۱۱۹ میں لکھتا ہے کہ :-

"پے پیاس نے لکھا ہے کہ متی نے اپنی انجیل عبرانی میں لکھی تھی، اور ہر شخص نے اس کا ترجمہ اپنی قابلیت کے مطابق کیا"

یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بہت سے لوگوں نے اس انجیل کا ترجمہ کیا ہے، پھر جب تک مکمل سند سے یہ بات ثابت نہ ہو جائے کہ یہ موجودہ ترجمہ فلاں شخص کا کیا ہوا ہے، جو صاحبِ الہام بھی تھا، تو کیونکر ایسے ترجمہ کو الہامی کتابوں میں شامل کیا جا سکتا ہے ؟ سند سے تو اس کا ثقہ ہونا بھی ثابت نہیں، صاحبِ الہام ہونا تو کجا، پھر لارڈنر جلد مذکور کے صفحہ ۱۷۰ پر کہتا ہے کہ :-

"ارینوس نے لکھا ہے کہ متی نے یہودیوں کے لئے اپنی انجیل اُن کی زبان میں اُس زمانہ میں

لکھی تھی جبکہ روم میں پولس اور پطرس وعظ کہتے پھرتے تھے "

پھر اسی جلد کے صفحہ ۴۷۵ میں کہتا ہے کہ :-

"آریجن کے تین جملے ہیں، پہلا تو یہ ہے جسکو یوسی بیس نے نقل کیا ہے کہ متی نے ایماندار یہودیوں کو عبرانی زبان میں انجیل عطا کی تھی، دوسرا یہ کہ متی نے سب سے پہلے لکھی اور عبرانیوں کو انجیل دی، تیسرا یہ کہ متی نے انجیل عبرانیوں کے لئے لکھی تھی، جو اس شخص کے منتظر تھے جس کا وعدہ ابراہیم و داؤد کی نسل سے کیا گیا ہے "

پھر لارڈنر جلد ۴ صفحہ ۹۵ میں کہتا ہے کہ :-

"یوسی بیس نے لکھا ہے کہ متی نے عبرانیوں کو وعظ سنانے کے بعد جب دوسری قوموں کے پاس جانے کا قصد کیا تو انجیل ان کی زبان میں لکھ کر ان کو عطا کی "

پھر جلد ۴ صفحہ ۱۷۴ میں کہتا ہے کہ :-

"سرل کا قول ہے کہ متی نے انجیل عبرانی زبان میں لکھی تھی "

پھر جلد ۴ صفحہ ۱۸۷ پر کہتا ہے کہ :-

"اپی فینس لکھتا ہے کہ متی نے انجیل عبرانی زبان میں لکھی تھی، عہد جدید کی تحریر میں اس زبان کے استعمال کرنے میں یہ شخص منفرد ہے "

پھر جلد ۴ صفحہ ۴۳۹ میں لکھتا ہے کہ :-

"جیروم نے لکھا ہے کہ متی نے انجیل عبرانی زبان میں ایمان دار یہودیوں کے لئے یہودی علاقہ میں لکھی تھی، اور شریعت کے سایہ کو انجیل کی صداقت کے ساتھ مخلوط نہیں کیا "

پھر جلد ۴ صفحہ ۴۴۱ میں کہتا ہے کہ :-

"جیروم نے مؤرخین کی فہرست میں لکھا ہے کہ متی نے اپنی انجیل ایماندار یہودیوں کے لئے یہودی سرزمین میں عبرانی زبان اور عبرانی حروف میں لکھی تھی، اور یہ بات ثابت نہیں ہو سکی کہ اس کا ترجمہ یونانی میں ہوا، اور نہ یہ ثابت ہوا کہ اس کا مترجم کون ہے؟ اس کے علاوہ یہ چیز بھی قابل لحاظ ہے کہ اس کی عبرانی انجیل کا نسخہ سوریا کے اس کتب خانہ میں موجود ہے، جس کو پیمفلس شہید نے بڑی محنت سے جمع کیا تھا، اور میں نے اس کی نقل ان

مددگاروں کی اجازت سے حاصل کی، جو سریا کے ضلع بریا میں تھے، اور ان کے استعمال میں بھی عبرانی نسخہ تھا"

پھر جلد ۴ صفحہ ۵۰۱ میں لکھتا ہے کہ:۔

"آگسٹائن لکھتا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ صرف متی نے چاروں انجیل والوں میں سے اپنی انجیل عبرانی میں لکھی، اور دوسروں نے یونانی میں"

پھر جلد ۴ صفحہ ۵۳۸ میں کہتا ہے کہ:۔

"کریزاسٹیم لکھتا ہے کہا جاتا ہے کہ متی نے اپنی انجیل ایماندار یہودیوں کی درخواست پر عبرانی زبان میں لکھی تھی"

پھر لارڈنر جلد ۵ صفحہ ۱۳۷ میں کہتا ہے کہ:۔

"اسی ڈور لکھتا ہے کہ چاروں انجیلی حضرات میں سے صرف متی نے عبرانی زبان میں لکھی تھی، اور دوسروں نے یونانی میں"

ہورن اپنی تفسیر کی جلد ۴ میں کہتا ہے کہ:۔

"بلرمن اور کرٹیس اور کسابن اور والٹن، ٹاملائن، کیو، ہمڈ، دمل، ہارورڈ، اوڈن، دکین بل، وائی کلارک، سائمن، تلی مینٹ، پری ٹس، اوڈوین، کامتھ میکائلس، اری نیس، آرجن، سرل، اپی فینس، کریزاسٹم، جیروم وغیرہ ان علماء متقدمین اور متاخرین نے پے پیاس کے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ یہ انجیل عبرانی زبان میں لکھی گئی تھی"

اور "وغیرہ" سے مراد گریگری، نازین زن، اور ایبدجو اور تھیو فیلیکٹ اور یوتھی میس اور یوسی بیس اور ایتھانی سنس، آگسٹائن اور اسی ڈور وغیرہ ہیں، جن کے ناموں کی تصریح لارڈنر اور واٹسن وغیرہ نے اپنی کتابوں میں کی ہے،

نیز ڈی آئلی اور رچرڈ منٹ کی تفسیر میں ہے کہ:۔

"پچھلے دور میں بڑا سخت اختلاف پیدا ہوا، کہ یہ انجیل کس زبان میں لکھی گئی تھی، مگر چونکہ بہت سے متقدمین نے تصریح کی ہے کہ متی نے اپنی انجیل عبرانی زبان میں لکھی جو فلسطین کے باشندوں کی زبان تھی، اس لئے یہ اس سلسلہ میں قول فیصل ہے"

ہنری واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین کہتے ہیں:۔

"عبرانی نسخہ کے معدوم ہونے کا سبب یہ ہوا کہ فرقہ ابیونیہ نے جو مسیح کی الوہیت اور خدائی کا منکر تھا اس نسخہ میں تحریف کی اور پھر وہ یروشلم کے فتنہ کے بعد ضائع ہوگیا"

بعض کی رائے یہ ہے کہ:

"ناصری لوگ یا وہ یہودی جو مسیحی مذہب میں داخل ہوگئے تھے انھوں نے عبرانی انجیل میں تحریف کی اور فرقہ ابیونیہ نے بہت سے جملے اس میں سے نکال ڈالے، ...

یوسی بیس نے اپنی تاریخ میں آرینوس کا یہ قول نقل کیا ہے کہ متی نے اپنی انجیل عبرانی میں لکھی تھی"

ریونے اپنی انجیل کی تاریخ میں لکھا ہے کہ:۔

"جو شخص یہ کہتا ہے کہ متی نے اپنی انجیل یونانی میں لکھی تھی وہ غلط کہتا ہے، کیونکہ یوسی بیس نے اپنی تاریخ میں اور مذہب عیسوی کے بہت سے رہنماؤں نے تصریح کی ہے کہ متی نے اپنی انجیل عبرانی میں لکھی تھی نہ کہ یونانی میں"

نیز نورٹن نے ایک ضخیم کتاب لکھی ہے، جس میں اس نے یہ ثابت کیا ہے کہ توریت قطعی جعلی ہے موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف نہیں ہے، اور انجیل کو بہت سی تحریفات کا اعتراف کرنے کے باوجود تسلیم کیا ہے، اسی لئے اس کی بات عیسائیوں کے نزدیک مقبول نہیں ہے، مگر چونکہ اپنے عیسائی ہونے کا مدعی تھا، اور اس نے اس باب میں عیسائیوں کے معتبر متقدمین کے کلام کو نقل کیا ہے، اس لئے اس کے کلام کو نقل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، چنانچہ وہ اپنی کتاب مطبوعہ بوسٹن ۱۸۳۷ء جلد ا ص ۴۵ کتاب کے دیباچہ کے حاشیہ میں یوں کہتا ہے کہ:

"لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ متی نے اپنی انجیل عبرانی زبان میں لکھی تھی، کیونکہ جن متقدمین نے اس باب میں اشارہ کیا ہے وہ سب اس میں ایک زبان ہیں، میں اُن لوگوں کا ذکر چھوڑتا ہوں جو زیادہ معتبر نہیں ہیں، اور کہتا ہوں کہ پے پیاس اور ارینوس، آریجن، یوسی بیس اور جیروم نے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ انجیل عبرانی زبان میں لکھی گئی تھی، متقدمین میں کوئی بھی اس کے خلاف نہیں کہتا، اور یہ بہت بڑی شہادت ہے، اس لئے کہ تعصب اس دور میں بھی ان لوگوں میں اسی درجہ میں تھا جس قسم کا آج متاخرین میں تم کو نظر

آتا ہے، اس لئے اگر اُن کی بات میں ذرا بھی شک کی گنجائش ہوتی تو اُن کے مخالفین تعصب کے ماتحت یہ کہہ سکتے تھے کہ یونانی انجیل اصل ہے، نہ کہ ترجمہ، کاش! ہم اس قدیم شہادت کو جو متفقہ ہے رد نہ کریں، جبکہ اس میں کوئی استحالہ بھی لازم نہیں آتا، اس لئے ضروری ہے کہ ہم اعتقاد رکھیں کہ متّٰی نے اپنی انجیل عبرانی زبان میں لکھی تھی، اور میں نے آج تک کوئی اعتراض اس شہادت پر ایسا نہیں پایا جسکی وجہ سے تحقیق کی ضرورت ہوتی، بلکہ بجائے اعتراض کے متقدمین کی شہادت اس امر کی نسبت پائی ہے کہ اس انجیل کا عبرانی نسخہ ان عیسائیوں کے پاس موجود تھا جو یہودی نسل کے تھے، خواہ وہ محرّف تھا یا غیر محرّف،،

ان اقوال سے معلوم ہو گیا کہ متّٰی نے اپنی انجیل عبرانی زبان اور عبرانی حروف میں لکھی تھی اور اس پر متقدمین کا اتفاق ہے، کوئی بھی اس کے خلاف نہیں کہتا، اس لئے اُن کی بات اس سلسلہ میں قول فیصل ہے، جیساکہ ڈی آئلی اور رچرڈ منٹ نے اس کا اقرار کیا ہے، اور یہ امر بھی کہ عبرانی نسخہ جیروم کے زمانہ تک موجود بھی تھا اور مستعمل بھی، اور یہ بھی کہ مترجم کے نام کی تحقیق نہ ہو سکی، اور یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ ہورن کا گذشتہ مضمون کے اعتراف کے باوجود یہ کہنا کہ "غالب یہ ہے کہ متّٰی نے اپنی انجیل دو زبانوں میں یعنی عبرانی اور یونانی میں لکھی تھی،، قابلِ التفات نہیں ہے، کیونکہ یہ بے دلیل اور محض قیاس ہے،

اور متقدمین کے قول کی تائید اور تقویت اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ متّٰی حواری تھا، جس نے مسیحؑ کے بیشتر حالات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا تھا، اور بعض باتیں خود بلا واسطہ سُنی تھیں، پھر اگر یہ اس انجیل کا مؤلف ہوتا تو کسی مقام پر تو یہ ظاہر ہوتا کہ وہ اپنے چشم دید واقعات بیان کر رہا ہے، کہیں تو اپنی نسبت متکلم کا صیغہ استعمال کرتا، جیساکہ متقدمین اور متأخرین کی عادت چلی آرہی ہے، اور یہ طریقہ حواریوں کے زمانہ میں بھی جاری تھا، آپ اُن خطوط کو ایک نظر دیکھ جائیے جو عہدِ جدید میں شامل ہیں، اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ اُن کے لکھے ہوئے ہیں تو دیکھنے والے پر یہ بات منکشف ہو جائے گی، کیا آپ کی نظر سے لوقا کی تحریر نہیں گذری؟ اس نے ساری انجیل لوقا اور باب ۱۹ تک کتاب اعمال سماع سے

لکھی ہے، لیکن ان دونوں کتابوں سے یہ بات واضح نہیں ہوتی، اور وہ کسی جگہ اپنے کو متکلم کے صیغہ سے تعبیر نہیں کرتا،

اس کے بعد جب وہ پولس کے ساتھ شریک سفر ہو جاتا ہے اور کتاب اعمال کا باب ۲۰ لکھتا ہے تو اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس میں اپنے کو متکلم کے صیغہ سے بھی تعبیر کرتا ہے، پھر اگر کوئی شخص موسیٰؑ کی توریت سے اور یوحنا کی انجیل سے استدلال کرے تو یہ دونوں ہمارے نزدیک محلِ نزاع ہیں[ا]، جیسا کہ باب اول میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے، اور ظاہر کے خلاف بغیر کسی مضبوط دلیل کے کیونکر استدلال کیا جا سکتا ہے، اور جبکہ مؤلف ثقہ ہو تو اس کی اپنی تحریر جس سے یہ حالت ظاہر ہوتی ہے واجب الاعتبار ہے،

نیز ہنری واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین کے کلام سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ انجیل قرونِ اُولیٰ میں متواتر نہیں تھی، اور اُس دور میں عیسائیوں کے یہاں تحریف کا عام رواج تھا ورنہ ناممکن تھا کہ کوئی شخص تحریف کر سکے، اور اگر بالفرض تحریف واقع بھی ہوتی تو وہ اس کے ترک کا سبب نہ بنتی، پھر جب اصل کتاب تحریف سے نہ بچ سکی تو ایسے میں کیا خیال کیا جا سکتا ہے کہ اس کا وہ ترجمہ جس کے مترجم کا بھی پتہ نہیں ہے تحریف سے بچ گیا ہو، بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ یہ سب محرّف ہیں،

چوتھی صدی عیسوی کا فرقہ مانی کیز کا مشہور عالم فاسٹس یوں کہتا ہے کہ :-

"جو انجیل متّی کی جانب منسوب ہے اس کی تصنیف ہرگز نہیں ہے"

پروفیسر جرمنی کا قول ہے کہ :-

"یہ پوری انجیل جھوٹی ہے"

اور یہ انجیل فرقہ مارسیونی کے پاس موجود تھی، مگر اس میں پہلے دو باب موجود نہ تھے، اس لئے یہ دونوں باب اُن کے نزدیک الحاقی ہیں، اسی طرح فرقۂ ابیونیہ کے نزدیک بھی یہ دونوں ابواب الحاقی ہیں، نیز فرقۂ یونی ٹیرین اور پادری ادئیمس نے اُن کو رد کیا اور

[ا] یعنی اگر کوئی یہ کہے کہ توریت حضرت موسیٰؑ کی تصنیف ہے، مگر اس میں وہ اپنے لئے صیغہ متکلم استعمال نہیں کرتے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ توریت کا حضرت موسیٰؑ کی تصنیف ہونا ہمیں تسلیم نہیں ۱۲

ان کا انکار کیا ہے، اسی طرح نورٹن نے اس انجیل کے اکثر مقامات کا انکار کیا ہے،

شاہد ۱۹

انجیل متی کے باب ۲ آیت ۲۳ میں ہے کہ :۔

”اور ناصرہ نام ایک شہر میں جا بسا تاکہ جو نبیوں کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہوا، کہ وہ ناصری کہلائے گا“،

اس میں یہ الفاظ کہ ”جو نبیوں کی معرفت کہا گیا تھا“ اس انجیل کے اغلاط میں سے ہیں، کیونکہ یہ بات انبیاء کی مشہور کتابوں میں سے کسی میں بھی نہیں ہے، لیکن ہم اس موقع پر وہی بات کہتے ہیں جو علماء کیتھولک نے کہی ہے، کہ یہ بات انبیاء کی کتابوں میں موجود تھی، مگر یہودیوں نے ان کتابوں کو مذہبِ عیسوی کی دشمنی میں ضائع کر دیا،

ہم کہتے ہیں کہ تحریف بالنقصان کی مثال اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک فرقہ الہامی کتابوں کو محض اپنی نفسانی اغراض یا کسی مذہب کی دشمنی میں ضائع کر دے، ہمفری کیتھولک نے ایک کتاب تالیف کی ہے جس کا نام ”سوالات السوال“ رکھا ہے، یہ لندن میں ۱۸۴۳ء میں چھپ چکی ہے، سوال نمبر ۲ میں مؤلف کہتا ہے کہ :۔

”وہ کتابیں جن میں یہ (یعنی متی کی نقل کردہ عبارت) موجود تھی مٹ گئیں، کیونکہ انبیاءؑ کی موجودہ کتابوں میں سے کسی میں بھی یہ نہیں ہے کہ عیسیٰ ناصری کہلائیں گے“،

کریزاسٹم کی متی جلد ۹ میں کہتا ہے کہ :۔

”انبیاءؑ کی بہت سی کتابیں مٹ گئی ہیں، کیونکہ یہودیوں نے اپنی غفلت کی وجہ سے ان کو ضائع کر دیا، بلکہ اپنی بد دیانتی کی وجہ سے بعض کتابوں کو پھاڑ ڈالا اور بعض کو جلا ڈالا“

یہ بات بہت قرینِ قیاس ہے جسٹس کا قول ملحوظ رکھئے جس نے طریفون سے مناظرہ میں کہا تھا کہ :۔

”یہودیوں نے بہت سی کتب عہدِ قدیم سے خارج کر دیں تاکہ یہ ظاہر ہو کہ عہدِ جدید عہدِ عتیق کے ساتھ پورا موافق نہیں ہے، اور اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ بہت سی کتابیں مٹ گئیں“،

اس تقریر سے دو نتیجے نکلتے ہیں، ایک یہ کہ یہودیوں نے بعض کتابوں کو پھاڑ ڈالا، دوسرے یہ گذشتہ دور میں تحریف کرنا بہت آسان کام تھا،

دیکھئے کہ ان کے معدوم کر دینے سے یہ کتابیں صفحاتِ عالم سے قطعی مٹ گئیں، اور جب

الہامی کتابوں کی نسبت اہلِ کتاب کی دیانتداری کا اندازہ ہوگیا، اور گزشتہ دور میں تحریف کی سہولتوں اور آسانیوں کا حال معلوم ہوگیا، تو عقلی یا نقلی طور پر کیا بعید ہے کہ انھوں نے ایسی کتابوں اور عبارتوں میں جو مسلمانوں کے لئے مفید بن سکتی تھیں اس قسم کی حرکت کی ہو؟

شاھد ۲۰

انجیل متّی باب ۱۰، آیت ۱۱ میں کہا گیا ہے کہ:۔

"اور گرفتار ہو کر بابل جانے کے زمانہ میں یوسیاہ سے یکونیاہ اور اس کے بھائی پیدا ہوئے۔"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یکونیاہ اور اس کے بھائی یوسیاہ کے صلبی بیٹے ہیں، اور یکونیاہ کے کچھ بھائی بھی موجود تھے، اور ان کی پیدائش بابل کی جلاوطنی کے زمانہ میں ہوئی،

حالانکہ یہ تینوں باتیں غلط ہیں، پہلی بات تو اس لئے کہ یکونیاہ بن یہویاقیم بن یوسیاہ ہے یعنی یوسیاہ کا پوتا ہے، نہ کہ بیٹا، دوسری اس لئے کہ یکونیاہ کے کوئی بھائی نہ تھا، البتہ اس کے باپ یہویاقم کے بیشک تین بھائی تھے، تیسرے اس لئے کہ یکونیاہ بابل کی جلاوطنی کے دوران میں اٹھارہ سال کی عمر کا تھا نہ یہ کہ اُس وقت وہ پیدا ہوا تھا،

آدم کلارک کہتا ہے کہ:۔

"کامتھ نے کہا ہے کہ آیت ۱۱ کو اس طرح پڑھنا چاہئے کہ" اور یوسیاہ کے یہویاقم اور اس کے بھائی پیدا ہوئے، اور یہویاقم کے یہاں بابل کی جلاوطنی کے زمانہ میں یکونیاہ پیدا ہوا"۔

ہم کہتے ہیں کہ کامتھ کا قول جو آدم کلارک کا بھی پسندیدہ ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ اس مقام پر یہویاقیم کا اضافہ ضروری ہے، گویا ان دونوں کے نزدیک یہ لفظ متن سے خارج کر دیا گیا ہے اور یہ تحریف بالنقصان کی کھلی ہوئی مثال ہے، اس کے باوجود تیسرا اعتراض رفع نہیں ہوتا[۱]

اب تحریف کی تینوں قسموں کی شہادتیں پوری ایک سَو بیان ہو چکی ہیں، اس لئے تطویل کے اندیشہ سے ہم اسی مقدار پر اکتفاء کرتے ہیں، اس قدر بے شمار شہادتیں تحریف کی تمام قسموں کے اثبات کے لئے بالکل کافی ہیں، اسی طرح اُن کی جانب سے واقع ہونے والے ہر اعتراض

---

[۱] بعد کے مترجمینِ بائبل نے اس اعتراض سے بھی بچنے کے لئے بائبل پر کیا کرم فرمایا ہے؟ اس کی تفصیل پیچھے صفحہ ۴۸۶ جلد اول کے حاشیہ پر ملاحظہ فرمائیے ۱۲

کے رفع کرنے کے لئے اور علماء پروٹسٹنٹ کی جانب سے پیش کئے جانے والے ہر مغالطہ کو ختم کرنے کے واسطے یہ مقدار کافی ہے، اگرچہ باخبر اشخاص کے لئے ہماری تحریر سے ان مغالطوں کے جوابات کا سمجھنا کچھ دشوار نہیں ہے، مگر مزید توضیح اور نفع کی خاطر ہم یہاں پانچ مغالطے اور اُن کے جوابات بیان کرتے ہیں :۔

مُغالطے اور اُن کے جوابات

پہلا مُغالطہ

بعض اوقات علماء پروٹسٹنٹ کے بیان سے عوام کو دھوکہ دینے کے لئے اور ایسے لوگوں کو بہکانے کے واسطے جن کو اُن کی کتابوں کا حال معلوم نہیں ہے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تحریف کا دعویٰ مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے، اس سے پہلے کسی نے تحریف کا دعویٰ نہیں کیا، مگر عیسائی اس مغالطہ کو تحریر میں لانے سے احتیاط کرتے ہیں، اسی لئے اُن کے رسالوں میں یہ بات نظر نہیں آئے گی، ہم کہتے ہیں کہ مخالف اور موافق اگلے پچھلے بجا طور پر یہ دعویٰ کرتے چلے آئے ہیں کہ اہلِ کتاب تحریف کے عادی ہیں، اور یہ حرکت اُن سے آسمانی کتابوں میں ہوئی ہے، مگر ہم شہادتوں کے پیش کرنے سے پہلے اُن دو الفاظ کے معانی واضح کرنا چاہتے ہیں جو اُن کی اسناد و رجال کی کتابوں میں مستعمل ہیں، یعنی لفظ "اراتہ" اور لفظ "ویریس ریڈنگ"

ہورن اپنی تفسیر جلد ۲ صفحہ ۳۲۵ میں کہتا ہے کہ :۔

"لفظ اُراتہ" یعنی کاتب کی غلطی اور "ویریس ریڈنگ" یعنی اختلاف عبارت کے درمیان بہترین فرق وہ ہے جو میکائلس نے بیان کیا ہے، کہ جب دو یا زیادہ عبارتوں میں فرق ہو تو ان میں سے ایک ہی صحیح اور سچی بات ہو سکتی ہے، اور باقی یا تو جانی بوجھی تحریف ہو گی یا کاتب کی بھول، مگر غلط اور صحیح کی پہچان اور تمیز بڑا دشوار کام ہے،

اور اگر شک باقی رہ جائے تو اس کا نام اختلافِ عبارت رکھا جاتا ہے، اور جب صراحۃً معلوم ہو جائے کہ کاتب نے جھوٹ لکھا ہے تو اس کو کاتب کی غلطی کہدیا جاتا ہے"

غرض محققین کے راجح مسلک کے مطابق دونوں الفاظوں میں بڑا فرق ہے، اور ان کی اصطلاح میں اختلافِ عبارت کا جو مصداق ہے ہماری اصطلاح کے مطابق وہی تحریف ہے، اب جو شخص مذکورہ معنی کے لحاظ سے اختلافِ عبارت کا اقرار کرنے گا اس پر تحریف کا اعتراف لازم آئے گا،

اب اس قسم کے اختلافات کی تعداد انجیل میں میل کی تحقیق کے مطابق تیس ہزار اور کریسباخ کی تحقیق کے مطابق ایک لاکھ پچاس ہزار ہے، سب سے آخری محقق شولز کی رائے میں تو ایسے اختلافات کی تعداد ان گنت اور نامعلوم ہے، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۱۹ میں لفظ "اسکرپچر" کے تحت ڈیٹسن کا قول نقل کیا ہے کہ یہ اختلافات دس لاکھ سے زائد ہیں،

یہ معلوم ہو جانے کے بعد اب ہم تین ہدایات میں اس تفصیل سے شہادتیں پیش کریں گے کہ پہلی ہدایت میں مخالفین کے اقوال بیان کریں گے، اور دوسری میں ان فرقوں کے بیانات جو اپنے کو عیسائی شمار کرتے ہیں، اگرچہ فرقہ پروٹسٹنٹ اور کیتھولک والے ان کو بدعتی کہتے ہیں، تیسری میں اُن اشخاص کے اقوال ہوں گے جو دونوں فرقوں کے یہاں یا کسی ایک کے یہاں مقبول ہیں،

پہلی ہدایت

سلسوس دوسری صدی عیسوی کا ایک بُت پرست مشرک عالم ہے جس نے مذہب عیسوی کے ابطال میں ایک کتاب لکھی ہے، ایک مشہور جرمنی عالم اکہارن نے اس مشرک عالم کا قول اپنی کتاب میں یوں نقل کیا ہے:-

"عیسائیوں نے اپنی انجیلوں میں تین بار یا چار مرتبہ بلکہ اس سے بھی زیادہ مرتبہ ایسی تبدیلی کی جس سے اُن کے مضامین بدل گئے"

غور کیجئے کہ یہ مشرک خبر دے رہا ہے کہ اس کے عہد تک عیسائیوں نے اپنی انجیلوں کو چار مرتبہ سے زیادہ بدلا ہے، اور یورپ کے ممالک میں ایک کثیر التعداد فرقہ وہ ہے جو نبوت والہام اور آسمانی کتابوں کو نہیں مانتا، اور جن کو علماء پروٹسٹنٹ ملحد اور بددین کہتے ہیں، اگر ہم تحریف کی نسبت صرف اُن کے اقوال کو نقل کرنا چاہیں تو بات بڑی طویل ہو جائے گی، اس لئے صرف دو اقوال نقل کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں، جن صاحب کو ان سے زیادہ معلوم کرنے کا شوق ہو، اُن کو اُن کی کتابوں کی جانب مراجعت کرنی چاہئے، جو اطرافِ عالم میں پھیلی پڑی ہیں اُن میں سے ایک عالم پارکر[1] نامی یوں کہتا ہے کہ:-

"پروٹسٹنٹ مذہب یہ کہتا ہے کہ ازلی ابدی معجزات نے عہد عتیق وجدید کی حفاظت اس درجہ کی کہ ان دونوں کو ادنیٰ اور خفیف صدمہ سے بھی بچا لیا، مگر اصل مسئلہ میں اتنی جان نہیں ہے کہ وہ اختلافِ عبارت کے اس لشکر کے مقابلہ میں ٹھہر سکے جس کی تعداد تیس ہزار ۳۰۰۰۰ ہے"

غور کیجئے کہ اس نے کس خوب صورتی سے استہزاء کے پردے میں الزامی دلیل پیش کی ہے، مگر اس نے صرف مِل کی تحقیق پر اکتفاء کیا ہے، ورنہ بجائے تیس ہزار کے ایک لاکھ پچاس ہزار ۱۵۰۰۰۰[2] بلکہ دس لاکھ ۱۰۰۰۰۰۰[3] بھی کہہ سکتا تھا،

اکسی ہومو کا مؤلف اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۱۳ء لندن کے تتمہ کے بارہ میں کہتا ہے کہ:-

"یہ اُن کتابوں کی فہرست ہے جن کی نسبت متقدمین عیسائی مشائخ نے یہ ذکر کیا ہے کہ یہ عیسیٰ علیہ السلام یا اُن کے حواریوں یا دوسرے مریدوں کی جانب منسوب ہیں"

وہ کتب جو عیسیٰ علیہ السلام کی جانب منسوب ہیں کل سات ہیں،	(۱) وہ خط جو آڈیسہ کے بادشاہ ایکرس کو بھیجا گیا، (۲) وہ خط جو پطرس اور پولس کو بھیجا گیا،

(۳) کتاب التمثیلات والوعظ (۴) وہ زبور جس کی تعلیم آپ اپنے حواریوں اور مریدوں کو خفیہ طور پر دیا کرتے تھے، (۵) کتاب الشعبدات والسحر (۶) کتاب مسقط راس المسیح والمریم وظئرہا، (۷) اُن کا وہ رسالہ جو چھٹی صدی عیسوی میں آسمان سے گرایا گیا،

[1] PARKER [2] کریسباخ کی تحقیق کے مطابق، [3] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مطابق،

وہ کتب جو مریم علیہا السلام کی طرف منسوب ہیں کل آٹھ ہیں،	(۱) اُن کا وہ خط جو انھوں نے اگناشس کی طرف بھیجا، (۲) اُن کا وہ خط جو سیسیلیان کو بھیجا گیا، (۳) کتاب مسقط راس مریم (۴) کتاب مریم وظئر ہا (۵) مریم کی تاریخ اور ان کے اقوال (۶) کتاب معجزات المسیح (۷) کتاب السوالات الصغار والکبار (۸) کتاب نسل مریم والخاتم السلیمانی،
وہ کتب جو پطرس حواری کی جانب منسوب ہیں کل گیارہ عدد ہیں،	(۱) انجیل پطرس (۲) اعمالِ پطرس (۳) مشاہداتِ پطرس (۴) مشاہداتِ پطرس دوم (۵) اس کا خط جو کلیمنس کی جانب ہے (۶) مباحثۂ پطرس وای بین (۷) تعلیم پطرس (۸) وعظِ پطرس (۹) آدابِ صلوٰۃ پطرس (۱۰) کتابِ مسافرتِ پطرس (۱۱) کتاب قیاسِ پطرس،
وہ کتابیں جو یوحنا کی جانب منسوب ہیں کل ۹ عدد ہیں،	(۱) اعمالِ یوحنا، (۲) یوحنا کی انجیل (۳) کتابِ مسافرتِ یوحنا، (۴) حدیثِ یوحنا (۵) اس کا خط جو حیدر دیک کی جانب ہے، (۶) کتابِ وفاتِ مریم (۷) مسیح کا تذکرہ اور اُن کا سولی سے اُترنا (۸) المشاہدات الثانیہ لیوحنا (۹) آدابِ صلوٰۃ لیوحنا،
وہ کتابیں جو اندریاس[۱] حواری کی جانب منسوب ہیں کل ۲ عدد ہیں،	(۱) انجیلِ اندریاس، (۲) اعمالِ اندریاس،
وہ کتابیں جو متی حواری کی جانب منسوب ہیں کل ۲ عدد ہیں	(۱) انجیل الطفولیت، (۲) آدابِ صلوٰۃ متی،
وہ کتب جو فیلپس حواری کی جانب منسوب ہیں کل ۲ عدد ہیں	(۱) انجیلِ فیلپس، (۲) اعمالِ فیلپس،
وہ کتاب جو برتلمائی[۲] حواری کی جانب منسوب ہے وہ ایک ہے	(۱) انجیل برتلمائی،

[۱] اندریاس یا اندراوس (ANDREW) بارہ حواریوں میں سے ایک اور مشہور حواری پطرس کے بھائی ہیں، ان کا ذکر متی ۴: ۱۸ اور اعمال ۱: ۱۳ میں دیکھا جا سکتا ہے، عیسائی روایات کے مطابق آپ کو دو لکڑیوں پر بشکل (×) شہید کر دیا گیا ہے، اس لئے یہ صلیبِ اندراوس کہلاتی ہے، [۲] برتلمائی یا برتلماؤس (BARTHAL-OMES) بارہ حواریوں میں سے ایک، کہتے ہیں کہ ہندوستان میں تبلیغِ عیسائیت انھوں نے ہی کی ہے، اُن کا ذکر متی ۱۰: ۳ اور

وہ کتب جو توما حواری[1] کی جانب منسوب ہیں کل ۵ عدد ہیں،	(۱) انجیل توما (۲) اعمال توما (۳) انجیل طفولیت مسیح، (۴) مشاہدات توما (۵) کتاب مسافرت توما،
وہ کتابیں جو یعقوب حواری کی جانب منسوب ہیں کل ۳ عدد	(۱) انجیل یعقوب (۲) آداب صلوٰۃ یعقوب .... (۳) کتاب وفات مریم،
وہ کتابیں جو متیاہ[2] حواری کی طرف منسوب ہیں (جو خروج مسیح کے بعد حواریوں میں شامل ہوا تھا کل ۳ عدد)،	(۱) انجیل متیا (۲) حدیث متیا، (۳) اعمال متیا،
وہ کتب جو مرقس کی جانب منسوب ہیں، کل ۳ عدد،	(۱) انجیل مصریین، (۲) آداب صلوٰۃ مرقس، (۳) کتاب پی شن برہاز،
وہ کتابیں جو برنباس[3] کی جانب منسوب ہیں کل ۲ عدد،	(۱) انجیل برنباس، (۲) رسالہ برنباس،
وہ کتاب جو تہوڈیشن کی جانب منسوب ہو کل ایک عدد	(۱) انجیل تہوڈدشن،
وہ کتب جو پولس کی جانب منسوب ہیں کل ۱۵ عدد	(۱) اعمال پولس (۲) اعمال تہکار، (۳) اس کا خط لاردقلیس کی جانب (۴) تھسلنیکیوں کے نام دوسرا خط (۵) کرنتھیوں کے نام تیسرا خط (۶) کرنتھیوں کا خط اس کی جانب اور اس کی طرف سے جواب (۷) اس کا رسالہ سنیکا کی جانب اور سنیکا کا جواب اس کی جانب (۸) مشاہدات پولس (۹) مشاہدات پولس[؟] (۱۰) وزن پولس (۱۱) انابی کٹس پولس، (۱۲) انجیل پولس، (۱۳) وعظ پولس، (۱۴) کتاب رقیۃ الحیۃ (۱۵) پیری سبت پطرس و پولس،

[1] توما، یہ بھی حوارئین سے ہیں، ہندوستان میں عیسائیوں کی تبلیغ میں ان کا بڑا کردار ہے ۱۲

[2] یہ وہی متی ہیں جن کے نام میں انجیلوں کا اختلاف ہی، اور جو محصول پر بیٹھے تھے تو حضرت مسیح نے انھیں دعوت دی تھی (متی ۹:۹) تفصیل کے لئے دیکھئے صفحہ ۴۲۵ جلد اوّل،

[3] برنباہ یا برنباس BARWABAS ایک تابعی ہیں جو لاوی خاندان کے تھے اور ان کا نام یوسف تھا انھوں نے کھیت بیچ کر اس کی قیمت تبلیغی مقاصد میں صرف کرنے کے لئے حواریوں کو دیدی تھی، اس لئے انھوں نے ان کا نام برنباس رکھا، جس کے معنی (نصیحت کا بیٹا) ہیں، دیکھئے اعمال ۱: ۳۶

پھر اکسیہو مو کا مصنف کہتا ہے کہ:۔

"جب انجیلوں اور مشاہدات اور ان رسالوں کی جو آجتک اکثر عیسائیوں کے نزدیک مسلم الثبوت ہیں بے اعتدالی نمایاں ہو تو کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ الہامی کتابیں وہی ہیں جن کو فرقہ پروٹسٹنٹ تسلیم کرتا ہے، اور جب ہم اس چیز کو پیشِ نظر رکھیں کہ ان مسلّمہ کتابوں میں بھی طباعت کی صنعت ایجاد ہونے سے قبل الحاق اور تبدیلی کی گنجائش اور صلاحیت تھی تو مشکل پیش آئے گی"

دوسری ہدایت

فرقہ آبیونیہ مسیحی قرن اول کا فرقہ ہے، جو پولس کا ہمعصر اور اس کا سخت مخالف ہے، یہاں تک کہ اس کو مرتد کہتا ہے، یہ فرقہ متّی کی انجیل کو تسلیم کرتا ہے، مگر اس کے نزدیک یہ انجیل اس انجیل کے قطعی مخالف ہے جو پولس کے معتقدین کے نزدیک متّی کی جانب منسوب ہے اور اس میں ابتدائی دو باب بھی موجود نہ تھے، اس لئے اس فرقہ کے نزدیک یہ دونوں باب اور اسی طرح دوسرے بہت سے مقامات محرّف ہیں، اور پولس کے معتقدین اس پر تحریف کا الزام لگاتے ہیں، چنانچہ بل اپنی تاریخ میں اس فرقہ کا حال بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:۔

"یہ فرقہ عہد عتیق کی کتابوں میں صرف توریت کو تسلیم کرتا ہے، اور داؤد، سلیمان اور ارمیاہ و حزقیل کے نام سے بھی نفرت کرتا ہے، اس کے نزدیک عہدِ جدید میں صرف متّی کی انجیل لائقِ تسلیم ہے، مگر اس نے بہت سے مقامات میں اس کو بھی بدل ڈالا ہے، اور اس کے پہلے دو باب اس سے خارج کر دیتے ہیں"

فرقہ مارسیونیہ عیسائیوں کا قدیم بدعتی فرقہ ہے، جو عہد عتیق کی تمام کتابوں کا انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ الہامی نہیں ہیں، اور اسی طرح عہد جدید کی کتابوں میں سوائے لوقا کی انجیل اور پولس کے دس رسالوں کے باقی سب کا انکار کرتا ہے، اور اس کی یہ مسلّمہ انجیل بھی اس انجیل کے مخالف ہے، جو آجکل موجود ہے، اس بناء پر بھی آجکل جس قدر کتابیں ان ناموں سے موجود ہیں اس فرقہ کے نزدیک سب محرّف ہیں، اور اس کے مخالف تحریف کا

الزام اس پر عائد کرتے ہیں، چنانچہ بل ہی اپنی تاریخ میں اس فرقہ کے حالات بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:-

"یہ فرقہ عہد عتیق کی کتابوں کے الہامی ہونے کا انکار کرتا تھا، اور عہد جدید میں صرف لوقا کی انجیل کو تسلیم کرتا تھا، اور اس کے بھی اوّل کے دو باب کو نہیں مانتا تھا، اسی طرح پولس کے صرف دس رسالوں کو تسلیم کرتا تھا، مگر اس کی بہت سی باتیں جو اس کے خیال کے موافق نہ تھیں اُن کو رد کر دیتا تھا"،

ہم کہتے ہیں کہ وہ صرف لوقا کے دو ابواب ہی کا منکر نہ تھا، لارڈنر نے اپنی تفسیر کی جلد ۸ میں لوقا کی انجیل میں اس فرقہ کی تحریف کے سلسلہ میں کہا ہے کہ:-

"لوقا کی انجیل کے بعض وہ مقامات جن میں ان لوگوں نے تبدیلی یا حذف کیا ہے اوّل کے دو باب میں اور عیسیٰؑ کا یحییٰ کو اصطباغ دینے کا واقعہ[1] اور مسیح کے نسب کا حال[2] باب ۳ میں اور ابلیس کے امتحان اور عیسیٰؑ کے ہیکل میں داخل ہونے کا واقعہ[3] اور ان کا اشعیاہ کی کتاب کو پڑھنا باب ۴ میں، اور آیات ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۴۹، ۵۰ واہ باب ۱۱ میں، اور یہ لفظ بھی کہ "سوائے یوناہ کے معجزے کے" الخ اور باب ۱۲ کی آیت ۶ تا ۸، ۲۰ اور باب ۱۳ کی آیات ۱ تا ۶، باب ۱۵ کی آیات ۱۱ تا ۳۲ اور باب ۱۸ کی آیات ۳۱ و ۳۲ و ۳۳، باب ۱۹ کی آیات ۲۸ تا ۴۶ باب ۲۰ کی آیات ۹ تا ۱۸ اور باب ۲۱ کی آیت ۸، ۲۱، ۲۳ اور باب ۲۲ کی آیات ۱۶، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۵۰، ۵۱ اور باب ۲۳ کی آیت ۴۳ اور باب ۲۴ کی آیت ۲۶، ۲۸، ایپی فینس نے یہ تمام تفصیل لکھی ہے، اور ڈاکٹر مل کا قول ہے کہ انھوں نے باب ۴ کی آیت ۳۸ و ۳۹ بھی نکال ڈالی ہیں"،

لارڈنر نے اپنی تفسیر کی جلد ۳ میں فرقہ مانی کئیر کے حالات کے ذیل میں آگسٹائن کے حوالہ سے فاسٹس کا قول نقل کیا ہے، جو چوتھی صدی میں اس فرقہ کا سب سے بڑا عالم گزرا ہے، وہ کہتا ہے کہ:-

---

[1] دیکھئے صفحہ ۴۱۲ جلد اوّل [2] دیکھئے صفحہ ۳۹۰ جلد اوّل [3] دیکھئے صفحہ ۴۴۵ جلد اوّل،

فاسٹس کہتا ہے کہ میں ان چیزوں کا قطعی منکر ہوں جن کو تمہارے باپ دادا نے عہد جدید میں فریب کاری سے بڑھا لیا ہے، اور اس کی حسین صورت کو بھونڈا بنا دیا ہے، اس لئے کہ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچی ہوئی ہے کہ اس عہدِ جدید کو نہ مسیح نے تصنیف کیا ہے اور نہ حواریوں نے، ایک مجہول الاسم شخص اس کا مصنف ہے، مگر حواریوں اور ان کے ساتھیوں کی جانب اس خوف سے منسوب کر دیا گیا ہے کہ لوگ اس کی تحریر کو اس لئے غیر معتبر قرار دیں گے کہ یہ شخص جن حالات کو لکھ رہا ہے ان سے خود واقف نہیں، اور علیٰ ع کے مریدین کو بڑی سخت اذیت پہنچائی، اس طور پر کہ ایسی کتابیں تالیف کیں جن میں غلطیاں اور تناقض پائے جاتے ہیں ''۔

غرض اس فرقہ کا عقیدہ عہدِ جدید کی نسبت یہ تھا جو بیان کیا گیا، جیسا کہ اس کی تصریح ان کے مشہور فاضل نے کر دی ہے، یہ شخص بڑے زور سے علی الاعلان کہتا ہے کہ عیسائیوں نے بہت سی چیزیں عہد جدید میں داخل کر دی ہیں، اور یہ ایک مجہول الاسم آدمی کی تصنیف ہے، نہ تو حواریوں کی تصنیف ہے نہ اُن کے تابعین کی، نیز اس میں اختلاف اور تناقض بھی پائے جاتے ہیں،

یہ بات قسم کھا کر کہی جا سکتی ہے کہ اس فاضل کا شمار اگرچہ بدعتی فرقہ میں ہے، مگر وہ اپنے ان تینوں دعووں میں سچا ہے،

نورٹن نے ایک ضخیم کتاب تصنیف کی، جس کا تذکرہ مقصد ۳ شہادت نمبر ۱۸ میں آچکا ہے، اس نے بھی توریت کا انکار کرتے ہوئے دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف نہیں ہے، اور انجیل کو تسلیم کیا ہے مگر اس اعتراف کے ساتھ کہ جو انجیل متّیٰ کی طرف منسوب ہے یہ اس کی تصنیف نہیں ہے، بلکہ اس کا ترجمہ ہے، اور اس کے بہت سے مقامات میں یقینی تحریف واقع ہوئی ہے، اپنے دعوے کو دلائل سے ثابت کرنے کے لئے اس بات کو کافی طویل کر دیا ہے،

ان دونوں ہدایتوں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ مخالفین اور وہ عیسائی فرقے جنکو تثلیث پرست طبقہ بدعتی شمار کرتا ہے پہلی صدی سے لیکر اس صدی تک ڈنکے کی چوٹ اعلان کرتے آرہے ہیں کہ ان کتابوں میں تحریف ہوئی ہے،

تیسری ہدایت

اس میں ہم معتبر عیسائی مفسرین اور مورخین کے اقوال نقل کریں گے :۔

آدم کلارک

آدم کلارک اپنی تفسیر کی جلد ۵ صفحہ ۳۶۹ میں کہتا ہے کہ :۔

"یہ طریقہ پُرانے زمانہ سے چلا آرہا ہے کہ بڑے لوگوں کی تاریخ اور حالات بیان کرنے والے بہت ہوتے ہیں، یہی حال "ربّ"[1] کا ہے، یعنی اُن کی تاریخ بیان کرنے والے بھی بے شمار ہیں، مگر ان کے اکثر بیانات غلط ہیں، یہ بے بنیاد واقعات کو اس طرح لکھا کرتے تھے گویا وہ یقینی واقعات ہیں، اور انھوں نے دوسرے حالات میں بھی عمداً یا سہواً غلطیاں کیں، خاص طور پر اُس سرزمین کے مورخ جہاں لوقا نے اپنی انجیل لکھی تھی، اسی لئے روح القدس نے مناسب سمجھا کہ لوقا کو تمام حالات وواقعات کا صحیح علم دے، تاکہ دینداروں کو صحیح حال معلوم ہوسکے"،

اس مفسر کے اقرار سے لوقا کی انجیل سے قبل ایسی جھوٹی انجیلوں کا پایا جانا معلوم ہوگیا جو غلطیوں سے بھری پڑی تھیں، اس کے یہ الفاظ کہ "لکھا کرتے تھے" الخ مؤلفین کی بددیانتی پر دلالت کر رہا ہے، اس طرح اس کا یہ کہنا کہ "اور دوسرے حالات میں بھی عمداً یا سہواً غلطیاں کیں" یہ بھی اُن کی بددیانتی پر دلالت کر رہا ہے،

پولس کا قول

گلتیوں کے نام پولس کے خط باب اوّل آیت ٦ میں ہے کہ :۔

"میں تعجب کرتا ہوں کہ جس نے تمھیں مسیح کے فضل سے بلایا اس سے تم اس قدر جلد پھر کر کسی اور طرح کی خوشخبری کی طرف مائل ہونے لگے، مگر وہ دوسری نہیں، البتہ بعض ایسے ہیں جو تمھیں گھبرا دیتے ہیں، اور مسیح کی خوشخبری[2] کو بگاڑنا چاہتے ہیں"،

---

[1] غالباً "ربّ" یعنی علماء یہود مراد ہیں،

[2] عہد جدید کی کتابوں میں اکثر انجیل کو "خوش خبری" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، کیونکہ انجیل عبرانی زبان میں خوشخبری ہی کو کہتے ہیں ۱۲ تقی

دیکھئے عیسائیوں کے اس مقدس شخص کے کلام سے تین باتیں ثابت ہوئیں،
اوّل یہ کہ یہ حواریوں کے زمانہ میں ایک انجیل ایسی موجود تھی جو انجیلِ مسیح کے نام سے مشہور تھی، نیز یہ کہ اُن کے مقدس عہد میں ایک ایسی انجیل تھی جو مسیحؑ کی انجیل کے مخالف تھی، تیسرے یہ کہ تحریف کرنے والے مقدس پولس کے زمانہ میں بھی مسیحؑ کی انجیل میں تحریف کے درپے رہتے تھے، دوسرے زمانوں کا تو کیا کہنا، کیونکہ اس کے بعد تو عنقاء کی طرح صرف اس کا نام ہی باقی رہ گیا ہے،

آدم کلارک اپنی تفسیر کی جلد ۶ میں اسی مقام کی شرح کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:-

"یہ بات محقق ہے کہ بہت سی جھوٹی انجیلیں ابتدائی مسیحی صدیوں میں رواج پا چکی تھیں ان جھوٹے اور غیر صحیح واقعات کی کثرت نے لوقا کو اس انجیل کے لکھنے پر آمادہ کیا، اس قسم کی ۷۰ سے زیادہ جھوٹی انجیلوں کا ذکر پایا جاتا ہے، جن کے بہت سے اجزاء آج بھی موجود اور باقی ہیں، فیبری سیوس نے ان تمام جھوٹی انجیلوں کو جمع کرکے اُن کو تین جلدوں میں طبع کیا، ان میں سے بعض میں شریعتِ موسوی کی اطاعت کا واجب ہونا، ختنہ کا ضروری ہونا، انجیل کی اطاعت کا واجب ہونا بیان کیا گیا ہے، اور حواری کا اشارہ ان میں سے کسی ایک انجیل کی طرف معلوم ہوتا ہے"

اس مفسر کے اقرار سے معلوم ہوا کہ ان جھوٹی انجیلوں کا وجود لوقا کی انجیل اور گلتیوں کے نام خط لکھنے سے قبل تھا، اسی لئے مفسر نے پہلے کہا کہ "ان واقعات کی کثرت نے" الخ اسی قسم کی بات آدم کلارک نے اپنی تفسیر میں کی ہے، نیز اس نے جو یہ کہا ہے کہ "حواری کا اشارہ ان میں سے کسی ایک جانب معلوم ہوتا ہے"، اس سے ثابت ہوا کہ مقدس پولس کے کلام میں انجیل کا مصداق ایک باقاعدہ مدوّن انجیل ہے، نہ کہ اس کے معانی و مضامین جو مصنف کے ذہن میں جمع ہیں، جیسا کہ علماء پروٹسٹنٹ اکثر کہا کرتے ہیں،

انجیلِ مسیحؑ

پولس کے کلام سے جو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حواریوں کے زمانہ میں ایک انجیل موجود تھی، جو انجیلِ مسیحؑ کہلاتی تھی، یہی بات درحقیقت سچ ہے، اور قرینِ قیاس بھی ہے، ایکھارن نے بھی اسی کو پسند کیا ہے، اور بہت سے جرمنی علماء نے بھی، اسی طرح محقق لیکلرک اور کوب اور میکائلس اور لسنگ اور نیمر وسارش کے

نزدیک بھی یہی بات درست ہے،

تیسرا قول کرنتھیوں کے نام دوسرے خط کے باب ۱۱ آیت ۱۲ میں پولس لکھتا ہے کہ:۔

"لیکن جو کرتا ہوں وہی کرتا رہوں گا تاکہ موقع ڈھونڈھنے والوں کو موقع نہ دوں، بلکہ جس بات پر وہ فخر کرتے ہیں اس میں ہم ہی جیسے نکلیں گے، کیونکہ ایسے لوگ جھوٹے رسول اور دغابازی سے کام کرنے والے ہیں، اور اپنے آپ کو مسیح کے رسولوں کے ہمشکل بنا لیتے ہیں"

دیکھئے عیسائیوں کا مقدس پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اس کے عہد میں جھوٹے پیغمبر اور مکار کارکن نمایاں ہوگئے ہیں، اور شکل و صورت مسیح کے رسولوں کی بنائی ہے،

آدم کلارک اس مقام کی شرح کرتے ہوئے اپنی تفسیر میں کہتا ہے کہ:۔

"یہ لوگ بالکل جھوٹ مسیح کے رسول ہونے کا دعویٰ کرتے تھے، حالانکہ واقع میں وہ مسیح کے رسول نہ تھے، یہ لوگ وعظ بھی کہتے تھے اور ریاضتیں بھی کرتے تھے لیکن اُن کا مقصد جلبِ منفعت کے سوا کچھ نہ تھا"

یوحنا کا قول یوحنا کے پہلے خط باب ۴ آیت ۱۰ میں ہے کہ:۔

"اے عزیزو! ہر ایک رُوح کا یقین نہ کرو، بلکہ روحوں کو آزماؤ کہ وہ خدا کی طرف سے ہیں یا نہیں، کیونکہ بہت سے جھوٹے نبی دنیا میں نکل کھڑے ہوئے ہیں"

لیجئے یوحنا حواری بھی پولس کی طرح پکار کر کہہ رہے ہیں کہ ان کے زمانہ میں بہت سے پیغمبری کے جھوٹے دعویدار ظاہر ہوگئے ہیں، آدم کلارک اس مقام کی شرح میں کہتا ہے:۔

"گذشتہ زمانہ میں ہر معلّم یہ دعویٰ کیا کرتا تھا کہ روح القدس مجھ کو الہام کرتا ہے، کیونکہ ہر معتبر رسول اسی طرح ہوا ہے، اور "روح" سے مراد اس مقام پر وہ انسان ہے جو دعویٰ کرتا ہے کہ میں رُوح کا اثر ہوں، اور اس کے کہنے کے مطابق اس کی یہ بات سمجھ لیجئے کہ "روحوں کو آزماؤ" یعنی ایسے معلّمین کا دلیل سے امتحان لو، اسی طرح اس کا یہ کہنا کہ "بہت سے جھوٹے نبی" اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو رُوح القدس نے الہام نہیں کیا بالخصوص یہودیوں میں سے"

غرض مفسر مذکور کے کلام سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ گذشتہ دَور میں ہر معلّم الہام کا دعویدار ہوتا تھا، اور اس کی گذشتہ تقریر سے یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ ان لوگوں کا مسیح کے کے سچے رسولوں کے مشابہ بن کر اور مکرو فریب کرنے کا منشا محض حصولِ مال و جلب منفعت تھا، اس لئے الہام و پیغمبری کے دعوے دار بے شمار تھے،

پانچواں قول

جس طرح توریت کے نام سے پانچ کتابیں موسیٰؑ کی جانب منسوب ہیں اسی طرح ۶ کتابیں اور بھی اُن کی جانب منسوب ہیں، اُن کی تفصیل یہ ہے:

نمبر ۱۔ کتاب المشاہدات، نمبر ۲، کتاب پیدائش صغیر، نمبر ۳، کتاب المعراج، نمبر ۴۔ کتاب الاسرار، نمبر ۵، تستمنت، نمبر ۶، کتاب الاقرار،

ان میں سے دوسری کتاب عبرانی زبان میں چوتھی صدی عیسوی تک موجود تھی، جس سے جس سے جیرُوم اور سیڈرینس نے اپنی تاریخ میں بہت کچھ نقل کیا ہے، آریجن کہتا ہے کہ:

"پولس نے اس کتاب سے اپنے گلتیوں کے نام خط کی آیت نمبر ۶ باب ۵ اور آیت ۱۵ باب ۶ میں نقل کی ہے، اور اس کا ترجمہ سولھویں صدی تک موجود تھا، اس صدی میں ٹرنٹ کی مجلس نے اس کو جھوٹا قرار دیدیا، اور اس کے بعد وہ جھوٹا اور جعلی رہا"

ہمیں اُن کے ایک ہی چیز کو تسلیم کرنے پھر اس کو جھوٹا قرار دینے پر حیرت ہوتی ہے کہ اُن کے نزدیک الہامی کتابوں اور ملکی اور سیاسی انتظامات کی ایک سی پوزیشن ہے، جب کوئی مصلحت ہوتی ہے تو ایک چیز کو تسلیم کر لیتے ہیں اور جب چاہیں اس کا انکار کر دیتے ہیں، ان میں سے تیسری کتاب کا حال بھی ایسا ہی ہے کہ وہ متقدمین کے نزدیک معتبر تھی، لارڈ نر اپنی تفسیر کی جلد ۲ صفحہ ۵۱۲ میں کہتا ہے کہ:۔

"آریجن کا کہنا ہے کہ یہوداہ نے اس کتاب سے اپنے خط کی آیت ۹ نقل کی ہے"

اب یہ کتاب بھی اور باقی دوسری کتابیں بھی جعلی اور محرّف شمار ہوتی ہیں، مگر عجیب تماشا ہو کہ وہ فقرے جو اُن سے نقل کئے جا چکے ہیں انجیل میں داخل ہونے کے بعد الہامی اور صحیح شمار کئے جا رہے ہیں، ہورن کہتا ہے کہ:۔

"خیال یہ ہے کہ یہ جعلی کتابیں مذہبِ عیسوی کے آغاز ہی میں گھڑلی گئی تھیں، اس محقق نے گھڑنے کی نسبت قرنِ اوّل کے لوگوں کی جانب کی ہے"

موشیم مورخ کا اعتراف

موشیم مورخ اپنی تاریخ مطبوعہ ۱۸۳۲ء جلد اصفحہ ۶۵ میں دوسری صدی کے علماء کے حالات بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:-

"افلاطون[1] اور فیثاغورس[2] کے عقیدہ پر چلنے والوں میں ایک مقولہ مشہور تھا کہ سچائی بڑھانے اور خدا کی عبادت کے لئے جو جھوٹ اور فریب کئے جائیں وہ نہ صرف یہ کہ جائز بلکہ لائقِ تحسین ہیں، سب سے پہلے ان لوگوں سے مصر کے یہودیوں نے یہ بات قبل مسیح کے دور میں اختیار کی، جیسا کہ بہت سی قدیم کتابوں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے، پھر یہ ناپاک غلطی ان سے عیسائیوں میں منتقل ہوگئی، چنانچہ اس کا مشاہدہ ان بہت سی کتابوں سے ہوتا ہے، جو بڑے لوگوں کی طرف جھوٹ منسوب کر دی گئی ہیں"

پھر جب ایسا جھوٹ اور فریب دینی یہودیوں کے یہاں دینی مستحبات میں شمار ہونے لگے اور دوسری صدی میں یہی بات عیسائیوں کے یہاں رواج پاگئی، تو پھر جعل و تحریف اور جھوٹ کی کوئی حد باقی رہ سکتی ہے؟ لہٰذا جو کرنا تھا وہ کرگذرے،

واٹسن اور یوسی بیس

یوسی بیس[3] اپنی تاریخ کی کتاب رابع باب ۱۸ میں یوں کہتا ہے کہ "جسٹن شہید نے طریفون یہودی کے مقابلہ میں مسیح کی بہت سی بشارتیں نقل کی ہیں، اور دعویٰ کیا ہے کہ یہودیوں نے اُن کو کتبِ مقدسہ سے خارج کر دیا ہے"

---

[1] افلاطون (PLATO) مشہور یونانی فلسفی جو سقراط کا شاگرد اور ارسطو کا استاد تھا اس کی کتابیں جمہوریت اور سیاست پر مشہور ہیں، (پ ۴۳۰ ق م ۳۴۷ ق م) ۱۲

[2] فیثاغورس (PYHAGONE) مشہور یونانی فلسفی جس کی طرف علم حساب کی تدوین منسوب ہے، آواگون کا قائل تھا، ۵۰۰ ق م میں وفات پائی ۱۲ تقی

[3] اظہار الحق کے انگریزی ترجمے میں یہاں "یوسی بیس" کے بجائے "یوسیفس" کا حوالہ ہے، ۱۲

واٹسن جلد ۲ صفحہ ۳۲ میں کہتا ہے :۔

"مجھ کو اس امر میں ذرا بھی شک نہیں کہ وہ عبارتیں جس میں جسٹن یہودی نے طرائفو کے ساتھ مناظرہ میں الزام دیا ہے کہ یہودیوں نے اُن کو خارج کر دیا ہے، جسٹن اور ارینوس کے زمانہ میں عبرانی اور یونانی نسخوں میں موجود اور کتاب مقدس کا جزو تھیں اگرچہ ان دونوں نسخوں میں آج موجود نہیں ہیں، بالخصوص وہ عبارت جس کی نسبت جسٹن نے کہا کہ وہ کتاب یرمیاہ میں موجود تھی، سلبرجیس نے جسٹن کے حاشیہ میں اور ڈاکٹر کریب نے ارینوس کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ پطرس نے جس وقت اپنے پہلے خط کے باب ۴ آیت ۶ کی عبارت لکھی ہے اُس وقت یہ بشارت اس کے پیشِ نظر تھی[1] "۔

ہورن اپنی تفسیر کی جلد ۴ میں صفحہ ۶۲ پر لکھتا ہے کہ :۔

جسٹن شہید نے (یہودیوں کے مقابلہ میں) یہ ثابت کر دیا تھا کہ عزرا نے لوگوں سے یہ جملہ کہا تھا کہ "عید فسح کا جشن ہمارے منجی خداوند کا جشن ہے، اگر تم خداوند کو اس کے جشن سے افضل سمجھو گے اور اس پر ایمان لاؤ گے تو زمین ہمیشہ آباد رہے گی، اور اگر تم ایمان نہ لائے اور اس کی بات نہ سُنی تو غیر قوموں کے لئے ہنسی مذاق بن جاؤ گے"،

وائی ٹیکر کا خیال ہے کہ یہ عبارت کتاب عزرا باب ۶ آیت ۲۱ و ۲۲ کے درمیان تھی، اور ڈاکٹر آئی کلارک نے بھی جسٹن کی تصدیق کی ہے "

جسٹن شہید قرونِ اولیٰ کا ممتاز عالم ہے، مذکورہ اقتباسات سے یہ ثابت ہو گیا کہ اس نے یہودیوں پر یہ الزام لگایا تھا کہ انھوں نے حضرت مسیحؑ کی بہت سی بشارتیں کتب مقدسہ سے نکال دی تھیں، سلبرجیس، کریب، وائی ٹیکر اور آئی کلارک نے بھی اس کی تائید کی ہے، اور واٹسن نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ بشارتیں جسٹن اور ارینوس کے زمانہ میں بائبل میں موجود تھیں، اگرچہ آج پھر وہ بائبل میں موجود نہیں ہیں،

[1] پطرس کی عبارت یہ ہے: "کیونکہ مُردوں کو بھی خوشخبری اسی لئے سُنائی گئی تھی کہ جسم کے لحاظ سے تو آدمیوں کے مطابق ان کا انصاف ہو، لیکن روح کے لحاظ سے خدا کے مطابق زندہ رہیں" (۱۔ پطرس، ۴: ۶)

اب آپ غور فرمائیے کہ اگر عیسائیوں کے یہ بڑے بڑے علماء (جسٹن وغیرہ) سچے ہیں تب تو یہ بات ثابت ہو ہی گئی کہ یہودیوں نے تحریف کرکے ان بشارتوں کو نکال ڈالا تھا، اور اگر ان کا دعویٰ غلط ہی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بشارتیں جسٹن وغیرہ نے خود اپنی طرف سے گھڑ کر اپنے زمانے میں بائبل میں شامل کر دی تھیں، تاکہ اُس مشہور مقولہ پر جو گذشتہ قول میں بیان ہوا ہے عملدر آمد کریں، غرض دونوں فریق میں سے ایک کی تحریف ضرور لازم آتی ہے،

نیز واٹسن کے دعوے کے بموجب بھی ہم کہتے ہیں کہ تحریف ضرور لازم آتی ہے، اس لئے کہ پہلی صورت میں اُن کا عبرانی و یونانی متن سے خارج کر دینا یقینی طور پر موجب تحریف ہی، اور دوسری شکل میں ان دونوں نسخوں میں اس کا بڑھایا جانا موجبِ تحریف ہے،

آٹھواں قول

لارڈنر اپنی تفسیر کی جلد ۵ صفحہ ۱۲۴ میں کہتا ہے کہ:۔

"اناجیل مقدسہ کے مصنفوں کا حال معلوم نہ ہونے کی بناء پر شاہ اناسطیوس کے حکم سے (اس زمانہ میں جب کہ مسّلہ قسطنطنیہ کا حاکم تھا) یہ فیصلہ کیا گیا کہ یہ درست نہیں ہیں، اس لئے دوبارہ صحیح کی گئی ہیں"،

اب ہم کہتے کہ اگر یہ انجیلیں درست اور الہامی تھیں اور اسی بادشاہ کے عہد میں معتبر سند سے یہ ثابت ہو چکا تھا کہ متقدمین کے نزدیک یہ حواریوں اور ان کے تابعین کی تصانیف ہیں، تو پھر مصنفین کی اس جہالت کے کوئی بھی معنی نہیں ہیں کہ اس کی دوبارہ تصحیح کی جائے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ تک ان کی اسناد ثابت نہ تھیں، اور وہ اُن کے الہامی ہونے کے معتقد تھے، اس لئے اپنی امکانی حد تک اس کی غلطیوں اور تناقضات کو درست کیا،

غرض تحریف کامل درجہ میں ثابت ہوگئی، اور یہ بھی ثابت ہوگیا کہ یہ کتابیں ثابت بالاسناد نہیں ہیں، اور یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ بعض اوقات جو علماء پروٹسٹنٹ یہ دعوے کرتے ہیں کہ کسی بادشاہ یا حاکم نے کسی زمانہ میں بھی مقدس گرجے میں کوئی تصرّف نہیں کیا، یہ قطعی باطل ہے، اور یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ اکہارن اور بہت سے متاخرین جرمنی علماء کی رائے انجیلوں کے بارہ میں بڑی قوی اور صحیح ہے،

نواں قول

مقصدِ اوّل کی دوسری شہادت میں معلوم ہو چکا ہے کہ اگسٹائن اور دوسرے متقدمین عیسائی کہا کرتے تھے کہ یہودیوں نے توریت میں اس لئے تحریف کی تاکہ یونانی ترجمہ غیر معتبر قرار دیا جائے، اور مذہب عیسوی کے ساتھ عناد و دشمنی مکمل ہو جائے، یہ تحریف ان سے ۱۳۰ء میں صادر ہوئی، محقق ہیلز اور کنی کاٹ کی رائے بھی متقدمین کے موافق ہے، ہیلز نے تو سامری نسخہ کی صحت دلائل قطعیہ سے ثابت کی ہے،

کنی کاٹ کا بیان ہے کہ یہودیوں نے جان بوجھکر توریت میں تحریف کی، اور عہد عتیق وجدید کی کتابوں کے محققین کی یہ رائے بے بنیاد ہے، سامریوں نے عمداً اس میں تحریف کی ہے،[۱]

دسواں قول

مقصدِ اوّل کی شہادت نمبر ۳ میں معلوم ہو چکا ہے کہ کنی کاٹ نے سامری نسخہ کی صحت کا دعویٰ کیا ہے، اور بہت سے لوگوں کی رائے یہ ہے کہ کنی کاٹ کے دلائل لاجواب ہیں، اور ان کا خیال یہی ہے کہ یہودیوں نے سامریوں کی عداوت میں توریت کی تحریف کی ہے[۲]،

گیارہواں قول

مقصدِ اوّل کی شہادت نمبر ۱ میں معلوم ہو چکا ہے کہ آدم کلارک نے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ عہدِ عتیق کی کتب تواریخ کے بہت سے مقامات میں بے شمار تحریفات واقع ہوئی ہیں، اور اُن میں تطبیق دینے کی کوشش بے سود ہے، اور اچھا یہی ہے کہ شروع ہی میں اس بات کو مان لیا جائے جس کے انکار کی قدرت نہ ہو، شہادت نمبر ۱۸ میں اس کا یہ اقرار معلوم ہو چکا ہے کہ تاریخی کتابوں کے اعداد میں تحریف واقع ہونے کی وجہ سے اکثر مقامات پر ہم کو فریاد کرنی پڑتی ہے[۳]،

بارہواں قول

مقصدِ اوّل کی شہادت نمبر ۲۲ میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ آدم کلارک نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے کہ یہودیوں نے اس مقام پر عبرانی متن میں اور یونانی ترجمہ میں جان بوجھکر تحریف کی ہے جیسا کہ دوسرے مقامات پر بھی قوی گمان ہوتا ہے[۴]،

---

[۱] ملاحظہ ہو صفحہ جلد ہٰذا [۲] صفحہ جلد ہٰذا

[۳] دیکھئے صفحہ جلد ہٰذا [۴] دیکھئے صفحہ جلد ہٰذا

تیرہواں قول مقصدِ اوّل کی شہادت نمبر ۲۳ میں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ ہورن نے بارہ آیات میں یہودیوں کا تحریف کرنا تسلیم کیا ہے،

چودہواں قول مقصد ثانی کی شہادت نمبر ۱ میں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ کیتھولک کے گرجا نے ان سات کتابوں کی صحت پر اجماع و اتفاق کیا ہے جن کی تفصیل وہاں موجود[1] ہے، اسی طرح اس کے الہامی ہونے میں اور لاطینی ترجمہ کی صحت پر بھی اتفاق کیا ہے،

ادھر علماءِ پروٹسٹنٹ کا قول یہ ہے کہ یہ کتابیں محرّف اور واجب الرّد ہیں، اور اس ترجمہ میں پانچویں صدی سے پندرہویں صدی تک بے شمار تحریفیں اور الحاقات ہوئے ہیں، اور لاطینی ترجمہ کے برابر کسی بھی ترجمہ میں اس قدر تحریف نہیں ہوئی، اس کے ناقلین نے بڑی بیباکی کے ساتھ عہد عتیق کی ایک کتاب کے فقرے دوسری کتاب میں شامل کر دیئے، اسی طرح حواشی کی عبارتوں کو متن میں داخل کر دیا[2] ہے،

پندرہواں قول مقصد نمبر ۳ کی شہادت نمبر ۲۶[3] سے معلوم ہو چکا ہے کہ آدم کلارک نے کنی کاٹ کی طرح اس قول کو ترجیح دی ہے کہ یہودیوں نے یوسیفس کے دور میں یہ چاہا کہ کتبِ مقدسہ کو من گھڑت دعاؤں اور گانو اور نئی نئی تراشیدہ باتوں کے ذریعہ آراستہ کیا جائے، ان بے شمار الحاقات پر نظر ڈالئے جو کتاب استر میں موجود ہیں، اور شراب اور عورتوں کے واقعات اور اس صدقہ کی طرف نگاہ کیجئے جو عزرا، اور نحمیاہ کی کتاب میں بڑھائے گئے ہیں جس کا نام موجودہ دور میں عزرا کی پہلی کتاب مشہور ہے، اور ذرا ان گانوں کو دیکھئے جو کتاب دانیال میں بڑھائے گئے ہیں، اسی طرح وہ بے شمار الحاقات جو کتاب سیفس میں موجود ہیں،

ہم کہتے ہیں کہ چونکہ اس قسم کی تحریف کتابوں کی زینت کا سبب تھی، اس لئے ان کی نگاہوں میں یہ کوئی معیوب حرکت نہیں تھی، چنانچہ وہ بیدھڑک تحریف کرتے تھے

---

[1] یعنی اپاکرفا (APOCRYPHA) [2] دیکھئے صفحہ ۶۴۸ و ۶۴۹ ج ہذا، [3] دیکھئے صفحہ ۶۷۲ جلد ہذا،

بالخصوص جبکہ اُن کو اس مشہور مسلمہ مقولہ پر عمل کرنا ہوتا تھا جس کا ذکر قول نمبر ۱ میں ہو چکا ہے[۱]، اس بنا پر بعض تحریفیں تو اُن کے خیال میں دینی مستحبات شمار کی جاتی تھیں،

سولہواں قول مقصد نمبر ۳ کی شہادت[۲] نمبر (۱) میں معلوم ہو چکا ہے کہ آدم کلارک اس امر کا معترف ہے کہ اکثر فضلاء کی رائے یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی پانچوں کتابوں کے حق میں نسخہ سامریہ سب سے زیادہ صحیح ہے،

سترہواں قول مقصد نمبر ۳ کی شہادت[۳] نمبر ۱۲ سے ثابت ہو چکا ہے کہ کتاب ایوب کے یونانی ترجمہ کے آخر میں جو تتمہ موجود ہے وہ پروٹسٹنٹ فرقہ کے نزدیک جعلی ہے، حالانکہ تتمہ مسیحؑ سے پہلے لکھا گیا تھا، اور حواریوں کے زمانہ میں مذکورہ ترجمہ میں داخل تھا، اور متقدمین کے نزدیک مسلمہ بھی تھا،

اٹھارہواں قول مقصد نمبر ۳ کی شہادت[۴] نمبر ۱۲ میں کریزاسٹم کا قول معلوم ہو چکا ہے کہ یہودیوں نے بہت سی کتابیں اپنی غفلت یا بد دیانتی کی وجہ سے ضائع کر ڈالی تھیں، بعض کتابوں کو تو پھاڑ ڈالا، اور بعض کو جلا دیا، فرقہ کیتھولک کے نزدیک اس کا قول راجح ہے،

اُنیسواں قول ہورن اپنی تفسیر کی جلد ۲ میں یونانی ترجمہ کا حال بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:-

"یہ ترجمہ بہت پرانا ہے جو یہودیوں اور متقدمین عیسائیوں کے یہاں بے حد مقبول اور معتبر تھا، اور دونوں فریق کے گرجاؤں میں پڑھا جاتا تھا، اور عیسائیوں کے مشائخ نے خواہ وہ لاطینی ہوں یا یونانی صرف اسی ترجمہ سے نقل کیا ہے، اور ہر وہ ترجمہ جسے عیسائی گرجا تسلیم کرتا ہو سوائے سریانی ترجمہ کے وہ اسی یونانی ترجمہ سے دوسری زبانوں میں منتقل کیا گیا ہے، مثلاً ترجمہ عربیہ آرمینیہ اور ترجمہ ایتھوپک اور اٹالک کا قدیم ترجمہ اور لاطینی ترجمہ جو جیروم سے پہلے مستعمل تھا، اور صرف

---

[۱] یعنی افلاطون اور فیثاغورس کا مقولہ جس میں جھوٹ بولنے کو مستحب قرار دیا گیا ہے، دیکھئے صفحہ ۴۳۸، [۲] دیکھئے صفحہ ..، جلد ہذا، [۳] دیکھئے صفحہ ۹۰۔ و ۱۰، جلد ہذا [۴] دیکھئے صفحہ ۲۱، و ۲۲، جلد ہذا،

یہی ترجمہ آجتک یونانی اور مشرقی گرجاؤں میں پڑھایا جاتا ہے "

پھر کہتا ہے کہ :۔

"ہمارے نزدیک سچی بات یہ ہے کہ یہ مسیح کی پیدائش سے ۲۸۵ سال یا ۲۸۶ سال قبل ترجمہ کیا گیا ہے "

پھر کہتا ہے کہ :۔

"اس کے کمالِ شہرت کے لئے صرف یہی ایک دلیل کافی ہے، کہ عہد جدید کے مصنفین نے صرف اسی ترجمہ سے بہت سے فقرے نقل کئے ہیں، .... جیروم کے علاوہ اور تمام گذشتہ عیسائی مشائخ عبرانی زبان سے ناواقف تھے، اور دوسرے نقل کرنے میں یہ لوگ ان اشخاص کی اقتدار کرتے تھے جنھوں نے الہام سے کتابوں کو لکھا ہے، اور یہ حضرات اگرچہ دین کے دائرہ میں مجتہدانہ منصب رکھتے تھے، مگر اس کے باوجود اس عبرانی زبان سے جو تمام کتابوں کی بنیاد ہے محض ناواقف تھے، اور اسی ترجمہ پر قناعت کرتے تھے، اور اپنے تمام مقاصد و مطالب میں اس ترجمہ کو خوب سمجھتے تھے، یونانی گرجا تو اس کو کتاب مقدس سمجھتا اور اس کی تعظیم کرتا تھا "

اور پھر کہتا ہے کہ :۔

"اور یہ ترجمہ یونانی اور لاطینی گرجوں میں سنہ ۱۵۰۰ء تک پڑھا جاتا رہا، اور اس سے سند لی جاتی تھی، نیز پہلی صدی میں یہودیوں کی عبادت گاہوں میں یہی ترجمہ معتبر مانا جاتا تھا، مگر پھر جب عیسائیوں نے اس ترجمہ سے یہودیوں کے خلاف استدلال کرنا شروع کیا تو یہودیوں نے اس ترجمہ کے خلاف زبان درازی شروع کی کہ یہ عبرانی متن کے موافق نہیں ہے، اور دوسری صدی کی ابتدا میں اس کے بہت سے فقرے اور جملے خارج کردیئے، اور اس کو چھوڑ کر اکوئلا کے ترجمہ کو پسند کیا، اور چونکہ یہ ترجمہ یہودیوں کے یہاں پہلی صدی عیسوی تک مستعمل تھا اور عیسائیوں کے یہاں بھی ایک مدت تک مروّج رہا، اس لئے اس کی بہت سی

نقلیں ہو چکی تھیں، اور یہودیوں کی تحریف اور کاتبوں کی غلطی، نیز شرح اور حاشیہ کی عبارت کو متن میں داخل کرنے کی وجہ سے بے شمار غلطیاں پیدا ہوگئی ہیں، فرقہ کیتھولک کا بڑا عالم وارڈ اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۴۱ء کے صفحہ ۱۸ پر یوں کہتا ہے: "مشرقی بددینوں نے اس میں تحریف کر ڈالی"

اب فرقہ پروٹسٹنٹ کے محقق کے اعتراف سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہودیوں نے جان بوجھ کر توریت میں تحریف کی، کیونکہ پہلے تو وہ کہتا ہے کہ:-

"دوسری صدی کی ابتداء میں یہودیوں نے اس کے اس کے بہت سے فقرے اور جملے خارج کرنے شروع کر دیئے تھے"

پھر کہتا ہے کہ:-

"یہودیوں کے قصداً تحریف کرنے کی وجہ سے الخ"

اور یہ تحریف اُن کی جانب سے مذہب عیسوی کی دشمنی کی بناء پر صادر ہوئی جیسا کہ ان کے محقق کے کلام میں تصریح موجود ہے، اس لئے اس فرقہ کو یہودیوں کے قصداً تحریف کرنے کے واقعہ سے اب کوئی انکار کی گنجائش باقی نہیں رہی، اسی طرح فرقہ کیتھولک کے نزدیک یہ قصدی تحریف مسلّم ہے، گویا دونوں حریف تحریف کے معترف ہیں،

اب ہم فرقہ پروٹسٹنٹ کے اقرار کی بناء پر کہتے ہیں کہ جب یہودیوں نے اس مشہور ترجمہ میں جو اُن کے تمام گرجوں میں چوتھی صدی تک استعمال کیا جاتا رہا بلکہ مشرق و مغرب کے تمام عیسائیوں کے گرجوں میں مروّج رہا، محض مذہب عیسوی کے عناد میں تحریف کی تھی، اُن کو نہ خدا کا خوف ہوا اور نہ مخلوق کے طعن کا خیال پیدا ہوا، اور اُن کی تحریف کا اثر اس مشہور ترجمہ میں موجود ہے، تو اس کا یقین کیسے کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اس عبرانی نسخہ میں تحریف نہ کی ہوگی، جو ان کے پاس موجود تھا، اور عیسائیوں میں تو وہ شائع ہوا ہی نہیں تھا، بلکہ دوسری صدی تک اس کا رواج بھی اُن کے یہاں نہیں ہوا تھا، خواہ یہ تحریف دینِ مسیح کے عناد کی بناء پر کی گئی ہو (جیسا کہ متقدمین کی رائے ہے، نیز آدم کلارک کا راجح مسلک ہے، جیسا کہ مقصدِ اوّل کی شہادت نمبر ۲۲ میں معلوم ہو چکا ہے،

اسی طرح ہورن نے بھی باوجود اپنے تعصب کے ۶ مقامات پر اور آگسٹائن نے ۱۲ آیات میں اس کا اعتراف کیا ہے، جیساکہ مقصد اوّل کی شہادت نمبر ۲۳ اور قول نمبر ۱۳ میں معلوم ہو چکا ہے)۔ یا یہ تحریف سامریوں کی دشمنی اور عداوت کی وجہ سے کی ہو، جیساکہ کنی کاٹ اور آدم کلارک کا فیصلہ ہے، اسی طرح بہت سے علماء کا جیساکہ مقصد اوّل کی شہادت ۳ اور قول نمبر ۱ معلوم ہو چکا ہے) خواہ آپس کی دشمنی کی بناء پر جیساکہ پہلی صدی اور اس کے بعد والے زمانہ میں عیسائیوں کے فرقہ کی جانب سے تحریف کا ارتکاب کیا گیا، جس کی تفصیل گذشتہ اقوال میں معلوم ہو چکی ہے، اور عنقریب آپ کو قول نمبر ۳۰ میں یہ بات معلوم ہونے والی ہے، کیونکہ یہ قصدی تحریف اُن دیندار عیسائیوں نے کی ہے جو اپنے خیال میں سچّے تھے، اور محض اُن دوسرے عیسائیوں کی مخالفت میں انھوں نے اس تحریف کا ارتکاب کیا، جو اُن کی نظر میں برحق نہ تھے، اور اُس میں ذرا بھی تعجب اس لئے نہیں کہ اُن کے نزدیک تحریف مستحباتِ دین میں شمار ہوتی تھی، اور دیانت کا عین مقتضیٰ سمجھی جاتی تھی، یا اور دوسرے اسباب کی بناء پر جو اس دور میں تحریف کے مقتضی ہو سکتے تھے تحریف کی گئی ہے،

یہودیوں کی تحریف کے بارے میں ایک نو مسلم یہودی عالِم کی شہادت

ایک یہودی عالم سلطان بایزید خاں مرحوم[1] کے عہد میں مشرف باسلام ہوا، جس کا نام عبدالسلام رکھا گیا، اس نے یہودیوں کے رد میں ایک چھوٹا سا رسالہ "الرسالۃ الہادیہ" کے نام سے تالیف کیا، جو تین قسموں پر مشتمل ہے، اس رسالہ کی تیسری قسم میں یہودیوں کے توریت میں تحریف کرنے کی نسبت وہ لکھتا ہے:

"توریت کی سب سے زیادہ مشہور تفسیر وہ ہے جو تلموذان کے نام سے مشہور ہے، اور شاہ تلمائی کے عہد میں کی گئی ہے، جو بخت نصر کے بعد ہوا ہے، اس میں یوں لکھا ہے کہ شاہ تلمائی نے ایک مرتبہ علماء یہود سے توریت طلب کی، علماء اس کو پیش

[1] سلطان بایزید خان بن محمد فاتح، ترکی کے مشہور عثمانی سلطان (مدت حکومت از ۱۴۸۲ء تا ۱۵۱۲ء) ۱۲ تقی

کرتے ہوئے ڈرتے تھے، اس لئے کہ بادشاہ اس کے بعض احکام کا منکر تھا،
چنانچہ ستر علماء یہود نے جمع ہو کر اُن عبارتوں کو بدل ڈالا جن کا وہ منکر تھا، پھر
جب اُن کا اس تحریف کی نسبت اعتراف موجود ہے تو ایسی کتاب کی کسی ایک
آیت پر بھی کس طرح اعتبار و اطمینان کیا جا سکتا ہے "

کیتھولک علماء کے قول کے مطابق ہم ان سے کہتے ہیں کہ جب مشرق کے بددینوں نے
اس ترجمہ کو بھی بدل ڈالا جو عیسائیوں میں مشہور اور مشرق و مغرب کے گرجوں میں رائج تھا
بالخصوص تمھارے گرجے میں ۱۵۰۰ء تک مستعمل رہا ہے، جیسا کہ محقق ہورن نے ثابت کیا ہے
اور ان کی تحریف کا اثر اس کے نسخوں میں ظاہر ہوا تو پھر علماء پروٹسٹنٹ کے اس قول کی
تردید کیونکر کی جا سکتی ہے کہ تم نے اس لاطینی ترجمہ میں تحریف کی ہے، جو تمھارے گرجے
میں رائج تھا، نہیں خدا کی قسم یہ لوگ اپنے دعووں میں سچے ہیں "

بیسواں قول

انسائیکلو پیڈیا ریس کی جلد ۴ میں بَیبل کے بیان میں کہا گیا ہے کہ :۔

" ڈاکٹر کنی کاٹ کہتا ہے کہ عہد عتیق کے جو نسخے موجود ہیں، وہ
جو ۱۰۰۰ء اور ۱۴۰۰ء کے درمیان لکھے گئے ہیں، اس کی دلیل پیش کرتے ہوئے
کہتا ہے کہ وہ تمام نسخے جو ۷۰۰ء یا آٹھویں صدی میں لکھے گئے تھے وہ یہودیوں
کی مجلس شوریٰ کے حکم سے ضائع کر دیئے گئے تھے، اس لئے کہ وہ اُن کے معتبر
نسخوں کے سخت مخالف تھے، اس واقعہ کے پیش نظر والٹسن بھی کہتا ہے کہ جن
نسخوں کی کتابت پر ۶۰۰ سال کا عرصہ گذر چکا ہے وہ کمیاب ہیں، اور جو ۷۰۰
یا ۸۰۰ سال قبل کے لکھے ہوئے ہیں وہ تو بالکل نایاب ہیں "

غور کیجئے کہ ڈاکٹر کنی کاٹ جس پر فرقۂ پروٹسٹنٹ کو عہد عتیق کی کتابوں کی تصحیح
کے معاملہ میں مکمل اعتماد ہے، یہ اعتراف کرتا ہے کہ جو نسخے ساتویں یا آٹھویں صدی
کے لکھے ہوئے ہیں اُن تک ہماری رسائی نہیں ہو سکی، بلکہ ہم تک صرف وہ نسخے پہنچ سکے ہیں

۱؎ اظہار الحق کے نسخوں میں یہ لفظ اسی طرح مذکور ہے، لیکن کتاب کے انگریزی ترجمہ میں اس کی جگہ "بائبل" لکھا ہے جو صحیح معلوم ہوتا ہے، شاید عربی نسخوں میں یہاں طباعت کی غلطی ہوئی ہے ۱۲

جو ہزار دیں اور چودہویں صدی کے درمیان کے لکھے ہوئے ہیں، اور اس کا سبب بھی بیان کرتا ہے کہ یہودیوں نے اس سے پہلے کے تمام نسخے ضائع کر دیئے تھے، کیونکہ وہ سب اُن کے معتبر نسخوں کے سخت مخالف تھے، واٹسن بھی حرف بہ حرف اس کی تائید کرتا ہے،

اب ہم کہتے ہیں کہ ان نسخوں کو ناپید کرنے اور ضائع کرنے کا واقعہ یقیناً ظہور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو سال کے بعد پیش آیا ہے، پھر جب وہ تمام نسخے جو ان کے نسخوں کے مخالف تھے صفحاتِ عالم سے مٹ گئے، اور اُن کی تحریف کا اثر اس درجہ تک پہنچ گیا، اور اُن کے پاس صرف وہی نسخے باقی رہ گئے، جو اُن کو پسند تھے، تو معلوم ہوا کہ ظہور محمدی کے بعد بھی ان کو ان نسخوں میں تحریف کرنے کی بڑی گنجائش اور ساز گار ماحول نصیب تھا، اس لئے اُس کے بعد اُن کی تحریف کچھ بھی مستبعد نہیں معلوم ہوتی، بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ طباعت کا فن ایجاد ہونے سے قبل اہل کتاب کی تمام کتابوں میں ہر قرن میں تحریف کی کافی صلاحیت اور گنجائش رہی ہے، بلکہ تماشا تو یہ ہے کہ طباعت کا سلسلہ جاری ہونے کے بعد بھی وہ تحریف سے نہ کبھی باز آئے، اور نہ اس میں اُن کو کبھی کوئی باک ہوا، جیسا کہ ناظرین لوتھر کے پیرو وں کا حال اس کے ترجمہ کی نسبت مقصد ۲ کی شہادت نمبر ۳۱ میں سُن چکے ہیں[1]،

اکیسواں قول مفسر ہارسلی اپنی تفسیر کی جلد ۳ صفحہ ۲۸۲ پر کتاب یوشع کے مقدمہ میں کہتا ہے کہ:-

"یہ بات کہ مقدس متن میں تحریف کی گئی ہے یقینی اور شبہ سے بالاتر ہے، نیز نسخوں کے اختلاف سے بالکل نمایاں ہے، کیونکہ مختلف عبارتوں میں صحیح عبارت صرف ایک ہی ہو سکتی ہے، اور یہ بات قیاسی بلکہ یقینی ہے کہ بدترین عبارتیں بعض اوقات مطبوعہ متن میں شامل کر دی گئیں، مگر اس دعوے کی کوئی دلیل مجھ کو نہیں مل سکی کہ کتاب یوشع میں پائی جانے والی تحریفات عہدِ عتیق کی تمام کتابوں کی تحریفات سے زیادہ ہیں"

[1] صفحہ ۶۸۱ جلد ہذا، ان حضرات کا یہ عمل آج تک کس طرح مسلسل جاری ہے؟ اس کا ایک اندازہ کرنے کے لئے ۴۸۶ جلد اوّل کا حاشیہ ملاحظہ فرمایئے، اور ۱۹۵۸ء کے طبع شدہ بائبل (اردو ترجمہ) میں استثناء ۳۳:۲ کا مقابلہ کسی بھی سابقہ ترجمہ سے کر لیجئے،

پھر جلد ۳ صفحہ نمبر ۲۷ پر رقمطراز ہے :۔

"یہ بات قطعی طور پر درست ہے کہ بخت نصر کے حادثہ کے بعد بلکہ اس سے کچھ پہلے بھی لوگوں کے پاس عبرانی متن کی جو نقلیں تھیں وہ تحریف کے لحاظ سے ان نسخوں سے بھی بدترین حالت میں تھیں، جو عزراء کی تصحیح کے بعد وجود میں آئے"۔

بائیسواں قول

واٹسن اپنی کتاب کی جلد ۳، ص ۲۸۳ میں یوں کہتا ہے کہ :۔

"ایک مدت دراز تک آریجن ان اختلافات کی شکایت کرتا رہا اور مختلف اسباب کی جانب ان کو منسوب کرتا رہا، مثلاً کاتبوں کی غفلت یا شرارت اور لاپرواہی، اسی طرح جیروم کہتا ہے کہ جب میں نے عہد جدید کے ترجمہ کا ارادہ کیا تو میں نے اس کا مقابلہ اس نسخہ سے کیا جو میرے پاس موجود تھا، تو ان میں عظیم الشان اختلاف پایا"۔

تیئسواں قول

آدم کلارک اپنی تفسیر کی جلد اول کے مقدمہ میں کہتا ہے کہ :۔

"جیروم سے پہلے لاطینی زبان میں مختلف ترجموں کے بے شمار تراجم موجود تھے اور بعض میں تو انتہائی شدید تحریف موجود تھی، اور ایک مقام دوسری جگہ کے سخت مناقض تھا، جیسا کہ جیروم غریب فریاد کر رہا ہے"۔

چوبیسواں قول

وارڈ کیتھولک اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۴۱ء کے صفحہ ۱۷ و ۱۸ میں کہتا ہے کہ :۔

"ڈاکٹر ہمفری نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۷۸ پر کہا ہے کہ یہودیوں کے اوہام نے عہد عتیق کی کتابوں کے بعض مقامات پر ایسی تحریف کی ہے کہ پڑھنے والوں کو بآسانی پتہ چل جاتا ہے، پھر کہتا ہے کہ یہودیوں نے مسیح کی بشارتوں کو بالکل ہی اڑا دیا، پھر ایک پروٹسٹنٹ عالم نے بیان کیا کہ قدیم مترجم اس کو ایک نہج سے پڑھتا ہے تو موجودہ یہودی اس کو دوسرے طریقہ سے پڑھتا ہے، میری رائے یہ ہے کہ یہودی کاتبوں اور ان کے ایمان کی جانب غلطی منسوب کرنا بہ نسبت قدیم مترجم کی جہالت یا تساہل کی طرف منسوب کرنے کے زیادہ بہتر ہے، اس لئے کہ زبور کی حفاظت مسیح سے قبل بھی یہودیوں کے یہاں اُن کے گانوں کی بہ نسبت کم تھی"۔

پچیسواں قول فیلپس کوادنولس پادری نے ایک کتاب احمد شریف بن زین العابدین اصفہانی کی کتاب کے رد میں خیالات کے نام سے لکھی تھی، جو سنہ ۱۶۴۹ء میں چھپی ہے، وہ اس کی فصل نمبر ۱۶ میں کہتا ہے کہ:۔

"نسخ قصاعبۃ[1] بالخصوص کتاب سلیمان میں بے شمار تحریف پائی جاتی ہے، رب اقیلا نے جو کلیس کے نام سے مشہور ہے پوری توریت نقل کی، اسی طرح رب یونتا بن عزیال نے کتاب یوشع بن نون اور کتاب القضاۃ وکتاب السلاطین، کتاب اشعیاء اور دوسرے پیغمبروں کی کتابیں نقل کیں، اور رب یوسف نابینا نے زبور وکتاب ایوب و روت واستر وسلیمان کو نقل کیا، ان تمام ناقلین نے تحریف کی اور ہم عیسائیوں نے ان کتابوں کی محافظت اس لئے کی تاکہ یہودیوں پر تحریف کا الزام قائم کرسکیں حالانکہ اُن کی جھوٹی باتوں کو تسلیم نہیں کرتے"

یہ دیکھئے سترہویں صدی کا یہ پادری کس صفائی سے یہودیوں کی تحریف کی شہادت دے رہا ہے،

چھبیسواں قول ہورن جلد کے صفحہ ۶۸ پر کہتا ہے کہ:۔

"الحاق کے سلسلہ میں یہ بات مان لینی چاہئے کہ توریت میں اس قسم کے فقرے موجود ہیں"

پھر جلد ۲ صفحہ ۴۴۵ میں کہتا ہے کہ:۔

"عبرانی متن میں تحریف کردہ مقامات کی تعداد کم ہے"

یعنی صرف نو ہے، جیسا کہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں،

ستائیسواں قول سلطان جیمس اوّل[2] کے دربار میں فرقہ پروٹسٹنٹ کی جانب سے ایک ایک درخواست اس مضمون کی پہونچی تھی کہ وہ زبور میں جو ہماری

---

[1] عربی نسخوں میں ایسا ہی ہے، انگریزی مترجم نے یہاں کسی نسخہ کا ذکر کیا ہے ۱۲ ت [2] جیمس اوّل غالباً اس سے مراد جیمس فاتح (JAMES THE-CONQUERER) ہے، جو سنہ ۱۲۰۸ء سے سنہ ۱۲۷۶ء تک زندہ رہا، یوں جیمس اول برطانیہ سنہ ۱۵۶۶ء تا سنہ ۱۶۲۵ء اور اسکاٹ لینڈ (سنہ ۱۳۹۴ء تا سنہ ۱۴۳۷ء) کے بادشاہ بھی ہوئے ہیں ۱۲

کتاب الصلوٰۃ میں داخل ہیں وہ زیادتی اور کمی اور تغیر و تبدّل کے اعتبار سے عبرانی سے دوسو مقامات میں مختلف اور مخالف ہیں،

اٹھائیسواں قول مسٹر کارلائل کہتا ہے کہ:۔

"انگریزی مترجموں نے مطلب خبط کردیا ہے، حق کو چھپایا اور جاہلوں کو دھوکا دیا، اور انجیل کے سیدھے سادے مضمون کو پیچیدہ بناڈالا، اُن کے نزدیک تاریکی روشنی سے بہتر اور جھوٹ سچ سے افضل ہے۔"

انتیسواں قول مسٹر بروٹن نے جو کونسل کے ارکان میں سے تھے، جدید ترجمہ کرنے کی درخواست کی تھی، کیونکہ انگریزی میں جو ترجمہ مروّج ہے وہ غلطیوں سے لبریز ہے، اور پادریوں سے کہا کہ تمھارے مشہور انگریزی مترجم نے عہد عتیق کی عبارتوں میں آٹھ ہزار چار سو اسّی مقامات میں تحریف کی ہے، اور اس طرح وہ بے شمار انسانوں کے عہدِ جدید سے منحرف ہونے اور جہنّم میں داخل ہونے کا سبب بنا ہے،

"تینوں اقوال جو نمبر ۲۷، ۲۸ و ۲۹ میں درج ہیں، ہم نے وارڈ کیتھولک کی کتاب سے نقل کئے ہیں، تطویل کا اندیشہ ہم کو دوسرے اقوال کے نقل کرنے سے مانع ہوتا ہے، ان میں سے اکثر مقاصدِ ثلٰثہ کی شہادتوں سے واضح ہوجائیں گے، اب ہم صرف ایک قول کے نقل کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں، جس میں تحریف کے اقسام وانواع کا اعتراف موجود ہے اس کے بعد دوسرے اقوال کے نقل کرنے کی چنداں ضرورت نہیں، ہوگی، اس طرح کُل اقوال کی تعداد تیس[3] ہوجائے گی،

تیسواں قول ہورن اپنی تفسیر کی جلد ۲ باب ۸ میں ڈیریس[1] ریڈنگ کے وقوع کے اسباب میں جس کے معنی اس مغالطہ کے جواب کی ابتداء میں ناظرین کو بتائے جاچکے ہیں، کہتا ہے کہ اس کے وقوع کے چار اسباب ہیں،

ہورن کی نظر میں تحریف کے اسباب

سببِ اوّل کاتب کی غلطی اور اس کی بھول؛ جس کی چند صورتیں ہیں:۔

---

[1] یعنی اختلافِ عبارت، دیکھئے صفحہ جلد اول،

اوّل یہ کہ کاتب کو جس شخص نے لکھوایا اس نے جو چاہا لکھ دیا، یا کاتب اس کی بات پورے طور پر نہ سمجھ سکا، اس لئے اس نے جو لکھ سکتا تھا لکھ مارا،

دوسرے عبرانی اور یونانی حروف ہمشکل اور ملتے جُلتے تھے، اس لئے ایک کے بجائے دوسرے کو لکھ دیا،

تیسرے، کاتب نے اعراب کو خط سمجھا، یا اس خط کو جو اس پر لکھا جاتا تھا حرف کا جزء سمجھ لیا، یا نفسِ مضمون کو سمجھ کر عبارت کی اصلاح کر ڈالی، اور اس میں غلطی کی،

چوتھے، کاتب جب ایک مقام سے دوسری جگہ پہنچا تو اس کو احساس ہوا، لیکن اپنے لکھے ہوئے کو کاٹنا مناسب نہ سمجھا، اور جو مقام متروک ہو گیا اس کو دوبارہ لکھ دیا اور پہلی تحریر کو جُوں کا تُوں رہنے دیا،

پانچویں، کاتب ایک بات کو چھوڑ گیا تھا، پھر دوسری بات لکھنے کے بعد اس کو احساس ہوا تو متروکہ عبارت کو اس کے بعد لکھ دیا، اس طرح ایک عبارت ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو گئی،

چھٹے، کاتب کی نظر اتفاقاً چُوک گئی، اور دوسری سطر پر جا پڑی، اس لئے کچھ... عبارت رہ گئی،

ساتویں، کاتب کو مخفف الفاظ کے سمجھنے میں غلطی ہو گئی، اور اس نے اپنی سمجھ کے مطابق اس کو لکھ ڈالا،

آٹھویں، اختلافِ عبارت کے واقع ہونے کا بڑا منشا، کاتبوں کی جہالت اور غفلت ہی، کہ انھوں نے حاشیہ یا تفسیر کی عبارت کا جزء متن سمجھ کر اس میں شامل کر دیا،

دوسرا سبب

نسخۂ منقول عنہ میں کمی واقع ہونا، اس کی بھی چند صورتیں ہیں،

بعض مرتبہ حروف کے اِعراب مٹ گئے، یا وہ اعراب جو ایک صفحہ پر تھے، اس کی دوسری جانب کسی دوسرے صفحہ پر اُبھر آیا اور دوسرے صفحہ کے حروف کے ساتھ اس کی ایسی آمیزش ہو گئی کہ اُن کا جزء سمجھ لیا گیا،

بعض اوقات چھوٹا ہوا فقرہ حاشیہ پر بغیر کسی علامت کے لکھا ہوا تھا،

دوسرے کاتب کو یہ نہ معلوم ہوسکا کہ اس فقرے کو کس جگہ لکھا جائے اور غلطی کر گیا،

تیسرا سبب

خیالی تصحیح و اصلاح ہے، اس کی بھی چند صورتیں ہیں:
بعض مرتبہ کاتب نے اتفاق سے صحیح عبارتوں کو ناقص سمجھا یا مطلب سمجھنے میں غلطی کی، یا یہ خیال کیا کہ عبارت قواعد کے اعتبار سے غلط ہے، حالانکہ وہ غلط نہ تھی، بلکہ غلطی اصل مصنف سے صادر ہوئی تھی،

دوسرے "بعض محققین" نے غلطی کی اصلاح صرف قواعد کے مطابق کرنے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ غیر فصیح عبارت کو فصیح سے بدل دیا، یا بھرتی کے الفاظ کو خارج کر دیا، یا مرادف الفاظ کو جن کے درمیان کوئی واضح فرق موجود نہ تھا، ساقط کر دیا،

تیسرے، سب سے زیادہ کثیر الوقوع غلطی یہ ہوئی کہ انھوں نے مقابل فقروں کو برابر کر دیا، اس قسم کا تصرّف انجیلوں میں خصوصیت کے ساتھ کیا گیا ہے، اسی وجہ سے پولس کے خطوط میں کثرت سے الحاقات کئے گئے، تاکہ اس کی وہ عبارت جو اس نے عہدِ عتیق سے نقل کی ہے، یونانی ترجمہ کے مطابق ہو جائے،

چوتھے، بعض محققین نے عہدِ جدید کو لاطینی ترجمہ کے مطابق بنا دیا،

چوتھا سبب

تحریف قصدی کا ارتکاب جس کسی کی جانب سے ہوا، خود غرضی کی بناء پر ہوا ہے، خواہ تحریف کرنے والا دیندار طبقہ سے تعلق رکھتا ہو، یا مبتدعین میں سے، گذشتہ بدعتیوں میں یہ الزام مارسیون سے زیادہ کسی کو نہیں دیا گیا اور نہ اس شنیع حرکت کی وجہ سے اس سے زیادہ کوئی ملامت کا مستحق ہوا ہے،

نیز یہ بات بھی ثابت ہو چکی ہے کہ بعض قصدی تحریفات ان لوگوں سے صادر ہوئی ہیں، جن کا شمار دینداروں میں ہوتا تھا، اور یہ تحریفات اُن کے بعد اس لئے راجح قرار پائیں کہ اُن کے ذریعہ کسی مقبول مسئلہ کی تائید حاصل کی جاسکے یا اس پر واقع ہونے والا کوئی اعتراض دور ہو سکے،

ہورن نے بیشمار مثالیں ان چاروں اسباب میں سے ہر سبب کی اقسام کی بیان کی ہیں، تطویل کے اندیشہ سے ہم انھیں چھوڑتے ہیں، مگر وہ مثالیں جن کو دینداروں کی

تحریف ثابت کرنے کے لئے اس نے نقل کیا ہے، کتاب فاف[ع۶] سے نقل کرتے ہیں، وہ کہتا ہے کہ:-

"مثلاً انجیل لوقا کے باب ۲۲ کی آیت ۴۳ قصداً چھوڑ دی گئی [۱]، اس لئے کہ بعض دینداروں نے یہ گمان کیا کہ فرشتہ کا خدا کو تقویت دینا اس کی خدائی کے منافی ہے،[۱] اسی طرح انجیل متی باب اول آیت[۲] ۱۸ میں "اکٹھے ہونے سے قبل" کے الفاظ چھوڑ دیئے گئے، اور "اس کا پہلا بیٹا" کے الفاظ آیت نمبر ۲۵[۳] میں ترک کر دیئے گئے، محض اس لئے کہ مریم ع کی دائمی بکارت میں شک نہ پیدا ہو جائے، اور کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب ۱۵ آیت ۵ میں ۱۲ کو ۱۱ سے تبدیل کر دیا تاکہ پولس پر جھوٹ بولنے کا الزام نہ لگایا جا سکے۔ کیونکہ یہوداہ اسکریوتی اس سے پہلے مرچکا تھا[۴]۔

نیز انجیل مرقس باب ۱۳ کی آیت ۳۲ میں بعض الفاظ چھوڑ دیئے گئے، اور بعض مرشدین نے بھی ان الفاظ کو اس لئے رد کر دیا۔ کہ ان کو یہ خیال ہوا کہ ان سے فرقہ ایرین کی تائید ہوتی ہے[۵] اور بعض الفاظ انجیل لوقا باب ۱ آیت ۳۵ کے سریانی یونانی عربی ایتھوپک وغیرہ ترجموں

---

[۱] اس آیت میں حضرت مسیح علیہ السلام کی مبینہ پھانسی سے ایک رات قبل پریشانی کے عالم میں جبل زیتون پر جانے کا واقعہ مذکور ہے، اور یہ کہا گیا ہے کہ ایک فرشتہ آپ کو تقویت دیتا تھا، آیت کے الفاظ پیچھے ص۶۹ ج۱ کے حاشیہ پر گذر چکے ہیں، ایک ہارن نے اس آیت کو الحاقی قرار دیا ہے، نیز اس سلسلہ میں جلد ۳ باب ۶ کے عنوان "ساتویں بات" میں ۱۵۰ کے حاشیہ پر قدرے مفصل بحث ہے اُسے ضرور ملاحظہ فرمائیں ۱۲ تقی

[۲] "جب اس کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہو گئی تو ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ روح القدس کی قدرت سے حاملہ پائی گئی" (۱۸:۱) ۱۲ ت

[۳] "اور اس کو نہ جانا جب تک اس کے بیٹا نہ ہوا" (۲۵:۱) ۱۲ ت

[۴] اس کی تشریح صفحہ ۵۲۴ ج پر غلطی نمبر ۹۷ کے ضمن میں دیکھئے ۱۲ ت

[۵] اس آیت میں ہے "اس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا، نہ آسمان کے فرشتے، نہ بیٹا، مگر باپ" فرقہ ایرین تثلیث کا منکر ہے، اس آیت سے اس کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ یہاں بیٹے ..... اور باپ میں کھلی تفریق کی گئی ہے ۱۲ ت

[ع۶] اظہار الحق میں ایسا ہی ہے مگر انگریزی مترجم نے یہاں KAFF لکھا ہے۔

میں بڑھائے گئے[۱]،

نیز بہت سے مرشدین کی نقلوں میں بھی محض فرقہ یونی کینس کے مقابلہ میں اس لئے بڑھائے گئے، کہ یہ فرقہ اس بات کا منکر تھا کہ عیسیٰ میں دو صفتیں پائی جاتی ہیں"۔

غرض ہورن نے تحریف کی تمام احتمالی و امکانی صورتوں کو بیان کر دیا، اور اس امر کا صاف اقرار کیا ہے کہ کتب سماویہ میں تحریف واقع ہوئی ہے،

اب ہم کہتے ہیں کہ جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ حواشی اور تفسیر کی عبارتیں کاتبوں کی غفلت یا جہالت کی بناء پر متن میں شامل ہوگئی ہیں، اور یہ بھی ثابت ہوگیا کہ اصلاح کرنے والوں نے اُن عبارتوں میں بھی اصلاح کی جو اُن کے خیال میں قواعد کے خلاف یا واقع میں غلط تھیں،

اسی طرح یہ بھی ثابت ہوگیا کہ انھوں نے غیر فصیح عبارتوں کو فصیح عبارتوں سے تبدیل کیا، اور زائد یا مرادف کو خارج کر دیا،

اور یہ بھی ثابت ہوگیا کہ مقابل فقروں کو بالخصوص انجیلوں میں انہوں نے برابر کر دیا، اسی بناء پر پولس کے خطوط میں الحاق بڑی کثرت سے پایا جاتا ہے،

اور یہ بھی محقق ہوگیا کہ بعض محققین نے عہدِ جدید کو لاطینی ترجمہ کے مطابق بنا دیا، اور یہ کہ بدعتیوں نے قصداً جو تحریف کرنا چاہی وہ کر ڈالی، اور دیندار لوگ بھی کسی مسئلہ کی تائید یا کسی اعتراض کے دور کرنے کے لئے عام طور پر تحریف کیا کرتے تھے، جو اُن کے بعد راجح قرار پائی تھی، تو اب بتایا جائے کہ تحریف کا کونسا دقیقہ باقی رہ گیا ہے؟

اب اگر ہم یہ کہیں کہ تو اس میں کیا استحالہ باقی رہ جاتا ہے کہ جو عیسائی صلیب پرستی کے عاشق تھے اور اس کے چھوڑنے پر راضی نہ تھے، اسی طرح جاہ و منصب کے پجاری ہونے کے سبب اُسے چھوڑنے کو تیار نہ تھے، انہوں نے بھی اسی طرح بعض ان عبارتوں میں اسلام کے ظہور کے بعد تحریف کی، جو مذہب اسلام کے حق میں مفید ہوسکتی تھیں، اور یہ تحریفیں ان کے بعد بالکل اسی طرح راجح قرار دے

---

[۱] آیت میں ہے کہ فرشتے نے حضرت مریم سے کہا "روح القدس تجھ پر نازل ہوگا اور خدا تعالیٰ کی قدرت تجھ پر سایہ ڈالے گی، اور اس سبب سے وہ مولود مقدس خدا کا بیٹا کہلائے گا" اس سے کبھی عقیدۂ تثلیث کی چونکہ تردید ہوتی ہے، اس لئے اس میں تحریف کی گئی ہوگی ۱۲ ت۔

دی گئیں جس طرح ان کی گذشتہ تحریفات ان کے دوسرے فرقوں کے مقابلہ میں راجح قرار دی گئی تھیں، بلکہ چونکہ یہ تحریف ان کے نزدیک ان تحریفات کے مقابلہ میں زیادہ مہتم بالشان تھی جو اپنے فرقوں کے مقابلہ میں کی گئی تھیں اس لئے اس کی ترجیح بھی دوسری تحریفات کی ترجیح سے بڑھی رہی۔

حضرت مسیحؑ اور حواریوں نے ان کتابوں کی سچائی کی گواہی دی ہے

دوسرا مغالطہ

دوسرا مغالطہ یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام نے عہد عتیق کی کتابوں کی سچائی کی شہادت دی ہے، اور اگر ان میں تحریف واقع ہوئی تھی تب تو مسیحؑ ایسی شہادت ہرگز نہ دے سکتے تھے، بلکہ ایسی صورت میں ان کے لئے ضروری تھا کہ وہ یہودیوں کو اس تحریف پر الزام دیتے،

اس کے جواب میں سب سے پہلے تو ہم یہ کہیں گے کہ چونکہ عہدِ عتیق اور عہد جدید کی کتابوں کے لئے تواتر لفظی ثابت نہیں ہوسکا اور کوئی ایسی سند نہیں پائی گئی جو مصنف تک متصل ہو، جیساکہ باب اوّل کی فصل دوم میں معلوم ہوچکا ہے، اور کچھ نمونہ کتاب استیر کے بارے میں مقصد۲ کی شہادت نمبر۱ میں[1] ناظرین کی نظر سے گذر چکا ہے، اور انجیل متی کے حق میں مقصد۳ شہادت نمبر۱۸ میں آپ دیکھ چکے ہیں، نیز کتاب ایوب اور کتاب غزل الغزلات کے حق میں عنقریب معلوم ہونے والا ہے۔

غرض جملہ اقسام کی تحریف ثابت ہو چکی، اور دینداروں کی جانب سے کسی مسئلہ کی تائید یا کسی اعتراض کے دفع کرنے کے لئے بھی تحریف ثابت ہوگئی جیساکہ ابھی ابھی.... قول نمبر۳ میں ناظرین کو معلوم ہوچکا ہے،[2] اس لئے یہ کتابیں ہمارے نزدیک مشکوک ہیں، لہٰذا ان کی کسی آیت سے ہمارے خلاف کوئی..... استدلال کامیاب نہیں ہوسکتا، کیونکہ ممکن ہے وہ آیت[ع] الحاقی ہو، جس کو "دیندار عیسائیوں" نے دوسری صدی کے آخر یا تیسری صدی میں

---

[1] دیکھئے صفحہ ۶۵۰ جلد ہذا [2] دیکھئے صفحہ ۷۱۳ جلد ہذا

[ع] یعنی جس آیت سے ہمارے خلاف استدلال کیا جارہا ہے،

فرقۂ ابیونیہ و مارقیونیہ و مانی کینز کے مقابلہ میں بڑھا دیا ہو، اور یہ تحریفات اُن کے بعد اس لئے راجح قرار دے دی گئی ہوں کہ ان سے کسی مسلمہ مسئلہ کی تائید ہوتی تھی، جیساکہ انھوں نے فرقہ ایرین اور یوٹی کینس کے مقابلہ میں کیا تھا، اور یہ تحریفات ان کے بعد اس لئے راجح قرار پائیں کہ یہ تینوں مذکورہ فرقے عہد عتیق کی تمام یا اکثر کتابوں کا انکار کرتے تھے، چنانچہ پہلے فرقہ کا انکار ہدایت نمبر ۲ مغالطہ نمبر ۱ کے جواب میں آپ کی نظر سے گذر چکا ہے،

بل اپنی تاریخ میں فرقۂ مرقیونیہ کا حال بیان کرتے ہوئے کہتا ہے،

"اس فرقہ کا عقیدہ یہ تھا کہ دو خدا موجود ہیں، ایک نیکی کا خالق اور دوسرا بدی کا، اور اس بات کا قائل تھا کہ توریت اور عہد عتیق کی دوسری کتابیں دوسرے خدا کی دی ہوئی ہیں، اور یہ سب عہد جدید کے مخالف ہیں"،

اور لارڈنر اپنی تفسیر کی جلد ۸ صفحہ ۴۸۶ میں فرقہ کا حال بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:-

"یہ فرقہ کہتا ہے کہ یہودیوں کا معبود عیسیٰؑ کا باپ نہیں ہے، اور عیسیٰؑ کی آمد موسیٰؑ کی شریعت مٹانے کے لئے ہوئی، کیونکہ وہ انجیل کے مخالف تھی"

اور لارڈنر اپنی تفسیر کی جلد ۳ میں فرقہ مانی کینز کے احوال کے تحت بیان کرتا ہے کہ:

"مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ پورا فرقہ کسی زمانہ میں بھی عہد عتیق کی مقدس کتابوں کو نہیں مانتا تھا، اعمال ارکلاس میں اس فرقہ کا عقیدہ یہ بھی لکھا ہے کہ شیطان نے یہود کے پیغمبروں کو دھوکہ اور فریب دیا، اور شیطان ہی نے موسیٰ اور بنی اسرائیل کے نبیوں سے کلام کیا تھا، یہ فرقہ انجیل یوحنا کے باب ۱۰ آیت ۸ سے استدلال کرتا تھا کہ مسیحؑ نے ان سے بتایا کہ وہ چور اور لٹیرے[۱] ہیں"

دوسرے ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم اس کے الحاقی یا غیر الحاقی ہونے سے قطع نظر بھی کر لیں تب بھی اس سے ان تمام کتابوں کی سند ثابت نہیں ہو سکتی، کیونکہ اس میں نہ تو ان تمام کتابوں کی تعداد بتائی گئی ہے، اور نہ ان کے ناموں کی نشاندہی کی گئی ہے، تو پھر یہ بات کیونکر معلوم ہو سکتی ہے کہ عہد عتیق کی جو کتابیں یہودیوں کے یہاں رائج تھیں وہ اُنتالیس ہی تھیں، جن کو اس دور کا فرقہ پروٹسٹنٹ مانتا ہے، یا پھر وہ چھیالیس کتابیں ہیں جن کو فرقہ کیتھولک تسلیم کرتا ہے، اس لئے

---

[۱] "جتنے مجھ سے پہلے آئے سب چور اور ڈاکو ہیں الخ" (۱۰: ۸)

کہ ان کتابوں میں کتاب دانیال بھی شامل ہے، جیسے حضرت مسیح کے ہمعصر یہودی اور دوسرے متاخرین رسوائے یوسیفس مؤرخ) الہامی نہیں مانتے، بلکہ یہ لوگ دانیال کا نبی ہونا بھی تسلیم نہیں کرتے اور یوسیفیس مؤرخ جو عیسائیوں کے یہاں معتبر و مستند اور متعصب یہودی ہے، اور مسیح کے بعد گذرا ہے، وہ اپنی تاریخ میں صرف اتنی بات کا اعتراف کرتا ہوا کہتا ہے کہ:

"ہمارے پاس ایسی ہزاروں کتابوں کا وجود نہیں ہے جن میں ایک دوسری کے مناقض و مخالف ہو، بلکہ ہمارے نزدیک صرف ۲۲ کتابیں ہیں جن میں گذشتہ زمانوں کے احوال لکھے ہیں، جو الہامی ہیں، ان میں پانچ کتابیں موسیٰ کی ہیں، جن میں ابتدائی آفرینش سے موسیٰ کی وفات تک کا حال لکھا ہے، اور ۱۳ کتابیں وہ ہیں جو دوسرے پیغمبروں نے لکھی ہیں، جن میں موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد اُن کے اپنے اپنے دور کے حالات لاد شیر بادشاہ کے عہد تک کے لکھے ہوئے ہیں، باقی چار کتابیں اور رہیں جن میں صرف خدا کی حمد و ثنا بیان کی گئی ہے"

دیکھئے اس شہادت سے کسی طرح یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مروجہ کتابیں سچی ہیں، اس لئے کہ اس کے بیان کے موافق توریت کے علاوہ صرف سترہ کتابیں ہیں، حالانکہ فرقہ پروٹسٹنٹ کے نزدیک ان کتابوں کی تعداد چونتیس اور فرقہ کیتھولک کے نزدیک اکتالیس ہے[1]، اس کے ساتھ ہی یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ ان میں کونسی کتاب سترہ کتابوں میں شامل ہے، کیونکہ اس مؤرخ نے حزقیال ع کی جانب ان کی مشہور کتاب کے علاوہ اپنی تاریخ میں دو کتابیں اور بھی منسوب کی ہیں، اس لئے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں کتابیں اگرچہ آج موجود نہیں ہیں، مگر اس کے نزدیک یہ سترہ کتابوں میں شامل تھیں، ادھر مقصد ۳ کی شہادت ۱۹ میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ کریزاسٹم اور علماء کیتھولک یہ اعتراف کرتے تھے کہ یہودیوں نے اپنی غفلت کی وجہ سے بہت سی کتابوں کو ضائع کر دیا، بلکہ اپنی بددیانتی کے سبب بعض کو پھاڑ ڈالا، اور کچھ کو جلا دیا، اس لئے بہت ممکن ہے کہ یہ کتابیں ان سترہ میں داخل ہوں، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ وہ کتابیں جن کی تفصیل ہم ابھی بیان کرتے ہیں اُن کے بارے میں فرقہ پروٹسٹنٹ یا کیتھولک یا کسی تیسرے فرقہ کی قطعی مجال نہیں ہو سکتی کہ وہ عہدِ عتیق سے ان کے مفقود ہونے کا انکار کر سکیں، اس لئے ممکن ہے کہ ان میں سے اکثر ان سترہ کتابوں میں شامل ہوں۔

[1] اس اعتراض کے جواب میں عیسائی علماء نے جو کھینچ تان کی ہے اسے ص ۳۵۶ ج ۱ کے حاشیہ پر ملاحظہ فرمائیے ۱۲ ت

گمشدہ کتابوں کی تفصیل

۱۔ سفر حروب الرب (خداوند کا جنگ نامہ) جس کا ذکر کتاب گنتی باب ۲۱ آیت نمبر ۱۴ میں آیا ہے، اور مقصد ۲ شہادت نمبر ۱۰ میں ناظرین کی نظر سے بھی گذر چکا ہے[1]، ہنری واسکاٹ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ :۔

"غالب یہ ہے کہ موسیٰ ؑ نے یہ کتاب یوشع ؑ کی تعلیم کے لئے لکھی تھی، اور اس میں سرزمینِ موآب کی حدود کا بیان تھا[2]"

۲۔ کتاب الیسیر، جس کا ذکر کتاب یوشع ؑ باب ۱۰ آیت ۱۳ میں آیا ہے، جیسا کہ مقصد ۲ کی شہادت نمبر ۱۸ میں[3] آپ کو معلوم ہو چکا ہے، اسی طرح اس کا تذکرہ کتاب سموئیل ثانی باب ۱ آیت ۱۸ میں بھی آیا ہے،

۳، ۴، ۵۔ سلیمان علیہ السلام کی تین کتابیں ہیں، ایک ۱۰۰۵ زبوریں ہیں، دوسری میں تاریخ مخلوقات، اور تیسری میں تین ہزار کہاوتیں لکھی ہیں، ان میں سے بعض کہاوتیں آج بھی باقی ہیں، جیسا کہ عنقریب آپ کو معلوم ہوگا، اور ان تینوں کا ذکر سلاطینِ اوّل کے باب ۴ آیت ۳۲، ۳۳ میں بھی موجود ہے[4]

آدم کلارک اپنی تفسیر کی جلد میں آیت ۳۲ کی شرح کرتے ہوئے کہاوتوں اور زبوروں کے بارے میں کہتا ہے کہ :۔

"وہ کہاوتیں جو آجکل سلیمان ؑ کی طرف منسوب ہیں وہ اندازاً ۹۰۰ یا ۹۲۳ ہیں، اور اگر بعض لوگوں کی یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ کتاب کے ابتدائی نو ابواب سلیمان ؑ کی تصنیف نہیں ہیں تب تخمیناً ۶۵۰ رہ جاتی ہیں، اور ۱۰۰۵ زبوروں میں صرف غزل الغزلات باقی ہے، اب اگر ہم یہ مان لیں کہ زبور نمبر ۱۲۷ جس کے عنوان میں سلیمان ؑ کا نام لکھا ہوا ہے، اس میں شامل نہیں ہے اور زیادہ صحیح یہی ہے کہ اس زبور کو ان کے والد داؤد علیہ السلام نے اپنے بیٹے کی تعلیم کے لئے

---

[1] دیکھئے صفحہ ۶۶۲ جلد ہذا [2] یہ سرزمین بحر میت DEAD SEA کے مشرق میں واقع تھی ۱۲ت [3] دیکھئے صفحہ ۶۶۷ و ۶۶۸ [4] "اس نے تین ہزار مثلیں کہیں اور اس کے ایک ہزار پانچ گیت تھے" (ا رسلا ۴ : ۳۲)

تصنیف کیا ہے"۔

پھر آیت ۳۳ کی شرح میں مخلوقات کی تاریخ کی نسبت یوں کہتا ہے کہ:۔

"علماء کو تاریخ عالم کے دائمی فقدان اور گمشدگی پر بڑا سخت قلق ہے"۔

۶۔ کتاب قوانین السلطنۃ، مصنفہ سموئیل جس کا ذکر سموئیل اوّل باب ۱۰ آیت ۲۵ میں آیا ہے[1]،

۷۔ تاریخ سموئیل،

۸۔ تاریخ ناتان پیغمبر،

۹۔ تاریخ جاد غیب بین، ان تینوں کتابوں کا ذکر تواریخ اول باب ۲۹ آیت ۳۰ میں آیا ہے[2]، آدم کلارک اپنی تفسیر کی جلد ۲ صفحہ ۱۵۲۲ میں کہتا ہے کہ:۔

"یہ کتابیں ناپید ہیں"

۱۰۔ کتاب سمعیاہ، ۱۱۔ کتاب عیدو غیب بین، ان دونوں کا ذکر تواریخ ثانی باب ۱۲ آیت ۱۵ میں آیا ہے[3]،

۱۲۔ کتاب اخیاہ پیغمبر[4]، ۱۳۔ مشاہدات عیدو غیب بین ان دونوں کا تذکرہ تواریخ ثانی باب ۹ آیت ۲۹ میں آیا ہے،

اسی کتاب میں ناتن پیغمبر کی تاریخ کا بھی ذکر ہے[4]، آدم کلارک اپنی تفسیر کی جلد ۲ صفحہ ۱۵۳۹ میں کہتا ہے کہ:۔

"یہ تمام کتابیں معدوم ہیں"۔

۱۴۔ کتاب یاہو پیغمبر بن حنانی، جس کا ذکر تواریخ ثانی باب ۲۰ آیت ۳۴ میں آیا ہے[5]، آدم کلارک

---

[1] "پھر سموئیل نے لوگوں کو حکومت کا طرز بتایا، اور اُسے کتاب میں لکھ کر خداوند کے حضور رکھ دیا" (۱۰: ۲۵) [2] "اور داؤد بادشاہ کے کام شروع سے آخر تک سب کے سب سموئیل غیب بین کی تواریخ میں اور ناتن نبی کی تواریخ میں اور جاد غیب بین کی تواریخ میں الخ"

[3] "اور رجعام کے کام اوّل سے آخر تک کیا۔ وہ سمعیاہ نبی اور عیدو غیب بین کی تواریخوں نسب معمول کے مطابق قلمبند نہیں"؟

[4] "اور سلیمان کے باقی کام شروع سے آخر تک کیا: وہ ناتن نبی کی کتاب میں اور سیلانی اخیاہ کی پیشن گوئی میں اور عیدو غیب بین کی روایتوں کی کتاب میں جو اس نے یربعام بن نباط الخ"، [5] "اور یہوسفط کے باقی کام شروع سے آخر تک، یاہو بن حنانی کی تاریخ میں درج ہیں جو اسرائیل کے سلاطین کی کتاب میں شامل ہے"؛ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کتاب یاہو، کتاب سلاطین کا جزء تھی، مابعد میں اسے حذف کردیا گیا ۱۲ ت

جلد ۲ صفحہ ۱۵۶۱ میں کہتا ہے کہ:۔

"یہ کتاب آجکل قطعی مفقود ہے، اگرچہ تواریخ ثانی کے تالیف کئے جانے کے دور میں موجود تھی"

۱۵۔ کتاب اشعیاہ پیغمبر، جس میں شاہ عزیاہ کا حال شروع سے آخر تک درج تھا اور جس کا ذکر تواریخ ثانی باب ۲۶ آیت ۲۲ میں آتا ہے[۱]، آدم کلارک صفحہ ۱۵۷۳ جلد ۲ میں کہتا ہے کہ:۔

"یہ کتاب سرے سے ناپید ہے"

۱۶۔ کتاب مشاہداتِ اشعیاہ پیغمبر، جس میں شاہ حزقیاہ کے تفصیلی حالات لکھے ہوئے تھے، جس کا ذکر تواریخ ثانی باب ۳۲ آیت ۳۲ میں آیا ہے[۲]،

۱۷، ارمیاہ پیغمبر کا مرثیہ جو یوسیاہ کے بارے میں کہا گیا ہے جس کا ذکر تواریخ ثانی باب ۳۵ آیت ۲۵ میں آیا ہے، آدم کلارک اس آیت کی شرح کے ذیل میں کہتا ہے کہ:۔

"یہ مرثیہ اب مفقود ہے"

ڈی آئلی اور رچرڈ منٹ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:۔

"اس زمانہ میں یہ مرثیہ ناپید ہے، اور جو مرثیہ آجکل مشہور ہے وہ قطعاً یہ مرثیہ نہیں ہوسکتا، کیونکہ مشہور قصیدہ یروشلم کے دردناک واقعہ اور صدقیاہ کی موت پر لکھا گیا ہے، بخلاف اس مرثیہ کے کہ یہ یوسیا[۳] کی موت سے تعلق رکھتا ہے"

۱۸۔ کتاب تواریخ الایام، جس کا تذکرہ کتاب نحمیا باب ۱۲ آیت ۲۳ میں موجود ہے[۴]، آدم کلارک اپنی تفسیر کی جلد ۳ صفحہ ۱۶۷۶ میں کہتا ہے کہ:۔

"یہ کتاب موجودہ کتابوں میں موجود نہیں ہے، کیونکہ ان میں اس کی کوئی فہرست بھی نظر نہیں آتی، بلکہ یہ ایک دوسری مستقل کتاب ہے، جو آج ناپید[۵] ہے"

۱۹۔ سفر عہد موسیٰ، جس کا ذکر سفر خروج باب ۲۴ آیت ۷ میں آیا ہے[۶]،

---

[۱] "اور عزیاہ کے باقی کام شروع سے آخر تک آموس کے بیٹے یسعیاہ نبی نے لکھے"۔ [۲] "اور اس کے نیک اعمال آموس کے بیٹے یسعیاہ نبی کی رؤیا میں الخ"، [۳] "اور یرمیاہ نے یوسیاہ پر نوحہ کیا" (۲۔ تواریخ ۳۵:۲۵)
[۴] "بنی لاوی کے آبائی خاندانوں کے سردار یوحنان بن الیاسب کے دنوں تک تواریخ کی کتابوں میں لکھے جاتے تھے"۔ [۵] اس کے علاوہ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ سرداروں کی فہرست نحمیاہ کے زمانہ میں کتاب تواریخ میں موجود رہی ہو اور پھر بعد میں منجملہ اور تحریفات کے اُسے بھی حذف کر دیا گیا ہو ۱۲ ت۔
[۶] "پھر اُس نے عہد نامہ لیا اور لوگوں کو پڑھ کر سنایا"۔

۲۰۔ کتاب اعمالِ سلیمان جس کا تذکرہ کتاب سلاطین الاوّل باب ۱۱ آیت ۴۱ میں موجود ہے[۵]،

اس کے علاوہ یہ بات ناظرین کو معلوم ہی ہے کہ یوسیفس نے حزقیال کی مشہور کتاب کے علاوہ دو کتابیں ان کی طرف اور منسوب کی ہیں[۱]، اور یہ شخص عیسائیوں کے نزدیک معتبر مورخ ہے، اس طرح گمشدہ اور ناپید ہو جانے والی کتابوں کی تعداد بائیس ہو جاتی ہے، فرقہ پروٹسٹنٹ کو بھی اس کے انکار کی مجال نہیں ہو سکتی، علماء کیتھولک میں سے طامس انگلش نے اپنی کتاب مرآۃ الصدق میں جو اردو زبان میں ہے اور ۱۸۵۶ء میں چھپی ہے لکھا ہے کہ:۔

"تمام دنیا کا اس امر پر اتفاق ہے کہ وہ کتابیں جو کتب مقدسہ میں سے گم اور ناپید ہو گئیں، ان کی تعداد بیس سے کم نہیں"؛

ضروری نوٹ

بعض بشارتیں جو اہلِ کتاب سے منقول ہیں قدیم اسلامی کتابوں میں موجود ہیں مگر وہ آجکل ان کی مسلمہ کتابوں میں نہیں ملتیں، غالباً وہ ان گمشدہ کتابوں میں موجود ہوں گی، البتہ یوسیبئس کی شہادت سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ اس کے زمانہ میں پانچ کتابیں موسیٰ ع کی جانب منسوب تھیں، مگر یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ پانچ کتابیں وہی ہیں جو آجکل موجود اور مروّج ہیں، بلکہ بظاہر اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے کیونکہ موجودہ کتابیں ان کے مخالف ہیں۔ جیساکہ قارئین کو مقصد ا کی شہادت نمبر ۱، ۲ میں معلوم ہو چکا ہے[۳]، چونکہ یہ شخص متعصب یہودی ہے، اس لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ توریت کو خدا کا کلام مانتے ہوئے بغیر سخت مجبوری کے اس کی مخالفت کرے،

مغالطہ کا تیسرا جواب

تیسرے اگر ہم یہ تسلیم بھی کر لیں، کہ یہ مروّجہ کتابیں مسیح علیہ السلام کے زمانہ میں موجود تھیں، اور مسیح ع اور اُن کے حواریوں نے ان کی نسبت شہادت بھی دی ہے، تب بھی ہم کہتے ہیں کہ ان کی شہادت کا مقتضیٰ تو صرف اس قدر ہے کہ یہ کتابیں اس زمانہ کے یہودیوں کے پاس موجود تھیں، خواہ وہ انھیں اشخاص کی تصنیف ہوں، جن کی طرف ان کو منسوب کیا گیا ہے، یا ان کی تصنیف نہ ہوں، اور خواہ

وہ حالات جو اُن میں درج ہیں سچے ہوں اور کچھ جھوٹے، اس شہادت کا مقتضیٰ یہ تو ہرگز نہیں ہے کہ ہر کتاب منسوب الیہ کی تصنیف ہے، اور ہر کتاب میں جو واقعات درج ہیں وہ قطعی سچے ہیں، بلکہ اگر مسیحؑ اور حواری ان کتابوں کے حوالہ سے کچھ نقل بھی کرتے تب بھی محض ان کے نقل کرنے سے یہ بات لازم نہیں آسکتی کہ منقول عنہ اس قدر صحیح ہے کہ اس کی تحقیق کی ضرورت نہیں۔

البتہ اگر مسیحؑ اس کے کسی جزو میں یا کسی حکم میں یہ بات صاف کر دیتے کہ یہ منجانب اللہ ہے اور اسکی یہ تصریح تواتر سے ثابت بھی ہو جاتی تو بیشک سچی مانی جاتی، اس کے سوا تو جو کچھ ہوگا وہ تحقیق کا محتاج ہوگا، یہ بات ہم محض اپنے قیاس و اجتہاد سے نہیں کہہ رہے ہیں، بلکہ فرقۂ پروٹسٹنٹ کے محققین نے بھی آخر کار اسی رائے کی طرف رجوع کیا ہے، ورنہ ان لوگوں کے ہاتھوں بڑی بُری گت بنتی، جن کو یہ ملحد و بد دین کہتے ہیں، اور ان سے پیچھا چھڑانے کے لئے اور کہیں ان کو پناہ نہ ملتی، جو آج یورپ کے تمام ملکوں میں برساتی مینڈک کی طرح پھیلے پڑے ہیں، فرقۂ پروٹسٹنٹ کا محقق پیلی اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۵۰ء لندن، قسم ۳ باب ۳ میں یوں کہتا ہے کہ :-

"اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہمارے شفیع کا قول ہے کہ توریت خدائی کتاب تھی، اور میں یہ بات مستبعد سمجھتا ہوں کہ اس کا آغاز اور وجود خدا کے سوا کسی اور کی طرف سے ہو، بالخصوص اس بناء پر کہ یہودی جو مذہبی میدان کے مرد اور دوسرے کاموں مثلاً فنونِ جنگ و صلح میں طفلِ مکتب تھے، وہ توحید سے چمٹے ہوئے تھے، ان کے مسائل خدا کی ذات و صفات کی نسبت بہترین ہیں، بخلاف دوسرے لوگوں کے جو بے شمار معبودوں کے قائل تھے، اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ہمارے شفیع نے عہدِ عتیق کے اکثر کاتبوں کی نبوّت بھی تسلیم کی ہے، ہم عیسائی لوگوں کا فرض ہے کہ ہم اسی حد تک جائیں

(صفحہ گذشتہ کے حاشیے ملاحظہ ہوں)

لہ "کیا وہ سلیمان کے احوال کی کتاب میں درج نہیں ہے"

لہ ملاحظہ ہو صفحہ ۵۶۷ جلد ہذا سہ دیکھئے صفحہ ۶۱۹ تا ۶۲۲ جلد ہذا

رہی یہ بات کہ عہدِ عتیق کُل کی کُل یا اس کا ہر ہر فقرہ حق و صحیح ہے، اور اسکی ہر کتاب کی کوئی اصل ضرور ہے، یا یہ کہ اس کے مؤلفین کی تحقیق واجب نہیں ہے، اگر ان معاملات میں مسیحی مذہب کو مدعی بنایا جائے تو میں اس سے زیادہ کچھ عرض نہیں کروں گا کہ اس شکل میں پورے سلسلہ کو بلاضرورت مصیبت میں ڈالنا پڑے گا، یہ کتابیں عموماً پڑھی جاتی تھیں، اور جو یہودی ہمارے شفیع کے ہمعصر تھے، وہ ان کو مانتے تھے حواری اور یہودی ان کی طرف رجوع کرتے، اور عمل کرتے تھے، مگر اس رجوع و استعمال سے اس نتیجہ کے سوا اور کوئی بات اخذ نہیں کی جا سکتی، کہ جب مسیح علیہ السلام کسی بشارت کی نسبت صراحت کے ساتھ یہ فرمادیں کہ یہ منجانب اللہ ہے تب تو بیشک اس کا الہامی ہونا ثابت ہو جائے گا، ورنہ صرف اتنی بات ثابت ہوگی کہ یہ کتابیں اس عہد میں مشہور و مسلّم تھیں، لہٰذا اس صورت میں ہماری کتب مقدسہ یہود کی کتابوں کیلئے بہترین شاہد ثابت ہونگی، اگر اس شہادت کی خاصیت کو سمجھنا ضروری ہے اور یہ خاصیت اس خاصیت کے برعکس ہے جس کو میں نے بعض اوقات بیان کیا ہے، کہ ہر واقعے کی ایک مخصوص علت اور فطرت ہوتی ہے جو اس کے ثبوت کو مستحکم کرتی ہے، یہ فطرت اگرچہ مختلف ہوتی ہے لیکن تمام گوشوں پر نگاہ کیجئے تو چیز ایک ہی ہے۔ مثلاً یعقوب اپنے خط میں کہتا ہے[1] کہ "تم نے ایوبؑ کے صبر کا حال سُنا ہے اور پروردگار کے مقصود کو جانا ہے"؛ حالانکہ مسیحی علماء کے درمیان کتاب ایوب کی حقانیت بلکہ اس کے وجود کی نسبت نزاع و اختلاف چلا آتا ہے، یعقوب کی شہادت نے صرف اس قدر سمجھا دیا، کہ یہ کتاب اپنے وقت میں موجود تھی، اور یہودی اس کو تسلیم کرتے تھے، پولس تیمتھس کے نام دوسرے خط میں[2] کہتا ہے کہ "جس طرح ینیس اور یمبریس نے موسیٰ کی مخالفت کی تھی اسی طرح یہ لوگ بھی حق کی مخالفت کرتے ہیں"؛ حالانکہ یہ دونوں نام عہدِ عتیق میں موجود نہیں ہیں، اور یہ پتہ نہیں چلتا کہ پولس نے ان دونوں ناموں کو جھوٹی

---

[1] یعقوب ۵ : ۱۱ موجودہ اردو ترجمہ کی عبارت یہ ہے "تم نے ایوب کے صبر کا حال تو سُنا ہی ہے، اور خداوند کی طرف سے جو اس کا انجام ہوا اُسے بھی معلوم کر لیا" ۱۲ ت [2] باب ۳ آیت ۸، ت

کتابوں سے نقل کیا ہے، یا روایت کی بناء پر معلوم کیا ہے، لیکن کوئی شخص بھی یہ خیال نہیں کرسکتا کہ اگر یہ واقعہ لکھا ہوا ہوتا تو یوسس اس کو کتاب سے نقل کرتا، اور خود اپنے کو روایت کی سچائی ثابت کرنے کے لئے مدعی نہ بناتا، چہ جائیکہ وہ ان سوالات کے چکر میں اس طرح پھنستا کہ اس کی تحریر اور خط دونوں اس تحقیق پر موقوف ہوگئے کہ نیس اور یمبریس نے موسیٰ ع کی مخالفت کی تھی یا نہیں؟

اس تقریر سے میری غرض یہ نہیں ہے کہ یہودیوں کی تواریخ کے فقروں کے لئے کوئی شہادت ایوب کی تاریخ اور نیتس اور یمبریس سے بڑھ کر نہیں ہے بلکہ میں ایک دوسرے پہلو اور جدید نظریہ سے سوچتا ہوں، میرا مقصد یہ ہے کہ عہدِ عتیق کے کسی فقرہ کے عہدِ جدید میں نقل کئے جانے سے اس فقرہ کی اس درجہ سچائی لازم نہیں آتی، کہ اس کے معتبر ماننے میں کسی خارجی دلیل کے اعتبار کرنیکی ضرورت نہ رہے، جو تحقیق کی بنیاد ہے، اور یہ بات جائز نہیں ہوسکتی، کہ یہودی تواریخ کے لئے یہ قاعدہ مان لیا جائے کہ ان کی ہر بات سچی ہے، ورنہ پھر تو ان کی تمام کتابیں جھوٹی ہوجائیں گی، کیونکہ یہ قاعدہ کسی دوسری کتاب کے لئے ثابت نہیں۔ میں اس امر کی توضیح ضروری سمجھتا ہوں اس لئے کہ والٹر اور اس کے شاگردوں کا عرصۂ دراز سے یہ طریقہ رہا کہ وہ یہودیوں کی بغل میں گھستے تھے، پھر مذہب عیسوی پر حملہ آور ہوتے، ان کے بعض اعتراضات کا منشاء تو یہ ہے کہ معانی کی تشریح واقعہ کے خلاف کی گئی، اور بعض اعتراضات کا منشاء محض مبالغہ ہے، مگر ان اعتراضات کی بنیاد اس پر ہے کہ مسیح اور قدیم معلمین کی شہادت، موسیٰ ع اور دوسرے پیغمبروں کی رسالت پر گویا یہودیوں کی تواریخ کے ہر ہر قول اور ہر ہر جزء کی تصدیق ہے، اور ہر اس واقعہ کی ضمانت مذہب عیسوی پر واجب ہے، جو عہدِ عتیق میں درج ہے۔"

اب قارئین ملاحظہ فرمائیں کہ اس محقق کا کلام ہمارے دعوے کے مطابق ہے یا نہیں؟ رہی یہ بات کہ اُس نے یہ کہا ہے کہ کتاب ایوب کی حقانیت بلکہ اس کے وجود کی نسبت علماء نصاریٰ میں نزاع ہے، یہ درحقیقت ایک بڑے اختلاف کی جانب اشارہ

کیا گیا ہے، کیونکہ رب ممانی دیز جو ایک مشہور یہودی عالم ہے، اسی طرح میکائیلس اور لیکلرک اور سملر و اسٹاک وغیرہ نے کہا ہے کہ ایوب محض ایک فرضی نام ہے، جس کا مصداق کسی زمانہ میں نہیں ہوا، اور اس کی کتاب محض جھوٹے افسانوں کا مجموعہ ہے، کالمتھ اور وانسل وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ شخص واقعہ میں موجود تھا، پھر اس کے وجود کو تسلیم کرنے والے اس کے زمانہ کی تعیین میں سات مختلف رائیں رکھتے ہیں،

بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کا ہمعصر تھا، بعض کا قول ہے کہ یہ قاضیوں کے زمانہ[1] میں یوشع ؑ کے بعد ہوا ہے، بعض کا خیال ہے کہ یہ اخسی ردس یا اردشیر شاہ ایران کا ہمعصر ہے، بعض کا قول ہے کہ یہ اس زمانہ کا شخص ہے جب کہ حضرت ابراہیم ؑ کنعان میں نہیں آئے تھے، بعض کی رائے ہے کہ یعقوبؑ کا ہمعصر ہے، بعض کا فیصلہ یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام کا ہم زمانہ ہے، بعض کہتے ہیں کہ بخت نصر کے زمانہ کا ہے، فرقہ پروٹسٹنٹ کا محقق ہورن کہتا ہے کہ ان خیالات کا ہلکا پن ان کی کمزوری کی دلیل ہے،

اسی طرح اس کی جائے پیدائش غوطہ کے بارہ[2] میں اختلاف ہوا ہے، جس کا ذکر اس کی کتاب کے باب آیت ایمیں آیا ہے، یہ جگہ کس ملک میں واقع ہے، اس میں تین قول ہیں، چنانچہ بوچارٹ اور اسپائیم[3] وکالمتھ وغیرہ کہتے ہیں، کہ یہ ملک عرب میں ہے، میکائلس اور الجن[4] کی رائے یہ ہے کہ یہ دمشق کے علاقہ میں تھا، لوڈ اور ماجی اور ہیلز، وکوڈا اور بعض متاخرین کا دعویٰ یہ ہے کہ غوطہ ادومیہ کا نام ہے،

اسی طرح کا اختلاف اس کتاب کے مصنف میں بھی پایا جاتا ہے، کہ وہ یہودی ہیں، یا ایوبؑ یا سلیمان ؑ یا اشعیاء ؑ یا کوئی مجہول الاسم شخص جو بادشاہ منسار کا ہمعصر تھا، پھر آخری قول کے قائلین میں اختلاف چلا، بعض متقدمین کے نزدیک اس کو موسیٰ ؑ نے عبرانی زبان میں تصنیف

---

[1] "قاضیوں کا زمانہ" تشریح کے لئے دیکھئے، صفحہ ۳۰۷ کا حاشیہ ۱۲ ت [2] قدیم عربی تراجم میں اس کا نام "غوطہ" بھی مذکور ہوگا، لیکن عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۵ء میں "عوص" اور موجودہ اردو ترجمہ میں "عوض" لکھا ہے،

[3] تمام عربی نسخوں میں یہ نام "اسپائم" ہی لکھا ہے، مگر انگریزی مترجم نے اُسے SPANHEIM لکھا ہے ان دونوں ناموں کے کسی عالم کے حالات ہمیں معلوم نہ ہو سکے ۱۲ ت [4] الجن ALGEN اٹھارہویں صدی کا مشہور محقق ہے

کیا تھا، آریجن کہتا ہے کہ انہوں نے سریانی سے عبرانی میں ترجمہ کیا تھا، اسی طرح کتاب کے اختتام کی جگہ میں بھی اختلاف ہے، جیساکہ مقصد نمبر ۳ کی شہادت نمبر ۱۲ میں معلوم ہو چکا ہے، اس طرح ۲۴ قسم کا اختلاف پایا جاتا ہے،

یہ اس دعوٰی کی کافی دلیل ہے کہ اہل کتاب کے پاس اپنی کتابوں کے لئے کوئی سند متصل نہیں ہے، بلکہ جو کچھ بھی کہتے ہیں محض قیاس وگمان ہی کے طور پر کہتے ہیں، پادری تھیوڈور نے جو پانچویں صدی میں گذرا ہے، اس کتاب کی سخت مذمت کی ہے، وارڈ کیتھولک نے نقل کیا ہے کہ فرقۂ پروٹسٹنٹ کے پیشوائے اعظم جناب لوتھر نے کہا ہے کہ :۔

"یہ کتاب محض ایک کہانی ہے[لہ]"

غور کیجئے کہ یہ کتاب جو فرقۂ پروٹسٹنٹ اور کیتھولک کے یہاں مسلمہ کتابوں میں شمار ہوتی ہے ربّ مماتی دیز، میکائیلس، لیکلرک، سملر اور رستاک وغیرہ کی تحقیق کے مطابق محض ایک جھوٹا قصہ اور باطل افسانہ ہے، اور تھیوڈور کے نزدیک قابلِ مذمت اور فرقۂ پروٹسٹنٹ کی رائے کے مطابق ناقابلِ التفات ہے، اور اُن کے مخالفین کے قول کی بناء پر اس کا مصنف کوئی متعین شخص نہیں ہے، بلکہ قیاسی طور پر اس کو مختلف اشخاص کی طرف منسوب کرتے ہیں، پھر اگر ہم فرض کریں کہ یہ یہودی یا منسا کے زمانہ کی کسی مجہول الاسم شخص کی تصنیف ہے تو اس کا الہامی ہونا ثابت نہیں ہو سکتا،

ادھر مقصد نمبر ۲ شہادت نمبر ۱ میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے، کہ کتاب آستر متقدمین عیسائیوں کے یہاں ۳۶۴ء تک غیر مقبول اور ناپسندیدہ رہی ہے، اس کے مصنف کا نام بھی یقینی طور پر معلوم نہیں، ملیتو، گری نازی زن اور انتھائی شیس نے اس کو رَد کیا ہے، اور ایم فیلوکیس نے اس پر شبہ ظاہر کیا ہے،

یہی حال کتاب نشید الانشاد کا ہے جس کی بے حد مذمت پادری تھیوڈور نے اسی طرح کی ہے جس طرح کتاب ایوب کی، اور سیمن، لیکلرک اس کی سچائی کا انکار کرتے ہیں، وسٹن اور بعض متاخرین کا بیان ہے کہ یہ بدکاری والا گانا ہے، اس کا الہامی کتابوں سے خارج کیا جانا

لہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے باوجود فرقہ پروٹسٹنٹ اسے کتب مسلمہ میں کیوں شامل قرار دیتا ہے؟ ۱۲ ت

ضروری ہے،

سملر کہتا ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ یہ جعلی کتاب ہے، وارڈ کیتھولک نے کاستیلیو کا قول نقل کیا ہے کہ اس کتاب کا عہدِ عتیق سے نکالا جانا ضروری ہے، یہی حال دوسری کتابوں کا ہے،

پس اگر مسیح علیہ السلام اور حواریوں کی شہادت عہدِ عتیق کے ہر ہر جزو کو ثابت کرنے والی ہوتی، تو اس قسم کے شرمناک اختلافات کی مسیحی علماء کے درمیان اگلوں میں بھی اور پچھلوں میں بھی گنجائش نہ ہوتی، اس لئے انصاف کی بات یہی ہے کہ پیلی نے جو کچھ کہا ہے وہ اس سلسلہ میں بالکل آخری بات ہے اور اس کے قول کے مطابق اعتراف کئے بغیر، اُن کے لئے اقرار کی کوئی جگہ نہیں رہی،

ادھر مقصد ا شہادت نمبر ۱۶ میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ علماءِ مسیحین اور علماءِ یہود دونوں اس امر پر متفق ہیں کہ عزراءؑ نے کتاب تواریخ اوّل میں غلطی کی ہے، اور یہ کتاب بھی ان کتابوں میں شامل ہے جن کی حقانیت کی شہادت ان کے خیال کے مطابق مسیحؑ نے دی ہے، اب اگر یہ لوگ پیلی کی تحقیق کو تسلیم نہ کریں تو اس غلطی کی تصدیق کی نسبت کیا فرمائیں گے؟

مغالطہ کا چوتھا جواب

پھر چوتھے ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم بطور فرض محال یہ بات تسلیم کرلیں کہ مسیح اور حواریوں کی شہادت ان کتابوں کے ہر ہر جزو اور ہر ہر قول کی تصدیق ہے، تب بھی یہ ہمارے لئے مضر نہیں ہوگا، کیونکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جمہور علماءِ مسیحین اور متقدمین میں سے جسٹن، آگسٹائن، کریزاسٹم کا مسلک اور تمام فرقہ کیتھولک، اور علماءِ پروٹسٹنٹ میں سے سیلیبر جیس، ڈاکٹر کریب اور وائی ٹیکر اور ای کلارک اور ہمفری اور والٹسن کا مسلک یہ ہے کہ یہودیوں نے مسیح اور حواریوں کے بعد ان کتابوں میں تحریف کی ہے، جیسا کہ تفصیلی طور پر ہدایت نمبر ۳ میں معلوم ہو چکا ہے[1]، اور تمام علماءِ پروٹسٹنٹ بھی اکثر مقامات میں یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ یہودیوں نے تحریف کی ہے، جیسا کہ پچھلے تینوں مقاصد میں معلوم ہو چکا ہے،

تو اب ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ وہ مقامات جن میں ان کو تحریف کا اعتراف ہے کیا عیسیٰؑ

---

[1] دیکھئے ص ۳۹ ۷، ۷۴۱، جلد ہذا ۱۲ ت

اور حواریوں کے زمانہ میں محرّف تھے، اور اس کے باوجود انہوں نے اُن کتابوں کے ہر ہر قول اور ہر ہر جزء کی سچائی کی شہادت دی، یا اس وقت محرّف نہ تھے، بلکہ اُن کے بعد تحریف کی گئی، کوئی دیانتدار شخص پہلی بات کہنے کی جرأت نہیں کرسکتا دوسری شکل شہادت کے منافی نہیں ہے، اور یہی ہمارا مقصود ہے، اس لئے یہ شہادت اس تحریف کے لئے مضر نہیں[1] جو اُس کے بعد واقع ہوئی ہے،

رہا ان کا یہ کہنا کہ اگر یہودیوں کی جانب سے تحریف ثابت ہوتی تو مسیحؑ اس حرکت پر اُن کو الزام دیتے، ہم کہتے ہیں کہ جمہور متقدمین نصاریٰ کے مذاق کے مطابق تو یہ کہنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے، بلکہ تحریف انہی کے زمانوں میں ہوئی ہے، اور وہ ان کو الزام بھی دیتے تھے، اور ملامت بھی کرتے تھے، اور اگر ہم ان کے مذاق سے چشم پوشی بھی کرلیں تب بھی کہہ سکتے ہیں کہ الزام دینا ان کے مسلک کی بناء پر قطعی ضروری نہیں ہے، یہ بات تو نہایت واضح ہے کہ عبرانی اور سامری نسخوں میں اکثر مقامات کی نسبت ایسا شدید اختلاف پایا جاتا ہے جو ایک کے یقینی طور پر محرّف ہونے کا مقتضی ہے، ان ہی مقامات میں سے ایک موقع وہ ہے جس کا ذکر مقصد نمبر ا شہادت[2] نمبر ۳ میں گذر چکا ہے، اور دونوں فریق کے درمیان سلف میں بھی اور خلف میں بھی نزاع چلا آتا ہے، دونوں میں سے ہر فریق دوسرے کو محرف قرار دیتا ہے، ڈاکٹر کنی کاٹ اور اس کے پیرو اس کے قائل ہیں کہ سامری حق پر ہیں اور جمہور علماء پروٹسٹنٹ کی رائے یہ ہے کہ یہودی حق پر ہیں، اور دعویٰ کرتے ہیں کہ سامریوں نے موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے پانچ سو سال بعد اس مقام میں تحریف کر ڈالی، گویا یہ تحریف اُن کے دعوے کے بموجب سامریوں سے ۹۵۱ ق م میں صادر ہوئی ہے،

اور مسیحؑ اور ان کے حواریوں نے نہ تو سامریوں کو مجرم قرار دیا، نہ یہودیوں کو، بلکہ ایک سامری عورت نے خصوصیت سے اس سلسلہ میں مسیحؑ سے سوال بھی کیا، تب بھی مسیحؑ

[1] مطلب یہ ہے کہ اگر یہودیوں نے حضرت مسیحؑ اور حواریوں کے بعد تحریف کی ہے تو ان حضرات کے کتب مقدسہ کی حقانیت پر گواہی دینے سے یہ استدلال نہیں کیا جاسکتا کہ یہ کتابیں اب بھی واجب التسلیم ہیں، کیونکہ ان حضرات کے بعد ان میں تحریف ہوچکی ہے ۱۲ ت [2] دیکھئے ص ۲۲۳، ۲۲۴ جلد ہذا،

نے اس کی قوم پر الزام عائد نہیں کیا، بلکہ خاموش رہے، اس وقت کی ان کی یہ خاموشی سامریوں کی تائید کرتی ہے، اسی لئے ڈاکٹر کینی کاٹ نے اس سکوت سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ سامریوں نے تحریف نہیں کی، بلکہ یہودیوں نے کی ہے، جیساکہ مقصد نمبر ۱ کی شہادت نمبر ۲ میں معلوم ہو چکا ہے

اسی طرح ان مقامات میں سے یہ موقع بھی ہے کہ سامری نسخہ میں ایک حکم احکام عشرہ[1] سے زائد پایا جاتا ہے، جو عبرانی میں نہیں ہے، اس میں بھی ہمیشہ اگلوں پچھلوں میں نزاع چلا آتا ہے، اور مسیح اور حواریوں نے اس سلسلہ میں بھی دونوں فریق میں سے کسی کو بھی الزام نہیں دیا،

اہل کتاب بھی دیانت دار تھے

تیسرا مغالطہ

تیسرا مغالطہ یہ ہے کہ یہودی اور عیسائی بھی ایسے ہی دیانت دار تھے جیسا تم اپنے حق میں دعویٰ کرتے ہو، تو پھر یہ بات بعید ہے کہ دیانت دار لوگ ایسی شرمناک حرکت کی جسارت کریں،

ہم کہتے ہیں کہ اس کا جواب ان لوگوں پر روشن اور ظاہر ہے جنھوں نے تینوں مقاصد اور مغالطہ نمبر ۱ کے جواب کا مطالعہ کیا ہے، اور جب تحریف بالفعل یقینی طور پر واقع ہو چکی ہے، اور علماء پروٹسٹنٹ نے، اگلوں نے بھی اور پچھلوں نے بھی اعتراف کر لیا ہے تو پھر اب اس مغالطہ کی گنجائش کب باقی ہے، اس لئے یہ بات بعید ہے کہ اس کے بعد بھی کوئی ہٹ دھرمی کرے، بلکہ یہ حرکت تو متقدمین یہود و نصاریٰ میں اُس مشہور مقولہ کے مطابق جس کا تذکرہ ہدایت نمبر ۳ کے قول نمبر ۶ میں گذر چکا ہے[2]، دینی مستحبات میں شمار کی جاتی تھی،

---

[1] دس حکم یا احکام عشرہ TEN COMMANDMENTS وہ دس حکم ہیں جو کوہِ سینا پر حضرت موسیٰ ع کو دیئے گئے جن کا تفصیلی ذکر خروج ۲۰ : ۱ تا ۱۷ میں آیا ہوا اور اجمالاً استثناء ۱۰ : ۴، خروج ۳۴ : ۲۸ میں مذکور ہے ۱۲ ت [2] یعنی یہ کہ بسا اوقات جھوٹ بھی مستحب ہو جاتا ہے ۱۲ ت

"یہ کتابیں شہرت پا چکی تھیں"

چوتھا مغالطہ

"کتب مقدسہ کے نسخے مغرب و مشرق میں پھیل چکے تھے، اس لئے کسی شخص کے لئے ان میں تحریف کرنا ایسا ہی ناممکن تھا، جس طرح تمہاری کتاب میں تحریف ناممکن ہے"۔

ہم کہتے ہیں کہ اس کا جواب ان لوگوں پر خوب واضح ہے، جنہوں نے تینوں مقاصد اور مغالطہ نمبر ا کے جواب کا مطالعہ کیا ہے جب اُن کے اقرار سے تحریف بالفعل ثابت ہو چکی ہے تو پھر اس کے ناممکن ہونے کی بحث کیسی؟

رہا ان کتابوں کو قرآن مجید پر قیاس کرنا سو یہ بالکل قیاس مع الفارق ہے، کیونکہ یہ کتابیں فنِ طباعت کی ایجاد سے پہلے تحریف کی صلاحیت رکھتی تھیں، اُن کی شہرت اس درجہ کی نہیں تھی کہ وہ تحریف سے مانع بن جاتی، دیکھ لیجئے کہ مشرقی بددینوں اور یہودیوں نے کس طرح تحریف کر ڈالی، جس کا اقرار و اعتراف فرقۂ پروٹسٹنٹ اور فرقۂ کیتھولک والے دونوں یونانی ترجمہ کی نسبت کر رہے ہیں، حالانکہ مشرق و مغرب میں جو شہرت اس کو نصیب ہوئی وہ عبرانی سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہے، اور ان کی تحریف کس قدر مؤثر ہوئی؟ یہ آپ کو ہدایت نمبر ۳ کے قول نمبر ۱۹ میں مغالطہ نمبر ا کے جواب میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے، بخلاف قرآن مجید کے، کیونکہ ہر قرن میں اسکی شہرت و تواتر تحریف سے مانع بنے رہے دوسرے قرآن کریم ہر طبقہ میں جس طرح صحیفوں میں محفوظ رہا، اسی طرح اکثر مسلمانوں کے سینوں میں محفوظ رہا؟

اب بھی جس شخص کو اس کی صحت میں شک ہو وہ اس زمانہ میں بھی تجربہ کر سکتا ہے، کیونکہ ایسا شخص اگر مصر کے مدارس میں سے صرف جامعہ ازہر کو دیکھئے تو اس کو ہر وقت وہاں ایک ہزار سے زیادہ ایسے اشخاص ملیں گے جو باتجوید حافظِ قرآن ہوں گے، اور مصر کے اسلامی دیہات میں سے کوئی چھوٹا سا گاؤں بھی حفاظ سے خالی نہ ملے گا، حالانکہ تمام یورپین ملکوں میں تنہا جامعہ ازھر کے حفاظ کے برابر بھی انجیل کے حافظوں کی تعداد

نہ مل سکے گی، حالانکہ وہ فارغ البال اور خوش عیش ہیں، اور صنعتوں کی طرف انھیں پوری توجہ ہے، اور ان کی تعداد مسلمانوں سے کافی زیادہ ہے، بلکہ ہمارا دعوٰی ہے کہ مجموعی طور پر تمام یورپی ممالک میں انجیل کے حافظوں کی تعداد دس کے عدد تک بھی نہیں پہنچ سکتی، ہم نے موجودہ دور میں کسی ایک شخص کی نسبت بھی یہ نہیں سُنا کہ وہ صرف انجیل ہی کا حافظ ہے چہ جائیکہ توریت اور دوسری کتابوں کا بھی حافظ ہو،

غرض یورپ کے تمام عیسائی ممالک مل کر بھی اس معاملہ میں مصر کی ایک چھوٹی سی بستی کے برابر نہیں پہونچ سکتے، اس خاص معاملہ میں تو بڑے بڑے عیسائی پادری مصر کے گدھے اور خچر رکھنے والے لوگوں کے برابر بھی نہیں ہو سکتے، اہل کتاب میں صرف عزرا پیغمبر کی یہ تعریف کی جاتی تھی کہ وہ توریت کے حافظ ہیں، حالانکہ اُمّتِ محمدیہ کے اس طبقہ میں بھی باوجودیکہ اسلام اکثر ممالک میں کمزور ہے تمام عالم اسلام میں ایک لاکھ سے زیادہ قرآن کے حافظ موجود ہیں، یہ اُمّتِ محمدیہ اور ان کی کتاب کی کھلی ہوئی فضیلت اور ان کے نبیؐ کا معجزہ ہے، جسے ہر زمانہ میں کھلی آنکھوں دیکھا جا سکتا ہے،

ایک عجیب واقعہ ایک مرتبہ ایک انگریز حاکم شہر سہارنپور (انڈیا) کے بچوں کے ایک مکتب میں پہونچا، اور بچوں کو تعلیم قرآن اور اُس کے حفظ کرنے میں مشغول دیکھا، حاکم نے اُستاد سے سوال کیا کہ یہ کونسی کتاب ہے؟ اُس نے بتایا کہ قرآن مجید ہے، پھر حاکم نے سوال کیا کیا اُن میں سے کسی نے پورا قرآن حفظ کیا ہے؟ اُستاد نے کہا ہاں، اور چند لڑکوں کی طرف اشارہ کیا، اس نے جب قرآن سُنا تو اُسے بڑا تعجب ہوا، اور کہنے لگا ان میں سے ایک لڑکے کو بلاؤ، اور قرآن میرے ہاتھ میں دے دو میں امتحان لوں گا، اُستاد نے کہا آپ خود جس کو چاہیں طلب کیجئے، چنانچہ اس نے خود ایک لڑکے کو بلاؤ، جس کی عمر ۱۳ یا ۱۴ سال کی تھی، اور چند مقامات میں اس کا امتحان لیا، جب اُسے کامل یقین ہو گیا کہ یہ پورے قرآن کا حافظ ہے تو متعجب اور حیران ہوا، اور کہنے لگا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ جس طرح قرآن کے لئے تواتر ثابت ہے، کسی بھی کتاب کو ایسا تواتر میسر نہیں ہے، محض ایک بچہ کے سینہ سے پورے قرآن کا صحّتِ الفاظ اور ضبط اعراب

کے ساتھ لکھا جانا ممکن ہے، ہم اس موقع پر آپ کے سامنے چند چیزیں جن سے اہل کتاب کی کتابوں میں تحریف واقع ہونے کا استبعاد دور ہوسکتا ہے پیش کرتے ہیں،

کتبِ مقدسہ میں امکانِ تحریف کے تاریخی دلائل

پہلی دلیل

یوسیاہ کے دورِ حکومت تک تورات کی حالت

موسیٰ علیہ السلام نے توریت کا نسخہ لکھ کر علماءِ یہود اور بنی اسرائیل کے بڑے لوگوں کے حوالہ کرکے اس کی حفاظت کی تاکید کی تھی، اور حکم دیا تھا کہ اس کو صندوقِ شہادت[1] میں رکھا جائے، اور ہر سات سال کے بعد عید کے روز بنی اسرائیل کو سنانے کے لئے عوام کے سامنے نکالا جائے، چنانچہ یہ نسخہ اس صندوق میں رکھا رہا، اور پہلا طبقہ موسیٰ علیہ السلام کی وصیت پر عامل رہا، اس طبقہ کے ختم ہوجانے پر بنی اسرائیل کی حالت میں تغیر پیدا ہوا، ان کی حالت یہ تھی کہ کبھی مرتد ہوجاتے اور کبھی مسلمان بن جاتے، داؤد علیہ السلام کے دورِ حکومت تک ان کا یہی حال رہا، داؤد علیہ السلام کے عہد میں ان کا طریقہ بہتر ہوگیا، اور سلیمان علیہ السلام کے عہدِ حکومت کی ابتداء میں اچھا رہا، اور یہ لوگ بہر حال ایمان والے رہے، مگر مذکورہ انقلابات کے سبب وہ نسخہ جو صندوق میں رکھا ہوا تھا، ضائع ہوچکا تھا، اور یہ بھی یقین کے ساتھ معلوم نہیں ہوتا کہ کس دور میں ضائع ہوا سلیمان علیہ السلام نے اپنے دورِ حکومت میں جب اُس

---

[1] صندوقِ شہادت (THE ARK OF THE GOVENANT) یہ بنی اسرائیل کا ایک مقدس صندوق تھا جسے بنانے کا حکم بقول تورات اللہ تعالیٰ نے دیا تھا، اور اسکی جزوی تفصیلات تک بتائی تھیں، یہ کیکر کی لکڑی کا تھا، اور اس کا سرپوش سونے کا تھا (خروج ۲۵: ۱۰ تا ۲۲) اس میں بنی اسرائیل نے انبیاء کے تبرکات بھی رکھے تھے، یہ وہی "تابوت" ہے جس کا ذکر قرآن کریم نے بھی سورۂ بقرہ میں کیا ہے، اسکی ایک لمبی تاریخ ہے، ضرورت ہو تو یشوع ۳، ۱۵، ۱۴، ۱۱، ۶: ۱۱- ۱۰، ۱-سموئیل ۴: ۱۱ و باب ۶، ۲، سموئیل باب ۶، ۱۵، ۲۴ تا ۲۹، ۱ تواریخ باب ۱۳، ۱۵، ۱۶ و ۱ سلاطین ۸: ۳- ۲۰، ۲ تواریخ باب ۵، عبرانیوں ۹: ۴ کا مطالعہ فرمائیں ۱۲ت (باقی حاشیے اگلے صفحہ پر)

صندوق کو کھولا تو اس میں سے سوائے دو تختیوں کے جن میں فقط احکام عشرہ لکھے تھے، اور کوئی چیز نہیں نکلی، جیسا کہ کتاب سلاطین اوّل باب ۸ آیت ۹ میں اسکی تصریح موجود ہے کہ:-

"اُس صندوق میں سوا پتھر کے اور ان دو لوحوں کے جن کو وہاں موسیٰ نے حورب میں رکھ دیا تھا، جس وقت کہ خداوند نے بنی اسرائیل سے جب وہ ملکِ مصر سے نکل آئے عہد باندھا تھا"

پھر سلیمان علیہ السلام کے آخری دور میں وہ زبردست انقلابات پیش آئے، جن کی شہادت کتبِ مقدسہ دے رہی ہیں، یعنی سلیمان علیہ السلام (نعوذ باللہ) زندگی کے بالکل آخری اوقات میں محض بیویوں کی ترغیب کے ماتحت مرتد ہوگئے، اور بت پرستی شروع کر دی، اور بُت خانے تعمیر کئے، اب چونکہ وہ خود بُت پرست مرتد بن چکے تھے اس لئے اُن کو تورات سے کوئی مطلب باقی نہ رہا تھا، اور ان کی وفات کے بعد تو اس سے بھی بڑا انقلاب رونما ہوا، کیونکہ بنی اسرائیل کے تمام خاندان اور قبائل بکھر گئے، اور منتشر ہوگئے، اور بجائے ایک سلطنت کے دو سلطنتیں ہوگئیں دس خاندان ایک جانب اور ایک طرف، یوربعام دس خاندان کا بادشاہ بن گیا، اس سلطنت کا نام "سلطنتِ اسرائیلیہ" قرار پایا، اور سلیمان علیہ السلام کا بیٹا رجعام دو خاندانوں پر حکمران ہوا، جس کا نام "سلطنتِ یہوداہ" تجویز ہوا، اور دونوں سلطنتوں میں کفر و ارتداد کا بازار گرم رہا، اس لئے کہ یوربعام تو تختِ شاہی پر متمکن ہوتے ہی مرتد ہوگیا، اور اس کی دیکھی دیکھا پوری رعایا یعنی دس خاندان بھی مرتد ہو کر بُت پرستی کرنے لگے،

ان میں جو لوگ توریت کے مسلک پر باقی رہ گئے تھے اور کاہن کہلاتے تھے انہوں نے یہوداکی سلطنت میں ہجرت کر لی، اس طرح یہ تمام خاندان اُس زمانہ سے ڈھائی سو سال

(صفحہ گذشتہ کے حاشیے) ؂ یہ حکم استثناء ۳۱: ۲۶ میں مذکور ہے ؂ کتاب قضاۃ پوری ہی اُن کی نافرمانیوں سے بھر پور ہے، بالخصوص دیکھئے قضاۃ ۲: ۱۱ تا ۲۳، ؂ دیکھئے سموئیل ثانی و سلاطین اوّل،

؂ دیکھئے ۱، سلاطین ۱۱: ۱ تا ۱۰، (صفحہ ھٰذا کے حاشیے) ؂ دیکھئے ۱۔ سلاطین

؂ تعارف کیلئے ملاحظہ ہو صفحہ ۲۵۴ کا حاشیہ ؂ ۱۔ سلاطین، باب ۱۲،

بعد تک کافر و بت پرست چلے آتے تھے، آخر خدا نے اُن کو اس طرح برباد اور ختم کیا کہ اسوریوں کا اُن پر تسلط قائم ہوا[51]، جنہوں نے اُن کو قید اور مختلف ملکوں کی جانب جلا وطن کر دیا، اور اس ملک میں سوائے ایک چھوٹی سی حقیر جماعت کے اُن کا وجود باقی نہ چھوڑا، اور اُس ملک کو بُت پرستوں سے بھر دیا، تو یہ چھوٹی بقایا جماعت بھی ان بُت پرستوں کے ساتھ گھل مل گئی[52]، اور ان کے آپس میں شادی بیاہ، توالد و تناسل کا سلسلہ جاری ہوا، اس مخلوط جوڑے سے جو اولاد پیدا ہوئی وہ سامری کہلائے، غرض یوربعام سے لیکر اسرائیلی سلطنت کے آخری دور تک ان لوگوں کو توریت سے کوئی سروکار یا واسطہ نہیں رہا اور اس ملک میں توریت کا وجود عنقاء کی طرح تھا،

یہ نقشہ تو اُن دس خاندانوں اور اسرائیلی سلطنت کا تھا، دوسری جانب سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد یہودا تخت سلطنت پر ۳۷۲ سال کے عرصہ میں یکے بعد دیگرے بیس سلاطین متمکن ہوئے، ان بادشاہوں میں مرتد ہونے والوں کی تعداد مومنین کی نسبت زیادہ رہی، بت پرستی کا عام رواج تورجعام کے عہد ہی میں ہو چکا تھا ہر درخت کے نیچے ایک بُت نصب تھا، جس کی پرستش کی جاتی تھی[53]، آخر کے دور میں یہ حالت ہو گئی کہ یروشلم کے ہر گوشہ اور کونے میں بعل کی قربان گاہیں تعمیر ہو گئیں، بیت المقدس کے دروازے بند کر دیئے گئے[54]،

اس کے دورِ حکومت سے قبل یروشلم اور بیت المقدس دو مرتبہ مٹ چکا تھا، پہلی بار تو شاہ مصر کا تسلط ہوا، جس نے بیت اللہ کی تمام عورتوں اور محلات شاہی کی تمام بیگمات کو خوب ہی لوٹا، دوسری مرتبہ اسرائیل کا مرتد بادشاہ مسلط ہو گیا، اور بیت اللہ کی خواتین اور محلِ شاہی کی عورتوں کو بے انتہا لوٹا، یہاں تک کہ منسّا کے عہد سلطنت میں کفر بڑی شدّت سے پھیلا، جس کے نتیجہ میں مملکت کے اکثر باشندے

---

[51] دیکھئے ۲۔ سلاطین ۱۷: ۳ تا ۲۳، [52] "سو یہ قومیں خداوند سے کبھی ڈرتی رہیں اور اپنی کھودی ہوئی مورتوں کو بھی پوجتی رہیں" (۲۔ سلا: ۱۷: ۴۱) [53] دیکھئے ۱۔ سلاطین ۱۴: ۲۲، ۲۳،
[54] دیکھئے ۲۔ تواریخ ۲۸: ۲۲ تا ۲۶، [55] ۲۔ سلاطین ۲۱: ۲ تا ۷،

بُت پرست بن گئے[1]، اس بادشاہ نے بیت المقدس کے صحن میں بتوں کی قربان گاہیں تعمیر کرائیں، اور جس خاص بُت کی وہ خود پرستش کرتا تھا اس کو بیت المقدس میں لارکھا[2]، اس کے بیٹے آمون کے دورِ سلطنت میں کفر کی یہی ترقی و گرم بازاری رہی[3]، البتہ اس کا بیٹا یوسیاہ بن آمون جب سریر آرائے سلطنت ہوا تو اس نے سچے دل سے توبہ کی، اور خدا کی طرف متوجہ ہوا، وہ اور اس کے ارکینِ سلطنت شریعتِ موسوی کے رواج دینے کی طرف متوجہ ہوئے کفر و شرک کی رسموں کو مٹانے میں بڑی جدوجہد کی، مگر اس کے باوجود اس کے ابتداء حکومت سے سترہ سال تک نہ کسی نے توریت کی شکل دیکھی، اور نہ کسی نے توریت کے نسخہ کے باوجود کی خبر سُنی[1]،

یوسیاہ کے زمانہ میں توریت کی دریافت

البتہ جلوس[2] سلطنت کے اٹھارہویں سال میں خلقیاہ کاہن نے یہ دعویٰ کیا کہ مجھے بیت المقدس میں توریت کا نسخہ ملا ہے اور یہ نسخہ اُس نے سافن منشی کو دے دیا، پھر اُس نے اس کو یوسیاہ کے سامنے پڑھا، یوسیاہ نے اس کا مضمون سُنکر بنی اسرائیل کی نافرمانی کے غم میں اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے، جس کی تصریح کتاب سلاطین ثانی باب ۲۲ میں اور کتاب تواریخ ثانی کے باب ۳۴ میں موجود ہے،

مگر نہ تو یہ نسخہ لائقِ اعتبار ہے، اور نہ خود خلقیاہ کا قول لائقِ اعتماد، کیونکہ بیت المقدس آخز کے عہد سے پہلے دو مرتبہ لُوٹا جا چکا تھا، جس کے بعد وہ بیت الاصنام (بتکدہ) بن چکا تھا اور بتوں کے مجاورین روزانہ اس میں داخل ہوتے، اور پھر کسی نے سترہ سال کے طویل عرصہ میں توریت کو نہ دیکھا نہ سنا، حالانکہ بادشاہ اور تمام ارکینِ سلطنت اور موسوی شریعت کے پھیلانے اور رواج دینے میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے، اور کاہن روزانہ داخل ہوتے رہے تو بڑی حیرت کی بات ہے کہ توریت کا نسخہ بیت المقدس میں موجود ہو، اور اتنی

---

[1] ۲۔ سلاطین ۲۱: ۲ تا ۷، [2] ۲۔ سلاطین ۲۱: ۲۰،

[3] ۲۔ سلاطین ۲۲: ۲،

[2] "اور یوسیاہ کے اٹھارہویں برس ایسا ہوا الخ" (۲۔ سلاطین ۲۲: ۳)

مدت کسی کو نظر نہ آئے، اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ نسخہ خلقیاہ کا تراشیدہ اور من گھڑت تھا، کیونکہ اس نے جب بادشاہ اور امراء سلطنت کی عام توجہ ملت موسوی کی طرف دیکھی تو یہ نسخہ ان سُنی سنائی زبانی روایتوں اور قصوں کو جمع کر کے مرتب کیا، جو تمام لوگوں کی زبانی اس تک پہونچے تھے، خواہ وہ سچے ہوں یا جھوٹے، اور یہ سارا وقت اس نے اس کی جمع و تالیف میں گزارا، جب حسب منشاء نسخہ جمع اور مرتب ہو گیا تو اس کو موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا، اور اس قسم کا افتراء اور جھوٹ دین و مذہب کی ترقی اور اشاعت کی غرض سے متاخرین یہود اور پچھلے عیسائیوں کے نزدیک دینی مستحبات میں شمار ہوتا تھا،

یوسیاہ سے بخت نصر تک

مگر اس موقع پر ہم اس سے صرف نظر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ توریت کا نسخہ یوسیاہ کی تخت نشینی کے اٹھارہویں سال میں دستیاب ہوا ہے، اور تیرہ سال اسکی مدت حیات تک وہ مستعمل اور رائج رہا، اسکی وفات کے بعد جب اُس کا بیٹا یہو آخز تخت نشین ہوا تو وہ مرتد ہو گیا، اور کفر پھیل گیا، جس کے نتیجہ میں شاہ مصر اس پر مسلط ہو گیا، جس نے اس کو نظر بند کر کے اس کے بھائی کو تخت نشین کیا، یاوہ بھی اپنے بھائی کی طرح مرتد تھا، اس کے مرنے پر اس کا بیٹا جانشین ہوا، یہ بھی اپنے باپ اور چچا کی طرح مرتد تھا، بخت نصر نے اس کو اور بنی اسرائیل کی کافی تعداد کو قید کیا، بیت المقدس اور شاہی خزانوں کو خوب لوٹا، اور اس کے چچا کو تخت نشین کیا، یہ بھی بھتیجے کی طرح مرتد تھا[1]،

یہ تمام تفصیل جان لینے کے بعد ہم کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک یہودیوں میں توریت کا تواتر یوسیاہ کے دور سلطنت سے قبل منقطع تھا، اور جو نسخہ اس کے عہد میں دستیاب ہوا وہ ناقابل اعتبار ہے، نہ اس سے تواتر کا ثبوت ہو سکتا ہے، اور وہ بھی کُل تیرہ سال مستعمل اور مروج رہا، اس کے بعد اس کی حالت کا کچھ پتہ نہیں چلتا، ظاہر یہی ہے کہ اس کے بعد جب پھر کفر و ارتداد یوسیاہ کی اولاد میں پھیلا تو گذشتہ حالت لوٹ آئی، اور توریت حادثۂ بخت نصر سے پہلے غائب ہو چکی تھی، اور اس قلیل حرکت کا وجود ارتداد کے زمانوں

---

[1] ان واقعات کی تفصیل کے ملاحظہ ہو ۲، سلاطین ۲۳: ۳۱ تا ۳۷ و ۲۴: ۱ تا ۱۷

کے درمیان بالکل طہر متخلل کی طرح تھا، اور اگر ہم اس توریت کو یا اس کی نقل کو باقی بھی فرض کرلیں تب بھی بخت نصر کے حادثہ میں اس کا ضائع ہوجانا قیاس کے مطابق ہے، اور یہ حادثہ تو پہلا حادثہ ہے،

بخت نصر کا دوسرا حملہ
دوسری دلیل

جب اُس بادشاہ نے جس کو بخت نصر نے تخت نشین کیا تھا، خود اُس کے خلاف بغاوت[۱] کی، تو بخت نصر نے اُس کو قید کرکے اس کی اولاد کو اس کی آنکھوں کے سامنے ذبح کیا، پھر اس کی آنکھیں نکلوا کر زنجیروں میں بندھوایا، اور بابل بھجوا دیا، بیت اللہ اور شاہی محلات اور یروشلم کے تمام مکانات اور ہر بڑی عمارت اور تمام بڑے لوگوں کے گھروں کو جلا ڈالا، یروشلم کی چہار دیواری کو مسمار کردیا، بنی اسرائیل کے تمام خاندانوں کو گرفتار اور قید کیا، اور اس علاقہ میں مساکین، غرباء اور کاشتکاروں کو آباد کیا،

یہ بخت نصر کا دوسرا حادثہ ہے، اس موقع پر توریت معدوم ہوگئی، اسی طرح عہدِ عتیق کی وہ تمام کتابیں جو اس حادثہ سے قبل تصنیف ہوئی تھیں صفحۂ عالم سے قطعی مٹ گئیں، اور یہ صورتِ حال بھی اہل کتاب کو تسلیم ہے، جیسا کہ مقصد[۱] شہادت نمبر ۱۶ میں آپ کو معلوم ہوچکا ہے[۲]،

انیٹیوکس کا حادثہ
تیسری دلیل

جب عزراء علیہ السلام نے عیسائیوں کے نظریہ کے مطابق عہدِ عتیق کی کتابوں کو دوبارہ لکھا، تو ایک دوسرا حادثہ پیش آیا، جس کا ذکر مکابیوں کی پہلی کتاب کے باب میں اس طرح کیا گیا ہے:

"انیٹیوکس شہنشاہ[۳] فرنگستان نے یروشلم کو فتح کرکے عہد عتیق کی کتابوں کے جتنے نسخے

---

[۱] یعنی صدقیاہ، ان واقعات کی تفصیل کے لئے دیکھئے ۲ تواریخ ۳۶ : ۱۱ تا ۲۱ و ۲ سلاطین ۲۵: ۱ تا ۷، ویرمیاہ ۳۹ : ۱ تا ۷، [۲] دیکھئے صفحہ ۶۳۴ و ۶۳۵ جلد ہذا

[۳] تعارف کے لئے دیکھئے صفحہ ۳۳۲ جلد اوّل،

جہاں سے اسے ملے پھاڑ کر جلا دیئے، اور حکم دیا کہ جس کے پاس کوئی کتاب عہدِ عتیق کی نکلے گی، یا وہ شریعت کی رسم بجالا دے گا مار ڈالا جائے گا، اور ہر مہینہ میں تحقیق اس کی عمل میں آتی تھی، اور جس کے پاس کوئی کتاب عہدِ عتیق کی نکلتی یا ثابت ہوتا کہ وہ رسم شریعت کو بجالایا وہ مارا جاتا تھا، اور کتاب تلف کی جاتی تھی[1]

یہ حادثہ مسیح علیہ السلام کی ولادت سے ۱۶۱ سال قبل پیش آیا، اور ساڑھے تین سال تک جاری رہا، جس کی تفصیل عیسائی تواریخ میں بھی موجود ہے اور یوسیفس کی تاریخ میں بھی، لہٰذا اس حادثہ میں وہ تمام نسخے جو عزرا علیہ السلام نے لکھے تھے قطعی ناپید ہوگئے جیساکہ مقصد اشہادت نمبر ۱۶ میں جان کینھولک ملز کے کلام سے آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ:-

"جب اسکی صحیح نقلیں عزرا کے ذریعہ ظاہر ہوئیں تو یہ نقلیں بھی انتیوکس کے حادثہ میں ضائع ہوگئیں"

پھر جان ملز کہتا ہے:-

"پھر ان کتابوں کی سچائی کی شہادت اس وقت تک میسر نہیں ہوسکتی، جب تک

---

[1] مکابیین کی کتاب کا اردو ترجمہ چونکہ ہمارے پاس نہیں ہے، اس لئے ہم نے یہاں اس عبارت کا وہ ترجمہ نقل کر دیا ہے جو خود مصنفؒ نے اعجاز عیسوی میں صفحہ ۳۹ پر مذکورہ کتاب سے لکھا ہے، ہمارے پاس مکابیین کی کتاب انگریزی میں ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:-

"NEVER A COPY OF THE DIVINE LAW BUT WAS TURN UP AND BURNED; IF ANY WERE FOUND THAT KAPT THE SACORD, RECORD OR OBEYED THE LORD'S WILL, HIS LIFE WAS FORFEIT TO THE KING'S EDICT MONTH BY MONTH SUCH DEEDS OF VIOLENCE WERE DONE."
(1. MACABEES 1. 59, 61)

یعنی قانون خداوندی کا کوئی نسخہ ایسا نہ تھا جسے پھاڑا اور جلایا نہ گیا ہو، اگر کوئی شخص ایسا ملتا جس کے پاس یہ مقدس نوشتہ محفوظ ہو یا وہ خدائی احکام کی پیروی کرتا ہو تو بادشاہ کے حکم کے مطابق اسے مار ڈالا جاتا، ہر مہینہ یہ تشدد کی کارروائی ہوتی تھی" (۱- مکابیوں ۱: ۵۹ تا ۶۱)

مسیح علیہ السلام اور اس کے حواری شہادت نہ دیں "

ہم کہتے ہیں کہ اس شہادت کی پوری پوزیشن مغالطہ نمبر ۲ کے جواب میں واضح کی جاچکی ہے،

طیطوس شاہ روم کا حملہ
چوتھی دلیل

اس عظیم الشان حادثہ کے بعد یہودیوں پر شاہانِ فرنگ کے ہاتھوں اور بھی مختلف اور متعدد حوادث واقع ہوئے جن میں عزراء کی نقلیں معدوم ہوگئیں، ان میں سے ایک حادثہ طیطوس رومی کا ہے، یہ ایک بڑا زبردست حادثہ تھا، جو مسیح علیہ السلام کے عروج سے ۳۷ سال بعد پیش آیا، جو بڑی تفصیل سے یوسیفس کی تاریخ اور دوسری تاریخوں میں لکھا ہوا ہے، اس حادثہ میں صرف یروشلم اور ملحقہ علاقہ میں لاکھوں[1] یہودی فاقہ اور آگ اور تلوار اور سولی کے ذریعہ ہلاک ہوئے، اور ستانوے ہزار یہودیوں کو قید کر کے مختلف ملکوں میں فروخت کیا گیا، اور یہودی سرزمین میں بے شمار گروہ اور جماعتیں ہلاک ہوئیں،

عبرانی نسخہ کی حیثیت
پانچویں دلیل

متقدمین عیسائی عہدِ عتیق ہی سے عبرانی نسخہ کی جانب متوجہ نہیں تھے، بلکہ جمہور عیسائی اس کی تحریف کے معتقد تھے ان کے نزدیک یونانی ترجمہ معتبر تھا، بالخصوص دوسری صدی کے آخر تک، کیونکہ اس دوران میں کبھی کوئی عیسائی اس نسخہ کی طرف قطعی متوجہ نہیں ہوا، اور پھر یہ ترجمہ تمام یہودی عبادت خانوں میں بھی پہلی صدی کے آخر تک رائج رہا، اس بناء پر عبرانی کے نسخے بہت ہی کم تھے، قلیل ہونے کے علاوہ یہودیوں کے پاس تھے جیساکہ آپ کو ہدایت نمبر ۳ مغالطہ نمبر ۱ کے جواب کے ذیل میں معلوم ہوچکا ہے[2]

خود یہودیوں نے نسخے ناپید کئے
چھٹی دلیل

یہودیوں نے وہ تمام نسخے جو ساتویں یا آٹھویں صدی میں لکھے گئے تھے ناپید کر دیئے تھے محض اس لئے کہ وہ ان کے نسخوں کے مخالف تھے، اسی بناء پر عہدِ عتیق کی تصحیح کرنے والوں کو ایک نسخہ بھی ایسا نہ مل سکا جو ان دو صدیوں کا

---

[1] تعارف کے لئے دیکھئے ص ۲۷۶ جلد ۱ کا حاشیہ ۵۲ اعجاز عیسوی (ص ۴۰) میں مصنف نے مقتول یہودیوں کی تعداد گیارہ لاکھ لکھی ہے ۱۲ تقی [2] دیکھئے صفحہ ۲۵، و ۴۶، جلد ہذا،

لکھا ہوا ہو، یہودیوں کی اس حرکت کے بعد اُن کے پاس صرف اُن کے من پسند نسخے باقی رہ گئے تھے جن میں ان کو تحریف کرنے کی بڑی آسانیاں اور گنجائش حاصل تھی جیسا کہ ہدایت نمبر ۳ قول نمبر ۲۰ میں معلوم ہو چکا ہے[1]،

ساتویں دلیل

عیسائیوں کے ابتدائی طبقات میں بھی ایک چیز نسخوں کی قلت کا سبب تھی، اور تحریف کرنے والوں کی تحریف کا موجب، کیونکہ ان کی تواریخ اس امر کی شہادت دے رہی ہے کہ متواتر تین سو سال تک ان پر مصائب اور حوادث کے پہاڑ ٹوٹتے رہے، اور دس مرتبہ قتلِ عام سے ان غریبوں کو واسطہ پڑا، جن کی تفصیل یہ ہے :-

عیسائیوں پر پڑنے والے بڑے حوادث اور قتلِ عام،

پہلا حادثہ یہ حادثہ شاہ نیرو[2] کے عہد میں ۶۴ء میں پیش آیا، جس میں پطرس حواری[3] اور اسکی بیوی اور پولس[4] بھی، یہ قتل دار السلطنت روما یا لانہ میں واقع ہوا، یہ کیفیت اس بادشاہ کی زندگی تک قائم رہی، عیسائیوں کے لئے اپنی مسیحیت کا اظہار و اعتراف سخت ترین جرم شمار ہوتا تھا،

دوسرا حادثہ یہ حادثہ شاہ ڈومشیان[5] کے دورِ سلطنت میں پیش آیا، یہ بادشاہ بھی نیرو کی طرح ملّتِ عیسوی کا جانی دشمن تھا، اس نے عیسائیوں کے قتلِ عام کا فرمان جاری کر دیا، اور اس قدر خون بہایا گیا، کہ اس دین کے قطعی مٹ جانے کا خطرہ

---

[1] دیکھئے صفحہ ۵۰، جلد ہذا، [2] تمام نسخوں میں ایسا ہی ہے، اعجاز عیسوی میں بھی یہی نام لکھا ہے مگر مشہور شاہ نیرون NERON ہے برٹانیکا اور مقدمہ ابن خلدون میں بھی اسے نیرون ہی کہا گیا ہے، جو روما کا بادشاہ (۵۴ء تا ۶۸ء) رہا ہے، پانچواں قیصر تھا، مشہور فلسفی سینیکا کا شاگرد ہے، عیسائیوں پر ظلم و ستم ڈھانے کی بناء پر یہ اپنی بربریت میں ضرب المثل ہے، (ب ۲ ، م ۶۸ء ، ۱۲۰ ت [3] ملاحظہ ہو مقدمہ ابن خلدون طبع بیروت ص۱۸ ص۲۱۸ ج۱ بذیل شرح اسم البابا والبطرک والکوہن ۱۲ ت [4] [5] شاہ ڈومشین DOMITION ایک مدت تک روم کا بادشاہ (۸۱ء تا ۹۶ء) رہا ہے اپنے آخر دور میں اس پر قتلِ عام کا جنون سا طاری ہو گیا تھا (برٹانیکا)

ہو گیا، یوحنا حواری جلا وطن کیا گیا، اور فیلپس کلیمونس بھی قتل کیا گیا،

تیسرا حادثہ یہ حادثہ شاہ ٹرجان[1] کے عہد میں پیش آیا، جس کی ابتداء ۱۰۱ء سے ہوئی اور اٹھارہ سال تک مسلسل یہی حالت رہی، اس ہنگامہ میں کورنتھیہ کا اسقف[2] اگناشس اور روم کا اسقف کلیمنٹ اور شلیم کا اسقف شمعون مارا گیا،

چوتھا حادثہ یہ واقعہ شاہ مرقس انتونیٹس کے عہد میں پیش آیا، جس کی ابتداء ۱۶۱ء میں ہوئی، دس سال سے زیادہ یہی کیفیت رہی، اور قتلِ عام مشرق و مغرب میں پھیل گیا، یہ بادشاہ مشہور فلسفی اور متعصب بُت پرست تھا،

پانچواں حادثہ یہ حادثہ شاہ سویرس کے عہد میں پیش آیا جس کی ابتداء ۲۰۲ء سے ہے، صرف مصر میں ہزاروں عیسائی قتل کئے گئے، اس طرح فرانس اور کارتھیج میں ایسا شدید قتلِ عام کیا گیا کہ عیسائی یہ خیال کرنے لگے کہ یہ زمانہ دجّال کا زمانہ ہے،

چھٹا حادثہ یہ واقعہ شاہ مکیمن کے عہد میں پیش آیا، جس کی ابتداء ۲۳۷ء میں ہوئی اس کے حکم سے اکثر علماءِ مسیحی قتل کئے گئے، کیونکہ اس کو گمان ہوا کہ وہ علماء کے قتل کے بعد عوام کو بڑی سہولت کے ساتھ اپنا تابع فرمان بنا سکے گا، اس قتلِ عام میں پوپ پونٹیانوس بھی مارا گیا، اور پوپ انٹیروس بھی،

---

[1] اسے ٹراجانوس (TRAJAN) بھی کہتے ہیں (پ ۵۳ء م ۱۱۷ء) یہ ۱۰۱ء سے ۱۱۷ء تک بادشاہ رہا ہے، بارثیوں کے مقابلہ میں اسکی شاندار فتح مشہور ہے، اس نے عیسائیوں پر بہت ظلم وستم ڈھائے (بر ٹانیکا، ۱۲ ت

[2] "اسقف" کلیسا کا ایک عہدہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وقت کا "پاپا"، (دیکھئے ص ۲۳۲ ج ۲) مختلف شہروں میں اپنے نائب مقرر کرتا ہے جسے اپنے اپنے شہر میں "پاپا" کے سے اختیارات ہوتے ہیں، اس نائب کو "اسقف" کہتے ہیں، قسیس کا درجہ اس سے نیچا ہے، (از مقدمہ ابن خلدون ص ۱۸۴ جلد اول) اسی کو انگریزی میں بشپ BISHOP بھی کہتے ہیں، مختلف کلیساؤں میں اس کے فرائض منصبی کے لئے دیکھئے برٹانیکا مقالہ بشپ ۱۲ تقی

ساتواں حادثہ یہ حادثہ بادشاہ ڈی شس کے زمانہ میں ۲۵۳ء میں پیش آیا، اس بادشاہ نے تو مذہب عیسوی کی بیخ کنی کا پختہ ارادہ کر لیا تھا چنانچہ اس کے فرمان صوبوں کے گورنروں کے نام اس سلسلہ میں صادر ہوئے، اس حادثہ میں بہت سے عیسائی مرتد ہو گئے، مصر، افریقہ، اٹلی، اور مشرق وہ مقامات ہیں جہاں اس کا ظلم عام رہا،

آٹھواں حادثہ یہ واقعہ بادشاہ ولریان کے عہد میں ۲۵۷ء میں پیش آیا، جس میں ہزاروں عیسائی قتل کئے گئے، پھر اس سلسلہ میں اس کے احکام نہایت سخت صادر ہوئے، کہ اسقفوں، پادریوں اور دینِ مسیح کے خادموں کو قتل کیا جائے، اور عزت و آبرو والوں کی آبرو ریزیاں کی جائیں، ان کے مال لوٹے جائیں، اس کے بعد بھی اگر عیسائیت پر قائم رہیں تو ان کو قتل کر دیا جائے، اور شریف عورتوں کے اموال لوٹ کر ان کو جلا وطن کر دیا جائے، اور باقی عیسائیوں کو غلام بنایا جائے، اور قید کر کے ان کے پاؤں میں زنجیر ڈال کر سرکاری بیگار میں استعمال کیا جائے،

نواں حادثہ یہ حادثہ بادشاہ اریلینؒ کے زمانہ میں پیش آیا، جس کی ابتداء ۲۷۴ء میں ہوئی، اگرچہ قتلِ عام کے لئے اس کا فرمان صادر ہو چکا تھا مگر اس سلسلہ میں عیسائی زیادہ قتل نہ ہو سکے، کیونکہ بادشاہ خود مارا گیا،

دسواں حادثہ یہ واقعہ ۳۰۲ء میں پیش آیا، اس قتلِ عام میں مشرق و مغرب کی زمینیں لالہ زار بن گئیں، شہر فریجیا پورا کا پورا دفعۃً جلا دیا گیا، اور اس میں ایک بھی عیسائی زندہ نہ رہا،

اگر یہ واقعات صحیح ہیں تو ان میں توریت کے نسخے کی کثرت کا تو کوئی امکان ہی نہیں، اور نہ کتابوں کے محفوظ رہنے کی کوئی امکانی شکل، اور نہ اُن کی تصحیح و تحقیق کی کوئی صورت، نیز ایسے ناخوشگوار حالات میں تحریف کرنے والوں کی تو چاندی ہو گی، مغالطہ نمبر ۱ کے جواب میں آپ کو معلوم ہو چکا، کہ بہت سے بدعتی عیسائی فرقے پہلی صدی میں موجود تھے، جن کا شغل ہی تحریف کرنا تھا۔

ڈیو کلیشین کا حادثہ

آٹھویں دلیل

بادشاہ ڈیو کلیشین[1] نے چاہا تھا کہ پچھلی کتابوں کا وجود صفحہ ہستی سے مٹا دے، اس سلسلہ میں اس نے بڑی جدوجہد کی اور ۳۰۳ء میں گرجوں کے مسمار کرنے اور کتابوں کے جلانے اور عبادت کے لئے عیسائیوں کے اکٹھا نہ ہونے کا فرمان صادر کیا، چنانچہ اس کی تعمیل ہوئی، اور گرجے گرا دیئے گئے، اور ہر وہ کتاب جو اُسے چھان بین اور تلاش سے مل سکی، جلا دی گئی، اور جو عیسائی بھی تعمیل سے انکار کرتا، یا اس کی نسبت بادشاہ کو یہ گمان ہو جاتا کہ اس کے پاس کوئی کتاب چھپی ہوئی ہے اس کو سخت اور شدید سزا دی جاتی، اس طرح عیسائی اجتماعی عبادت کرنے سے محروم ہو گئے، جس کی تصریح عیسائی تواریخ میں موجود ہے، لارڈنر اپنی تفسیر کی جلد ۷ صفحہ ۲۲ میں کہتا ہے کہ:

"ڈیو کلیشین کا حکم صادر ہوا کہ گرجے مسمار کئے جائیں، اور کتب مقدسہ جلائی جائیں"

پھر کہتا ہے کہ:-

"یوسی بیس بڑے دردناک پیرایہ میں بیان کرتا ہے کہ میں نے اپنی دونوں آنکھوں سے گرجوں کا گرایا جانا اور کتب مقدسہ کا بازاروں میں جلایا جانا دیکھا ہے"

ہم یہ ہرگز نہیں کہتے کہ اس کے مٹانے سے تمام نسخے صفحۂ عالم سے مٹ گئے، لیکن اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ ان کی تعداد بہت ہی کم رہ گئی، اور بے شمار صحیح اور نفیس نسخے ضائع ہو گئے، کیونکہ اس کی سلطنت اور ملک میں خود عیسائیوں اور ان کی کتابوں کی

---

[1] ڈیو کلیشین DIOCLETIAN روم کا مشہور بادشاہ جو ۲۸۴ء سے ۳۰۵ء تک حکمران رہا، کلیسا کا بڑھتا ہوا اقتدار اس کو اپنے لئے ایک عظیم خطرہ محسوس ہوا جس کی بناء پر اس نے عیسائیوں پر ظلم و ستم ڈھائے (تفصیل کیلئے دیکھئے برٹانیکا، صفحہ ۳۹۳ جلد ۷) اس کے زمانہ کو عیسائی حضرات "عہد شہداء" کے نام سے موسوم کرتے ہیں ۱۲ ت

تعداد جتنی زیادہ تھی اس کا دسواں حصّہ بھی دوسرے ممالک میں نہ تھا اور تحریف کا دروازہ کھل چکا تھا ،"

اُس میں ذرا بھی تعجب نہیں ہو سکتا کہ کوئی کتاب ایسی بھی ہو جو بالکل معدوم ہو گئی ہو، اور اُس کے بعد اُس کے نام سے ایسی کتاب وجود میں آگئی ہو، جو قطعی جعلی اور اس سے مختلف ہو، کیونکہ ایسا ہونا طباعت کی ایجاد سے قبل کچھ بھی مستبعد نہیں تھا جیسا کہ آپ کو ہدایت نمبر ۳ کے قول نمبر ۲۰ مغالطہ نمبر ۱ کے جواب میں معلوم ہو چکا ہے، کہ یہودیوں کے من پسند نسخوں کے مخالف جس قدر نسخے تھے وہ آٹھویں صدی کے بعد ان کے ناپید ومعدوم کر دینے کی وجہ سے بالکل ناپید ہو گئے تھے ،

آدم کلارک اپنی تفسیر کے مقدمہ میں یوں کہتا ہے کہ :-

"وہ جو تفسیر ٹی شن کی طرف منسوب کی جاتی ہے، اس کی اصل ناپید ہو چکی ہے اور جس تفسیر کی نسبت اس کی طرف اس زمانہ میں کی جاتی ہے، وہ علماء کے نزدیک مشکوک ہے، اور ان کا شک بالکل صحیح ہے"

واٹسن اپنی کتاب کی جلد ۳ میں لکھتا ہے کہ :-

"وہ جو تفسیر ٹی شن کی طرف منسوب ہے وہ تھیوڈورٹ[1] کے زمانہ میں موجود تھی، اور ہر گرجا میں پڑھی جاتی تھی، مگر تھیوڈورٹ نے اس کے تمام نسخے ناپید کر دیئے تاکہ اس کی جگہ انجیل کو رکھے"

دیکھئے کہ تھیوڈورٹ کے ضائع کرنے سے یہ تفسیر کس طرح صفحۂ عالم سے مٹ گئی، اور عیسائیوں نے اس کے بعد اس کی جگہ اسی نام کی دوسری تفسیر گھڑ لی، اس میں کوئی شک نہیں کہ فرنگیوں کے شہنشاہ ڈیوکلیشین کی طاقت یہودیوں کی طاقت سے زیادہ تھی، اور اس کے ناپید کرنے کا زمانہ بھی یہود کے معدوم کرنے سے زیادہ نزدیک ہے،

---

[1] تھیوڈورٹ THEODORET مشہور بشپ اور مورخ ہے اس نے بائبل کی مختلف کتابوں پر مختصر شرحیں بھی لکھی ہیں، اور مذہب کی تاریخ بھی، صحیح تاریخ وفات معلوم نہیں، ایک اندازہ کے مطابق ۴۵۷ء تک یہ زندہ رہا ہے (برٹانیکا) ۱۲ ت

اسی طرح اسکی طاقت بھی تھیوڈورٹ کی طاقت سے زیادہ تھی، تو پھر اس میں ذرا بھی بُعد نہیں معلوم ہوتا، کہ عہدِ جدید کی بعض کتابیں ڈیو کلیشین کے حادثہ میں ضائع ہوگئی ہوں اور ان حوادث میں برباد ہوگئی ہوں جو مذکورہ سلاطین کے عہد میں پیش آئے، پھر اس کے بعد اسی نام سے ان کی جگہ من گھڑت کتابیں وجود میں آگئی ہوں، جس کا نقشہ آپ ٹی شمن کی تفسیر میں دیکھ چکے ہیں،

عہدِ جدید کی بعض کتابوں کے گھڑنے کا اہتمام اُن کے یہاں تفسیر مذکورہ کے گھڑنے سے زیادہ ضروری تھا، اور وہ مشہور و مقبول منقولہ جس کا ذکر ہدایت نمبر ۳ کے قول نمبر ۶ میں مغالطہ نمبر ۱ کے جواب میں گذر چکا ہے، وہ اس اختراع اور افتراء اور جھوٹ کے مستحسن اور مستحب ہونے کا فیصلہ کر رہا ہے،

گذشتہ آٹھ نمبروں میں جن حوادث کی نشان دہی کی گئی ہے ان کی وجہ سے انکی کتابوں کی اسانید متصلہ بھی اس حد تک ضائع ہوگئیں کہ اب ان کے پاس عہدِ عتیق اور عہدِ جدید کی کسی کتاب کی سند متصل موجود نہیں ہے، نہ عیسائیوں کے پاس اور نہ یہودیوں کے یہاں، ہم نے بارہا بڑے بڑے پادریوں سے سند متصل کا مطالبہ کیا، مگر وہ پیش کرنے سے عاجز ہوئے، ایک پادری نے اس مناظرہ میں جو میرے اور عیسائیوں کے درمیان ہوا تھا اس کا یہ عذر پیش کیا کہ ہمارے نزدیک اسناد کے معدوم ہونے کا سبب وہ فتنے اور مصائب ہیں جن میں تین سو تیرہ سال تک عیسائی مبتلا رہے، ہم نے خود بھی ان کی اسناد کی کتابوں کا پورا جائزہ لیا، مگر ان میں قیاس و ظن کے سوا کوئی چیز دستیاب نہیں ہوئی، اور یہ چیز سند کی حیثیت سے قطعی ناکافی ہے،

○

عہدِ نبویؐ سے قبل کے نسخے اب تک موجود ہیں

پانچواں مغالطہ

کہا جاتا ہے کہ کتبِ مقدسہ کے وہ نسخے جو عہد نبویؐ سے قبل کے لکھے ہوئے ہیں آج تک عیسائیوں کے پاس موجود ہیں، اور یہ نسخے ہمارے موجودہ نسخوں کے مطابق ہیں،

اس کے جواب میں ہم عرض کریں گے کہ اس مغالطہ میں درحقیقت دو دعوے کئے گئے ہیں، ایک تو یہ کہ یہ نسخے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل کے لکھے ہوئے ہیں، دوسرے یہ کہ یہ ہمارے نسخوں کے مطابق ہیں، حالانکہ دونوں دعوے غلط ہیں،

پہلا تو اس لئے کہ ہدایت نمبر ۳ کے قول نمبر ۲۰ میں مغالطہ نمبر ۱ کے جواب میں قارئین کو معلوم ہو چکا ہے کہ[1] عہدِ عتیق کی تصحیح کرنے والوں کو کوئی ایک نسخہ بھی عبرانی ایسا نہ مل سکا جو ساتویں یا آٹھویں صدی کا لکھا ہوا ہو، بلکہ ان کو ایسا بھی کوئی کامل نسخہ عبرانی کا میسر نہ ہوسکا جو دسویں صدی کے پہلے کا ہو، کیونکہ کنی کاٹ کو جو سب سے زیادہ پرانا نسخہ دستیاب ہوا، جس کا نام کوڈکس لاڈیانوس[2] ہے، اس کی نسبت کنی کاٹ کا دعویٰ ہے کہ وہ دسویں صدی میں لکھا گیا تھا، موشیو دی روسی کا خیال ہے کہ گیارہویں صدی کا لکھا ہوا ہے، وانڈر ہوٹ نے جب عبرانی نسخہ کامل تصحیح کے دعوے کے ساتھ طبع کیا ہے تو اس نسخہ کے چودہ ہزار مقامات صرف توریت کے دو ہزار سے زیادہ مقامات کے مخالف نکلے، اس سے آپ اس کی اغلاط کی کثرت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

بائبل کے قدیم نسخوں کی حقیقت

اب رہے یونانی ترجمہ کے نسخے، تو اس کے تین نسخے تو عیسائیوں کے یہاں بہت پرانے شمار کئے جاتے ہیں، کوڈکس اسکندریانوس[3]، کوڈکس واطیکانوس[4]، کوڈکس افریمی[5]، ان میں سے پہلا ترجمہ

---

[1] دیکھئے صفحہ ۵۶۷ و ۵۶۷ جلد ہذا، [2] کوڈکس (CODEX) نسخہ کو کہتے ہیں، ت

[3] CODEX ELEXNDER-E　[4] CODEX VETICUN　[5] CODEX EPHRAIM

لندن میں موجود ہے، یہی نسخہ تصحیح کرنے والے حضرات کے پاس پہلی بار موجود تھا جس پر پہلے ہونے کی علامت لگی ہوئی تھی،

دوسرا نسخہ روما ملک اٹلی میں موجود ہے، جو دوسری مرتبہ تصحیح کرنے والوں کے پاس موجود تھا، جس پر دوسرا ہونے کی نشانی لگی ہوئی ہے،

تیسرا نسخہ پیرس میں موجود ہے، جس میں صرف عہدِ جدید لکھا ہوا ہے، اور عہدِ عتیق کی کوئی کتاب موجود نہیں ہے،

اب تینوں نسخوں کی پوزیشن بیان کرنا ضروری ہے:۔

ہورن نے اپنی تفسیر کی جلد ۲ میں کوڈکس اسکندریانوس کا حال بیان کرتے ہوئے کہا ہے:۔

"یہ نسخہ چار جلدوں میں ہے، پہلی تین جلدوں میں عہدِ عتیق کی سچی اور جھوٹی دونوں کتابیں موجود ہیں، جلد ۴ میں عہدِ جدید اور کلیمنٹ کا پہلا خط کرنتھیوں کے نام اور جھوٹی زبور جو سلیمان علیہ السلام کی جانب منسوب ہے"

پھر کہتا ہے کہ:۔

"اور زبور سے قبل اتھانی شیس کا ایک خط ہے، اس کے بعد شب و روز کے ہر ہر گھنٹہ کی نمازوں میں جو چیز پڑھی جاتی ہے اسکی فہرست ہے، اور چودہ زبوریں ایمانی ہیں جن میں سے گیارہویں زبور میں مریم علیہا السلام کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں، بعض تو ان میں بالکل جھوٹی ہیں اور بعض انجیل سے ماخوذ ہیں، یوسی بیس کے دلائل زبوروں پر اور اس کے قوانین انجیلوں پر لکھے ہوئے ہیں، کچھ لوگوں نے اس نسخہ کی تعریف میں مبالغہ کیا ہے اس طرح بعض نے اس کی برائی میں حد نہیں چھوڑی، اس کا سب سے بڑا دشمن وٹستین ہے اسکی قدامت میں بھی چہ میگوئیاں کی گئی ہیں، گریب اور شلز کی رائے تو یہ ہے کہ یہ نسخہ شاید چوتھی صدی کے آخر کا لکھا ہوا ہے، میکائلس کا نظریہ یہ ہے کہ یہ سب سے زیادہ پرانا نسخہ ہے، اور کوئی نسخہ اس سے بڑھ کر قدیم نہیں ہو سکتا، کیونکہ اتھانی شیس کا نسخہ اس میں موجود ہے، اوڈن کہتا ہے کہ یہ دسویں صدی میں لکھا گیا ہے، وٹستین کا قول ہے کہ

یہ پانچویں صدی کا تحریر شدہ ہے، اس کا خیال یہ بھی ہے کہ غالباً یہ نسخہ ان نسخوں میں سے ایک ہے جو ۶۱۵ئ میں اسکندریہ میں سریانی ترجمہ کے لئے اکٹھے کئے گئے تھے،

ڈاکٹر سملر سمجھتا ہے کہ یہ ساتویں صدی کا تحریر شدہ ہے، مونٹ فاکن کی رائے یہ ہے کہ کسی نسخہ کی نسبت خواہ وہ اسکندریانوس کا ہو، یا دوسرے یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ چھٹی صدی کے پہلے کا لکھا ہوا ہے، میکائیلس کہتا ہے کہ یہ اسی زمانہ کا لکھا ہوا ہے جب کہ مصریوں کی زبان عربی بن چکی تھی، گویا اسکندریہ پر مسلمانوں کے تسلط کے ایک سو یا دو سو سال بعد، اس لئے کہ اس کا کاتب اکثر جگہوں میں میم کو باء سے اور باء کو میم سے بدل دیتا ہے، جیسا کہ عربی زبان کا دستور ہے، اس سے اس نے استدلال کیا ہے کہ یہ نسخہ آٹھویں صدی سے قبل کا نہیں ہو سکتا، وائڈ کا خیال ہے کہ یہ چوتھی صدی کے درمیان یا آخر کا لکھا ہوا ہے، اس سے زیادہ قدیم نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس میں ایک طرف ابواب و فصول ہیں، تو دوسری جانب اس میں یوسی بیس کے قوانین منقول ہیں اسپائن نے وائڈ کے دلائل پر اعتراض کیا ہے، اور اس امر کے دلائل کہ یہ چوتھی یا پانچویں صدی میں لکھا گیا ہے حسب ذیل ہیں :-

(۱) پولس کے خطوط میں ابواب کی تقسیم موجود نہیں ہے، حالانکہ یہ تقسیم ۳۹۶ئ میں ہو چکی ہے،

(۲) اس میں کلیمنٹ کے وہ خطوط موجود ہیں جن کے پڑھے جانے کی ممانعت لوڈیشیا اور کارتھیج کی مجالس کر چکی تھیں، شلز نے اس سے استدلال کیا ہے کہ یہ نسخہ ۳۶۴ئ سے پہلے لکھا گیا ہے،

(۳) شلز نے ایک اور نئی دلیل سے استدلال کیا ہے، وہ یہ کہ زبور ایمانی نمبر ۱۴ میں ایک فقرہ ایسا موجود ہے جو ۴۴۲ئ و ۴۴۶ئ میں موجود تھا، لامحالہ یہ نسخہ ان رسالوں سے مقدم ہی ہو سکتا ہے، وٹسٹین کا کہنا ہے کہ یہ جیروم کے عہد سے پہلے کا لکھا ہوا ہے، کیونکہ اُس نے اس میں یونانی متن کو قدیم اٹالی ترجمہ سے بدل ڈالا تھا، اور اس کے کاتب کو معلوم نہیں تھا کہ وہ لوگ اہلِ عرب کو ہیگارین بولتے ہیں، اس لئے کہ اُس نے

"اکاراؤ" کے بدلے "اکوراؤ" لکھ دیا، دوسروں نے اس کا جواب یہ دیا کہ یہ کاتب کی غلطی ہے،
کیونکہ دوسری آیت میں اکاراؤلان کا لفظ آیا ہے، میکائیلس کہتا ہے کہ ان دلائل سے کوئی بھی
بات ثابت نہیں ہوتی کیونکہ یہ نسخہ لازمی طور پر کسی دوسرے نسخہ سے نقل کیا گیا ہے،

اس تقریر پر ان تمام دلائل کا تعلق منقول عنہ نسخہ سے ہوسکتا ہے، نہ کہ اس نسخہ سے"
البتہ اس معاملہ کا تھوڑا بہت تصفیہ رسم الخط، حروف کی شکلوں اور اعراب کی عدم موجودگی سے
کیا جاسکتا ہے،

چوتھی صدی کے لکھے ہوئے نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ڈاکٹر سملر کا خیال ہے کہ اتھاناشیس
کا خط زبوروں کی خوبیوں کے بیان میں اس کے اندر موجود ہے، ظاہر ہے کہ اس کا اپنی زندگی
میں داخل کرنا محال ہے اوڈن نے اس سے استدلال کیا ہے کہ یہ نسخہ دسویں صدی کا لکھا ہوا
ہے کیونکہ یہ خط چھوٹا ہے، اور اس کا گھڑنا اس کی زندگی میں ممکن نہیں ہے۔ اور اس جعل کا
دسویں صدی میں واقع ہونا قوی ہے"!

پھر ہورن اسی جلد میں واطیکانوس کے کوڈکس کے بیان میں یوں کہتا ہے کہ :۔
"یونانی ترجمہ مقدمہ میں جو ۱۵۹۰ء کا طبع شدہ ہے یہ لکھا ہے کہ یہ نسخہ ۳۸۸ء سے
قبل لکھا گیا ہے، یعنی چوتھی صدی میں، مونٹ فاکس اور بلین جینی کہتے ہیں کہ پانچویں یا
چھٹی صدی میں لکھا گیا، ڈیوپن کا قول ہے کہ ساتویں صدی کا لکھا ہوا ہے، ہگ کی رائے ہے
کہ چوتھی صدی کی ابتداء میں لکھا گیا ہے،

مارش کا خیال ہے کہ پانچویں صدی کے آخر کا معلوم ہوتا ہے، اور عہد عتیق اور عہد
جدید کے کسی بھی دو نسخوں میں اتنا فرق موجود نہیں ہے جتنا فرق اسکندریانوس کے
کوڈکس اور اس نسخہ میں پایا جاتا ہے"!

پھر کہتا ہے کہ :۔
"کینی کاٹ نے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ یہ نسخہ اسی طرح اسکندریانوس کا نسخہ نہ تو آریجن
کے نسخہ سے منقول ہے، اور نہ اسکی اُن نقلوں سے جو اس کے قریبی زمانہ میں کی گئیں، بلکہ
یہ دونوں ان نسخوں سے منقول ہیں جن میں آریجن کی علامات نہیں ہیں، یعنی اس دور میں

جب کہ نقلوں میں اس کی علامات ترک کر دی گئی تھیں"۔

پھر جلد مذکور میں افریمی کی کوڈکس کے بیان میں کہتا ہے کہ:-

"وٹسٹین کا خیال یہ ہے کہ یہ نسخہ ان نسخوں میں سے ہے جو اسکندریہ میں سریانی ترجمہ کی تصحیح کے لئے جمع کئے گئے تھے، مگر اس پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے، اور اس نے اس حاشیہ سے استدلال کیا ہے جو عبرانیوں کے نام باب آیت، پر لکھا ہوا، کہ یہ نسخہ ۵۴۲ء سے قبل کا لکھا ہوا ہے، مگر میکائیلس اس کے استدلال کو مضبوط نہیں سمجھتا، اور صرف اس قدر کہتا ہے کہ یہ قدیم ہے، مارش کا کہنا ہے کہ ساتویں صدی میں لکھا گیا"۔

قارئین پر یہ ظاہر ہو گیا ہو گا کہ اس دعوے کی کوئی قطعی دلیل موجود نہیں ہے، کہ یہ نسخے فلاں سنہ میں لکھے گئے ہیں، جیسا کہ عموماً اسلامی کتابوں میں لکھا ہوا ہوتا ہے، صرف عیسائی علماء محض اس قیاس کی بنیاد پر جن کا منشاء بعض قرائن ہوتے ہیں، کہہ دیتے ہیں، کہہ دیتے ہیں کہ شاید یہ نسخہ فلاں فلاں صدی میں، یا فلاں فلاں صدی میں لکھا گیا ہے، اور خالی قیاس و گمان مخالف کے مقابلہ میں ذرا بھی حجت نہیں ہو سکتا، آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ اسکندریانوس والا نسخہ چوتھی یا پانچویں کا لکھا ہوا ہے، ان کے دلائل کسقدر کمزور ہیں، شملر کا گمان بھی بعید ہے، کیونکہ ایک ملک کی زبان کا دوسرے ملک کی زبان سے قلیل مدّت میں بدل جانا عادت کے خلاف ہے، حالانکہ اسکندریہ پر عربوں کا تسلّط ساتویں صدی عیسوی میں ہوا ہے، اس لئے کہ صحیح روایت کے مطابق اسکندریہ پر مسلمانوں کا قبضہ ۲۰ھ میں ہوا ہاں یہ ممکن ہے کہ اسکی مراد اسی صدی کا آخر ہو، البتہ میکائیلس کی دلیل مضبوط ہے، اور اس پر کوئی اعتراض بھی وارد نہیں ہوتا، اس لئے اس کا تسلیم کرنا ضروری ہے، نتیجہ ظاہر ہے کہ اس نسخہ کا آٹھویں صدی سے قبل لکھا جانا ممکن نہیں ہے، اوڈن کے قول کے مطابق اغلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کتابت دسویں صدی عیسوی میں ہوئی جب کہ تحریف کا سمندر اپنی پوری طغیانی پر تھا،

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اسمیں وہ تین کتابیں بھی شامل ہیں جو جھوٹی

ہیں، اس لئے ظاہر یہی ہے کہ یہ وہی دور تھا جس میں سچے جھوٹے کا امتیاز دشوار ہو گیا تھا،
یہ صفت علیٰ درجہ الکمال دسویں صدی کی ہے،

اسی طرح چودہ سو سال یا اس سے زیادہ مدت تک کاغذ اور حروف کا باقی رہنا عادتاً مستبعد ہے، خصوصاً جب کہ ہمارے پیش نظر یہ بھی ہے کہ حفاظت اور کتابت کے طریقے پہلے طبقات میں کچھ اچھے نہیں تھے، میکائلس نے ڈٹشٹین کے استدلال کو افریمی کوڈکس کی نسبت رد کیا ہے،

مونٹ فاکس اور کنی کاٹ کا قول بھی آپ کو معلوم ہو چکا ہے، دلوین کا قول و اطالیکا نوس کی کوڈکس کی نسبت اور مارش کی رائے افریمی کی کوڈکس کی نسبت آپ کو معلوم ہو چکی ہے کہ یہ دونوں ساتویں صدی کی لکھی ہوئی ہیں۔

ثابت ہو گیا کہ پہلا دعویٰ تشنۂ ثبوت ہے، اس لئے کہ ظہور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم چھٹی صدی کے آخر میں ہوا ہے، اور جب کہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اسکندریانوس کی کوڈکس چھوٹی کتابوں پر مشتمل ہے، اور بعض لوگوں نے اس کی انتہائی مذمت کی ہے اور ڈٹشٹین ان مذمت کرنے والوں کا سربراہ ہے، اور ایسا شدید اختلاف عہدِ عتیق وجدید کے دو نسخوں میں کبھی نہیں پایا جاتا، جسقدر شدید واطیکا نوس کی کوڈکس اور اسکندریانوس کی کوڈکس میں پایا جاتا ہے، تو ظاہر ہوا کہ دوسرا دعویٰ بھی صحیح نہیں ہے،

پھر دوسرے ہم اپنی اس رائے سے قطع نظر کرتے ہوئے اور یہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ تینوں نسخے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل لکھے جا چکے تھے کہتے ہیں کہ اس میں ہمارا کوئی نقصان نہیں، کیونکہ ہم نے یہ دعویٰ تو نہیں کیا کہ کتب مقدسہ میں ظہورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل تحریف نہیں ہوئی تھی، بلکہ اس کے بعد ہی ہوئی ہے،

بلکہ ہمارا تو دعویٰ یہ ہے کہ یہ کتابیں ظہورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے قبل موجود تھیں، مگر بغیر سند متصل کے موجود تھیں، اور یقینی طور پر اس سے قبل بھی ان میں تحریف ہو چکی تھی، اور بعض مقامات میں بعد کو تحریف کی گئی،

اگر ظہور محمدی سے قبل بے شمار نسخوں کا ثبوت مل جائے تب بھی یہ بات ہمارے

دعوے پر اثر انداز نہ ہوگی چہ جائے کہ صرف تین نسخوں کا ثبوت ملنا، بلکہ اگر اسکندریانوس جیسے ہزاروں نسخوں کا وجود بھی ثابت ہو جائے تب بھی ہمارے لئے مضر نہیں، بلکہ اس اعتبار سے مفید ہوگا کہ یہ نسخے یقینی طور پر جعلی کتابوں پر مشتمل ہیں، اور ان کے درمیان باہمی شدید اختلاف ہے، جس کی نظیر اسکندریانوس کی کوڈکس اور الیگزا نوس کی کوڈکس ہے، جو اُن کے اسلاف کی تحریف کی سب سے بڑی دلیل بن سکے گی، غرض قدامت کے لئے صحت کسی طرح ضروری اور لازم نہیں ہے، جس کی زندہ مثال یہ ہے کہ اسکندریانوس کی کوڈکس میں کئی جھوٹی کتابیں شامل ہیں۔

باب سوم

- نسخ مختلف شریعتوں میں
- نسخ ایک ہی شریعت میں

ہم

جس آیت کو بھی منسوخ کرتے یا بھلاتے ہیں
اُس سے بہتر یا اُس جیسی آیت نازل کر دیتے ہیں

ترجمۃ القرآن : البقرۃ

تیسرا باب

نسخ کا ثبوت

لُغت میں " نسخ " کے معنی زائل کرنا، مٹادینا ہیں، مسلمانوں کی اصطلاح میں کسی عملی حکم کی مدت کی انتہا کا بیان کرنا، جو تمام شرائط کو جامع ہو،" نسخ" کہلاتا ہے، کیونکہ ہمارے نزدیک واقعات وقصص یا امورِ قطعیہ عقلیہ میں نسخ ممکن نہیں ہے، مثلاً یہ کہ خداوندِ عالم موجود ہے، اسکا نسخ نہیں ہو سکتا، اسی طرح امورِ حسیہ میں نسخ نہیں ہوسکتا مثلاً دن کی روشنی، رات کی تاریکی، اسی طرح دعاؤں میں اور ان احکام میں جو اپنی ذاتی حیثیت سے واجب ہیں، مثلاً "اٰمِنُوْا"[1] "وَلَا تُشْرِكُوْا"[2]، اسی طرح ان احکام میں بھی نسخ ممکن نہیں جو دائمی اور ابدی ہیں جیسے "لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا"[3] ان کی گواہی کو قبول نہ کرو" اور ان احکام میں جن کا وقت متعین ہے، اس معین وقت کی آمد سے قبل نسخ کا امکان نہیں ہے، جیسے

---

[1] یعنی ایمان لاؤ ۱۲ [2] یعنی خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ ۱۲

[3] قرآن کریم کی اس آیت میں ان لوگوں کی سزا بتائی جارہی ہے جو کسی پاک دامن انسان پر زنا کی تہمت لگائیں، ان کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ ان کی گواہی کسی معاملہ میں کبھی قبول نہ کی جائے، تو چونکہ اس حکم میں خود اس کے دائمی اور ابدی ہونے کی تصریح کردی گئی ہے، اس لئے یہ حکم منسوخ نہیں ہوسکتا ۱۲

فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ ”پس تم معاف اور درگذر کرو، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے[۱]“،

بلکہ نسخ صرف اُن احکام میں واقع ہوسکتا ہے جو عملی اور وجود و عدم دونوں کا احتمال رکھتے ہوں، نہ دائمی ہوں اور نہ کسی وقت کے ساتھ مخصوص کئے گئے ہوں، ایسے احکام کو ”احکام مطلقہ“، کہا جاتا ہے، ان میں یہ بات ضروری ہے کہ زمانہ اور مکلف اور صورت متحد نہ ہوں، بلکہ تینوں میں اختلاف ہو، یا بعض میں[۲]،

نسخ اصطلاحی کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ پہلے خدا نے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم دے دیا، مگر اُس کا انجام خدا کو معلوم نہ تھا، پھر خدا کی رائے اس کے خلاف قائم ہوئی، اس لئے پہلے حکم کو ختم کردیا، کہ نعوذ باللہ خدا کا جاہل ہونا لازم آئے یا پہلے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم دیا، پھر ان کو تینوں باتوں میں اتحاد کے باوجود منسوخ کردیا، اگرچہ ہم یہ کہیں کہ خدا کو انجام معلوم تھا تب بھی اس سے خدا کی شان میں قباحت کی نسبت لازم آتی ہے، والعیاذ منہ باللہ، چنانچہ ایسا نسخ ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے، اللہ کی شان اس عیب سے بلند و بالا ہے، بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ خدا کو پہلے سے یہ بات معلوم تھی کہ یہ حکم انسانوں پر فلاں وقت تک باقی رہے گا پھر منسوخ کردیا جائے گا، پھر جب وہ وقت آجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ دوسرا حکم بھیج دیتا ہے، جس سے کمی یا بیشی ہونی یا بالکل حکم ختم ہوجانا معلوم ہوتا ہے تو درحقیقت یہ صرف پہلے حکم کی مدّت وانتہاء کا بیان و اظہار ہے، مگر چونکہ بندوں کے سامنے پہلے حکم میں وقت اختتام کو ذکر نہیں کیا گیا، اس لئے دوسرے حکم کے آنے پر ہم اپنی کوتاہیِ فہم کی بناء پر یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ حکم میں تبدیلی ہوئی ہے.

[۱] یہ مکّی زندگی میں مسلمانوں کو خطاب ہورہا ہے، کہ کفار کے ظلم و ستم کا کوئی جواب نہ دو، تاوقتیکہ جہاد کا حکم نازل نہ ہوجائے ۱۲ ت

[۲] مطلب یہ ہے کہ جس زمانہ میں جس شخص کو جس صورت کے ساتھ ایک کام کا حکم دیا گیا یہ ناممکن ہے کہ اسی زمانہ میں اسی شخص کو اسی صورت میں منع کردیا جائے بلکہ نسخ میں یا زمانہ بدلے گا یا وہ شخص یا صورت یا تینوں۔

بلا تشبیہ اس کی مثال ایسی سمجھ لیجئے کہ آپ اپنے کسی ایسے خادم کو جس کے حالات سے آپ پورے طور پر باخبر ہیں کسی خدمت کا حکم دیتے ہیں، اور اپنے دل میں یہ ارادہ اور نیّت کر لیتے ہیں کہ اس کام پر مثلاً اس کو ایک سال رکھوں گا، اور آئندہ سال مجھ کو اس سے دوسرا کام کرانا ہے، مگر آپ نے اپنی اس نیّت اور ارادے کو خادم پر ظاہر نہیں کیا، اب ایک سال پورا ہونے پر جب آپ نے دوسری خدمت کا اس کو حکم دیا تو ظاہر ہیں خادم کے نزدیک بھی اور ہر ایسے شخص کے نزدیک جس کو آپ کے ارادے اور نیت کا حال معلوم نہیں ہے آپ کا یہ دوسرا حکم ترمیم و تبدیلی سمجھا جائے گا، لیکن حقیقت میں اور آپ کے نزدیک یہ ہرگز تبدیلی نہیں ہے، اس معنی کے لحاظ سے نہ تو خدا کی ذات کی نسبت اور نہ اس کی کسی صفت کے لئے استحالہ لازم آسکتا ہے، پس جس طرح موسموں کے بدلنے میں کہ کبھی بہار ہے کبھی خزاں، کبھی سردی ہے کبھی گرمی، بے شمار حکمتیں ہیں، دن رات کی تبدیلی اور انسان کے حالات بدلنے میں: تنگدستی، دولت مندی، بیماری وصحت کے آنے جانے میں خدا کی بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں ہیں، خواہ ہم کو ان کا علم ہو یا نہ ہو، بالکل اسی طرح احکام کی منسوخی میں خدا کی بہت سی حکمتیں اور مصلحتیں مکلفین اور زمان و مکان کے حالات کے پیش نظر ہوتی ہیں،

دوسری مثال یوں سمجھئے کہ ماہر حکیم دواؤں اور غذاؤں میں تغیّر و تبدل کرتا ہے، جس کا منشاء مریض کے حالات اور دوسرے اسباب ہوتے ہیں، جو مصلحتیں اس وقت سامنے ہوتی ہیں ان کے پیش نظر طبیب کے اس فعل کو کوئی بھی عقلمند بیکار اور فضول اور اس حکیم کو جاہل اور بیوقوف کہنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا، پھر کوئی سمجھدار انسان اس حکیم مطلق کی نسبت جو اپنے قدیم ازلی وابدی علم کی بدولت اشیاء کے تمام احوال کو جانتا ہے یہ تصوّر کیسے کر سکتا ہے؟

بائبل کے جھوٹے واقعات

یہ بات سمجھنے کے بعد اب ہم کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک عہدِ عتیق اور جدید میں درج شدہ کوئی واقعہ منسوخ نہیں ہے البتہ ان میں سے بعض واقعات قطعی جھوٹے ہیں مثلاً یہ کہ:-

۱۔ لوط علیہ السلام نے اپنی دو بیٹیوں سے زنا کیا تھا، اور ان دونوں کو اپنے باپ کا حمل رہ گیا، جس کی تصریح پیدائش باب ۱۹ میں موجود ہے:

۲۔ یعقوب علیہ السلام کے بیٹے یہودا نے اپنے بیٹے کی بیوی تمر سے زنا کیا اور اس کو حمل رہ گیا، اور اس سے دو جڑواں لڑکے فارص اور زارح پیدا ہوئے جس کی تصریح کتاب مذکور کے باب ۳۸ میں موجود ہے، حالانکہ داؤدؑ، سلیمانؑ اور عیسیٰؑ سب کے سب اسی فارص کی اولاد سے ہیں، جس کی تصریح انجیل متی باب اوّل میں ہے

۳۔ داؤد علیہ السلام نے اوریا کی بیوی سے زنا کیا تھا، اور وہ ان سے حاملہ ہوئیں، پھر داؤدؑ نے اس کے شوہر کو دھوکہ اور فریب سے مروا دیا، اور اس کی بیوی کو اپنی بیوی بنالیا، جس کی تصریح سموئیل ثانی باب ۱۱ میں موجود ہے،

۴۔ سلیمان علیہ السلام اپنی آخری عمر میں مرتد ہو گئے تھے، اور مرتد ہونے کے بعد بت پرستی کرتے رہے، اور بت خانے تعمیر کئے، جس کی تصریح سلاطین اوّل باب ۱۱ میں موجود ہے،

۵۔ ہارون علیہ السلام نے گوسالہ پرستی کے لئے عبادت گاہ بنائی تھی، اور خود بھی بچھڑے کی پوجا کی، اور بنی اسرائیل کو بھی گوسالہ پرستی کا حکم دیا، جس کی تصریح سفرِ خروج باب ۳۲ میں موجود ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ تمام واقعات قطعی باطل اور جھوٹے ہیں۔ ہم ان کو منسوخ نہیں مان سکتے، اسی طرح امور قطعیہ حسّیہ یا عقلیہ اور احکام واجبہ و احکام مؤبدہ اور احکام وقتیہ کا اپنے مقررہ وقت سے قبل منسوخ ہونا، اور وہ احکامِ مطلقہ جن میں زمانہ اور مکلف اور صورت ایک ہی ہو اُن میں سے کسی میں بھی نسخ ممکن نہیں کہ قباحت لازم آئے، اسی طرح دعائیں منسوخ نہیں ہو سکتیں، اسی طرح وہ زبور جو خالص دعاؤں کا مجموعہ ہے اصطلاحی معنی کے لحاظ سے منسوخ نہیں ہے، اور نہ ہم یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ توریت کے لئے ...... ناسخ تھی اور خود انجیل سے منسوخ ہو گئی، جب کہ میزان الحق کے مصنف نے مسلمانوں پر یہی بہتان باندھا ہے، اور کہا ہے کہ اس کی تصریح مسلمانوں کے قرآن اور تفسیروں میں پائی جاتی ہے،

اور ہم نے زبور اور دوسری عہد عتیق وجدید کی کتابوں پر عمل کرنے سے جو انکار کیا ہے وہ اس لئے کہ یہ سب کتابیں اسانید متصلہ کے نہ پائے جانے اور تحریف لفظی کی تمام قسموں کے ان کتابوں میں واقع ہونے کی وجہ سے یقینی طور پر مشکوک ہیں، جیسا کہ باب۲ میں معلوم ہو گیا ہے۔ اور مذکورہ احکام کے علاوہ دوسرے "احکام مطلقہ"، جن میں نسخ کی صلاحیت موجود ہے، ان میں نسخ ممکن ہے،

پس ہم اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ توریت وانجیل کے وہ بعض احکام جن میں نسخ کی صلاحیت ہے شریعت محمدیہ میں منسوخ ہیں، ہمارا یہ دعوٰی ہرگز نہیں کہ توریت وانجیل کے جملہ احکام منسوخ ہیں، اور یہ بات کس طرح ہوسکتی ہے جبکہ توریت کے بعض احکام یقیناً منسوخ نہیں ہیں، مثلاً :-

جھوٹی قسم، قتل، زنا، لواطت، چوری، جھوٹی شہادت، پڑوسی کے مال میں خیانت کرنے اور اس کی آبرو میں خیانت کرنے کی حرمت، والدین کی تعظیم کا واجب ہونا، باپ دادا بیٹوں، ماؤں، بیٹیوں، چچاؤں، پھوپھیوں، ماموؤں، خالاؤں سے نکاح کا حرام ہونا، اور دو حقیقی بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے کی حرمت وغیرہ بے شمار احکام ہیں، جو یقینی طور پر غیر منسوخ ہیں،

اسی طرح انجیل کے بعض احکام یقیناً منسوخ نہیں ہوئے، مثلاً انجیل مرقس باب۱۲ آیت ۲۹ میں یوں ہے کہ :-

"یسوع نے جواب دیا کہ اوّل یہ ہے کہ اے اسرائیل سن، خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے، اور تو خداوند اپنے خدا سے، اپنے سارے دل، اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل اور ساری اپنی طاقت سے محبت رکھ، دوسرا یہ کہ تو اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ، ان سے بڑا کوئی اور حکم نہیں"۔ (آیات ۲۹ تا ۳۱)

یہ دونوں حکم ہماری شریعت میں بھی بڑی تاکید کے ساتھ موجود ہیں، اور منسوخ ہرگز نہیں ہیں، اور پھر بات یہ ہے کہ نسخ کوئی ہماری شریعت کے ساتھ تو مخصوص نہیں ہے بلکہ گذشتہ شریعتوں میں بھی کثرت سے اپنی دونوں قسموں سمیت پایا جاتا ہے، یعنی ایک

وہ نسخ کہ جو کسی نئے نبی کی شریعت میں کسی پہلے نبی کی شریعت کے حکم کی نسبت ہو، اور دوسرا وہ نسخ جو خود اسی نبی کی شریعت کے کسی سابقہ حکم کی نسبت جاری ہو، ان دونوں قسم کے نسخ کی مثالیں عہدِ عتیق و جدید دونوں میں بے شمار موجود ہیں۔ ہم اس جگہ صرف بعض مثالوں پر اکتفاء کرتے ہیں، پہلی قسم کے نسخ کی مثالیں حسب ذیل ہیں:۔

کتب مقدسہ میں نسخ کی پہلی قسم

پہلی مثال
بھائی بہنوں میں شادی

آدم علیہ السلام کے عہد میں بھائی بہنوں کے درمیان شادیاں ہوئیں، ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سارہ بھی ان کی علاتی[1] بہن تھیں، جیسا کہ ابراہیمؑ کے اس قول سے جو پیدائش باب ۲۰ آیت ۱۲ میں درج ہے، سمجھ میں آتا ہے، آیت مندرجہ ذیل ہے:۔

"اور فی الحقیقت وہ میری بہن بھی ہے، کیونکہ وہ میرے باپ کی بیٹی ہے، اگرچہ میری ماں کی بیٹی نہیں، پھر وہ میری بیوی ہوئی"

حالانکہ بہن سے نکاح کرنا خواہ وہ حقیقی سگی بہن ہو، یا صرف باپ شریک ہو، یا صرف ماں شریک ہو، مطلقاً حرام اور زنا کے برابر ہے، اور نکاح کرنے والا ملعون ہے، اور ایسے میاں بیوی کو قتل کر دینا واجب ہے، چنانچہ کتاب احبار باب ۱۸ آیت ۹ میں کہا گیا ہے کہ:۔

"تو اپنی بہن کے بدن کو چاہے وہ تیرے باپ کی بیٹی ہو چاہے تیری ماں کی اور خواہ وہ گھر میں پیدا ہوئی ہو، خواہ کہیں اور بے پردہ نہ کرنا"

ڈی آئلی اور رچرڈ مینٹ کی تفسیر میں اس آیت کی شرح کے ذیل میں یوں کہا گیا ہے کہ:۔

"اس قسم کا نکاح زنا کے برابر ہے"

نیز کتاب احبار ہی کے باب ۲۰ آیت ۱۷ میں کہا گیا ہے کہ:۔

[1] یعنی باپ شریک ۱۲ تقی

"اور اگر کوئی مرد اپنی بہن کو جو اس کے باپ کی یا اس کی ماں کی بیٹی ہو لے کر اس کا بدن دیکھے تو یہ شرم کی بات ہے، وہ دونوں اپنی قوم کے لوگوں کی آنکھوں کے سامنے قتل کئے جائیں، اس نے اپنی بہن کے بدن کو بے پردہ کیا، اس کا گناہ اسی کے سر لگے گا"۔

نیز کتاب استثناء باب ۲۷ آیت ۲۲ میں کہا گیا ہے کہ:۔

"لعنت اس پر جو اپنی بہن سے مباشرت کرے، خواہ وہ اس کے باپ کی بیٹی ہو خواہ ماں کی، اور سب لوگ کہیں آمین"۔

اب اگر آدم علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کی شریعتوں میں اس قسم کے نکاح کو جائز نہ مانا جائے تو تمام انسانوں کا زنا کی اولاد ہونا اور شادی کرنے والوں کا زانی ہونا اور واجب القتل ہونا اور ملعون ہونا لازم آتا ہے، پھر انبیاء علیہ السلام کی شان میں ان باتوں کا کیونکر تصور کیا جا سکتا ہے، اس سے لامحالہ یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ ایسا نکاح دونوں کی شریعت میں جائز تھا، پھر منسوخ ہو گیا،

عربی مترجم کی تحریف

عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۱ء کے مترجم نے پیدائش باب ۲۰ آیت ۱۲ کا ترجمہ کس دلیری اور بے باکی سے یوں بگاڑ کر کیا ہے کہ:۔

"یہ میرے باپ کی رشتہ دار ہے نہ کہ میری ماں کی"۔

ظاہر یہی ہے کہ یہ تحریف جان بوجھ کر اس لئے کی گئی ہے کہ سارہ کے نکاح کے اعتبار سے نسخ لازم نہ آسکے، کیونکہ باپ کی رشتہ دار میں چچا کی بیٹی پھوپی کی بیٹی اور دوسری عورتیں بھی ہو سکتی ہیں،

حیوانات کی حلت دوسری مثال

کتاب پیدائش باب ۹ آیت ۳ میں اللہ کا قول نوح علیہ السلام اور ان کی اولاد کو خطاب کرتے ہوئے ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۶۲۵ء و ۱۸۴۴ء میں اس طرح مذکور ہے کہ:۔

"ہر چلتا پھرتا جاندار تمہارے کھانے کو ہوگا، ہر سبزی

لہ یہ موجودہ اردو ترجمہ کی عبارت ہے جو مصنف کی نقل کردہ عبارت کے مطابق ہے ۱۲ ت

ترکاری کی طرح میں نے سب کا سب تم کو دے دیا"؛

معلوم ہوا کہ نوح علیہ السلام کی شریعت میں سبزیوں، ترکاریوں کی طرح تمام حیوانات حلال تھے، حالانکہ شریعتِ موسویہ میں بہت سے جانور جن میں خنزیر بھی ہے[1] حرام کر دیئے گئے، جس کی تصریح کتاب الاحبار باب ۱۱ میں اور کتاب استثناء باب ۱۴[2] میں موجود ہے،

ایک اور تحریف

ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۱ء کے مترجم نے اس مقام پر بھی تحریف کی، آیت مذکورہ کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ :۔

"ہر پاک زندہ جانور تمہارے لئے حلال ہے، اسی طرح جس طرح ساگ سبزی"؛

اس مترجم نے اپنی جانب سے "پاک"، کا لفظ بڑھا دیا، تاکہ ان حیوانات کو شامل نہ ہو سکے جو شریعتِ موسویہ میں حرام ہیں، کیونکہ توریت میں ایسے جانوروں کو ناپاک کہا گیا ہے،

دو بہنوں سے بیک وقت شادی
تیسری مثال

یعقوب علیہ السلام نے اپنی دو خالہ زاد بہنوں لیاہ اور راحیل کو اپنے نکاح میں جمع کیا، جس کی تصریح کتاب پیدائش باب ۲۹[3] میں موجود ہے،

حالانکہ اس قسم کا نکاح شریعت موسویہ میں حرام کر دیا گیا، کتاب الاحبار باب ۱۸ آیت ۱۸ میں یوں کہا گیا ہے کہ :۔

"تو اپنی سالی سے بیاہ کر کے اسے اپنی بیوی کی سوکن نہ بنانا، کہ دوسری کے جیتے جی اس کے بدن کو بھی بے پردہ کرے"؛

اب اگر یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں دو بہنوں کے نکاح میں جمع کرنے کو جائز تسلیم نہ کیا جائے تو لازم آئے گا کہ دونوں کی اولاد ولد الزنا قرار دی جائے (خدا کی پناہ) جب کہ اکثر پیغمبران ہی کی اولاد ہیں،

---

[1] مثلاً اور سور کو کیونکہ اس کے پاؤں الگ اور چرے ہوئے ہیں، پھر وہ جگالی نہیں کرتا، وہ بھی تمہارے لئے ناپاک ہے، تم ان کا گوشت نہ کھانا"، (احبار، ۱۱ : ۷)

[2] مثلاً ان میں سے جگالی کرتے ہیں یا اُن کے پاؤں چرے ہوئے ہیں تم ان کو یعنی اونٹ، خرگوش اور سافان کو نہ کھانا"، (استثناء ۱۴ : ۷) [3] بالخصوص دیکھئے آیات ۲۳ تا ۳۰،

پھوپی سے نکاح چوتھی مثال

مقصد ۳ کی شہادت نمبر ۱ میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ عمران[1] کی بیوی یوکبد اس کی پھوپی تھی، عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۶۲۵ء و ۱۶۴۸ء کے مترجم نے اس میں عیب پوشی کے لئے جان بوجھ کر تحریف کی، غرض موسیٰ علیہ السلام کے والد نے اپنی پھوپی سے نکاح کیا تھا، حالانکہ شریعتِ موسویہ میں ایسا نکاح حرام کر دیا گیا، چنانچہ کتاب الاحبار باب ۱۸ آیت ۱۲ میں یوں کہا گیا ہے کہ :۔

"تو اپنی پھوپی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا، کیونکہ وہ تیرے باپ کی قریبی رشتہ دار ہے"

اسی طرح سفر مذکور باب ۲۰ آیت ۱۹ میں بھی کہا گیا ہے[2]۔

اب اگر اس قسم کا نکاح شریعتِ موسویہ سے قبل ناجائز نہ مانا جائے تو نعوذ باللہ لازم آئے گا کہ حضرت موسیٰ ؑ اور ہارون ؑ اور دونوں کی بہن مریم، زنا کی اولاد تھے، اور یہ بھی لازم آئے گا کہ دس پشتوں تک ان میں کا کوئی شخص خدا کی جماعت میں داخل نہ ہو سکے گا، جس کی تصریح کتاب استثناء باب ۲۳ آیت ۳ میں موجود ہے[3]، اور اگر ایسے حضرات خدا کی جماعت سے نکالے جانے کے لائق ہو سکتے ہیں تو پھر وہ کون ہے جو اس میں داخل ہونے کی صلاحیت رکھ سکے ؟

مثال نمبر ۵

کتاب یرمیاہ باب ۳۱ آیت ۳۱ میں ہے کہ :

"دیکھ وہ دن آتے ہیں، خداوند فرماتا ہے جب میں اسرائیل کے گھرانے اور یہوداہ کے گھرانے کے ساتھ نیا عہد باندھوں گا اس عہد کے مطابق نہیں جو میں نے ان کے باپ دادا سے کیا، جب میں نے ان کی دستگیری کی تاکہ ان کو ملکِ مصر سے نکال لاؤں، اور انہوں نے میرے اس عہد کو توڑا، اگرچہ میں ان کا مالک تھا، خداوند فرماتا ہے"

اس میں نئے عہد سے مراد جدید شریعت ہے، اس سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ یہ شریعت

---

[1] یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد ۱۲

[2] "اور تو اپنی خالہ یا پھوپی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا" ۱۲ ت [3] تفصیل کے لئے صفحہ ۳۳۴ ج ۱ دیکھئے۔

جدید شریعت موسویہ کی ناسخ ہوگی، عیسائیوں کے مقدس پولس نے عبرانیوں کے نام اپنے خط میں دعویٰ کیا ہے کہ اس شریعت کا مصداق عیسیٰ ؑ کی شریعت ہے[1]، اس کے اس اعتراف کے مطابق شریعت عیسوی موسیٰ ؑ کی شریعت کے لئے ناسخ ہوئی،

یہ پانچ مثالیں تو یہودیوں اور عیسائیوں پر مشترکہ الزام قائم کرتی ہیں، باقی خالص عیسائیوں پر الزام قائم کرنے کے لئے دوسری مخصوص مثالیں موجود ہیں:۔

طلاق کی حلت
چھٹی مثال

موسوی شریعت میں جائز تھا کہ ہر شخص اپنی بیوی کو کسی بھی وجہ سے طلاق دے سکتا ہے، اور یہ بھی جائز تھا کہ اس مطلقہ سے پہلے شوہر کے گھر سے نکلتے ہی دوسرا شخص فوراً نکاح کر سکتا تھا، جس کی تصریح کتاب الاستثناء کے باب ۲۴ میں موجود ہے[2]، حالانکہ شریعت عیسوی میں سوائے زنا کے ارتکاب کے عورت کو طلاق دینے کی اور کوئی معقول وجہ تسلیم نہیں کی گئی، اس طرح شریعت عیسوی میں مطلقہ سے نکاح کرنا زنا کے برابر قرار دیا گیا ہے، چنانچہ انجیل متی باب ۱۹ آیت ۱۵ میں تصریح ہے کہ جب فریسی[3] معترضوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اس مسئلہ میں اعتراض کیا تو اُن کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ:۔

"موسیٰ نے تمھاری سخت دلی کے سبب سے تم کو اپنی بیویوں کو چھوڑ دینے کی اجازت دی، مگر ابتداء سے ایسا نہ تھا، اور میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرامکاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے، اور جو کوئی چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرلے وہ بھی زنا کرتا ہے"۔

اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم میں دو مرتبہ نسخ واقع ہوا، ایک مرتبہ شریعت موسوی میں، پھر دوبارہ شریعت عیسوی میں، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کبھی کبھی کوئی حکم

---

[1] دیکھئے عبرانیوں ۸:۷ تا ۱۲ کتاب یرمیاہ کی مذکورہ عبارت نقل کرنے کے بعد اس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "جب اس نے نیا عہد کیا تو پہلے کو پُرانا ٹھہرایا، اور جو چیز پُرانی اور مدت کی ہو جاتی ہے وہ مٹنے کے قریب ہوتی ہے"۔ (۸: ۱۳) ۱۲ ت [2] آیات ۱ و ۲، [3] یعنی یہودی علماء،

محض بندوں کے حالات کے تقاضے کی بناء پر جاری ہوتا ہے، اگرچہ وہ واقع میں اچھا نہ ہو۔

ساتویں مثال

بہت سے حیوانات کا استعمال شریعت موسوی میں حرام تھا لیکن شریعتِ عیسوی میں ان کی حرمت منسوخ کر دی گئی، اور پولس کے فتویٰ کے مطابق تو عام اباحت[1] ثابت ہو گئی، رومیوں کے نام پولس کے خط کے باب ۱۴ آیت ۱۴ میں کہا گیا ہے کہ :۔

"مجھے معلوم ہے، بلکہ خداوند یسوع میں مجھے یقین ہے کہ کوئی چیز بذاتہٖ حرام نہیں لیکن جو اُسے حرام سمجھتا ہے اس کے لئے حرام ہے"

نیز ططِس کے نام خط باب آیت ۱۵ میں ہے کہ :۔

"پاک لوگوں کے لئے سب چیزیں پاک ہیں، مگر گناہ آلودہ اور بے ایمان لوگوں کے لئے کچھ بھی پاک نہیں بلکہ ان کی عقل اور دل دونوں گناہ آلود ہیں"

یہ دونوں اصول بھی عجیب و غریب ہیں کہ کسی شئے کو ناپاک سمجھنے والے ہی کے لئے وہ چیز ناپاک ہو، اور یہ کہ پاک لوگوں کے لئے ہر چیز پاک ہے، شاید غریب بنی اسرائیل پاک نہیں تھے اسی لئے ان کی قسمت میں عام اباحت نہیں ہوئی، اور عیسائی سب کے سب پاک تھے، اس لئے ان کو اباحت کی نعمت عطا فرمائی گئی، کہ ہر چیز اُن کے لئے پاک کر دی گئی، مقدس پولس نے اباحتِ عامہ والے مسئلہ کی اشاعت کے لئے بے انتہا کوشش کی، اس لئے تیمتھیس کے نام اپنے پہلے خط کے باب ۴ آیت ۴ میں لکھتا ہے کہ :۔

"کیونکہ خدا کی پیدا کی ہوئی ہر چیز اچھی ہے، اور کوئی چیز انکار کے لائق نہیں بشرطیکہ شکر گذاری کے ساتھ کھائی جائے، اس لئے کہ خدا کے کلام اور دعاء سے پاک ہو جاتی ہے۔ اگر تو بھائیوں کو یہ باتیں یاد دلائے گا تو مسیح یسوع کا اچھا خادم ٹھہرے گا، اور ایمان اور اس اچھی باتوں کی تعلیم سے جس کی تو پیروی کرتا آیا ہے پرورش پاتا رہے گا" (آیت ۴ تا ۶)

---

[1] یعنی ہر چیز حلال ہو گئی،

عید اور سبت کے احکام
آٹھویں مثال

کتاب الاحبار باب ۲۳ میں عید کے جن احکام کی تفصیل بیان ہوئی ہے وہ سب شریعت موسوی میں دوامی طور سے واجب تھے اُن کے وجوب کی نسبت اسی باب کی آیات ۱۴، ۲۱، ۳۱، ۴۱ میں ایسے الفاظ[1] موجود ہیں، جو اُن کا دائمی طور سے واجب ہونا بتا رہے ہیں،[2]

نیز موسوی شریعت میں سبت (شنبہ کے دن) کی تعظیم کا حکم دائمی تھا، اور کسی شخص کو بھی اس روز ادنیٰ اور معمولی کام کرنا جائز نہ تھا، اور جو شخص بھی اس روز کوئی کام کرتا یا اس کی پابندی نہ کرتا تو وہ شرعًا واجب القتل ہوتا تھا، اس حکم کا بیان اور تاکید عہدِ عتیق کی کتابوں سے بیشتر مقامات میں بار بار ہوئی ہے، مثلاً کتاب پیدائش باب ۲ آیت ۳ میں اور کتاب خروج کے باب ۲۰ آیت ۸ تا ۱۱، اور سفر خروج باب ۲۳ کی آیت ۱۲ میں اور اسی کتاب کے باب ۳۴ آیت ۲۱ میں، اور سفر احبار کے باب ۱۹ آیت ۳ میں اور اور باب ۲۳ کی آیت ۳ میں اور کتاب الاستثناء باب ۵ آیت ۱۲ تا ۱۵ میں اور کتاب یرمیاہ کے باب ۱۷ میں، اور کتاب یسعیاہ کے باب ۵۶ و ۵۸ میں اور کتاب نحمیاہ کے باب ۹ میں اور کتاب حزقیال کے باب ۲۰ میں اور کتاب خروج کے باب ۳۱ آیت ۱۳ میں کہا گیا ہے کہ:-

"تو بنی اسرائیل سے یہ بھی کہہ دینا کہ تم میرے سبتوں کو ضرور ماننا، اس لئے کہ یہ میرے اور تمھارے درمیان تمھاری پشت در پشت ایک نشان رہے گا تاکہ تم جانو کہ میں خداوند تمھارا پاک کرنے والا ہوں، پس تم سبت کو ماننا، اس لئے کہ وہ تمھارے لئے مقدس ہے، جو کوئی اس کی بے حرمتی کرے وہ ضرور مار ڈالا جائے، جو اس میں کچھ کام کرے وہ اپنی قوم میں سے کاٹ ڈالا جائے، چھ دن کام کاج کیا جائے لیکن ساتواں دن آرام کا سبت ہے، جو خداوند کے لئے مقدس ہے، جو کوئی سبت کے دن کام کرے وہ ضرور مار ڈالا جائے، پس بنی اسرائیل

---

[1] "تمھاری سکونت گاہوں میں پشت در پشت یہی آئین رہے گا" ۱۲

[2] لیکن پولس نے ان احکام کو منسوخ کر دیا جیسا کہ نویں مثال میں اس کی عبارت آرہی ہے ۱۲ ت

سبت کو مانیں، اور پشت در پشت اُسے دائمی عہد جان کر اس کا لحاظ رکھیں، میرے اور بنی اسرائیل کے درمیان یہ ہمیشہ کے لئے ایک نشان رہے گا، اس لئے کہ چھ دن میں خداوند نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور ساتویں دن آرام کر کے تازہ دم ہوا" (آیات ۱۳ تا ۱۷)

اور کتاب خروج باب ۳۵ آیت ۲ میں ہے کہ :-

"چھ دن کام کاج کیا جائے، لیکن ساتویں دن تمہارے لئے روز مقدس یعنی خداوند کے لئے آرام کا سبت ہو، جو کوئی اس میں کوئی کام کرے وہ مار ڈالا جائے تم سبت کے دن اپنے گھروں میں کہیں بھی آگ نہ جلانا" (آیات ۲ تا ۳)

کتاب گنتی باب ۱۵ آیت ۳۲ میں ایک واقعہ اس طرح مذکور ہے :-

"اور جب بنی اسرائیل بیابان میں رہتے تھے اُن دنوں ایک آدمی ان کو سبت کے دن لکڑیاں جمع کرتا ہوا ملا وہ اُسے موسیٰ علیہ السلام اور ہارونؑ اور ساری جماعت کے پاس لے گئے، انھوں نے اُسے حوالات میں رکھا، کیونکہ ان کو یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے، تب خداوند نے موسیٰؑ سے کہا کہ یہ شخص ضرور جان سے مارا جائے، ساری جماعت لشکر گاہ سے باہر اُسے سنگسار کرے، چنانچہ جیسا خداوند نے موسیٰؑ کو حکم دیا تھا اس کے مطابق ساری جماعت نے اُسے لشکر گاہ سے باہر لے جا کر سنگسار کیا اور وہ مر گیا" (آیات ۳۲ تا ۳۶)

اس کے علاوہ خود مسیح علیہ السلام کے زمانہ میں جو یہودی تھے وہ اس وجہ سے کبھی آپ کو اذیتیں دیتے اور آپ کو قتل کرنا چاہتے تھے کہ آپ "یوم السبت" کی بے حرمتی کرتے ہیں، اور حضرت مسیحؑ کو رسول برحق ماننے سے انکار پر ان کی ایک دلیل یہ بھی تھی کہ یہ سنیچر کے روز کام کرتے ہیں، چھٹی نہیں مناتے، چنانچہ انجیل یوحنا باب ۵ آیت ۱۶ میں ہے کہ :-

"اس لئے یہودی یسوع کو ستانے لگے کیونکہ وہ ایسے کام سبت کے دن کرتا تھا"

اور انجیل یوحنا باب ۹ آیت ۱۶ میں ہے کہ :-

"پس بعض فریسی کہنے لگے کہ یہ آدمی خدا کی طرف سے نہیں، کیونکہ سبت کے دن

کو نہیں مانتا"۔

یہ بات معلوم ہونے کے بعد اب ہم کہتے ہیں کہ عیسائیوں کے مقدس پولس کے ان احکام کو مثال نمبر ۷، ۸، ۹ میں مذکور ہیں منسوخ کر دیا اور بیان کیا کہ یہ سب کام گمراہی والے تھے چنانچہ کلسیوں کے نام اس کے خط باب[۱] ۸ آیت ۱۶ میں ہے کہ:۔

"پس کھانے پینے یا عید یا نئے چاند یا سبت کی بابت کوئی تم پر الزام نہ لگائے، کیونکہ یہ آنے والی چیزوں کا سایہ ہیں، مگر بدن[۲] مسیح کا ہے"۔ (آیات ۱۶، ۱۷)

ڈی آئلی اور رچرڈ منٹ کی تفسیر میں آیت ۱۶ کی شرح کی ذیل میں لکھا ہے کہ:۔

"برکت اور ڈاکٹر وٹ بی کہتا ہے کہ یہودیوں کے یہاں عیدیں تین قسم کی تھیں ایک سالانہ، دوسری ماہانہ، تیسری ہفتہ وار[۳]، پھر یہ سب منسوخ ہو گئیں بلکہ یوم السبت بھی منسوخ ہو گیا، اور عیسائیوں کا سبت اس کے قائم مقام ہوا"۔

لشپ ہارسلی آیت[۴] مذکورہ کی شرح کے ذیل میں کہتا ہے کہ:۔

"یہودیوں کے گرجا کا سبت ختم ہو گیا، اور عیسائیوں نے اپنے سبت کے عمل میں فریسیوں کی طفلانہ رسوم کو اختیار نہیں کیا"۔

ہنری و اسکاٹ کی تفسیر میں یوں کہا گیا ہے کہ:۔

"جب عیسیٰؑ رسوم والی شریعت کو منسوخ کر چکے ہیں تو پھر کسی کو یہ حق نہیں کہ

---

[۱] اصل نسخہ میں ایسا ہی ہے، مگر صحیح باب ۲ ہے، کیونکہ یہ عبارت اسی میں ہے ۱۲ ت

[۲] یہ یونانی اور قدیم عربی ترجمہ کے الفاظ ہیں، انگریزی ترجمہ میں بھی ایسا ہی ہے، لیکن موجودہ اردو ترجمہ کے الفاظ یہ ہیں "مگر اصل چیزیں مسیح کی ہیں" ۱۲ ت

[۳] سالانہ جیسے عید فسح ماہانہ جیسے نیا چاند NEW MOON کہ ہر ماہ کے شروع میں جب نیا چاند دکھائی دے تو اسکی خوشی میں کچھ قربانیاں دینے کا حکم تھا (گنتی ۲۸: ۱۱) اور ہفتہ وار جیسے سبت ۱۲ ت

[۴] نیز OXFORD BIBLE CONCORDANCE میں جو کئی عیسائی محققین کی مشترکہ تالیف ہے واضح طور سے لکھا ہے کہ "اس ممانعت (یعنی سبت میں کام کرنے کی ممانعت) کی تفصیلات جلاوطنی کے بعد کے دور میں بہت ناقابلِ برداشت اور غیر حقیقی ہو گئیں جس کے نتیجہ میں ہمارے خداوند نے ان کے خلاف احتجاج کیا۔

وہ دوسری قوموں کو ان کا پاس نہ کرنے پر الزام دے، یا سوبرولیا کہتا ہے کہ اگر
یومُ السبّت کی پابندی سب لوگوں پر واجب ہوتی، اور دنیا کی تمام قوموں کے لئے
لازم ہوتی تو اس کا منسوخ ہونا ممکن نہ تھا، جس طرح کہ اب حقیقتاً منسوخ ہو
چکی ہے، اسی طرح عیسائیوں پر نسلاً بعد نسل اس کی پابندی لازم ہوتی، جس طرح
شروع میں یہودیوں کی تعظیم اور ان کو خوش کرنے کے لئے وہ بھی کرتے تھے"

مقدس پولس کا یہ دعویٰ کہ یہ گمراہی والے احکام ہیں توریت کی عبارت کے موافق نہیں
کیونکہ خدا نے حیوانات کی حرمت کا سبب بیان کر دیا ہے کہ "وہ ناپاک ہیں، اس لئے ضروری ہے
کہ تم پاک رہو، کیونکہ میں بھی پاک ہوں" جس کی تصریح کتاب احبار کے باب ۱۱ میں موجود ہے[1]،
اور عید[2] فطیر کی علت یہ ہے کہ:-

"کیونکہ میں اسی دن تمہارے جتھوں کو ملکِ مصر سے نکالوں گا، اس لئے تم اس دن کو
ہمیشہ کی رسم کر کے نسل در نسل ماننا"
جس کی تصریح کتاب خروج باب ۱۲ میں موجود ہے، اور عید خیام[3] کی علت یوں بیان ہوئی ہے:

[1] ناپاک ہونے کا ذکر آیت نمبر ۸ میں: "تم ان کا گوشت نہ کھانا، اور ان کی لاشوں کو نہ چھونا وہ تمہارے لئے ناپاک ہیں"
اور آیت ۴۴ میں: "اپنے آپ کو مقدس کرنا اور پاک ہونا کیونکہ میں قدوس ہوں"۔

[2] عید فطیر FEAST OF UNLEAVENED BREAD یہ یہودیوں کا ایک تہوار تھا، جو ۱۵ ر نیسان (اپریل)
سے سات دن تک منایا جاتا تھا، "فطیر" بے خمیری روٹی کو کہتے ہیں، جب بنی اسرائیل مصریوں کی غلامی سے نکلنے
لگے تو جلدی میں آٹے کو خمیر دیئے بغیر رکھ لیا تھا (خروج ۱۲: ۳۴) یہ عید اسی واقعہ کی یاد میں منائی جاتی
تھی جس میں خمیری روٹی کھانا ممنوع تھا (خروج ۱۳: ۳) بعد میں یہودیوں نے اس عید کو عید فسح
(دیکھئے ص ۱۴۴ ج ۱) کے ساتھ ضم کر دیا ۱۲ تقی [3] عید خیام TABERNACLES ایک تہوار تھا جو
۱۵ ر اکتوبر سے سات دن تک منایا جاتا تھا (احبار ۲۳: ۳۳) ہر دن میں کئی قربانیاں کی جاتی تھیں، جن کی تفصیل
گنتی ۲۹، ۱۲ تا ۴۰ مذکور ہے، بعد میں اس عید کے ساتھ اور بہت سے دلچسپ کام مثلاً چراغاں اور رقص و سرود
مل گئے، یہاں تک کہ یہ یہودیوں کی پُر لطف ترین عید بن گئی، یہ عید دراصل اس واقعہ کی یاد میں منائی
جاتی ہے، کہ بنی اسرائیل کو ایک عرصہ تک بیابانوں میں گھومنے کے بعد اس دن خیمے نصیب ہوئے تھے۔

"تاکہ تمھاری نسل کو معلوم ہو کہ جب میں بنی اسرائیل کو مصر سے نکال کر لا رہا تھا تو میں نے ان کو سائبان میں ٹکایا تھا"

جس کی تصریح سفر احبار کے باب ۲۳ [51] میں ہے، اور اکثر مقامات پر تعظیم سبت کی علّت یوں بتائی گئی ہے کہ:-

"کیونکہ خداوند نے چھ دن میں آسمان اور زمین اور سمندر اور جو کچھ ان میں ہے بنایا اور ساتویں دن آرام کیا" [52]

دسویں مثال
ختنہ کا حکم

ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں ختنہ کا حکم دوامی تھا، جس کی تصریح پیدائش باب ۱۷ [53] میں موجود ہے، اسی لئے یہ حکم اسمٰعیلؑ اور اسحٰق کی اولاد میں باقی رہا، اور شریعتِ موسوی میں بھی باقی رہا، چنانچہ سفر احبار کے باب ۱۲ آیت ۳ میں ہے کہ:-

"اور آٹھویں دن لڑکے کا ختنہ کیا جائے"

خود عیسیٰ علیہ السلام کے بھی ختنہ کی گئی، جس کی تصریح انجیل لوقا کے باب ۲ آیت ۲۱ میں موجود [54] ہے، اور عیسائیوں میں آج تک ایک مخصوص نماز ہے، جس کو وہ عیسیٰؑ کے ختنہ کے دن بطور یادگار ادا کرتے ہیں، اور یہ حکم عیسیٰ علیہ السلام کے عروج تک باقی رہا، منسوخ نہیں ہوا تھا بلکہ حواریوں نے اس حکم کو اپنے زمانہ میں منسوخ کیا، جس کی وضاحت اعمال الحواریین باب ۱۵ میں موجود ہے، اور مثال ۱۳ میں آنے والی ہے، مقدس پولس اس حکم کی منسوخی کی بڑی تاکید کرتا ہے، گلتیوں کے نام خط کے باب ۵ میں لکھتا ہے کہ:

"دیکھو میں پولس تم سے کہتا ہوں کہ اگر تم ختنہ کراؤ گے تو مسیح سے تم کو کچھ فائدہ نہ ہوگا، بلکہ میں ہر ایک ختنہ کرانے والے شخص پر پھر گواہی دیتا ہوں کہ اسے تمام شریعت پر عمل کرنا فرض ہے، تم جو شریعت کے وسیلہ سے راستباز ٹھہرنا چاہتے ہو مسیحؑ سے الگ ہوگئے، اور

---

[51] آیت ۴۳۔ [52] دیکھئے خروج ۲۰: ۱۱۔

[53] "تمھارے ہاں پشت در پشت ہر لڑکے کا ختنہ جب وہ آٹھ روز کا ہو کیا جائے" (۱۷: ۱۲)

[54] "جب آٹھ دن پورے ہوئے اور اس کے ختنہ کا وقت آیا الخ" (۲: ۲۱)

فضل سے محروم، کیونکہ ہم روح کے باعث ایمان سے راست بازی کی اُمید پر آنے کے منتظر ہیں، اور مسیح یسوع میں نہ تو ختنہ کچھ کام کا ہے نہ نامختونی، مگر ایمان جو محبت کی راہ سے اثر کرتا ہے" (آیات ۱ تا ۶)

اور اسی خط کے باب ۶ آیت ۱۵ میں ہے کہ:

"کیونکہ نہ ختنہ کچھ چیز ہے نہ نامختونی، بلکہ نئے سرے سے مخلوق ہونا"

ذبیحہ کے احکام گیارہویں مثال

موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں ذبیحہ کے بہت سے احکام تھے اور دائمی تھے، جو سب کے سب شریعت عیسوی میں منسوخ کر دیئے گئے۔

سردار کاہن کے احکام بارہویں مثال

بہت سے احکام جو خاندانِ ہارون کے ساتھ مخصوص تھے، مثلاً کہانت اور خدمت کے وقت کا لباس وغیرہ سب ابدی اور دامی تھے، جو شریعتِ عیسوی میں منسوخ قرار پائے

توریت کے سب احکام منسوخ تیرہویں مثال

حواریوں نے کامل مشورہ کے بعد توریت کے جملہ عملی احکام منسوخ کر دیئے سوائے چار احکام کے، یعنی بُت کا ذبیحہ[۱]، خون[۲]، گلا گھونٹا ہوا جانور[۳]، زنا[۴]، ان چاروں کی حرمت باقی رکھی، اس سلسلہ میں تمام گرجوں کو ہدایات دے دی گئیں جو کتاب اعمال کے باب ۱۵ میں منقول ہیں اور اس کی بعض آیات یہ ہیں:-

"چونکہ ہم نے سُنا ہے کہ بعض نے ہم میں سے جن کو ہم نے حکم نہ دیا تھا وہاں جا کر تمہیں اپنی باتوں سے گھبرا دیا اور تمہارے دلوں کو اُلٹ دیا، (یہ کہہ کر کہ تم پر ختنہ کرنا واجب ہے، اور ناموس کی حفاظت ضروری ہے[۱])" (آیت ۲۴)

چند سطروں کے بعد ہے:-

"کیونکہ روح القدس نے اور ہم نے مناسب جانا کہ ان ضروری باتوں کے سوا تم پر اور بوجھ

---

[۱] اظہار الحق اور قدیم عربی وانگریزی ترجموں میں ایسا ہی ہے، مگر جدید اردو اور انگریزی ترجموں میں قوسین کی عبارت حذف کردی گئی ہے، یہ شاید تحریف حذفی کی تازہ ترین مثال ہے ۱۲ تقی،

نہ ڈالیں کہ تم بتوں کی قربانیوں کے گوشت سے اور لہو اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں
اور حرام کاری سے پرہیز کرو، اگر تم ان چیزوں سے اپنے آپ کو بچائے رکھو گے تو سلامت
رہو گے، والسلام"۔ (آیات ۲۸ تا ۲۹)

اور ان چاروں چیزوں کی حرمت بھی صرف اس لئے باقی رکھی گئی کہ وہ نومرید یہودی جو ابھی ابھی عیسائی ہوئے تھے بالکل متنفر نہ ہو جائیں، جو توریت کے احکام اور اس کے طریقوں کو اب بھی محبوب جانتے تھے، پھر جب کچھ عرصہ کے بعد پولس نے یہ اطمینان کر لیا کہ اب یہ رعایت ضروری نہیں ہے، تو پہلے تین احکام کو بھی اسی عام اباحت کے فتوٰی کے ذریعہ منسوخ کر دیا، جس کا ذکر مثال نمبر ۷ میں گذر چکا ہے، اور جس پر تمام پروٹسٹنٹ لوگوں کا اجماع ہے، اب توریت کے عملی احکام میں سے زنا کی حرمت کے علاوہ کوئی اور حکم باقی نہیں رہا، اور چونکہ شریعتِ عیسوی میں زنا کے لئے کوئی شرعی سزا مقرر نہیں کی گئی ہے، اس لئے عملاً یہ بھی منسوخ ہی ہو گیا نتیجۃً شریعتِ عیسوی کے ذریعہ ان تمام عملی احکام کا نسخ مکمل ہو گیا، جو شریعت میں چلے آرہے تھے، خواہ وہ ابدی اور دوامی ہوں یا غیر ابدی،

توریت سے نجات چودھویں مثال

گلتیوں کے نام خط باب ۲ آیت ۲۰ میں پولس کہتا ہے کہ:۔
"میں مسیح کے ساتھ مصلوب ہوا ہوں، اور اب میں زندہ نہ رہا، بلکہ مسیح مجھ میں زندہ ہے، اور میں جو اب جسم میں زندگی گذارتا ہوں تو خدا کے بیٹے پر ایمان لانے سے گذارتا ہوں جس نے مجھ سے محبت رکھی ہے اور اپنے آپ کو میرے لئے موت کے حوالے کر دیا، میں خدا کے فضل کو بیکار نہیں کرتا، کیونکہ راستبازی اگر شریعت[1] کے وسیلہ سے ملتی تو مسیح کا مرنا عبث ہوتا"۔

ڈاکٹر ہمنڈ آیت ۲۰ کی شرح میں کہتا ہے کہ:۔
"میرے لئے اپنی جان دے کر مجھ کو موسٰیؑ کی شریعت سے رہائی بخشی"۔

اور آیت ۲۱ کی شرح کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:۔

[1] شریعت سے مراد یہاں حضرت موسٰی علیہ السلام کی شریعت یعنی توریت ہے جیسے کہ عربی ترجموں سے معلوم ہوتا ہے ۱۲ تقی

"اس نے اس آزادی کو اسی لئے اختیار کیا، اور مجھ کو نجات کے معاملہ میں موسیٰ ؑ کی شریعت پر کوئی اعتماد نہیں ہے اور میں موسیٰ ؑ کے احکام کو ضروری نہیں سمجھتا، کیونکہ یہ چیز ساری انجیل کو بے فائدہ بنانے والی ہے"۔

ڈاکٹر ڈوٹ بی آیت ۲۱ کی شرح کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:۔

"اور اگر ایسا ہوتا تو نجات کو موت کے ذریعہ خریدنا ضروری نہ ہوتا، اور نہ ایسی موت میں کوئی خوبی ہو سکتی ہے"۔

اور رابیل کہتا ہے کہ:۔

"اگر یہودیوں کی شریعت اور ... کا ذریعہ ہوتی تو پھر عیسیٰ ؑ کو جان دینے کی کیا ضرورت تھی، اور اگر یہ شریعت ہماری نجات کا عوض ہے تو پھر مسیح کی موت اس کے لئے کافی نہ ہوگی"۔

یہ تمام اقوال اس امر کی شہادت دے رہے ہیں کہ موسیٰ ؑ کی شریعت مکمل طور پر منسوخ ہو چکی ہے۔

توریت پر عمل کرنیوالا لعنتی
پندرھویں مثال

اسی خط کے باب ۳ میں کہا گیا ہے کہ:۔

"جتنے شریعت کے اعمال پر تکیہ کرتے ہیں وہ سب لعنت کے ماتحت ہیں"[1] "شریعت کے وسیلہ سے کوئی شخص خدا کے نزدیک راستباز نہیں ٹھہرتا"[2] "شریعت کو ایمان سے کچھ واسطہ نہیں"[3] "مسیح جو ہمارے لئے لعنتی بنا، اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا"[4]

لارڈ اپنی تفسیر کی جلد ۹ کے صفحہ ۴۸۷ میں ان آیات کو نقل کرنے کے بعد کہتا ہے کہ:۔

"خیال یہ ہے کہ اس موقعہ پر حواری کا مقصد یہی ہے جس کو اکثر لوگ سمجھتے ہیں، یعنی شریعت منسوخ ہو چکی ہے، یا کم از کم مسیح کی موت اور ان کے سولی پانے کی وجہ سے بیکار ہو گئی ہے"۔

پھر اسی جلد کے صفحہ ۴۸۷ پر کہتا ہے کہ:۔

"حواری نے اس موقع پر صاف واضح کر دیا ہے کہ عیسیٰ ؑ کی موت کا نتیجہ شریعت کے مقررہ احکام کی منسوخی ہے"۔

---

[1] ۳: ۱۰، [2] ۳: ۱۱، [3] ۳: ۱۲، [4] ۳: ۱۳،

تورات ایمان کے آنے تک تھی
سولہویں مثال

اسی خط کے باب ۳ آیت ۲۳ میں پولس کہتا ہے کہ:

"ایمان کے آنے سے پیشتر شریعت کی ماتحتی میں ہماری نگہبانی ہوتی تھی، اور اس ایمان کے آنے تک جو ظاہر ہونے والا تھا ہم اس کے پابند رہے، پس شریعت مسیح تک پہنچانے میں ہمارا استاد بنی تاکہ ہم ایمان کے سبب سے راستباز ٹھہریں، مگر جب ایمان آچکا تو ہم استاد کے ماتحت نہ رہے۔" (آیت ۲۳ تا ۲۵)

اس میں مقدس پولس صاف کہہ رہا ہے کہ عیسیٰ پر ایمان لانے کے بعد اب توریت کے احکام کی اطاعت ضروری نہیں ہے، ڈی آئلی اور رچرڈ منٹ کی تفسیر میں دین اسٹائن ہوپ کا قول یوں نقل کیا گیا ہے کہ:-

"شریعت کے طریقے، عیسیٰ ع کی موت اور انجیل کے شائع ہونے پر منسوخ ہو گئے۔"

سترہویں مثال

افسیوں کے نام خط کے باب ۲ آیت ۱۵ میں لکھتا ہے کہ:-

"اس نے اپنے جسم کے ذریعہ سے دشمنی یعنی وہ شریعت جس کے حکم ضابطوں کے طور پر تھے موقوف کر دی۔"

شریعت کا بدلنا ضروری ہے
اٹھارہویں مثال

عبرانیوں کے نام خط کے باب ۷ آیت ۱۲ میں ہے:-

"اور جب کہانت بدل گئی تو شریعت کا بھی بدلنا ضروری ہے۔"

اس آیت میں امامت کے تبدل اور شریعت کے تبدل میں لزوم ثابت کیا گیا ہے، اس تلازم کے پیشِ نظر اگر مسلمان بھی شریعت عیسوی کو منسوخ مانیں تو ان کی یہ بات درست ہو گی نہ کہ غلط، ڈی آئلی اور رچرڈ مینٹ کی تفسیر میں اس آیت کی شرح کے ذیل میں ڈاکٹر میکنائٹ کا قول یوں نقل کیا گیا ہے کہ:-

"ذبیحوں اور طہارت وغیرہ کے احکام کی نسبت شریعت یقیناً تبدیل ہو چکی ہے۔"

یعنی منسوخ ہو چکی ہے،

اُنیسویں مثال

باب مذکور کی آیت ۱۸ میں یوں کہا گیا ہے کہ:-

"غرض پہلا حکم کمزور اور بے فائدہ ہونے کے سبب سے منسوخ ہو گیا"
اس آیت میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ توریت کے احکام کی منسوخی کا سبب یہ ہے کہ وہ کمزور اور بے فائدہ ہو گئے تھے:
ہنری و اسکاٹ کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ:۔
"شریعت اور کہانت جن سے تکمیل حاصل نہیں ہوتی تھی منسوخ کر دی گئیں، اور جدید کاہن اور عفو[1] کھڑے ہوئے جن سے سچوں کی تکمیل ہوئی"

توراۃ ناقص اور فرسودہ تھی بیسویں مثال

عبرانیوں کے نام خط کے باب ۸ آیت ۷ میں پولس رقمطراز ہے:۔
"کیونکہ اگر پہلا عہد[2] بے نقص ہوتا تو دوسرے کے لئے موقع نہ ڈھونڈا جاتا"
پھر آیت ۱۳ میں لکھتا ہے:۔
"جب اُس نے نیا عہد کیا تو پہلے کو پُرانا ٹھہرایا، اور جو چیز پُرانی اور مدت کی ہو جاتی ہے وہ مٹنے کے قریب ہوتی ہے"
اس قول میں اس امر کی تصریح کی جاتی ہے کہ توریت کے احکام عیب دار ہیں اور فرسودہ ہونے کی وجہ سے منسوخ ہونے کے لائق ہیں، ڈی آئلی اور رچرڈ منٹ کی تفسیر میں آیت ۱۳ کی شرح کے ذیل میں پایل کا قول یوں نقل کیا گیا ہے کہ:۔
"یہ بات خوب اچھی طرح صاف اور واضح ہے کہ خدا کی مرضی یہ ہے کہ پرانے اور ناقص کو جدید اور عمدہ پیغام کے ذریعہ منسوخ کر دے، اس لئے یہودی مذہب کو منسوخ کرتا ہے اور عیسوی مذہب کو اس کے قائم مقام بناتا ہے"

اکیسویں مثال

عبرانیوں کے نام خط کے باب ۱۰ آیت ۹ میں ہے کہ:۔
"غرض وہ پہلے کو موقوف کرتا ہے تاکہ دوسرے کو قائم کرے"

---

[1] "عفو" تمام نسخوں میں ایسا ہی ہے، اس کا مطلب میں نہیں سمجھ سکا، انگریزی مترجم نے بھی یہاں عفو کا لفظی ترجمہ PARDON کر دیا ہے، کوئی تشریح نہیں کی ۱۲ [2] پہلے عہد سے مراد باتفاق توراۃ اور نئے عہد سے مراد انجیل ہے ۱۲ تقی

ڈی آئلی اور رچرڈ منٹ کی تفسیر میں آیت ۸، ۹ کی تشریح کے ذیل میں پایل کا قول یوں نقل کیا گیا ہے کہ:۔

"حواری نے ان دونوں آیتوں میں استدلال کیا ہے اور اس کا اظہار کیا ہے کہ یہودیوں کے ذبیحے ناکافی ہیں، اسی لئے مسیح علیہ السلام نے اپنے اوپر موت کو گوارا کیا، تاکہ اس کی کمی کی تلافی کردے، اور ایک کے فعل سے دوسرے کا استعمال منسوخ کر دیا۔"

ہر باشعور انسان مذکورہ مثالوں سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد کرے گا:

نتائج

① — کسی آنے والی شریعت میں بعض احکام منسوخ ہونا مسلمانوں کی شریعت کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ ایسا گذشتہ شریعتوں میں بھی ہوتا رہا ہے،

② — شریعتِ موسوی کے تمام احکام خواہ وہ ابدی اور دوامی ہوں، یا غیر ابدی شریعتِ عیسوی میں سب منسوخ ہو گئے ہیں،

③ — توریت اور اس کے احکام کی نسبت مقدس پولس کے کلام میں بھی نسخ کا لفظ موجود ہے۔

④ — مقدس پولس نے امامت کی تبدیلی اور شریعت کی تبدیلی میں تلازم ثابت کیا ہے[1]،

⑤ — مقدس پولس کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ ہر پرانی بوسیدہ چیز مٹنے والی ہے۔

اب ہم کہتے ہیں کہ چونکہ شریعت عیسوی شریعت محمدیؐ کے مقابلہ میں پرانی ہے اس لئے اس کا منسوخ ہونا کوئی مستبعد نہیں ہے، بلکہ چوتھے نتیجہ کے ماتحت ضروری ہے، جیساکہ مثال نمبر ۱۸ میں معلوم ہو چکا ہے،

مقدس پولس اور عیسائی مفسرین نے توریت اور اس کے احکام کی نسبت اس اعتراف کے باوجود کہ وہ اللہ کا حکم ہے، نہایت نامناسب اور ناپسندیدہ الفاظ

---

[1] عبرانیوں ۷: ۱۲ کا مطلب یہی ہے کہ کاہن یا امام کی تبدیلی سے شرعی قوانین کی تبدیلی بھی ضروری ہے ۱۲ ت

استعمال کئے گئے ہیں۔

ساتواں نتیجہ ہمارے اصطلاحی معنی[1] کے لحاظ سے توریت کے احکام کے منسوخ ہونے میں کوئی اشکال نہیں ہے[2]، مگر جن احکام کی نسبت یہ تصریح کی گئی ہے کہ وہ دائمی ہیں، یا یہ کہ ان کی رعایت نسلاً بعد نسلٍ ضروری ہے ان میں ضرور اشکال واقع ہوتا ہے لیکن یہ اعتراض ہم پر اس لئے نہیں پڑتا کہ اوّل تو ہم موجودہ توریت کو خدا کی نازل کردہ یا موسیٰؑ کی تصنیف توریت تسلیم نہیں کرتے جیسا کہ باب اوّل میں بتایا جاچکا ہے،

دوسرے یہ تسلیم نہیں کیا جاسکتا کہ یہ تحریف سے محفوظ رہی ہے، جیسا کہ باب۲ میں اس دعوے کو دلائل سے مدلل کیا جاچکا ہے[3]،

پھر تیسری الزامی صورت پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کو اپنے کسی حکم یا فعل کی نسبت "بداء[4]" اور ندامت واقع ہوتی ہے، اس لئے اس لیے رجوع کرلیتا ہے، اسی طرح کوئی دائمی وعدہ کرتا ہے پھر اس کے خلاف کرلیتا ہے، یہ بات ہم لوگ صرف الزامی طور پر کہتے ہیں، اس لئے کہ عہدِ عتیق کی کتابوں کے بعض مقامات سے یہی ثابت ہوتا ہے جیسا کہ عنقریب معلوم ہوجائے گا[5]، ورنہ ہم اور تمام اہلِ سنت اس گندے اور

---

[1] یعنی کسی حکم کے بدلہ میں یہ اعلان کہ اس کی مدت ختم ہوچکی ہے، [2] اس لئے کہ زمانوں اور حالات کی تبدیلی کی بناء پر احکام وقوانین میں تبدیلی کردینا ایسی معقول بات ہے کہ اس پر کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا اور اس حقیقت کو ہم تسلیم کرتے ہیں، [3] جب موجودہ توریت ہی مشکوک ہے تو ظاہر ہے کہ جن احکام کو اس میں دائمی اور ابدی قرار دیا گیا ہے، ضروری نہیں کہ وہ واقعتاً دائمی اور ابدی ہوں، بلکہ عین ممکن ہے کہ انہیں دائمی قرار دینا بھی کسی کے "ذوقِ تحریف" ہی کا نتیجہ ہو ۱۲ تقی [4] "بداء" عربی زبان میں اس لفظ کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کے ذہن میں پہلے کوئی رائے رہی ہو، بعد میں اچانک اس پر اس کی غلطی واضح ہوجائے، اور وہ نئی رائے قائم کرلے ۱۲ [5] آگے وہ مثالیں آرہی ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ بائبل کی رُو سے خدا پچھتا بھی سکتا ہے، اور وعدہ خلافی بھی کرسکتا ہے (سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی عَمَّا یَصِفُوْنَ) توجب بائبل کا یہ عقیدہ ہے تو انہیں نسخ کے تسلیم کرنے میں کیوں اشکال ہوتا ہے؟

خبیث عقیدہ سے بیزار اور بری ہیں،

البتہ یہ اشکال ان عیسائیوں پہ لازمی طور سے پڑتا ہے جو اس بات کا اعتراف بھی کرتے ہیں کہ یہ توریت خدا کی کتاب اور موسیٰ ع کی تصنیف ہیں، اور اس میں تحریف بھی کسی قسم کی نہیں ہوئی ہے، اور یہ بھی مانتے ہیں کہ "بداء" اور ندامت دونوں عیوب خدا کی شان میں محال ہیں۔

اور یہ لوگ ان الفاظ کی جو تاویل[1] کرتے ہیں وہ انصاف سے بعید اور بہت ہی رکیک ہے، کیونکہ ان الفاظ کی مراد ہر شئے میں اس معنی کے لحاظ سے ہوگی جو اس کے مناسب ہیں، مثلاً جب ہم کسی خاص شخص کی نسبت یہ کہیں کہ وہ ہمیشہ الیسا رہے گا تو اس "ہمیشہ" کے الفاظ سے مراد اس جگہ...... اس کی زندگی کے آخر تک کی مدت ہوگی، کیونکہ ہم کو یقینی اور واضح طور پر معلوم ہے کہ یہ شخص دنیا کے خاتمہ اور قیامت تک زندہ نہیں رہے گا، مگر جب یہ الفاظ کسی بڑی قوم کے لئے استعمال کئے جائیں جو فناء عالم تک باقی رہ سکتی ہے (اگرچہ اس کے افراد نسلاً بعد نسلٍ بدلتے چلے جائیں) اور یہ کہا جائے کہ یہ لوگ ہمیشہ الیسا ہی کریں گے، تو اس کی ہمیشگی سے مراد بلاشبہ فناء عالم اور قیامت تک کا زمانہ مراد[2] ہوگا، اس لئے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا بہت ہی مستبعد ہے، اس لئے علماءِ یہود اگلے بھی اور پچھلے بھی اس تاویل کو مستبعد قرار دیتے ہیں، اور ان کو گمراہ اور بے راہ کہتے ہیں،

نسخ کی دوسری قسم[3]

پہلی مثال خدا نے ابراہیم ع کو اسحٰق ع کے ذبح کرنے کا حکم دیا تھا، پھر اس حکم کو عمل

---

[1] یعنی جن الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تورات کے احکام ابدی ہیں، ان کے بارے میں مثلاً یہ کہتے ہیں کہ اس میں "ہمیشہ" سے مراد قیامِ قیامت تک کا زمانہ نہیں، بلکہ عہدِ قدیم کی انتہاء تک کا زمانہ ہے ۱۲ تقی

[2] اس کے علاوہ ایک بات یہ بھی ہے کہ توریت میں کئی مقامات پر "ہمیشہ" کے لئے "نسلاً بعد نسلٍ" کے الفاظ بھی مذکور ہیں، مثلاً پیدائش ۱۷: ۱۲ و خروج ۱۲: ۱۲، تقی [3] حاشیہ ۳ آئندہ صفحہ پر ہے

میں آنے سے قبل منسوخ کر دیا، جس کی تصریح کتاب پیدائش باب ۲۲ میں موجود ہے،

کہانت کا وعدہ منسوخ، دوسری مثال

کتاب سموئیل اوّل باب ۲ آیت ۳۰ میں ایک نبی کا قول عیلی کاہن[1] کے حق میں یوں نقل کیا گیا ہے کہ:۔

"خداوند! اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ میں نے تو کہا تھا کہ تیرا گھرانا اور تیرے باپ کا گھرانا ہمیشہ میرے حضور پر چلے گا، پر اب خداوند فرماتا ہے کہ یہ بات مجھ سے دور ہو، کیونکہ وہ جو میری عزت کرتے ہیں میں ان کی عزت کروں گا، پر وہ جو میری تحقیر کرتے ہیں بے قدر ہوں گے"،

پھر آیت[2] ۳۴ میں ہے کہ:

"اور میں اپنے لئے ایک وفادار کاہن برپا کروں گا"

دیکھئے کہ خدا کا وعدہ تھا کہ کہانت کا منصب ہمیشہ عیلی کاہن اور اس کے باپ کے گھرانے میں رہے گا، پھر اس کے خلاف کر کے اس کو منسوخ کر دیا، اور اس کی جگہ دوسرا کاہن مقرر کر دیا، ڈی آئلی اور رچرڈ منٹ کی تفسیر میں فاضل پاترک کا قول یوں نقل کیا گیا ہے:

"خدا نے اس جگہ اس حکم کو منسوخ کر دیا، جس کا وعدہ اور اقرار کیا تھا کہ کاہنوں کا سردار ہمیشہ تم میں سے ہوگا، اور یہ کہ منصب ہارون ع کے بڑے لڑکے عازار کو دیا، پھر ہارون کے چھوٹے لڑکے تمر کو عطا کیا، عیلی کاہن کے لڑکوں کے گناہ

(گذشتہ صفحہ کا حاشیہ) ۲؎ یعنی ایک ہی شریعت میں سابقہ حکم کو منسوخ کر دینا ۱۲ ت

[1] عیلی کاہن ELI THE PRIEST بنی اسرائیل کے قدیم کاہنوں اور قاضیوں میں سے ایک ہیں جنھوں نے حضرت سموئیل علیہ السلام کی پرورش کی، بائیبل کے مطابق ان سے خدا نے وعدہ کیا تھا کہ "کاہن" کا عہدہ اُن کے گھرانے میں رہے گا، مگر ان کے بیٹوں کی بیہودگیوں کی بناء پر اللہ نے یہ عہدہ اُن کے بعد اُن کے خاندان سے ختم کر دیا (۱۔ سموئیل، باب ۱ و ۳)،

[2] تمام نسخوں میں ایسا ہی ہے، لیکن ہمارے پاس بائیبل کے نسخوں میں یہ آیت ۳۴ ہے ۳۵ نہیں ہے، غالباً یہاں کتابت کی غلطی ہوئی ہے ۱۲ ت

کے سبب یہ عہدہ عازار کاہن کی اولاد کی طرف منتقل ہوگیا":

گویا اس طرح جب تک موسیٰؑ کی شریعت باقی رہی خدا کے وعدہ میں دوبارہ خلاف ورزی ہوئی، پھر شریعت عیسوی کے ظہور کے وقت تیسری مرتبہ خلاف ورزی ہوئی، اور اس نے اس منصب کا کوئی نشان...... نہ عازار کی اولاد میں باقی چھوڑا اور نہ تمر کی اولاد میں، وہ وعدہ جو عازار کے ساتھ کیا گیا تھا اس کی کتاب گنتی باب ۲۵ میں یوں کی گئی ہے کہ :-

"میں نے اس سے اپنا صلح کا عہد باندھا اور وہ اس کے لئے اور اس کے بعد اسکی نسل کے لئے کہانت کا دائمی عہد ہوگا":

بائبل کی رُو سے خدا پچھتاتا ہے

اہلِ کتاب کے مذاق کے مطابق خدا کی وعدہ خلافی پر ناظرین کو حیران ہونے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ عہدِ عتیق کی کتابیں اس وعدہ خلافی کی شہادت دے رہی ہیں، اور اس امر کی بھی کہ خدائے تعالیٰ ایک کام کرنے کے بعد پھر پچھتاتا اور نادم ہوتا ہے، زبور نمبر ۸۸ یا ۸۹ (اختلاف تراجم کی بناء پر) کی آیت ۳۹ میں داؤد علیہ السلام کا قول خدا کو خطاب کرتے ہوئے یوں نقل کیا گیا ہے کہ :

"تو نے اپنے خادم کے عہد کو رد کر دیا، تو نے اس کے تاج کو خاک میں ملا دیا":

اور کتاب پیدائش باب ۶ آیت ۶ میں ہے کہ :-

"تب خداوند زمین پر انسان کو پیدا کرنے سے ملول ہوا، اور دل میں غم کیا اور خداوند نے کہا کہ میں انسان کو جسے میں نے پیدا کیا روئے زمین پر سے مٹا ڈالوں گا، انسان سے لیکر حیوان اور رینگنے والے جانور اور ہوا کے پرندوں تک، کیونکہ میں ان کے بنانے سے ملول ہوں": (آیات ۶، ۷)

آیت نمبر ۶ اور قول کہ "میں اُن کے بنانے سے ملول ہوں" دونوں اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ خدا کو انسان کے پیدا کرنے پر ندامت اور افسوس ہوا،

زبور نمبر ۱۰۵[1] آیت ۴۴ میں یوں ہے کہ :-

[1] موجودہ نسخوں میں یہ عبارت زبور نمبر ۱۰۶ کی ہے ۱۲

"تو بھی جب اُس نے ان کی فریاد سنی تو ان کے دُکھ پر نظر کی، اور اُس نے اُن کے حق میں اپنے عہد کو یاد کیا، اور اپنی شفقت کی کثرت کے مطابق نادم ہوا[1]"

کتاب سموئیل اوّل کے باب ۱۵ آیت ۱۱ میں خدا کا قول یوں بیان ہوا ہے کہ:۔

"مجھے افسوس[2] ہے کہ میں نے ساؤل کو بادشاہ ہونے کے لئے مقرر کیا، کیونکہ وہ میری پیروی سے پھر گیا ہے، اور اس نے میرے حکم نہیں مانے"

پھر اسی باب کی آیت نمبر ۳۵ میں یوں ہے کہ:۔

"سموئیل ساؤل کے لئے غم کھاتا رہا اور خداوند ساؤل کو بنی اسرائیل کا بادشاہ کر کے ملول ہوا"

اس موقع پر ایک خدشہ اور بھی ہے جس کو ہم فقط الزامی طور پر بیان کرتے ہیں وہ یہ کہ جب انسان کے پیدا کرنے اور ساؤل کے بادشاہ بنانے پر خدا کا شرمندہ اور نادم ہونا ثابت ہے تو ہو سکتا ہے کہ مسیحؑ کے خدائی کا دعویٰ کرنے پر خدا کو مسیح کے بھیجنے اور رسول بنانے پر افسوس اور ندامت ہوئی ہے، اس لئے کہ ایک حادث انسان کے خدائی کا دعویٰ کرنے پر کا جرم ساؤل کے نافرمانی کے مقابلہ میں بہت بڑا اور سنگین ہے، اور جس طرح خدا کو (معاذ اللہ) معلوم نہیں تھا کہ ساؤل بادشاہ بننے کے بعد نافرمانی کرے گا اسی طرح ہو سکتا ہے کہ مسیح کے متعلق بھی خدا کو معلوم نہ ہو کہ وہ خدائی کا دعویٰ کر بیٹھیں گے۔ یہ بات صرف الزامی طور پر کہی گئی ہے، کیونکہ ہم خدا کے فضل سے خدا کی ندامت کے یا عیسیٰؑ

---

[1] "نادم ہوا" یہ لفظ اظہار الحق میں عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۵ء اور انگریزی ترجمہ قدیم کے مطابق لکھا ہے، عربی کی عبارت یہ ہے وتندم حسب کثرۃ رحمتہ اور انگریزی الفاظ یہ ہیں:۔

لیکن موجودہ اردو ترجموں میں اُسے یوں بدل دیا گیا ہے:۔ "اور اپنی شفقت کی کثرت کے مطابق ترس کھایا" یہ شاید تحریف تبدیل کی تازہ مثال ہے ۱۲ تقی [2] یہ موجودہ اردو ترجمہ کی عبارت ہے، مصنف نے جس ترجمہ سے نقل کیا ہے اس کے الفاظ "ندمت الخ"، ہیں جس کے معنی ہیں "مجھے شرمندگی ہے"

کے دعوئ خدائی کے ہرگز قائل نہیں ہیں، کیونکہ ہمارے عقیدہ میں خدائی کا میدان اور مسیحؑ کی نبوت کا میدان ان کدورتوں اور گندگیوں کے خس وخاشاک سے صاف ہے،

انسان کی نجاست سے روٹی پکانے کا حکم مثال نمبر ۳

کتاب حزقی ایل باب ۴ آیت ۱۰ میں ہے کہ
"اور تیرا کھانا وزن کرکے بیس مثقال روزانہ ہوگا جو تو کھائے گا"

آیت نمبر ۱۲ میں ہے :-
"اور تو جو کے پھلکے کھانا اور توان کی آنکھوں کے سامنے انسان کی نجاست سے اُس کو پکانا"[1]
پھر آیت ۱۴ میں ہے کہ :-
"تب میں نے کہا کہ ہائے خداوند خدا، دیکھ میری جان کبھی ناپاک نہیں ہوئی، اور اپنی جوانی سے اب تک کوئی مردار چیز جو آپ ہی مرجائے، یا کسی جانور سے پھاڑی جائے میں نے ہرگز نہیں کھائی، اور حرام گوشت میرے منہ میں کبھی نہیں گیا، تب اُس نے مجھ سے فرمایا دیکھ! میں انسان کی نجاست کے عوض تجھ کو گوبر دیتا ہوں، سو تو اپنی روٹی اس سے پکانا" (آیات ۱۴: ۱۵)

گویا پہلے خدا نے انسانی پاخانہ میں روٹی کو لتھیڑنے کا حکم دیا تھا، پھر جب حزقیال علیہ السلام نے بہت گریہ وزاری کی تو اس حکم پر عمل ہونے سے پہلے ہی اس کو منسوخ کردیا، اور یہ کہا کہ میں نے انسانی پاخانہ کی بجائے تجھے گوبر دے دیا ہے،

جانور ذبح کرنے کیلئے خاص مقام کی تعیین، مثال نمبر ۴

کتاب احبار باب ۱۷ آیت ۳ میں ہے کہ :-
"اسرائیل کے گھرانے کا جو کوئی شخص بیل یا برّہ یا بکرے کو خواہ لشکر گاہ میں یا لشکر گاہ کے باہر ذبح کرے اور اُسے خیمۂ اجتماع[2] کے دروازہ پر خداوند کے مسکن کے آگے خداوند کے حضور چڑھانے کو نہ لے جائے، اس شخص پر خون کا الزام ہوگا کہ اس نے خون کیا ہے، اور وہ شخص اپنے لوگوں میں سے کاٹ ڈالا جائے" (آیات ۳: ۴)

اس کے برخلاف کتاب استثناء باب ۱۲ آیت ۱۵ میں ہے کہ :-

[1] یہ موجودہ اردو ترجمے کی عبارت ہے، اظہار الحق میں جس عربی ترجمے سے نقل کیا گیا ہے اس کے الفاظ ہیں "انسان سے نکلنے والی نجاست سے اُسے لتھیڑنا"۔ [2] خیمۂ اجتماع صفحہ مستقبل پر ہے۔

"پر گوشت کو تو اپنے سب پھاٹکوں کے اندر اپنے دل کی رغبت اور خداوند اپنے خدا کی دی ہوئی برکت کے موافق ذبح کرکے کھا سکے گا"

آگے آیت ۲۰ میں ہے کہ :-

"جب خداوند تیرا خدا اس وعدہ کے مطابق جو اُس نے تجھ سے کیا ہے تیری حد کو بڑھائے اور تیرا جی گوشت کھانے کو کرے اور تو کہنے لگے کہ میں تو گوشت کھاؤں گا تو تو جیسا تیرا جی چاہے گوشت کھا سکتا ہے، اور اگر وہ جگہ جسے خداوند نے اپنے نام کو وہاں قائم کرنے کے لئے چُنا ہو تیرے مکان سے بہت دور ہو تو تُو اپنی گائے بیل اور بھیڑ بکری میں سے جن کو خداوند نے تجھ کو دیا ہے کسی کو ذبح کر لینا اور جیسا میں نے تجھ کو حکم دیا ہے تو اُس کے گوشت کو اپنے دل کی رغبت کے مطابق اپنے پھاٹکوں کے اندر کھانا جیسے چکارے اور ہرن کو کھاتے ہیں ویسے ہی تو اسے کھانا، پاک اور ناپاک دونوں طرح کے آدمی اُسے یکساں کھا سکیں گے"۔ (آیات ۲۰ تا ۲۳)

اس میں کتاب احبار کے حکم کو سفر استثناء کے حکم سے منسوخ کر دیا گیا، ہورن اپنی تفسیر کی جلد ا صفحہ ۶۱۹ میں ان آیات کو نقل کرنے کے بعد یوں کہتا ہے کہ :-

"بظاہر ان دونوں مقامات میں تعارض ہے، مگر جب یہ دیکھا جائے کہ شریعت موسوی میں بنی اسرائیل کے حالات کے مطابق کمی بیشی ہوتی رہتی تھی، اور وہ ایسی شریعت نہیں تھی کہ جس میں تبدیلی ممکن نہ ہو تو پھر تو یہ بہت آسان ہے"۔

پھر کہتا ہے کہ :-

"موسیٰؑ نے ہجرت کے چالیسویں سال فلسطین کے داخلہ سے پہلے اس حکم کو سفر استثناء کے حکم سے صاف اور صریح طور پر منسوخ کرکے یہ حکم دیا تھا کہ فلسطین میں داخل ہونے کے بعد ان کے لئے جائز ہوگا کہ جس جگہ چاہیں گائے بکری ذبح کریں، اور کھائیں"۔

لے مصر سے نکلنے کے بعد بنی اسرائیل کو خانہ بدوشی کی زندگی میں خدا کی طرف سے ایک خیمہ بنانے کا حکم دیا گیا تھا، جو ایک گشتی عبادت گاہ کی حیثیت رکھتا تھا، اور اس وقت اُسے وہی اہمیت حاصل تھی جو بعد میں بیت المقدس کو ہوئی، اسی خیمہ کو بنانے اور قائم کرنے کے تفصیلی احکام کے لئے ملاحظہ ہو خروج باب ۳۵، ۴۰، ۱۲، تقی

غرض یہ مفسر نسخ کا اعتراف کرتا ہے اور اس کا بھی کہ شریعت موسویہ میں بنی اسرائیل کے حالات کے لحاظ سے کمی بیشی ہوتی رہتی تھی، تو پھر اہل کتاب پر تعجب ہوتا ہے کہ وہ کسی دوسری شریعت کے اوپر اس قسم کی کمی بیشی پر اعتراض کس لئے کرتے ہیں اور یہ کیوں کہتے ہیں کہ یہ خدا کے جاہل ہونے کو مستلزم ہے،

خیمۂ اجتماع کے خدّام کی تعداد، مثال نمبر ۵

کتاب گنتی باب۴ آیات ۳، ۲۳، ۳۰، ۳۵، ۳۹، ۴۳، ۴۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ خیمۂ اجتماع کے خادموں کی تعداد ۲۵ سے کم اور ۵۰ سے زیادہ نہیں ہونا چاہیئے

اور اسی کتاب کے باب۸ کی آیات نمبر ۲۴، ۲۵ میں یہ لکھا ہے کہ :- ۲۰ سے کم اور ۵۰ سے زائد نہ

اجتماعی خطا کا کفارہ مثال نمبر ۶

سفر احبار باب۴ میں ہے کہ :-

"جماعت[۲] کا کفارہ ایک بیل[۳] ہے"

اور کتاب گنتی کے باب۱۵ میں ہے کہ :-

"اس بیل کیساتھ ... اس کی نذر کی قربانی اور نیاؤں بھی چڑھائے اور خطا کی قربانی کے لئے ایک بکرا گذرانے"

اس طرح پہلا حکم منسوخ ہو گیا،

مثال نمبر ۷

کتاب پیدائش باب۶ سے خدا کا حکم یہ معلوم ہوتا ہے کہ نوح کی کشتی میں ہر جنس کے دو دو جانور داخل کئے جائیں[۵]، پرندے ہوں خواہ چار پائے۔

اور باب۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ پاک حلال جانوروں میں سے نر ہوں یا مادہ سات سات[۶] داخل کئے جائیں، اور حرام چار پایوں اور ہر قسم کے پرندوں سے دو دو۔

پھر اسی باب۷ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہر جنس کے دو دو داخل کئے گئے، تو گویا یہ

---

[۱] آیت ۱۴، ۱۵، [۲] یعنی اگر قوم سے کوئی اجتماعی غلطی بھول سے سرزد ہو جائے تو ایک بیل قربان کرنا پڑے گا، [۳] موجودہ تراجم میں بیل کے بجائے بچھڑے کا لفظ ہے، [۴] آیت ۲۴، [۵] "ہر قسم میں سے دو دو تیرے پاس آئیں تاکہ وہ جیتے بچیں" (پیدائش ۶: ۲۰) [۶] "کل پاک جانوروں میں سے سات سات نر اور ان کی مادہ، اور ان میں سے جو پاک نہیں ہیں ان کے دو دو نر اور ان کی مادہ اپنے ساتھ لینا اور ہوا کے پرندوں میں سے بھی سات سات نر اور مادہ لینا" (۷: ۲: ۳) [۷] آیت ۸، ۹،

حکم دو مرتبہ منسوخ ہوا،

حزقیاہ کی بیماری کا واقعہ
مثال نمبر ۸

کتاب سلاطین ثانی باب ۲۰ آیت ۱ میں ہے :-

"ان ہی دنوں میں حزقیاہ ایسا بیمار پڑا کہ مرنے کے قریب ہو گیا، تب یسعیاہ نبی آموس کے بیٹے نے اُس کے پاس آکر اس سے کہا کہ خداوند یوں فرماتا ہے کہ تو اپنے گھر کا انتظام کر دے، کیونکہ تو مر جائے گا اور بچنے کا نہیں، تب اُس نے اپنا مُنہ دیوار کی طرف کرکے خداوند سے یہ دعاء کی کہ اے خداوند میں تیری منت کرتا ہوں، یاد فرما کہ میں تیرے حضور سچائی اور پورے دل سے چلتا رہا ہوں، اور جو تیری نظر میں بھلا ہے وہی کیا ہے، اور حزقیاہ زار زار رویا، اور ایسا ہوا کہ یسعیاہ نکل کر شہر کے بیچ کے حصہ تک پہونچا بھی نہ تھا کہ خداوند کا کلام اُس پر نازل ہوا، کہ لوٹ اور میری قوم کے پیشوا حزقیاہ سے کہہ کہ خداوند تیرے باپ داؤد ؑ کا خدا یوں فرماتا ہے کہ میں نے تیری دُعاء سُنی، اور میں نے تیرے آنسو دیکھے، دیکھ میں تجھے شفا دوں گا، اور تیسرے دن تو خدا کے گھر میں جائے گا، اور میں تیری عمر پندرہ برس اور بڑھا دوں گا" (آیات ۱ تا ۶)

دیکھئے اللہ نے اشعیاہ ؑ کی زبانی حزقیاہ کو حکم دیا تھا کہ چونکہ تو مرنے والا ہے اس لئے اپنے گھر والوں کو وصیت کر دے، ابھی اشعیاہ ؑ کا حکم پہنچا کر شہر کے وسط میں بھی نہ پہنچے تھے کہ پہلے حکم کو منسوخ کر دیا، اور ان کی زندگی میں پندرہ سال کا اضافہ کر دیا،

حواریوں کو حکم تبلیغ
مثال نمبر ۹

انجیل متی باب ۱۰ آیت ۵ میں یوں کہا گیا ہے کہ

"ان بارہ کو یسوع ؑ نے بھیجا، اور ان کو حکم دے کر کہا غیر قوموں کی طرف نہ جانا، اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا، بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا"

انجیل متی کے باب ۱۵ میں مسیح ؑ کا قول خود اپنے حق میں اس طرح لکھا ہے کہ :-

"میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا"

ان آیات سے معلوم ہوا کہ عیسیٰ ؑ اپنے رسولوں کو صرف بنی اسرائیل کی طرف بھیجا کرتے تھے

انجیل مرقس باب ۱۶ آیت ۱۵ میں ان کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ:۔

"تم تمام دنیا میں جاکر ساری خلق کے سامنے انجیل کی منادی کرو"۔

لہٰذا پہلا حکم منسوخ ہوگیا[1]

توریت پر عمل کا حکم مثال نمبر ۱۰

انجیل متی باب ۲۳ آیت ۱ میں ہے کہ:۔

"اس وقت یسوع ؑ نے بھیڑ سے اور اپنے شاگردوں سے یہ باتیں کہیں کہ فقیہ اور فریسی موسیٰ ؑ کی گدی پر بیٹھے ہیں پس جو کچھ وہ تمھیں بتائیں وہ سب کرو اور مانو"۔

اس میں یہ حکم دیا جارہا ہے کہ وہ جو کچھ کہیں اس پر عمل کرو، اور اس میں کوئی بھی شک نہیں کہ فریسی توریت کے تمام عملی احکام کو بالخصوص دوامی احکام پر عمل کرنے کو کہتے ہیں حالانکہ وہ سب شریعتِ عیسوی میں منسوخ ہیں، جیساکہ پہلی قسم کی مثالوں میں تفصیل سے معلوم ہوچکا ہے[2]، اس میں یہ حکم یقینی طور پر منسوخ ہوگیا،

علماء پروٹسٹنٹ کی حالت پر بڑا تعجب ہوتا ہے کہ وہ مسلم عوام کو دھوکہ دینے کے لئے ان آیات کو اپنے رسالوں میں توریت کے نسخ کے باطل ہونے پر استدلال کرنے کے لئے نقل کرتے رہتے ہیں، اس سے لازم آتا ہے کہ یہ سب واجب القتل ہوں، کیونکہ یہ لوگ سبت کی تعظیم نہیں کرتے، حالانکہ اس کی بے توقیری کرنے والا توریت کے حکم کے مطابق واجب القتل ہے، جیساکہ قسم اوّل کی مثالوں میں نمبر ۹ کے ذیل میں معلوم ہوچکا ہے،

مثال نمبر ۱۱

مثال نمبر ۱۳[3] میں یہ بات گزر چکی ہے کہ حواریوں نے مشورہ کے بعد چار احکام کے سوا توریت کے تمام عملی احکام کو منسوخ کر دیا تھا، پھر پولس نے ان چار میں سے بھی تین کو منسوخ قرار دیا،

مثال نمبر ۱۲

انجیل لوقا باب ۹ آیت ۵۶ میں مسیح ؑ کا قول یوں بیان کیا گیا ہے کہ:۔

"ابن آدم لوگوں کی جان برباد کرنے نہیں بلکہ بچانے آیا ہے"۔

---

[1] واضح رہے کہ دوسرا حکم بقول مرقس عروج آسمانی سے کچھ ہی پہلے دیا گیا ہے، اس لئے کراسے ناسخ قرار دینے کے سوا چارہ نہیں، [2] ملاحظہ ہو صفحہ ۸۳۷ تا ۸۴۱ جلد ہذا، [3] دیکھئے ص ۸۳۷ جلد ہذا،

انجیل یوحنا کے باب ۳ آیت ۱۷ اور باب ۱۲ آیت ۴۷ میں بھی اسی طرح ہے[۵۱]، لیکن تھسلنیکیوں کے نام دوسرے خط کے باب ۲ آیت ۸ میں یوں کہا گیا ہے کہ :-

"اُس وقت وہ بے دین ظاہر ہوگا جسے خداوند یسوع اپنے مُنہ کی پھونک سے ہلاک اور اپنی آمد کی تجلی سے نیست کرے گا"۔

اس میں دوسرا قول اوّل کے لئے ناسخ ہے،

ان آخری چاروں مثالوں نمبر ۹ تا ۱۲ سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ انجیل کے احکام میں بالفعل نسخ موجود ہے، نہ کہ صرف امکان، کیونکہ مسیح نے بھی اپنے بعض احکام کو بعض سے منسوخ کر دیا، اور حواریوں نے بھی مسیحؑ کے بعض احکام کو اپنے احکام سے منسوخ کر دیا، اور پولس نے حواریوں کے بعض احکام منسوخ کئے، بلکہ عیسیٰؑ کے بعض اقوال کو بھی اپنے احکام اور اقوال سے منسوخ کر ڈالا،

حضرت مسیح کے قول سے استدلال غلط ہے

یہ بات بھی آپ پر روشن ہو ہوگئی ہے کہ انجیل متی باب ۲۴ آیت ۳۵ میں اور انجیل لوقا باب ۲۱ آیت ۳۳ میں عیسیٰؑ کا جو قول نقل کیا گیا ہے[۵۲] اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ میرا کوئی قول اور حکم منسوخ نہیں ہوسکتا، ورنہ عیسائیوں کی انجیلوں کا جھوٹا ہونا لازم آئے گا، بلکہ الفاظ "میری باتیں" سے وہ مخصوص بات مراد ہے جس میں آپ نے آئندہ پیش آنے والے واقعات کی خبر دی ہے جو اس قول سے پہلے انجیلوں میں مذکور ہیں[۵۳]، اس لئے "میری باتیں"، میں اضافتِ عہدی ہے نہ کہ استغراقی[۵۴]،

یہ بات ہم اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ عیسائی مفسرین نے بھی عیسیٰؑ کے

---

[۵۱] "میں دنیا کو مجرم ٹھہرانے نہیں بلکہ نجات دینے آیا ہوں" (یوحنا ۱۲ : ۴۷) [۵۲] آسمان اور زمین ٹل جائیں گے لیکن میری باتیں ہرگز نہ ٹلیں گی" (لوقا ۲۱ : ۳۳) [۵۳] اس قول سے پہلے قیامت کی بعض علامتیں ذکر کی گئی ہیں، اور ساتھ ہی کہا گیا ہے کہ "جب تک یہ سب باتیں نہ ہولیں یہ نسل ہرگز تمام نہیں ہوسکتی" ۱۲ ت ، [۵۴] یعنی "میری باتیں"، سے ہر ایک بات مراد نہیں، بلکہ چند مخصوص باتیں مراد ہیں جن کا ذکر پہلے آچکا ہے ۱۲ ت

اس قول کو ہمارے بیان کردہ معنی پر محمول کیا ہے، چنانچہ ڈی آئلی اور رچرڈ منٹ کی تفسیر میں انجیل متی کی عبارت کی شرح کے ذیل میں یوں کہا گیا ہے کہ:۔

"پادری بیروس کہتا ہے کہ "اس کا مطلب یہ ہے کہ جن واقعات کی میں نے پیشن گوئی کی ہے وہ یقیناً واقع ہوں گے" دین اسٹاین ہوپ کہتا ہے کہ "آسمان و زمین اگرچہ دوسری چیزوں کی نسبت تبدیل ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے، لیکن ان واقعات کو آئندہ کی خبروں کے مقابلہ جن کی میں نے خبر دی ہے آسمان و زمین مضبوط نہیں ہیں، پس آسمان و زمین بھی سب مٹ سکتے، مگر میری بیان کردہ پیشینگوئیاں نہیں مٹ سکتیں، بلکہ جو بات میں نے اب کہی ہے اس کی مراد و مطلب سے ایک انچ بھی تجاوز نہیں ہوگا"

اس لئے اس قول سے استدلال کرنا غلط ہے،

نسخ کی دونوں قسموں کی مثالیں معلوم ہو جانے کے بعد اس امر میں اب کوئی شک کی گنجائش باقی نہیں رہ گئی ہے کہ شریعت عیسوی اور موسوی دونوں ہی میں نسخ واقع ہوا ہے، اور یہ کہ اہل کتاب کا یہ دعویٰ کہ نسخ محال ہے، غلط ہے، اور کیوں نہ ہو، جب کہ زمان و مکان اور مکلفین کے اختلاف سے مصالح بدلتی رہتی ہیں، چنانچہ بعض احکام بعض اوقات مکلفین کے مناسب ہوتے ہیں، دوسرے احکام مناسب نہیں ہوتے،

غور کیجئے کہ مسیح اپنے حواریوں کو خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

"مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہیں، مگر اب تم اُن کی برداشت نہیں کر سکتے، لیکن جب وہ یعنی سچائی کا رُوح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا"

جس کی تصریح انجیل یوحنا باب ۱۶ میں موجود ہے،

نیز مسیح ؑ نے اس کوڑی سے جس کو آپ نے شفاء دی تھی یہ فرمایا کہ اس واقعہ کی کسی کو خبر مت دینا، جس کی تصریح انجیل متی باب ۸ میں موجود ہے،

اور جن دو اندھوں کی آنکھیں آپ نے روشن کر دی تھیں ان سے یوں فرمایا کہ اس واقعہ کی اطلاع کسی کو مت کرنا، جس کی تصریح انجیل متی باب ۹ میں موجود ہے،

اور جس بچی کو آپ نے زندہ کیا تھا اُس کے والدین سے فرمایا کہ جو کچھ پیش آیا ہے اس کی خبر کسی کو مت کرنا، جس کی تصریح انجیل لوقا باب ۸ میں موجود ہے،

اُس کے برعکس جس شخص سے آپ نے بدرُوحوں کو نکالا تھا اُس کو حکم دیا تھا کہ اپنے گھر جا، اور جو کچھ خدا نے تیرے ساتھ کیا ہے اس کی خبر دوسروں کو دے، جس کی تصریح اسی باب میں ہے،

نیز قسم اوّل کی مثال ..... نمبر ۶، ۱۳ کے ذیل میں اور قسم ثانی کی مثال نمبر ۴ میں زیرِ بحث معاملے سے متعلق بہت کچھ آپ کو معلوم ہو چکا ہے، اسی طرح یہ بھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ بنی اسرائیل کو مصر کے قیام کے دوران کافروں سے جہاد کی اجازت نہیں ملی، اور خروجِ مصر کے بعد جہاد فرض ہو گیا ؛

باب ۴ چہارم

مقدمہ،

تثلیث، عقل کی کسوٹی پر،

تثلیث، اقوال مسیح کی روشنی میں،

تثلیث انجیل کی کسی بھی آیت سے ثابت نہیں،

خدا تین نہیں ہو سکتے

مقدمہ

بارہ[۱۲] باتیں جو مقصد تک پہونچنے کیلئے سامان بصیرت ہیں

خدا کون ہے؟ پہلی بات عہد عتیق کی کتابیں اس امر کی شہادت دیتی ہیں کہ اللہ ایک ہے اور ازلی اور ابدلی ہے، جس کو موت نہیں آسکتی، اور وہ ہر چیز کے کرنے پر قادر ہے، بے مثل ہے، نہ ذات میں اس کے سوا کوئی مماثل ہے، اور نہ صفات میں، جسم وصورت سے پاک ہے ان کتابوں میں یہ چیز اپنی شہرت اور کثرت کی وجہ سے شواھد اور مثالوں کی محتاج نہیں ہے،

معبود وہی ہے، دوسری بات اللہ کے سوا دوسرے کی عبادت حرام ہے، اور اس کی حرمت توریت کے اکثر مقامات میں مثلاً کتاب خروج باب[۲۰] و باب[۳۴] میں صاف صاف بیان کی گئی ہے، نیز کتاب استثناء باب[۱۳] میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ اگر کسی نبی یا کسی مدعی الہام نے خواب میں غیر اللہ کی عبادت کی

دعوت دی، تو ایسے داعی کو خواہ وہ کتنے ہی بڑے معجزات کیوں نہیں رکھتا ہو قتل کیا جائے گا، اس طرح اگر کوئی شخص کسی عزیز یا دوست کو اس فعل کی ترغیب دے گا تو ایسے شخص کو سنگسار کر دیا جائے گا،

اور اسی کتاب کے باب ۱۷ میں یہ لکھا ہے کہ اگر کسی شخص پر غیر اللہ کی عبادت کا جرم ثابت ہو جائے گا تو اُسے بھی سنگسار کیا جائے گا خواہ مرد ہو یا عورت،

عہد عتیق میں خدا کے لئے اعضاء کا ذکر، تیسری بات

عہدِ عتیق کی بے شمار آیتوں میں خدا کے لئے جسمیت اور شکل و اعضاء کا ذکر کیا گیا ہے، مثلاً پیدائش باب ۱ آیت ۲۶ و ۲۷ اور باب ۹ آیت ۶ میں خدا کے لئے شکل و صورت ثابت کی گئی ہے، کتاب یسعیاہ باب ۵۹ آیت، ایں خدا کے لئے "سر" ثابت کیا گیا ہے، کتاب دانیال باب ۷ آیت ۹ میں سر اور بال ثابت کئے گئے ہیں،

زبور نمبر ۴۳ آیت ۳ میں چہرہ، ہاتھ اور بازو کو ثابت کیا گیا ہے، کتاب الخروج باب ۳۳ آیت ۲۳ میں چہرہ اور گدّی ثابت کی گئی ہے، زبور نمبر ۳۳ آیت ۱۵ میں آنکھ اور کان ثابت کئے گئے ہیں،

اسی طرح کتاب دانیال کے باب ۹ میں آنکھ اور کان کا اثبات ہوا ہے، نیز سلاطین اوّل باب ۸ آیت ۲۹ و ۵۲ اور یرمیاہ باب ۱۶ آیت ۱۷ اور باب ۳۲ آیت ۱۹ میں اور کتاب ایوب باب ۳۴ آیت ۲۱ میں اور کتاب الامثال باب ۵ آیت ۲۱ اور باب ۱۵ آیت ۳ میں آنکھ ثابت کی گئی ہے،

اور زبور نمبر ۱۰ آیت ۴ میں آنکھوں اور پلکوں کو ثابت کیا گیا ہے، زبور نمبر ۱۷ آیت ۶، ۸، ۹، ۱۰ میں کان، پاؤں، ناک اور منہ ثابت کئے گئے ہیں، کتاب یسعیاہ باب ۳۰ آیت ۲۷ میں ہونٹ اور زبان ثابت کئے گئے ہیں، استثناء باب ۳۳ میں ہاتھ پاؤں ثابت کئے گئے ہیں، خروج باب ۳۱ آیت ۱۸ میں انگلیاں ثابت کی گئی ہیں،

کتاب یرمیاہ باب ۴ آیت ۱۹ میں پیٹ اور دل کا ذکر کیا گیا ہے، کتاب یسعیاہ باب ۲۱ میں پیٹھ کا ذکر ہے، اور زبور نمبر ۲ آیت ۷ میں شرمگاہ کا بیان ہے،

اعمال الحواریین باب ۲۰ آیت ۲۸ میں خون کا ذکر کیا گیا ہے،

توریت کی دو آیتوں میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ شکل و صورت سے منزّہ ہے، اور اس کے اعضاء و جوارح نہیں ہیں، چنانچہ استثناء باب ۴ آیت ۱۲ میں ہے:

"اور خداوند نے اس آگ میں سے ہو کر تم سے کلام کیا، تم نے باتیں تو سنیں، لیکن کوئی صورت نہ دیکھی، فقط آواز ہی آواز سنی"

پھر آیت ۱۵ میں ہے:-

"سو تم خوب ہی احتیاط رکھنا، کیونکہ تم نے اس دن جب خداوند نے آگ میں سے ہو کر حورب میں تم سے کلام کیا، کسی طرح کی کوئی صورت نہیں دیکھی"

اور چونکہ ان دونوں آیتوں کا مضمون دلیل عقلی کے مطابق ہے، اس لئے بجائے ان دو آیتوں کے ان بہت سی آیات کی تاویل ضروری ہے جن کے حوالے اوپر دیئے گئے ہیں، اس موقع پر اہل کتاب بھی ہماری موافقت کرتے ہیں، اور ان بہت سی آیات کو ان دو آیتوں پر ترجیح نہیں دیتے،

اور جس طرح خدا کے لئے جسمانی ہونا ظاہر کیا گیا ہے، اسی طرح اس کے لئے مکانیت بھی ثابت کی گئی ہے، عہدِ عتیق و جدید کی بہت سی آیات مثلاً خروج باب ۲۵ آیت ۸ اور باب ۲۹ آیت ۴۵، ۴۶ اور گنتی باب ۵ آیت ۳ باب ۳۵ آیت ۳۴ اور کتاب استثناء باب ۲۶ آیت ۱۵، سموئیل الثانی باب ۷ آیت ۵، ۶، سلاطین اوّل باب ۸ آیت ۳۰، ۳۲، ۳۴، ۳۶، ۳۹، ۴۵، ۴۹، اور زبور نمبر ۹ آیت ۱۱ اور زبور نمبر ۱۰ آیت ۴ اور زبور نمبر ۲۵ آیت ۸، زبور نمبر ۷۶ آیت ۱۶، زبور نمبر ۷۳ آیت ۲، زبور نمبر ۷۵ آیت ۲، زبور نمبر ۹۸ آیت ۱، زبور نمبر ۱۳۴ آیت ۲۱، یوئیل باب ۳ آیت ۱۷ و ۲۱، کتاب زکریا باب ۸ آیت ۳، انجیل متی باب ۵ آیت ۴۵ و ۴۸، باب ۶ آیت ۱، ۹، ۱۴، ۲۶، باب ۷ آیت ۱۱ و ۲۱، باب ۱۰ آیت ۳۲ و ۳۳، باب ۳ آیت ۵۰، باب ۱۵ آیت ۱۳، باب ۱۶ آیت ۱۷، باب ۱۸ آیت ۱۰، ۱۴، ۱۹، ۳۵، باب ۲۳ آیت ۹، ۲۲ میں خدا کے لئے مکان ثابت کیا گیا ہے[1]، (حاشیہ [1] آئندہ صفحہ پر دیکھیں)

عہد عتیق وجدید کی کتابوں میں ایسی آیات بہت کم پائی جاتی ہیں جو خدائے تعالیٰ کے مکانیت سے منزہ ہونے پر دلالت کرتی ہوں، مثلاً کتاب یسعیاہ باب ۶۶ آیت[1] ۱ و ۲ یا اعمال الحواریین باب[2] ۷ کی آیت ۴۸، مگر چونکہ ان قلیل آیات کا مضمون دلائل کے مطابق ہے، اس لئے اُن بہت سی آیات کی تاویل کرنا پڑے گی جن سے خدا کے لئے مکانیت کا اثبات ہوتا ہے، نہ کہ ان قلیل آیات کی، چنانچہ اس تاویل کے سلسلہ میں اہل کتاب بھی ہماری موافقت کرتے ہیں،

پس اس تیسری بات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ آیات اگرچہ بہت سی ہوں لیکن اگر وہ دلائل کے مخالف ہوں تو اُن کو اُن تھوڑی آیات کی طرف لوٹانا ضروری ہے، جو دلائل کے موافق ہوں، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کے برعکس اگر زیادہ آیات دلائل کے موافق ہوں اور تھوڑی آیات مخالف ہوں تو بدرجۂ اولیٰ ان میں تاویل ضروری ہوگی۔

بعض اوقات الفاظ کے مجازی معنیٰ مراد ہوتے ہیں؛ چوتھی بات

امر سوم میں یہ بات معلوم ہوچکی ہے کہ خدا کی نہ کوئی شکل ہے نہ صورت، عہد جدید میں بھی اس امر کی تصریح پائی جاتی ہے کہ دنیا میں خدا کا دیکھا جانا محال ہے، انجیل یوحنا باب ۱ آیت ۱۸ میں ہے کہ:-

"خدا کو کسی نے کبھی نہیں دیکھا"

اور تیمتھیس کے نام پہلے خط کے باب ۶ آیت ۱۶ میں ہے کہ:-

"نہ اُسے کسی انسان نے دیکھا اور نہ دیکھ سکتا ہے"

(صفحہ گذشتہ کا حاشیہ ۱ ملاحظہ ہو) ان سب حوالوں میں سے بطور مثال ایک عبارت ملاحظہ فرمائیے:-

"اور وہ میرے لئے ایک مقدس بنائیں، تاکہ میں ان کے درمیان سکونت کروں" (خروج ۲۵: ۸)

[1] "آسمان میرا تخت ہے اور زمین میرے پاؤں کی چوکی، تم میرے لئے کیا گھر بناؤ گے، اور کونسی جگہ میری آرامگاہ ہوگی" (یسعیاہ ۶۶: ۱)

[2] "باری تعالیٰ ہاتھ کے بنائے ہوئے گھروں میں نہیں رہتا" (اعمال ۷: ۴۸)

اور یوحنا کے پہلے خط کے باب ۴ آیت ۱۲ میں ہے کہ :-

"خدا کو کبھی کسی نے نہیں دیکھا"

ان آیات سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ جو دیکھا جا سکتا ہے وہ کبھی خدا نہیں ہو سکتا، اگر خدا کے کلام میں یا نبیوں اور حواریوں کے کلام میں اس پر خدا کا اطلاق کیا گیا ہو تو محض "اللہ" کے اطلاق سے کسی کو دھوکا نہیں کھانا چاہیئے، اس پر بعض لوگوں کے دل میں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ لفظ "اللہ" کو خدا کے علاوہ کسی اور معنی میں لینا ایک مجاز یا استعارہ ہوگا، اور حقیقی معنیٰ کو چھوڑ کر مجازی معنیٰ کیوں لے جائیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کلام کے اندر کچھ ایسے قرائن پائے جا رہے ہوں جن کی بناء پر حقیقی معنی مراد نہ لئے جا سکتے ہوں تو ایسی صورت میں مجازی معنی مراد لینا ضروری ہو جاتا ہے، بالخصوص جب کہ حقیقی معنیٰ کا امکان نہ ہونے پر یقینی دلائل موجود ہوں،

بلاشبہ اس قسم کے الفاظ کے غیر اللہ کے لئے استعمال کئے جانے کی ہر محل و موقع کے لئے ایک معقول اور مناسب وجہ ہو سکتی ہے، مثلاً اُن پانچ کتابوں میں جو موسیٰ ع کی جانب منسوب ہیں، اس قسم کے الفاظ ملائکہ کے لئے اسی واسطے استعمال ہوئے ہیں کہ ان میں خدا کا جلال دوسری مخلوق کی نسبت زیادہ نمایاں ہے، چنانچہ کتاب خروج باب ۲۳ آیت ۲۰ میں اللہ تعالیٰ کا قول اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ :-

"دیکھ میں ایک فرشتہ تیرے آگے آگے بھیجتا ہوں کہ راستہ میں تیرا نگہبان ہو، اور تجھے اس جگہ پہونچا دے جسے میں نے تیار کیا ہے، تم اس کے آگے ہوشیار رہنا اور اس کی بات ماننا، اُسے ناراض نہ کرنا، کیونکہ وہ تمہاری خطا نہیں بخشے گا اس لئے کہ میرا نام اس میں رہتا ہے" (آیات ۲۰ و ۲۱)

پھر آیت ۲۳ میں ہے کہ :-

"اس لئے کہ میرا فرشتہ تیرے آگے آگے چلے گا، اور تجھے اموریوں اور حتّیوں، اور فرزیوں اور کنعانیوں اور حویوں اور یبوسیوں میں پہنچا دے گا، اور میں ان کو ہلاک

کر ڈالوں گا"۔

اس قول میں یہ عبارت کہ " میں اپنا فرشتہ تیرے آگے بھیجوں گا" اسی طرح " میرا فرشتہ تیرے آگے الخ " صاف اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے ساتھ دن میں بادل[۱] کے ستون میں اور رات کو آگ کے ستون میں جو چلا کرتا تھا وہ کوئی فرشتہ تھا، اور اس پر اس قسم کے الفاظ[۲] کا اطلاق کیا گیا، اس کی وجہ وہی ہے جو ہم نے بیان کی ہے،

غیر اللہ پر لفظ خدا کا اطلاق بائبل میں

ایسے الفاظ کا اطلاق تو بے شمار مقامات پر فرشتہ اور انسان کامل پر، بلکہ معمولی انسان پر، بلکہ شیطان مردود پر، بلکہ غیر ذوی العقول پر بھی کیا گیا ہے، بعض مقامات پر ان الفاظ کی تفسیر بھی ملتی ہے، اور بعض موقعوں پر تو سیاقِ کلام اس قدر صاف دلالت کرتا ہے کہ دیکھنے والے کے لئے اشتباہ کا موقع باقی نہیں رہتا،

اب ہم اس سلسلہ کی شہادتیں آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں، اور عہدِ عتیق کی عبارت اُس عربی ترجمہ سے جو لندن میں ۱۸۴۴ء میں طبع ہوا ہے، نقل کرتے ہیں، اور عہد جدید کی عبارت بھی اُس ترجمہ سے یا اُس عربی ترجمہ سے جو بیروت میں ۱۸۶۰ء میں طبع ہوا ہے نقل کریں گے، ہم اس مقام کی پوری عبارت نقل نہیں کریں گے، بلکہ صرف وہ آیات نقل کریں گے جن سے اس مقام پر ہماری غرض متعلق ہے اور دوسری غیر مقصود آیات کو چھوڑتے جائیں گے، ملاحظہ ہوں:۔

کتاب پیدائش باب ۱ آیت ۱ میں یوں کہا گیا ہے:۔

---

[۱] جب بنی اسرائیل مصر سے نکل کر جا رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی سہولت کے لئے یہ انتظام فرما دیا کہ دن میں ان کے اوپر ایک بادل سایہ ڈالتا ہوا چلتا تھا، اور رات کو اسی میں آگ پیدا ہو جاتی تھی تاکہ وہ راستہ کا پتہ لگا سکیں، مصنفؒ اسی کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں ۱۲ ت

[۲] چنانچہ خروج ۴۰: ۳۴ میں ہے: "تب خیمۂ اجتماع پر ابر چھا گیا اور مسکن خداوند کے جلال سے معمور ہو گیا"، دیکھئے یہاں پر اس فرشتہ کے لئے خدا کا لفظ استعمال کیا گیا ہے ۱۲ ت

"جب ابرام ننانوے برس کا ہوا تب خداوند ابرام کو نظر آیا اور اس سے کہا کہ میں خدائے قادر ہوں، تو میرے حضور میں چل، اور کامل ہو، اور میں اپنے اور تیرے درمیان عہد باندھوں گا اور تجھے بہت زیادہ بڑھاؤں گا، تب ابرام سرنگوں ہوگیا اور خدا نے اس سے ہمکلام ہوکر فرمایا کہ دیکھ میرا عہد تیرے ساتھ ہے، اور تو بہت قوموں کا باپ ہوگا"
(آیات ۱ تا ۴)

پھر آیت ۷ میں ہے :-

"اور میں اپنے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان ان کی سب پشتوں کے لئے اپنا عہد جو ابدی عہد ہوگا باندھوں گا، تاکہ میں تیرا اور تیرے بعد تیری نسل کا خدا رہوں، اور میں تجھ کو اور تیرے بعد تیری نسل کو کنعان کا تمام ملک جس میں تو پردیسی ہے ایسا دوں گا کہ وہ دائمی ملکیت ہوجائے اور میں ان کا خدا ہوں گا، پھر خدا نے ابراہام سے کہا الخ" (آیات ۷ تا ۹)

اس باب کی آیت ۱۵، ۱۸، ۲۹، ۲۲ میں علی الترتیب یہ الفاظ ہیں :-

"اور خدا نے ابراہام سے کہا ـــــــ اور ابراہام نے خدا سے کہا ـــــــ تب خدا نے فرمایا ـــــــ اور جب خدا ابراہام سے باتیں کر چکا ـــــــ"

ان آیتوں میں حضرت ابراھیم علیہ السلام سے گفتگو کرنے والے کے لئے لفظ "خدا" استعمال کیا گیا ہے، حالانکہ یہ متکلم جو ابراھیم علیہ السلام کو نظر آیا تھا، اور کلام کر رہا تھا یہ درحقیقت فرشتہ تھا، سیاق کلام بالخصوص آخری فقرہ کہ "اس کے پاس سے اوپر چلا گیا" اس کی شہادت دے رہا ہے، اب دیکھئے اس عبارت میں اس فرشتہ پر لفظ "اللہ" اور "رب" اور "معبود" کا اطلاق جگہ جگہ کیا گیا ہے، بلکہ فرشتہ نے خود ہی یہ الفاظ اپنے لئے استعمال کئے کہ "میں خدا ہوں، اور تاکہ میں تیرا اور تیری اولاد کا معبود ہوں"

اسی طرح اس قسم کے الفاظ کتاب پیدائش باب ۱۸ میں اس فرشتہ کے لئے بھی استعمال کئے گئے ہیں جو ابراھیم علیہ السلام کو دوسرے دو فرشتوں کے ہمراہ نظر آیا تھا جس نے آپ کو اسحٰق ؑ کی ولادت کی بشارت دی تھی، اور اس امر کی اطلاع دی

سمجھی کہ عنقریب لوط کی بستیاں برباد کی جائیں گی، بلکہ اس کتاب میں غیر کے لئے خدا کا لفظ چودہ[14] جگہ استعمال کیا گیا ہے، نیز اسی کتاب کے باب ۲۸ آیت ۱۰ میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے وطن روانہ ہونے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:-

"اور یعقوب بیر سبع سے نکل کر حاران کی طرف چلا، اور ایک جگہ پہنچ کر ساری رات وہیں رہا، کیونکہ سورج ڈوب گیا تھا، اور اس نے اس جگہ کے پتھروں میں سے ایک اٹھا کر اپنے سرہانے دھر لیا، اور اس جگہ سونے کو لیٹ گیا، اور خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک سیڑھی زمین پر کھڑی ہے، اور اس کا سر آسمان تک پہنچا ہوا ہے، اور خدا کے فرشتے اس پر سے اترتے چڑھتے ہیں، اور خداوند اس کے اوپر کھڑا کہہ رہا ہے کہ میں خداوند تیرے باپ ابرہام کا خدا اور اضحاق کا خدا ہوں، میں یہ زمین جس پر تو لیٹا ہے تجھے اور تیری نسل کو دوں گا، اور تیری نسل زمین کی گرد کے ذروں کے مانند ہوگی، اور تو مشرق و مغرب اور شمال وجنوب میں پھیل جائے گا، اور زمین کے سب قبیلے تیرے اور تیری نسل کے وسیلہ سے برکت پائیں گے،

اور دیکھ میں تیرے ساتھ ہوں، اور ہر جگہ جہاں کہیں تو جائے تیری حفاظت کروں گا اور تجھ کو اس ملک میں پھر لاؤں گا، اور جو میں نے تجھ سے کہا ہے جب تک اسے پورا نہ کرلوں تجھے نہیں چھوڑوں گا،

تب یعقوب جاگ اٹھا اور کہنے لگا یقیناً خداوند اس جگہ ہے اور مجھے معلوم نہ تھا اور اس نے ڈر کر کہا یہ کیسی بھیانک جگہ ہے، سو یہ خدا کے گھر اور آسمان کے آستانہ کے سوا اور کچھ نہ ہوگا، اور یعقوب صبح سویرے اٹھا، اور اس پتھر کو جسے اس نے اپنے سرہانے دھر اتھا لے کر ستون کی طرح کھڑا کیا، اور اس کے سرے پر تیل ڈالا، اور اس جگہ کا نام بیت ایل رکھا، لیکن پہلے اس بستی کا نام لوز تھا، اور یعقوب نے منت مانی، اور کہا کہ اگر خدا میرے ساتھ رہے اور جو سفر میں کر رہا ہوں اس میں میری حفاظت کرے، اور مجھے کھانے کو روٹی

اور پہننے کو کپڑا دیتا رہے اور میں اپنے باپ کے گھر سلامت لوٹ آؤں تو خداوند میرا خدا ہوگا، اور یہ پتھر جو میں نے ستون سا کھڑا کیا ہے خدا کا گھر ہوگا اور جو کچھ تو مجھے دے اس کا دسواں حصہ ضرور ہی تجھے دیا کروں گا۔" (آیات ۱۰ تا ۲۲)

پھر اسی کتاب کے باب ۳۱ آیت ۱۱ میں ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی بیویوں لیاہ اور راخیل سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اور خدا کے فرشتہ نے خواب میں مجھ سے کہا، اے یعقوب! میں نے کہا کہ میں حاضر ہوں، تب اس نے کہا۔۔۔۔ میں بیت ایل کا خدا ہوں جہاں تو نے ستون پر تیل ڈالا، اور میری منت مانی، بس اب اٹھ اور اس ملک سے نکل کر اپنی زاد بوم کو لوٹ جا۔" (آیات ۱۱ تا ۱۳)

آگے چل کر باب ۳۲ آیت ۹ میں حضرت یعقوبؑ ہی کا قول اس طرح منقول ہے:۔

"اور یعقوبؑ نے کہا اے میرے باپ ابرہام کے خدا اور میرے باپ اضحاق کے خدا، اے خداوند جس نے مجھ سے یہ فرمایا کہ تو اپنے ملک کو اپنے رشتہ داروں کے پاس لوٹ جا۔"

پھر آیت ۱۲ میں ہے:۔

"یہ تیرا ہی فرمان ہے کہ میں تیرے پاس ضرور بھلائی کروں گا، اور تیری نسل کو دریا کی ریت کے مانند بناؤں گا جو کثرت کے سبب گنی نہیں جا سکتی۔"

آگے باب ۳۵ آیت ۱ میں ہے کہ:۔

"اور خدا نے یعقوب سے کہا اٹھ! بیتِ ایل کو جا اور وہیں رہ، اور وہاں خدا کے لئے جو تجھے اس وقت دکھائی دیا جب تو اپنے بھائی عیسو کے پاس سے بھاگا جا رہا تھا، ایک مذبح بنا، تب یعقوبؑ نے اپنے گھرانے اور اپنے سب ساتھیوں سے کہا۔۔۔۔ آؤ ہم روانہ ہوں، اور بیتِ ایل کو جائیں، وہاں میں خدا کے لئے جس نے میری تنگی کے دن میری دعاء قبول کی، اور جس راہ میں میں چلا میرے ساتھ رہا، مذبح بناؤں گا۔"

اسی واقعہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے مذکورہ باب کی آیت ۶ میں ہے کہ :-

"اور یعقوبؑ ان سب لوگوں سمیت جو اُن کے ساتھ تھے لوز پہنچا، بیت ایل یہی ہے، اور ملکِ کنعان میں ہے، اور اس نے وہاں مذبح بنایا، اور اس مقام کا نام ایل بیت ایل[1] رکھا، کیونکہ جب وہ اپنے بھائی کے پاس سے بھاگا جارہا تھا تو خدا وہیں اس پہ ظاہر ہوا تھا؛

آگے باب ۴۸ آیت ۳ میں کہا گیا ہے :-

"اور یعقوبؑ نے یوسف سے کہا کہ خدائے قادرِ مطلق مجھے لوز میں جو ملک کنعان میں ہے دکھائی دیا، اور مجھے برکت دی، اور اس نے مجھ سے کہا میں تجھے برومند کروں گا، اور بڑھاؤں گا، اور تجھ سے قوموں کا ایک زمرہ پیدا کروں گا، اور تیرے بعد یہ زمین تیری نسل کو دوں گا" (آیات ۳، ۴)

غور فرمایئے کہ باب ۳۱ آیت ۱۱ و ۱۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو حضرت یعقوب علیہ السلام کو نظر آیا وہ فرشتہ تھا، اسی سے انھوں نے عہد کیا تھا، اور اسی کے سامنے منّت مانی تھی، لیکن آپ نے دیکھا کہ اُس کے بعد اٹھارہ سے زیادہ مرتبہ اس پر لفظ "خدا" کا اطلاق کیا گیا ہے خود فرشتہ نے بھی اپنے آپ کو خدا کہا، اور حضرت یعقوبؑ نے بھی اُسے خدا ہی کے نام سے پکارا،

خدا کے ساتھ کشتی

اس کے علاوہ کتاب پیدائش میں حضرت یعقوبؑ ہی کا ایک اور عجیب واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے :-

"اور یعقوب اکیلا رہ گیا، اور پَو پھٹنے تک ایک شخص وہاں اس سے کشتی لڑتا رہا جب اُس نے دیکھا کہ وہ اس پر غالب نہیں آتا تو اسکی ران کو اندر کی طرف سے چھوا، اور یعقوب کی ران کی نس اُس کے ساتھ کشتی کرنے میں چڑھ گئی، اور اُس نے کہا مجھے جانے دے، کیونکہ پو پھوٹ چلی، یعقوب نے کہا جب تک تو مجھے برکت نہ دے میں تجھے جانے نہ دوں گا، تب اُس نے اس سے پوچھا کہ تیرا کیا نام ہے اُس نے جواب

[1] ایل، عبرانی زبان میں خدا کو کہتے ہیں، لہٰذا ایل بیت ایل کے معنی ہوئے "بیت اللہ کا خدا" آج بھی جگہ بیت المقدس کے نام سے معروف ہے ۱۲ تقی

دیا یعقوب، اس نے کہا کہ تیرا نام آگے کو یعقوب نہیں، بلکہ اسرائیل[1] ہوگا کیونکہ تو نے خدا اور آدمیوں کے ساتھ زور آزمائی کی اور غالب ہوگیا، تب یعقوب نے اس سے کہا کہ میں تیری منت کرتا ہوں، تو مجھے اپنا نام بتا دے، اس نے کہا کہ تو میرا نام کیوں پوچھتا ہے؟ اور اس نے اُسے وہاں برکت دی، اور یعقوب نے اُس جگہ کا نام فنی ایل[2] رکھا اور کہا کہ میں نے خدا کو روبرو دیکھا، تو بھی میری جان بچی رہی"۔ (باب ۳۲ آیات ۲۴ تا ۳۰)

ظاہر ہے کہ یہاں پر کشتی لڑنے والا فرشتہ تھا، جس پر لفظ "خدا" کا اطلاق کیا گیا ہے، اس لئے کہ اوّل تو اگر یہاں خدا سے اس کے حقیقی معنی مراد لئے جائیں تو لازم آئے گا کہ بنی اسرائیل کا خدا (معاذ اللہ) بہت ہی عاجز اور کمزور ہے، کہ رات بھر ایک انسان سے کشتی لڑتا رہا، مگر اُسے مغلوب نہ کر سکا، دوسرے اس لئے کہ حضرت ہوشع علیہ السلام نے اس بات کی تصریح کر دی ہے کہ یہ فرشتہ تھا، خدا نہیں تھا، چنانچہ کتاب ہوسیع کے باب ۱۲ آیت ۳ میں ہے کہ:-

"اس نے رحم میں اپنے بھائی کی ایڑی پکڑی اور وہ اپنی توانائی کے ایام میں خدا سے کشتی لڑا، ہاں وہ فرشتہ سے کشتی لڑا اور غالب آیا، اس نے رو کر مناجات کی اُس نے اُسے بیت ایل میں پایا، اور وہاں وہ ہم سے ہمکلام ہوا"۔

دیکھئے یہاں بھی دو جگہ اس فرشتہ پر "خدا" کے لفظ کا اطلاق کیا گیا ہے، اس کے علاوہ پیدائش باب ۳۵ آیت ۹ میں ہے کہ:-

"اور یعقوب کے فدان ارام سے آنے کے بعد خدا اُسے پھر دکھائی دیا، اور اُسے برکت بخشی، اور خدا نے اُسے کہا کہ تیرا نام یعقوب ہے، تیرا نام آگے کو یعقوب نہ کہلائے گا، بلکہ تیرا نام اسرائیل ہوگا، سو اُس نے اُس کا نام اسرائیل رکھا، پھر خدا اُسے کہا کہ میں خدائے قادرِ مطلق ہوں، تو برومند ہو اور بہت بڑھ جا، تجھ سے ایک قوم بلکہ قوموں کے جتھے پیدا ہوں گے، اور بادشاہ تیری صلب سے نکلیں گے، اور یہ

[1] "اسرائیل" کے معنی عبرانی زبان میں ہیں "خدا سے زور آزمائی کرنے والا"۔ (کنکارڈنس) [2] "فنی ایل" (PHENIEL) کے معنی عبرانی زبان میں "خدا کا چہرہ" ہیں (کنکارڈنس)

ملک جو میں نے ابرہام اور اضحٰق کو دیا ہے سو تجھ کو دوں گا، اور تیرے بعد تیری نسل کو بھی یہی ملک دوں گا، اور خدا جس جگہ اس سے ہمکلام ہوا وہیں سے اس کے پاس سے اوپر چلا گیا، تب یعقوب نے اس جگہ جہاں وہ اس سے ہمکلام ہوا پتھر کا ایک ستون کھڑا کیا، اور اس پر تپاون کیا اور تیل ڈالا اور یعقوب نے اس مقام کا نام جہاں خدا اُس سے ہمکلام ہوا بیت ایل رکھا"

دیکھئے یہ نظر نہ آنے والی شخصیت یقیناً فرشتہ تھی جس کا پہلے بار بار ذکر آچکا ہے اور اس کے لئے پانچ جگہ لفظ "خدا" استعمال کیا گیا ہے، اور خود اُس نے بھی کہا کہ میں خدا ہوں، اس کے علاوہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو نبوت عطا ہونے کا واقعہ کتاب خروج باب ۳ آیت ۲ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے :-

"اور (خداوند)[1] ایک جھاڑی میں سے آگ کے شعلہ میں اس پر ظاہر ہوا، اس نے نگاہ کی، اور کیا دیکھتا ہے کہ ایک جھاڑی میں آگ لگی ہوئی ہے، پر وہ جھاڑی بھسم نہیں ہوئی، جب خداوند نے دیکھا کہ وہ دیکھنے کو کترا کر آرہا ہے اس نے کہا کہ میں تیرے باپ کا خدا یعنی ابرہام کا خدا اور اضحاق کا خدا اور یعقوب کا خدا ہوں، موسیٰ ع نے اپنا منہ چھپایا، کیونکہ وہ خدا پر نظر کرنے سے ڈرتا ہے موسیٰ ع نے خدا سے کہا .... اس (خدا)[2] نے کہا کہ میں ضرور تیرے ساتھ رہوں گا، اور اس کا کہ میں نے تجھے بھیجا ہے، تیرے لئے یہ نشان ہوگا کہ جب تو ان لوگوں کو مصر سے نکال لائے گئے تو تم اس پہاڑ پر خدا کی عبادت کرو گے، تب موسیٰ ع نے خدا سے کہا، جب بنی اسرائیل کے پاس جاکر ان کو کہوں کہ تمہارے باپ دادا کے خدا نے مجھے تمہارے پاس بھیجا اور وہ مجھے کہیں کہ اس کا نام کیا ہے؟ تو میں ان کو کیا بتاؤں؟ خدا نے موسیٰ سے کہا اَھْیَہ اَشَرَ اَھْیَہ[3] ... تو بنی اسرائیل سے یوں کہنا کہ اَھْیَہ[4] نے مجھ کو

[1] موجودہ اردو اور انگریزی ترجمہ میں یہاں "خداوند" کے بجائے "خداوند کا فرشتہ" لکھا ہے ۱۲ ت
[2] موجودہ اردو ترجمہ میں یہاں "خدا" کا لفظ نہیں ہے ۱۲ ت (حاشیہ [3] اور [4] اگلے صفحہ پر)

تمھارے پاس بھیجا ہے، پھر خدا نے موسیٰ ؑ سے یہ بھی کہا تو بنی اسرائیل سے یوں کہنا کہ خداوند تمھارے باپ دادا کے خدا ابرہام کے خدا اور اضحاق کے خدا اور یعقوب کے خدا نے مجھے تمھارے پاس بھیجا ہے، ابد تک میرا یہی نام ہے اور سب نسلوں میں میرا اسی سے ذکر ہوگا، جا کر اسرائیلی بزرگوں کو ایک جگہ جمع کر اور ان کو کہہ کہ خداوند تمھارے باپ دادا کے خدا الخ" (آیات ۲ تا ۱۶)

دیکھئے یہاں پر بھی حضرت موسیٰ ؑ کے سامنے نمودار ہونے والا درحقیقت فرشتہ تھا، جس نے یہ کہا کہ میں تیرے باپ کا یعنی ابرہام کا خدا اور اضحاق کا خدا اور یعقوب کا خدا ہوں، پھر اسی نے اَھْیَہْ اَشَرْ اَھْیَہْ کہا اور موسیٰ ؑ کو تلقین کی کہ وہ بنی اسرائیل سے کہیں کہ مجھے اَھْیَہْ نے بھیجا ہے، اس تمام عبارت میں پچیس سے زیادہ مرتبہ اُس نے اپنے لئے خدا کا لفظ استعمال کیا ہے، خود حضرت مسیح ؑ نے بھی اس فرشتہ کے لئے خدا کا لفظ استعمال کیا ہے،

چنانچہ مرقس کے باب ۱۲، متی باب ۲۲ اور لوقا باب ۲۰ میں ہے کہ حضرت مسیح ؑ نے صدوقیوں[5] سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"کیا تم نے موسیٰ ؑ کی کتاب میں جھاڑی کے ذکر میں نہیں پڑھا کہ خدا نے اس سے کہا کہ میں ابرہام کا خدا اور اضحاق کا خدا اور یعقوب کا خدا ہوں؟" (عبارت مرقس[6])

(گذشتہ صفحہ کے حاشیے ۱)، ۲ ملاحظہ ہوں) ۳ اَھْیَہْ اَشَرْ اَھْیَہْ عبرانی جملہ ہے جس کے معنی ہیں "جو ہوں سو میں ہوں" "I AM THAT I AM." ۴ اَھْیَہْ کے معنی ہیں "میں جو ہوں" (دیکھئے اردو انگریزی ترجمے) ۱۲ تقی ۵ صدوقی (SADDUQI) یہودیوں کے ایک مذہبی فرقہ کا نام ہے، جو "فریسیوں" کے خلاف تھا، یہ اپنے پیشوا صدوق ربی (۳۰۰ ق م) کی طرف منسوب ہے، یہ فرقہ بہت اصول پرست تھا، کسی ایسے نظریہ کو ماننے کے لئے تیار نہ تھا جو حضرت موسیٰ ؑ سے منقول نہ ہو، یہ لوگ آخرت کی زندگی کے قائل نہ تھے، اور "فرشتوں" اور "روح" کو بھی بے حقیقت سمجھتے تھے۔ حضرت مسیح ؑ کے زمانہ میں اکثر امراء اسی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے، ان کے نظریات کے لئے ملاحظہ ہو متی ۲۲، ۲۳، مرقس ۱۲، ۱۸، اعمال ۴: ۱ و ۲۳: ۶ تفصیل کے لئے دیکھئے مقریزی، ص ۴۷۵ ج ۳ (CONCORDANCE)،

۶ مرقس ۱۲: ۱۸،

حالانکہ درحقیقت یہ فرشتہ تھا جیساکہ آپ کو معلوم ہوچکا ہے، چنانچہ اردو اور فارسی ترجموں میں یہاں لفظ "خداوند" کے بجائے فرشتہ کا لفظ لکھا گیا ہے،

اور سینئے! خروج باب ۷ کی آیت ۱ میں ہے :-

"پھر خداوند نے موسیٰ سے کہا دیکھ میں نے تجھے فرعون کے لئے گویا خدا ٹھہرایا اور تیرا بھائی ہارون تیرا پیغمبر ہوگا"

نیز خروج باب ۴ آیت ۱۶ میں حضرت موسیٰؑ سے خطاب ہے :

"اور وہ تیری طرف سے لوگوں سے باتیں کرے گا، اور وہ تیرا منہ بنے گا، اور اس کے لئے گویا خدا ہوگا"

ان دونوں آیتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر لفظ خدا کا اطلاق کیا گیا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ یہودیوں کو عیسائیوں پر ترجیح حاصل ہے، اس لئے کہ وہ اگرچہ حضرت موسیٰؑ کو تمام انبیاء میں سب سے افضل سمجھتے ہیں اور ان سے محبت کا دعویٰ بھی کرتے ہیں، مگر بائبل کے ان الفاظ سے استدلال کرکے انھیں خدا نہیں بنا دیتے، اس "عقلمندی" کا شرف عیسائیوں ہی کو حاصل ہے،

اس کے علاوہ خروج باب ۱۳ آیت ۲۱ میں ہے کہ :-

"اور خداوند ان کو دن کو راستہ دکھانے کے لئے بادل کے ستون میں ہوکر ان کے آگے آگے چلا کرتا تھا، تاکہ وہ دن اور رات دونوں میں چل سکیں، اور بادل کا ستون دن کو اور رات کا ستون رات کو ان لوگوں کے آگے سے ہٹتا نہ تھا" (آیات ۲۱: ۲۲)

لیکن باب ۱۴ آیت ۱۹ میں اسی کے بارے میں کہا گیا ہے :-

"اور خدا کا فرشتہ جو اسرائیلی لشکر کے آگے آگے چلا کرتا تھا جاکر ان کے پیچھے ہوگیا، اور بادل کا وہ ستون ان کے سامنے سے ہٹ کر ان کے پیچھے جا ٹھہرا"

پھر آیت ۲۴ میں ہے :-

"اور رات کے پچھلے پہر خداوند نے آگ اور بادل کے ستونوں میں سے مصریوں کے لشکر پر نظر کی، اور ان کے لشکر کو گھبرا دیا"

آیت ۱۹ اوصاف بتا رہی ہے کہ یہ چلنے والا فرشتہ تھا، مگر ۱۳ : ۲۱ اور ۱۴ : ۲۴ میں اُسے خدا کہا گیا ہے، نیز کتاب استثناء باب ۱ آیت ۳۰ میں ہے :-

"خداوند تمہارا خدا جو تمہارے آگے آگے چلتا ہے وہی تمہاری طرف سے جنگ کرے گا جیسے اس نے تمہاری خاطر مصر میں تمہاری آنکھوں کے سامنے سب کچھ کیا، اور بیابان میں بھی تو نے یہی دیکھا، کہ جس طرح انسان اپنے بیٹے کو اٹھائے ہوئے چلتا ہے اسی طرح خداوند تیرا خدا تیرے اس جگہ پہونچنے تک سارے راستہ جہاں جہاں تم گئے تم کو اُٹھائے رہا، تو بھی اس بات میں تم نے خداوند اپنے خدا کا یقین نہ کیا، جو راہ میں تم سے آگے آگے تمہارے واسطے ڈیرے ڈالنے کی جگہ تلاش کرنے کے لئے رات کو آگ میں اور دن کو ابر میں ہو کر چلا" (آیات ۳۰ تا ۳۳)

ملاحظہ فرمایئے! ان تین آیتوں میں جگہ اس فرشتہ کو "خدا" کہا گیا ہے، پھر استثناء ہی کے باب ۳۱ آیت ۳ میں ہے کہ :-

"سو خداوند تیرا خدا ہی تیرے آگے آگے پار جائے گا..... اور خداوند ان سے وہی کرے گا...... اور خداوند اُن کو تم سے شکست دلائے گا...... مت ڈرا اور نہ اُن سے خوف کھا، کیونکہ خداوند تیرا خدا خود ہی تیرے ساتھ جاتا ہے....... اور خداوند ہی تیرے آگے چلے گا" الخ (آیات ۳ تا ۸)

یہاں بھی اسی فرشتہ کے لئے "خدا" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے،

نیز کتاب قضاۃ کے باب ۱۳ آیت ۲۲ میں اس فرشتہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے جو منوحہ[1] اور اس کی بیوی کو دکھائی دیا تھا، اور دونوں کو بیٹے کی بشارت دی تھی :-

"اور منوحہ نے اپنی بیوی سے کہا کہ ہم اب ضرور مر جائیں گے، کیونکہ ہم نے خدا کو دیکھا"

حالانکہ اسی باب کی آیت ۳ و ۹ و ۱۳ و ۱۵ و ۱۶ و ۱۸ و ۲۱ میں تصریح ہے کہ یہ فرشتہ تھا، خدا نہ تھا، بائبل میں فرشتہ پر لفظ "خدا" کا اطلاق کتاب یسعیاہ باب ۲، کتاب سموئیل

[1] منوحہ (MANOAH :) یہ بائبل کے مشہور کردار سمسون کا باپ ہے، جس کی دلیلہ کے ساتھ عشق کی داستان مشہور ہے ۱۲ ت

اوّل باب ۳، کتاب حزقی ایل باب ۴ و ۹ اور کتاب عاموس باب ۲ میں بھی کیا گیا ہے،

تمام انسانوں اور شیطان پر خدا کا اطلاق

اس کے علاوہ عربی تراجم کے مطابق زبور نمبر ۸۱ اور دوسری تراجم کے مطابق زبور نمبر ۸۲ کی آیت ۶ میں تو انتہاء کردی گئی ہے، اس میں ہے:-

"میں نے کہا تھا کہ تم الٰہ ہو، اور تم سب حق تعالیٰ کے فرزند ہو"

دیکھئے یہاں پر تو "الٰہ" کا اطلاق تمام انسانوں تک کے لئے کر دیا گیا ہے چہ جائیکہ خواص، نیز کرنتھیوں کے نام دوسرے خط کے جواب ۴ آیت ۳ میں کہا گیا ہے:-

"اور اگر ہماری خوشخبری پر پردہ پڑا ہے تو ہلاک ہونے والوں ہی کے واسطے پڑا ہے یعنی ان بے ایمانیوں کے واسطے جن کی عقلوں کو اس جہان کے خدا نے اندھا کر دیا ہے، تاکہ مسیح جو خدا کی صورت ہے اس کے جلال کی خوشخبری کی روشنی اُن پر نہ پڑے"

(آیت ۳ و ۴)

اس عبارت میں علماء پروٹسٹنٹ کے نظریہ کے مطابق "اس جہان کے خدا" سے مراد شیطان ہے، ملاحظہ فرمائیے، اس نظریہ کے مطابق تو شیطان پر بھی لفظ "خدا" کا اطلاق ہوگیا ـــــ اور یہ جو ہم نے "علماء پروٹسٹنٹ کے نظریہ کے مطابق" کہا ہے، وہ اس لئے کہ علماء پروٹسٹنٹ ہی یہاں "خدا" سے "شیطان" مراد لیتے ہیں، اور وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اگر یہاں "خدا" سے اس کے اصلی معنی مراد لئے گئے تو اندھا کرنے کی نسبت خدا کی طرف ہوجائے گی، جس سے اس کا خالق شر ہونا لازم آئے گا اور یہ علماء پروٹسٹنٹ کے نزدیک درست نہیں ہے، حالانکہ کتب مقدسہ کی رو سے اُن کا یہ خیال محض باطل ہے، کتب مقدسہ میں اس بات کی بہت سی دلیلیں موجود ہیں کہ شر کا خالق بھی خدا ہی ہے، ہم یہاں صرف دو دلیلوں پر اکتفاء کریں گے، اور دوسرے شواہد اپنے اپنے مقام پر آئیں گے، کتاب یسعیاہ باب ۴۵ آیت ۷ میں ہے کہ:-

"میں ہی روشنی کا موجد اور تاریکی کا خالق ہوں، میں سلامتی کا بانی اور بلاء

کو پیدا کرنے والا ہوں، میں ہی خداوند یہ سب کچھ کرنے والا ہوں"۔

اور پولس تھسلینکیوں کے نام دوسرے خط کے باب ۲[1] میں لکھتا ہے :۔

"اسی سبب سے خدا ان کے پاس گمراہ کرنے والی تاثیر بھیجے گا، تاکہ وہ جھوٹ کو سچ جانیں، اور جتنے لوگ حق کا یقین نہیں کرتے بلکہ ناراستی کو پسند کرتے ہیں وہ سب سزا پائیں"۔

بہرکیف پروٹسٹنٹ حضرات تو ان دلیلوں کے باوجود بھی خدا کے خالق شر تسلیم کرنے سے بچنے کے لئے کرنتھیوں کے نام کی مذکورہ بالا عبارت میں خدا سے مراد شیطان لیتے ہیں، اس لئے الزامی طور پر ہمارا مقصود ثابت ہے، کہ لفظ "خدا" کا اطلاق، غیر اللہ پر کر دیا گیا،

اس کے علاوہ فلپیوں کے نام خط کے باب ۳ آیت ۱۹ میں ہے :۔

"اُن کا انجام ہلاکت ہے، اُن کا خدا پیٹ ہے، وہ اپنی شرم کی باتوں پر فخر کرتے ہیں"

اس میں پولس نے پیٹ پر لفظ "خدا" کا اطلاق کیا ہے، نیز یوحنا کے پہلے خط کے باب ۴ آیت ۸ میں ہے :۔

"جو محبت نہیں رکھتا وہ خدا کو نہیں جانتا، کیونکہ خدا محبت ہے"۔

پھر آیت ۱۶ میں ہے کہ :۔

"جو محبّت خدا کو ہم سے ہے اُس کو ہم جان گئے، اور ہمیں اس کا یقین ہے خدا محبّت ہے، اور جو محبّت میں قائم رہتا ہے وہ خدا میں قائم رہتا ہے"۔

اس عبارت میں یوحنّا نے محبّت اور خدا میں اتحاد ثابت کیا ہے، پھر ان دونوں کو لازم وملزوم قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ جو "محبّت" میں قائم رہتا ہے وہ خدا میں قائم رہتا ہے"۔

اس کے علاوہ بتوں پر لفظ "خدا" کا اطلاق بائبل میں اس کثرت سے آیا ہے کہ اس کے شواھد نقل کرنے کی چنداں ضرورت نہیں، اسی طرح مخدوم اور معلّم کے معنی

[1] آیت نمبر ۱۱

میں لفظ "ربّ" کا استعمال بھی بے شمار جگہوں پر کیا گیا ہے، چنانچہ انجیل یوحنا باب اوّل آیت نمبر ۳۸ میں لفظ "رب" کی تشریح استاد سے کی گئی ہے:۔

"انھوں نے اس سے کہا اے ربّی (یعنی اے استاد) تو کہاں رہتا ہے"

ہم نے اوپر تفصیل کے ساتھ جو بائبل کی عبارتیں پیش کی ہیں ان سے یہ بات خوب واضح ہو جاتی ہے کہ اگر کسی ایسی چیز پر لفظ "خدا" کا اطلاق کر دیا جائے جس کا فانی، عاجز اور متغیر ہونا ہر شخص کھلی آنکھوں دیکھ سکتا ہے تو محض اس پر لفظ "خدا" کے اطلاق سے کسی ہوشمند کو یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ وہ فانی چیز خدا یا خدا کا بیٹا ہو گئی، اور جو شخص ایسا کرے وہ نہ صرف یہ کہ عقل کے تمام دلائل کو جھٹلا رہا ہے بلکہ نقل و روایت کے ان شواہد کو بھی پس پشت ڈال رہا ہے جو پچھلے چند صفحات میں ہم نے پیش کئے:۔

بائبل میں مجاز اور مبالغہ کا استعمال

پانچویں بات

اوپر تیسری اور چوتھی بات کے ضمن میں یہ واضح ہو چکا ہے کہ بائبل میں مجاز کا استعمال بکثرت ہوا ہے، یہاں ہمیں یہ کہنا ہے کہ یہ مجاز کا استعمال صرف ان مواقع کے ساتھ مخصوص نہیں ہے جو اوپر بیان کئے گئے، بلکہ اس کے علاوہ بھی بائبل میں مجاز بکثرت پایا جاتا ہے، مثلاً کتاب پیدائش باب ۱۳ آیت ۱۶ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ سے کثیر اولاد دینے کا وعدہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اور میں تیری نسل کو خاک کے ذروں کے مانند بناؤں گا، ایسا کہ اگر کوئی شخص خاک کے ذروں کو گن سکے تو تیری نسل بھی گن لی جائے گی"

پھر اسی کتاب کے باب ۲۲ آیت ۱۷ میں ہے:

"میں تجھے برکت پر برکت دوں گا، اور تیری نسل کو بڑھاتے بڑھاتے آسمان کے تاروں اور سمندر کے کنارے کی ریت کے مانند کر دوں گا"

اسی طرح پیچھے امر چہارم میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام سے بھی یہی وعدہ کیا گیا تھا کہ ان کی نسل ریت کے ذروں کے برابر ہو جائے گی، حالانکہ ان دونوں حضرات کی نسل کبھی آدھ سیر ریت کے ذروں کے برابر بھی نہیں ہوئی "چہ جائیکہ ساحلِ سمندر کے ذرات کے برابر، یا دنیا بھر کے ریت کے ذروں کے برابر،

بنی اسرائیل کو خدا کی طرف سے جو زمین دینے کا وعدہ کیا گیا تھا اس کی تعریف بیان کرتے ہوئے کتاب خروج باب۳ آیت ۸ میں ہے کہ:۔

"جس میں دودھ اور شہد بہتا ہے"

حالانکہ روئے زمین پر کوئی ایسی جگہ موجود نہیں ہے، نیز کتاب استثناء باب۱ [۲] میں ہے:۔

"اُن کے شہر بڑے بڑے اور فصیلیں آسمان سے باتیں کرتی ہیں"

اور باب۹ میں ہے:۔

"ایسی قوموں پر جو تجھ سے بڑی اور زور آور ہیں، اور ایسے بڑے شہروں پر جن کی فصیلیں آسمان سے باتیں کرتی ہیں"

زبور نمبر۷ [۳] آیت ۶۵ میں ہے:۔

"تب خداوند گویا نیند سے جاگ اٹھا، اس زبردست آدمی کی طرح جو مے کے سبب للکارتا ہو، اور اس نے اپنے مخالفوں کو مار کر پسپا کر دیا، اس نے ان کو ہمیشہ کے لئے رسوا کیا"

نیز زبور نمبر۱۰۳ [۴] میں خدا کی تعریف بیان کرتے ہوئے ارشاد ہے:۔

"تو اپنے بالاخانوں کے شہتیر پانی پر ٹکاتا ہے، تو بادلوں کو اپنا رتھ بناتا ہے، تو ہوا کے بازوؤں پر سیر کرتا ہے"

اور یوحنا حواری کا کلام تو مجاز اور استعارات وکنایات سے بھرا پڑا ہے، بمشکل ہی کوئی فقرہ ایسا ملے گا جس کی تاویل کی ضرورت نہ ہو، اسکی انجیل، اس کے خطوط اور اس کا مکاشفہ جس نے دیکھا ہو وہ اس بات سے خوب واقف ہیں، یہاں ہم مثال کے طور پر صرف ایک عبارت نقل کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں، کتاب مکاشفہ کا باب۱۲ اس طرح شروع ہوتا ہے،

---

[۱] دیکھئے صفحہ ۸۶۶ و ۸۶۷ جلد ہذا [۲] آیت ۲۸ [۳] موجودہ اردو ترجمہ میں یہ زبور نمبر ۷۸ ہے [۴] موجودہ زبور ۱۰۴: ۳

"پھر آسمان پہ ایک بڑا نشان دکھائی دیا، یعنی ایک عورت نظر آئی، جو آفتاب کو اوڑھے ہوئے تھی اور چاند اس کے پاؤں کے نیچے تھا، اور بارہ ستاروں کا تاج اس کے سر پہ، وہ حاملہ تھی، اور درد زہ میں چلاتی تھی، اور بچہ جننے کی تکلیف میں تھی، پھر ایک اور نشان آسمان پہ دکھائی دیا، یعنی ایک بڑا لال اژدہا، اس کے سات سر اور دس سینگ تھے، اور اس کے سروں پر سات تاج، اور اس کی دم نے آسمان کے تہائی ستارے کھینچ کر زمین پہ ڈال دیئے، اور وہ اژدہا اس عورت کے آگے جا کھڑا ہوا، جو جننے کو تھی، تاکہ وہ جنے تو اس کے بچے کو نگل جائے، اور وہ بیٹا جنی، یعنی وہ لڑکا جو لوہے کے عصا سے سب قوموں پر حکومت کرے گا، اور اس کا بچہ یکایک خدا اور اس کے تخت کے پاس تک پہونچا دیا گیا، اور وہ عورت اس بیابان کو بھاگ گئی جہاں خدا کی طرف سے اس کے لئے ایک جگہ تیار کی گئی تھی، تاکہ وہاں ایک ہزار دو سو ساٹھ دن تک اس کی پرورش کی جائے،

پھر آسمان پہ لڑائی ہوئی، میکائیل اور اس کے فرشتے اژدہا سے لڑنے کو نکلے اور اژدہا اور اس کے فرشتے ان سے لڑے، لیکن غالب نہ آئے، اور آسمان پر ان کے لئے جگہ نہ رہی"

غور فرمایئے! یہ کلام بظاہر مجذوبوں یا دیوانوں کی بڑ معلوم ہوتی ہے، کیونکہ اگر اس کی کوئی صحیح تاویل کی جائے تو یقینی طور پر محال ہے، اور اس کی تاویل بھی کوئی آسان نہیں ہے، بلکہ بعید اور دشوار ہے، اہل کتاب یقیناً ان آیات کی تاویل کرتے ہیں، اور کتب سماویہ میں مجاز کے بکثرت واقع ہونے کا اعتراف کرتے ہیں، مرشد الطالبین کا مصنف اپنی کتاب کی فصل ۱۳ میں کہتا ہے کہ:۔

"رہی کتاب مقدس کی اصطلاح، سو وہ بے شمار پیچیدہ استعارات والی ہے، بالخصوص عہد عتیق"

پھر کہتا ہے کہ:۔

"اور عہد جدید کی اصطلاح بھی بہت ہی استعارات والی ہے، بالخصوص ہمارے منجی کے قصے اسی وجہ سے بہت ہی غلط رائیں مشہور ہو گئی ہیں کہ بعض عیسائی معلموں

نے ایسی عبارتوں کی حرف بحرف شرح کی ہے، ہم یہاں بعض مثالیں پیش کرتے ہیں جن کے ذریعہ یہ بات معلوم ہو سکے گی کہ استعارات کی تاویل حرف بحرف کرنا درست نہیں ہے، مثلاً ہیرودیس بادشاہ کے لئے حضرت مسیح کا یہ ارشاد کہ "جا کر اس لومڑی سے کہہ دو[1]" ظاہر ہے کہ اس عبارت میں لومڑی سے جبار اور ظالم کے معنی مراد ہیں؛ کیونکہ یہ جانور جو اس نام سے معروف ہے، حیلہ اور فریب کاری میں بھی مشہور ہے؛ اسی طرح ہمارے خداوند نے یہودیوں سے کہا کہ "میں ہوں وہ زندگی کی روٹی جو آسمان سے اُتری، اگر کوئی اُس روٹی میں سے کھائے تو ابد تک زندہ رہے گا، بلکہ جو روٹی میں جہان کی زندگی کے لیئے دوں گا، وہ میرا گوشت ہے" (یوحنا باب ۶ آیت ۵۱[2]) مگر شہوت پرست یہودیوں نے اس عبارت کے لفظی معنی سمجھے اور کہنے لگے کہ یہ بات کس طرح ممکن ہے کہ وہ ہم کو اپنا جسم کھانے کے لئے دیدیگا (آیت ۵۲) اور یہ نہ سوچا کہ اس سے مراد وہ قربانی ہے جو مسیح نے تمام جہان کی خطاؤں کے کفارہ کے لئے دی؛ ہمارے منجی نے بھی عشاء سری[3] کی تعیین کے وقت روٹی کی نسبت کہا ہے کہ "یہ میرا بدن ہے" اور شربت کے لئے کہا ہے کہ "یہ میرے عہد کا خون ہے" (متی ۲۶: ۲۶) پھر بارہویں صدی سے رومن کیتھولک فرقہ نے اس قول کے دوسرے معنی بیان کرنے شروع کر دیئے، جو کتب مقدسہ کے دوسرے شواہد اور مثالوں کے مخالف اور برعکس ہیں، اور دلیل صحیح کے بھی خلاف ہیں، اور یقین کر لیا کہ اس جدید معنی سے پادری کے پاک الفاظ پڑھتے ہی استحالہ اور انقلاب کی تعلیم کی گنجائش پیدا ہو جائے گی؛ یعنی روٹی اور شربت مسیح ؑ کے جسم و خون میں تبدیل ہو جائیں گے، حالانکہ حواس خمسہ

---

[1] بعض فریسیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو اطلاع دی تھی کہ ہیرودس آپ کو قتل کرنا چاہتا ہے، اس پر آپ نے فرمایا الخ دیکھئے لوقا ۱۳: ۳۲) ۱۲ تقی

[2] اصل نسخہ میں ایسا ہی ہے، مگر یہ عبارت اسکی بجائے ۶: ۵۱ پر ہے۔ ۱۲ تقی

[3] اس بحث کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے ملاحظہ فرمایئے صفحہ کا حاشیہ جس میں ہم نے "عشاء ربانی" کی مفصل تشریح کر دی ہے ۱۲ تقی

لے سامنے روٹی اور شراب اپنے اپنے جوہر پہ باقی رہتے ہیں، اور ان میں کوئی بھی تغیر واقع نہیں ہوتا البتہ ہمارے خداوند کے قول کی صحیح تاویل یہی ہے کہ روٹی جسم مسیح کی مانند اور شربت آپ کے خون کی طرح ہے"

یہ اعتراف نہایت صاف اور واضح ہے، لیکن اس کلام میں کہ "بارھویں صدی" سے الخ" ان رومی عیسائیوں کے عقیدہ کی تردید ہے جن کا خیال یہ ہے کہ روٹی اور شراب مسیحؑ کے جسم و خون میں تبدیل ہو جاتی ہے، اس نظریہ کو حواس کی شہادت باطل قرار دیتی ہے، چنانچہ انھوں نے مضاف محذوف قرار دے کر مسیحؑ کے قول میں تاویل کی ہے اگرچہ ظاہر الفاظ سے وہی معنی سمجھ میں آتے ہیں جو ان لوگوں نے سمجھے ہیں، کیونکہ مسیح کا ارشاد ہے کہ

"جب وہ کھا رہے تھے تو یسوع نے روٹی لی، اور برکت دے کر توڑی، اور شاگردوں کو دے کر کہا لو کھاؤ، یہ میرا بدن ہے، پھر پیالہ لے کر شکر کیا، اور ان کو دے کر کہا تم سب اس میں سے پیو، کیونکہ یہ میرا وہ عہد کا خون ہے جو بہتیروں کے لئے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے"

اب یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ لفظ "یہ" ایک موجود جوہر پر دلالت کرتا ہے، اور اگر کوئی روٹی کا جوہر باقی ہوتا تو پھر یہ اطلاق کیونکر جائز ہو جاتا، فرقہ پروٹسٹنٹ کے ظہور سے پہلے دنیا میں اسی عقیدے کے لوگوں کی کثرت تھی، اور آج تک اس فرقہ کے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے،

پھر جس طرح یہ عقیدہ پروٹسٹنٹ فرقہ کے نزدیک بوجہ شہادت حواس غلط ہے، اسی طرح عقیدۂ تثلیث بھی غلط ہے، اگرچہ بعض متشابہ اقوال کی دلالت ظاہری طور پر اس مضمون کی مل جائے، اس لئے کہ دلائل قطعیہ کی رُو سے یہ بات محال ہے، اگر عیسائی حضرات یہ کہیں کہ کیا ہمارا شمار عقلاء میں نہیں ہے؟ تو پھر ہم کس طرح اس عقیدہ کو تسلیم کر رہے ہیں، جب کہ مسلمانوں کے خیال کے مطابق محال ہے؟ جواباً ہم عرض کریں گے کہ کیا رومی لوگ آپ کی طرح عقلمند نہیں ہیں؟ اور آج تک تعداد میں بھی آپ سے زیادہ ہیں، پہلے زمانہ کا تو کہنا ہی کیا ہے، انھوں نے ان چیزوں کا اعتراف کیوں کیا جو آپ کے نزدیک غلط اور باطل ہیں؟ اور ان کے

۵۲۸ (صفحہ ہذا کا حاشیہ بجزا آئندہ صفحہ پر)

بطلان پر حس بھی شہادت دیتی ہے، عشاء ربانی کے رومی عقیدہ کے باطل ہونے پر مندرجہ ذیل دلائل ہیں:-

عشاء ربانی کے محال عقلی ہونے کے دلائل

پہلی دلیل رومی گرجے اور نظریئے کا دعویٰ یہ ہے کہ خالص وہ روٹی ہی مسیح کا جسم اور خون بن کر مکمل طور پر مسیح بن جاتی ہے،

تو ہم کہیں گے کہ جب وہ روٹی اپنی لاہوتی[1] اور ناسوتی کیفیت سمیت جو مسیح نے مریم علیہا السلام سے حاصل کی تھی مسیح کامل بن جاتی ہے، تو لازم ہے کہ اس میں انسانی جسم کے عوارض بھی دیکھنے والے مشاہدہ کریں، اسکی کھال، ہڈی، اور دوسرے اعضاء بھی موجود ہوں، مگر یہ چیزیں کسی کو بھی دکھائی نہیں دیتیں، بلکہ اس روٹی میں پہلے کی طرح اس کے بعد بھی روٹی کے تمام اوصاف موجود ہوتے ہیں، اگر کوئی شخص اس کو دیکھے یا ہاتھ لگائے یا چکھے تو سوائے روٹی کے اس کو کوئی دوسری چیز قطعی محسوس نہیں ہوگی، اور اگر کچھ عرصہ اس کو اپنے پاس رکھے تو اس میں گلنے سڑنے کی وہ تمام صورتیں پیش آئیں گی جو روٹی پر طاری ہوتی ہیں، اور گلنے سڑنے کی وہ تمام جو صورتیں جسم انسانی پر طاری ہوتی ہیں وہ طاری نہ ہونگی، اب اگر پھر بھی اس دعویٰ پر اصرار کیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ مسیح روٹی بن گئے ہوں، لیکن روٹی بہر صورت روٹی ہی رہتی ہے، وہ مسیح نہیں، اور اگر وہ لوگ یہ کہیں کہ ہاں مسیح روٹی بن گیا، تو یہ بات بہ نسبت پہلے دعوے کے زیادہ بعید نہیں ہوگی، اگرچہ ہے یہ بھی باطل اور بداہۃ کے خلاف[2]،

(صفحہ گذشتہ کا حاشیہ [1]) مثلاً عشاء ربانی کی رسم میں کیتھولک فرقہ یہ کہتا ہے کہ روٹی فوراً مسیح کا بدن بن جاتی ہے اور پروٹسٹنٹ اس بات کو خلاف عقل قرار دیتے ہیں، ۱۲ تقی [1] "لاہوتی" کے معنی "خدائی"، اور "ناسوتی" کے معنی "انسانی طبیعت" کے ہیں، عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح میں "لاہوتی" اور "ناسوتی" دونوں کیفیتیں جمع ہیں، اس لئے کہ وہ (معاذ اللہ) بیک وقت خدا بھی تھے، جو انسانی شکل میں آئے تھے، ۱۲ تقی [2] ورنہ تو اس روٹی کو بھی خدا ماننا پڑے گا، اور خداؤں کی تعداد لاکھوں کروڑوں سے بھی زیادہ ہو جائے گی، معاذ اللہ ۱۲ تقی

دُوسری دلیل

مسیحؑ کا بہ یک وقت متعدد مقامات پر اپنی لاہوتی صفت کے ساتھ موجود ہونا اگرچہ عیسائیوں کے نظریہ میں ممکن ہے، مگر ناسوتی طور پر غیر ممکن ہے، کیونکہ اس لحاظ سے مسیحؑ ہمارے جیسے انسان ہیں، یہاں تک کہ ان کو بھوک بھی لگتی ہے، کھاتے پیتے بھی ہیں، سوتے بھی ہیں، یہودیوں سے ڈرتے اور بھاگتے بھی ہیں، علیٰ ہٰذالقیاس اس معنی کے لحاظ سے اُن کا متعدد مقامات پر وجود ہونا ایک ہی جسم کے ساتھ حقیقتاً کس طرح ممکن ہو سکتا ہے؟[1]

زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ عروج آسمانی سے پہلے حضرت مسیحؑ کے لئے کبھی یہ ممکن نہیں ہوا کہ وہ بیک وقت دو جگہوں پر پائے جاتے چہ جائیکہ لامتناہی جگہوں میں، عروجِ آسمانی کے بعد عرصۂ دراز تک بھی یہ ممکن نہ ہوا، پھر صدیوں کے بعد یہ فاسد عقیدہ جب گھڑا گیا تو مسیح کا ایک آن میں بے شمار مقامات پر موجود ہوجانا کیونکر ممکن ہوگیا؟

تیسری دلیل

جب ہم یہ فرض کرلیں کہ دنیا میں لاکھوں کاہن ایک آن میں مقدس بنتے ہیں، اور ہر ایک کا پیش کردہ نذرانہ یعنی روٹی وہی مسیح بن جاتی ہے جو کنواری مریمؑ سے پیدا ہوئے تھے تو اب یہ معاملہ دو صورتوں سے خالی نہیں ہوسکتا، یا تو ان تمام مسیحوں میں ہر ایک دوسرے کا عین ہے یا غیر، دوسری صورت کے خود عیسائی حضرات قائل نہیں، وہ ان کے نزدیک بھی باطل ہے، اور پہلی صورت نفس الامر میں باطل ہے، کیونکہ ہر ایک کا مادہ دوسرے کے مادہ سے مغایر ہے۔

چوتھی دلیل

جب وہ روٹی کاہن کے ہاتھ میں مسیح کامل بن جاتی ہے، پھر وہ کاہن اس روٹی کے بہت سے ٹکڑے کرکے چھوٹے چھوٹے حصّے کردیتا ہے، تو دو حال سے خالی نہیں، یا تو خود مسیح کے بھی اتنے ہی ٹکڑے ہوجاتے ہیں جس قدر تعداد روٹی کے ٹکڑوں کی ہے، یا پھر ہر ٹکڑا علیحدہ علیحدہ خود مستقل

---

[1] حالانکہ عیسائی عقیدہ یہی ہے کہ دنیا میں جس جگہ بھی عشاء ربانی کی رسم ادا کی جاتی ہے مسیحؑ وہاں آموجود ہوتے ہیں۔

کامل مسیح بن جاتا ہے، پہلی صورت میں جو شخص ان ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا کھائے گا وہ کامل مسیح کو کھانے والا نہیں کہلا سکتا، دوسری شکل میں مسیحوں کی اتنی بڑی پلٹن کہاں سے نکل آئی؟ کیونکہ اس نذرانہ سے تو ایک ہی مسیح پیدا ہوا تھا،

پانچویں دلیل عشاء ربانی کا جو واقعہ مسیح کو سولی پر لیجانے سے کچھ پہلے پیش آیا تھا، اگر اس سے ٹھیک وہ قربانی حاصل ہو گئی تھی جو صلیب پر لٹکنے سے حاصل ہوئی تو اس کی کیا ضرورت تھی کہ دوبارہ یہودیوں کے ہاتھوں لکڑی پر سولی دی جائے، کیونکہ مسیح کے دنیا میں آنے کا مقصد وحید عیسائی نظریہ کے مطابق صرف یہ تھا کہ ایک بار قربانی دے کر دنیا کو چھٹکارا مل جائے، ان کی آمد اس لئے نہیں تھی کہ بار بار تکلیف اٹھائیں، جیسا کہ اس پر عبرانیوں کے نام خط باب ۹ کی آخری عبارت دلالت کر رہی ہے[1]،

چھٹی دلیل اگر عیسائیوں کا دعوٰی درست ہے تو لازم آئے گا کہ عیسائی یہودیوں سے زیادہ خبیث شمار کئے جائیں، کیونکہ یہودیوں نے مسیح کو صرف ایک بار ہی دُکھ دیا تھا، اور دُکھ دے کر چھوڑ دیا[2]، یہ نہیں کہ اُن کا گوشت بھی کھایا ہو اس کے برعکس عیسائی لوگ روزانہ بے شمار مقامات پر مسیح کو تکلیف پہونچاتے اور ذبح کرتے ہیں، اگر ایک بار قتل کرنے کا والا کافر و ملعون قرار دیا جاتا ہے تو اُن لوگوں کی نسبت کیا کہا جائے گا جو مسیح کو روزانہ بے شمار دفعہ ذبح کرتے ہیں اور صرف اسی پر اکتفاء نہیں کرتے، بلکہ اُس کا گوشت بھی کھاتے ہیں، اور خون بھی پیتے ہیں، خدا کی پناہ ہے ایسے معبود خوروں سے جو اپنے خدا کو کھا جاتے ہیں، اور حقیقتاً اس کا خون پیتے ہیں، پھر جب ان کے ہاتھوں ان کا کمزور و مسکین خدا تک نہ بچ سکا تو ایسے ظالموں سے کون بچ سکتا ہے،

---

[1] مسیح بھی ایک بار بہت لوگوں کے لئے قربان ہو کر دوسری بار بغیر گناہ کے نجات کے لئے ان کو دکھائی دے گا جو اسکی راہ دیکھتے ہیں" (عبر ۹: ۲۸)

[2] بلکہ اب (۱۹۶۵ء میں) تو عیسائی گرجانے یہودیوں سے دوستی کے بعد بڑی وضاحت سے یہ اعلان کر دیا ہے کہ بیچارے یہودیوں کا حضرت مسیح کے قتل میں چنداں دخل نہیں ہے، اب انھیں اس سے کیا بحث کہ خود بائبل کیا کہتی ہے اس لئے کہ بائبل تو ان کے نزدیک ایک موم کی گڑیا ہے جسے جس طرح چاہا توڑ موڑ دیا، غور فرمائیے کہ یہ کیا مذہب ہے کیا دین ہے؟ توبہ، ۱۲ تقی

خدا اُن کے پڑوس سے بھی دور رکھے، کہنے والے نے اسی موقع کے لئے غالباً کہا ہے اور خوب کہا ہے کہ :۔ "نادان کی دوستی سراسر دشمنی ہے"

ساتویں دلیل

لوقا کے باب ۲۲ میں مسیح کا قول عشاء ربانی کی نسبت یوں بیان کیا گیا ہے کہ :۔

"میری یادگاری کے لئے یہی کیا کرو"

اب اگر اس عشاء کا مصداق بعینہٖ قربانی ہے تو پھر اس کا یادگار اور یاد دہانی کرنے والا ہونا صحیح نہیں، کیونکہ کوئی شے خود اپنی ذات کے لئے یاد دہانی کرنیوالی نہیں ہوسکتی،

پھر جن دانشمندوں کا حال یہ ہے کہ محسوسات میں بھی اس قسم کے ادہام کا داخلہ ان کی عقل سلیم جائز قرار دیتی ہے، اگر ایسے لوگ خدا کی ذات یا عقلیات میں بھی توہمات کا شکار ہو جائیں تو ان سے کیا بعید ہے؟ مگر ہم اس سے قطع نظر کرتے ہوئے علماء پروٹسٹنٹ کے مقابلہ میں کہتے ہیں کہ جس طرح یہ سب لوگ جو تمہارے نزدیک عقلاء ہوتے ہوئے ایسے عقیدہ پر جو حس اور عقل کے نزدیک قطعی غلط اور باطل ہے محض آباؤ اجداد کی تقلید میں، یا کسی دوسری غرض کے ماتحت، متفق ہو گئے، اسی طرح عقیدۂ تثلیث جیسے دشمنِ عقل عقیدے پر ان کا اور تمہارا متفق ہو جانا کیا مشکل ہے جو حس اور دلائل و براہین کے بھی خلاف ہے، اور ان بے شمار عقلاء[1] کے نزدیک بھی جن کا نام تم نے بددین اور ملحد رکھ چھوڑا ہے، اور جن کی تعداد اس دور میں نہ صرف تمہارے فرقے سے زیادہ ہے، بلکہ رومیوں کے فرقہ سے بھی، حالانکہ تمہاری طرح وہ بھی عقلاء ہیں، تمہاری ہی جنس کے لوگ ہیں، تمہارے اہل وطن بھی ہیں، اور تمہاری طرح وہ بھی عیسائی ہی تھے، مگر انہوں نے مذہب عیسوی کو اس قسم کی لغو باتوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا، اور وہ ان باتوں کا اس قدر مذاق اڑاتے ہیں کہ اس قدر مذاق شاید ہی کسی چیز کا اڑایا جاتا ہوگا، ان کی کتابوں کے

---

[1] ان لوگوں سے مراد آزاد خیال (LIBERAL) یا عقلیت پسند (RATIONALIST) لوگ ہیں، جنہوں نے عیسائیت کے ان عقیدوں کو عقل کے خلاف پاکر مذہب کے خلاف ہی علم بغاوت بلند کر دیا تھا ۱۲ تقی

پڑھنے والوں سے یہ چیز مخفی نہیں ہوگی،

نیز اس عقیدے کے منکرین میں فرقہ یونی ٹیرین بھی ہے جو عیسائیوں کا ایک بڑا فرقہ ہے، اور مسلمان اور تمام یہودی اگلے ہوں یا پچھلے سب ان چیزوں کو پریشان خیالات سے زیادہ کچھ بھی نہیں سمجھتے،

مسیح علیہ السلام کے کلام میں اجمال کی مثالیں

چھٹی بات

مسیحؑ کے کلام میں بے شمار اجمال پایا جاتا ہے، اس درجہ کا کہ اکثر اوقات انکے مخصوص شاگرد اور معاصرین بھی ان کی بات کو سمجھ نہیں پاتے تھے، جب تک خود مسیحؑ ہی اس کی وضاحت نہ کر دیں، پھر جن اقوال کی تفسیر مسیحؑ نے کر دی تھی اس کو تو وہ لوگ سمجھ گئے، اور ان میں سے جن اقوال کی تفسیر نہ کر سکے تھے عرصۂ دراز کی کوشش کے بعد ان میں سے بعض کو سمجھ سکے، پھر بھی بعض اقوال آخر تک مبہم اور مجمل ہی رہے، جس کی مثالیں بکثرت موجود ہیں، ان میں سے بعض مثالوں کے بیان پر ہم اکتفاء کرتے ہیں:۔

پہلی مثال انجیلِ یوحنّا کے باب۲ میں ہے کہ بعض یہودیوں نے حضرت مسیحؑ سے معجزوں کی فرمائش کی، تو آپ نے ان سے فرمایا:۔

"اس مقدس کو ڈھادو تو میں اسے تین دن میں کھڑا کر دوں گا، یہودیوں نے کہا چھیالیس برس میں یہ مقدس بنا ہے، اور کیا تو اسے تین دن میں کھڑا کر دے گا؟ مگر اس نے اپنے بدن کے مقدس کی بابت کہا تھا، پس جب وہ مُردوں میں سے جی اٹھا تو اس کے شاگردوں کو یاد آیا کہ اس نے یہ کہا تھا، اور انہوں نے کتابِ مقدس اور اس قول کا جو یسوع نے کہا تھا یقین کیا"

غور فرمایئے کہ اس جگہ تو مسیح علیہ السلام کے شاگرد بھی اُن کی بات کو نہیں سمجھے، یہودی تو کیا سمجھتے، شاگردوں نے بھی اس وقت سمجھا جب حضرت مسیحؑ

دوبارہ زندہ ہوئے۔

دوسری مثال

مسیح ؑ نے نیکدیمس عالم یہود سے فرمایا:۔

"جب تک کوئی نئے سرے سے پیدا نہ ہو وہ خدا کی بادشاہی کو دیکھ نہیں سکتا"

نیکدیمس مسیح کا مطلب نہیں سمجھ سکا، اور کہا کہ کسی ایسے شخص کے لئے جو بوڑھا ہو چکا ہو کیونکر ممکن ہے کہ وہ پھر پیدا ہو، کیا اس کو اس امر کی قدرت ہے کہ دوبارہ اپنی ماں کے پیٹ میں داخل ہو جائے، اور دوبارہ پیدا ہو؟ اسلئے مسیح ؑ نے اس کو دوبارہ سمجھایا اس دفعہ بھی وہ اُن کا مطلب نہیں سمجھ سکا، اور یہی کہا کہ ایسا کیونکر ممکن ہے؟ تب مسیح نے کہا تعجب ہے کہ تم اسرائیل کے استاد اور معلّم ہوتے ہوئے اتنی بات نہیں سمجھ سکے، یہ واقعہ تفصیل سے انجیل یوحنا کے باب ۳ میں مذکور ہے،

تیسری مثال

مسیح ؑ نے یہودیوں سے ایک مرتبہ خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں زندگی کی روٹی ہوں، اگر کوئی شخص اس روٹی سے کچھ کھائے گا، وہ ہمیشہ زندہ رہے گا، اور وہ روٹی جو میں دوں گا وہ میرا جسم ہے، یہ یہودی آپس میں جھگڑنے لگے کہ یہ بات کس طرح ہو سکتی ہے کہ وہ ہم کو اپنا جسم کھانے کے لئے دیدے، تب مسیح نے ان سے کہا کہ اگر انسان کے بیٹے کا جسم نہیں کھاؤ گے اور اس کا خون نہیں پیئو گے تو تم کو حیات نصیب نہیں ہو گی، جو شخص میرا جسم کھائے گا وہ میرا خون پئے گا اس کو دائمی زندگی حاصل ہو گی، کیونکہ میرا جسم سچا کھانا اور میرا خون سچا پینا ہے، جو شخص میرا جسم کھائے گا اور میرا خون پئے گا وہ مجھ میں سما جائے گا، اور میں اس میں سما جاؤں گا، جس طرح مجھ کو میرے زندہ باپ نے بھیجا ہے اور میں اپنے باپ سے زندہ ہوں، پس جو شخص مجھ کو کھائے گا وہ میرے ساتھ زندہ رہے گا، تب مسیح ؑ کے بہت سے شاگرد کہنے لگے کہ اس بات کو سننے کی کس کو قدرت ہے؟

اس لئے بہت سے شاگرد اس کی رفاقت سے علیحدہ ہو گئے، یہ قصہ مفصل طور پر انجیل یوحنا باب ۶ میں مذکور ہے، اس موقع پر بھی یہودی مسیح کی بات کو قطعی نہیں

سمجھ سکے، بلکہ شاگردوں نے بھی اُسے دشوار اور پیچیدہ خیال کیا، جس کے نتیجہ میں ان میں سے بہت سے لوگ مرتد ہو گئے[1]

چوتھی مثال

انجیل یوحنا باب ۸ آیت ۲۱ میں ہے :۔

"اس نے پھر ان سے کہا میں جاتا ہوں، اور تم مجھے ڈھونڈو گے اور اپنے گناہ میں مرو گے، جہاں میں جاتا ہوں تم نہیں آسکتے، پس یہودیوں نے کہا کیا وہ اپنے آپ کو مار ڈالے گا جو کہتا ہے کہ جہاں میں جاتا ہوں تم نہیں آسکتے" (آیات ۲۱، ۲۲)

پانچویں مثال

انجیل یوحنا باب ۸ آیت ۵۱ میں ہے :۔

"میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص میرے کلام پر عمل کرے گا تو ابد تک کبھی موت نہیں دیکھے گا، یہودیوں نے اس سے کہا کہ اب ہم نے جان لیا کہ تم میں بدروح ہے، ابرہام مر گیا، اور نبی مر گئے، مگر تو کہتا ہے کہ اگر کوئی میرے کلام پر عمل کرے گا تو ابد تک کبھی موت کا مزہ نہیں چکھے گا"

دیکھئے! یہاں یہودی اُن کی بات نہیں سمجھ سکے، بلکہ انھیں مجنون تک کہہ دیا،

چھٹی مثال

انجیل یوحنا باب ۱۱ آیت ۱۱ میں ہے کہ :۔

"اس کے بعد اس سے کہنے لگا کہ ہمارا دوست لعزر[2] سو گیا ہے، لیکن میں اُسے جگانے جاتا ہوں، پس شاگردوں نے اس سے کہا کہ اے خداوند! اگر سو گیا ہے تو بچ جائے گا، یسوع نے اسکی موت کی بابت کہا ہے مگر وہ سمجھے کہ آرام کی نیند کی بابت کہا" (آیات ۱۱ تا ۱۳)

یہاں جب تک مسیحؑ نے خود وضاحت نہ کی شاگرد بھی ان کی بات نہ سمجھے،

ساتویں مثال

انجیل متی باب ۱۶ آیت ۶ میں ہے :۔

"یسوع نے اُس سے کہا خبردار فریسیوں[3] اور صدوقیوں کے

[1] اس واقعہ کا خلاصہ مصنفؒ نے یہاں اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے، انجیل کی عبارت بہت طویل ہے۔ ۱۲ ت

[2] لعزر، یہ وہی شخص ہے جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بحکم خداوندی مرنے کے بعد زندہ کیا تھا ۱۲ تقی

[3] فریسی (PHARISEES) یہودیوں کا ایک فرقہ جو اپنے آپ کو "ہیسی دم" بمعنی مقدس لوگ کہتا تھا HASIDIM

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

خمیر سے ہوشیار رہنا، وہ اپنے میں چرچا کرنے لگے کہ ہم روٹی نہیں لائے، یسوع نے یہ معلوم کرکے کہا اے کم اعتقادو! تم آپس میں کیوں چرچا کرتے ہو کہ ہمارے پاس روٹی نہیں؟ کیا وجہ ہے کہ تم یہ نہیں سمجھتے کہ میں نے تم سے روٹی کی بابت نہیں کہا؟ فریسیوں اور صدوقیوں کے خمیر سے خبردار رہو، تب ان کی سمجھ میں آیا کہ اُس نے روٹی کے خمیر سے نہیں بلکہ فریسیوں اور صدوقیوں کی تعلیم سے خبردار رہنے کو کہا تھا ''

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اس موقع پر بھی مسیحؑ کے شاگرد ان کی تنبیہ کے بغیر ان کا مقصد نہیں سمجھ سکے،

آٹھویں مثال

انجیل لوقا باب ۸ آیت ۵۲ میں اس لڑکی کا حال بیان کرتے ہوئے جس نے حضرت مسیحؑ نے بحکم خداوندی زندہ کیا تھا یوں کہا گیا ہے :۔

''اور سب اس کے لئے رو پیٹ رہے تھے، مگر اس نے کہا رو نہیں، وہ مر نہیں گئی، بلکہ سوتی ہے، وہ اس پر ہنسنے لگے، کیونکہ جانتے تھے کہ وہ مر گئی ''

اس موقع پر بھی کوئی شخص حضرت مسیحؑ کی صحیح مراد نہ سمجھ سکا، اس لئے ان کا مذاق اڑایا،

نویں مثال

انجیل لوقا باب ۹ میں حواریوں سے خطاب ہے :۔

'' تمہارے کانوں میں یہ باتیں پڑی رہیں، کیونکہ ابن آدم آدمیوں

دلگذشتہ سے پیوستہ) ، مگر بائبل میں انھیں فریسی بمعنی '' علیحدہ کئے ہوئے'' کہا گیا، یہ لوگ کہتے تھے کہ ہم کافروں سے کلی طور پر مقاطعہ کرکے خدا کے احکام سے متقیانہ حد تک وابستگی رکھتے ہیں، مگر تورات کی روح کے خلاف کام کرتے تھے، یوسیفس کا کہنا ہے کہ انہوں نے چھ ہزار ارکان پر مشتمل ایک مذہبی جماعت بنائی ہوئی تھی، یہ لوگ صدوقیوں کے برخلاف قیامت، روح اور فرشتوں کے وجود کے قائل تھے، (اعمال ۲۳ : ۸) حضرت عیسیٰؑ سے ان کے کئی مناظرے ہوئے، انھوں نے ان کے خلاف سازشیں کیں (متی ۱۲ : ۱۴، مرقس ۳ : ۶) حضرت عیسیٰؑ نے ان کے بُرے کرتوتوں کو گنوا کر ان پر ملامت کی (متی باب ۲۳) مزید تفصیلات کیلئے دیکھئے کنکارڈنس اور کتاب المخطوطا للمقریزی ج ۴ ص ۳۶۷

کے ہاتھوں میں حوالے کئے جانے کو ہے، لیکن وہ اس بات کو سمجھتے نہ تھے، بلکہ یہ ان سے چھپائی گئی تاکہ اُسے معلوم نہ کریں اور اسی بات کی بابت اس سے پوچھتے ہوئے ڈرتے تھے"

یہاں بھی حواری آپ کی بات نہ سمجھ سکے، اور صرف یہی نہیں بلکہ ڈر کے مارے پوچھا بھی نہیں

دسویں مثال

انجیل لوقا باب ۱۸ آیت ۳۱ میں ہے :-

"پھر اس نے ان بارہ کو ساتھ لے کر اُن سے کہا، دیکھو ہم یروشلم کو جاتے ہیں، اور جتنی باتیں نبیوں کی معرفت لکھی گئی ہیں، ابن آدم کے حق میں پوری ہوں گی، کیونکہ وہ غیر قوم والوں کے حوالہ کیا جائے گا، اور لوگ اس کو ٹھٹھوں میں اُڑائیں، اور بے عزت کریں گے، اور اس پر تھوکیں گے، اور اُس کو کوڑے ماریں گے، اور قتل کریں گے، اور وہ تیسرے دن جی اٹھے گا، لیکن انہوں نے ان میں سے کوئی بات نہ سمجھی، اور یہ قول ان پر پوشیدہ رہا، اور ان باتوں کا مطلب اُن کی سمجھ میں نہ آیا" (آیات ۳۱ تا ۳۴)

اس مقام پر بھی حواریوں نے مسیحؑ کی بات نہیں سمجھی، حالانکہ یہ دوسری بار سمجھایا گیا تھا، اور بظاہر کلام میں کوئی اجمال بھی نہ تھا، غالباً نہ سمجھنے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اُن لوگوں نے یہودیوں سے سُنا تھا کہ مسیحؑ عظیم الشان بادشاہ ہوں گے، پھر جب وہ عیسیٰؑ پر ایمان لائے اور ان کے مسیح ہونے کی تصدیق کی تو ان کا خیال یہ تھا کہ وہ عنقریب شاہانہ تخت پر رونق افروز ہونگے، اور ہم بھی شاہی تخت پر جگہ پائیں گے، کیونکہ مسیحؑ نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ وہ لوگ بارہ تختوں پر بیٹھیں گے، اور ان میں سے ہر ایک بنی اسرائیل کے ایک ایک فرقہ پر حکمرانی کرے گا، ان لوگوں نے سلطنت سے مراد دنیوی سلطنت لی تھی، جیساکہ ظاہر بھی یہی معلوم ہوتا ہے، اور یہ کلام ان کے اس خیال اور نظریہ اور توقعات کے عین مخالف تھا، اس لئے وہ اس کو نہ سمجھ سکے، عنقریب آپ کو معلوم ہوگا کہ حواری اس قسم کی توقعات رکھتے تھے،

اس اجمال کی وجہ سے کئی چیزیں عیسائیوں پر مشتبہ رہ گئیں

نیز مسیحؑ کے شاگردوں

پر ان کے بعض اقوال کی وجہ سے دو چیزیں مشتبہ بن گئیں، اور یہ اشتباہ مرتے دم تک تمام یا اکثر عیسائیوں سے دور نہ ہو سکا۔

① ان کا اعتقاد تھا کہ یوحنا قیامت تک نہیں مرے گا،

② ان کا عقیدہ تھا کہ قیامت ان کے زمانہ میں واقع ہو گی، جیسا کہ تفصیل سے باب میں معلوم ہو چکا ہے،

اور بات یقینی ہے کہ عیسیٰؑ کے بعینہ الفاظ کسی انجیل میں بھی محفوظ نہیں رہے، بلکہ سب انجیلوں میں اُن کا وہ یونانی ترجمہ ہے جو راویوں نے سمجھا تھا، مقصد ۳ شہادت نمبر ۱۸ باب ۲ میں یہ بات تفصیل سے آپ کو معلوم ہو چکی ہے کہ اصل انجیل تو موجود ہی نہیں، بلکہ اس کا ترجمہ ہے، اور وہ بھی ایسا کہ اس کے مترجم کا آج تک یقین کے ساتھ پتہ نشان تک نہیں معلوم ہو سکا، اور کسی سند متصل سے یہ بات ثابت نہیں ہے کہ باقی کتابیں جن اشخاص کی طرف منسوب ہیں وہ واقع ان کی تصنیف کردہ ہیں۔ اور یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ ان کتابوں میں یقینی طور پر تحریف واقع ہوئی ہے، اور یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ کہ دیندار یا دیانت دار طبقہ کسی مقبول مسئلہ کی تائید کے لئے یا کسی اعتراض سے بچنے کے لئے جان بوجھ کر ہمیشہ تحریف کرتا رہا ہے۔

نیز مقصد نمبر ۲ شاہد نمبر ۳۶۱ میں ثابت ہو چکا ہے کہ اس مسئلہ میں بھی تحریف واقع ہوئی ہے، چنانچہ یوحنا کے پہلے خط باب ۵ میں اس عبارت کا اضافہ کیا گیا ہے کہ

"آسمان میں گواہ تین ہیں، باپ، کلمہ اور روح القدس، اور یہ تینوں ایک ہیں، اور زمین کے"

اس طرح انجیل لوقا کے باب میں کچھ الفاظ بڑھائے گئے اور انجیل متی باب نمبر ۱ سے بعض الفاظ کم کئے گئے، انجیل لوقا باب ۲ سے ایک پوری آیت کو ساقط کر دیا گیا، ایسی شکل میں اگر مسیح کے بعض مشتبہ اقوال تثلیث پر دلالت کرتے ہوئے پائے جائیں اعتماد کے قابل نہیں ہو سکتے خصوصاً جب کہ وہ اپنے مفہوم میں صریح اور واضح بھی نہ ہوں، جیسا کہ ابھی بارہویں بات کے

ہ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مقدمہ ص ۱۶۹ اور جلد ہذا صفحہ ۶۸۱،

ضمن میں آپ کو معلوم ہو گا،

عقلی محالات واقعی ناممکن ہیں
ساتویں بات

کبھی کبھی انسانی عقل بعض چیزوں کی ماہیت اور انکی پوری حقیقت کا ادراک کرنے سے قاصر رہتی ہے مگر اس کے باوجود اس کے امکان کو تسلیم کرتی ہے، اور اس کے موجود ہونے سے کوئی عقلی استحالہ لازم نہیں آتا، اسی وجہ سے ایسی چیزوں کو ممکنات میں شمار کیا جاتا ہے۔

اسی طرح کبھی کبھی بداہتہً یا کسی عقلی دلیل کی بناء پر بعض اشیاء کے ممتنع ہونے کا ہماری عقل فیصلہ کر لیتی ہے، اور عقلاً ایسی چیزوں کا وجود محال کو مستلزم ہوتا ہے، اسی طرح ایسی چیزوں کو محال اور ناممکن شمار کیا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ دونوں صورتوں میں کھلا ہوا فرق ہے۔ حقیقی اجتماع[1] نقیضین اور ارتفاع نقیضین منجملہ دوسری قسم کے ہیں، اسی طرح حقیقی وحدت و کثرت کا اجتماع کسی شخصی مادہ میں ایک ہی زمانہ اور ایک ہی جہت سے، یہ بھی ممتنع ہے، اسی طرح زوجیت اور فردیت کا اجتماع یا افراد مختلفہ کا اجتماع یا اجتماع ضدین، جیسے روشنی اور تاریکی، سیاہی اور سپیدی، گرمی اور ٹھنڈک، خشکی اور تری، اندھا پن اور بینائی، سکون اور حرکت، یہ سب چیزیں ایک مادہ شخصی میں زمان وجہت کے اتحاد کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں، ان اشیاء کا استحالہ ایسا بدیہی ہے کہ ہر عقلمند کی

---

[1] اجتماع نقیضین کا مطلب یہ ہے کہ دو ایسی چیزوں کا ایک وجود میں جمع ہو جانا جو باہم متناقض اور متضاد ہیں، مثلاً "انسان" اور "غیر انسان"، کوئی وجود دنیا میں ایسا نہیں ہو سکتا جسے انسان اور غیر انسان دونوں کہا جا سکے، اس کے برعکس "ارتفاع نقیضین" کا مطلب یہ ہے کہ کوئی وجود ایسی دونوں چیزوں سے خالی ہو، یہ بھی محال ہے، عقلاً یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک چیز نہ انسان ہو اور نہ غیر انسان، مثلاً اگر زید غیر انسان نہیں ہے تو انسان ہے اور پتھر انسان نہیں ہے تو غیر انسان ہے، یہ دونوں علم منطق کی اصطلاح ہیں، اور ان کا باطل اور ناممکن ہونا وہ اتفاقی مسئلہ ہے جس پر آجتک کسی ایک متنفس کا اختلاف نہیں ہوا، ۱۲

عقل اس کا بھی فیصلہ کرتی ہے، اسی طرح دور وتسلسل[1] کا لازم آنا بھی محال ہے، کہ اس کے بطلان پر عقلی دلائل قائم ہیں،

دو دلیلوں میں تعارض ہو تو کیا کرنا چاہیئے، آٹھویں بات

جب دو باتوں میں تعارض پیش آجائے اور کوئی تادیل ممکن نہ ہو تب تو دونوں کو ساقط کرنا ضروری ہوتا ہے، ورنہ دونوں میں تادیل کی جاتی ہے، مگر ایسی تادیل ضروری ہے جس سے کوئی محال لازم نہ آتا ہو، مثال کے طور پر جو آیات خدا کے جسمانی اور شکل وصورت والا ہونے پر دلالت کرتی ہیں، وہ ان آیتوں کے معارض ہیں جو خدائے تعالیٰ کا جسم اور شکل وصورت سے پاک ہونا ظاہر کرتی ہیں، اس لئے ان میں تادیل کرنا ضروری ہے جیسا کہ تیسری بات میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے، مگر یہ ضروری ہے کہ یہ تادیل نہ ہو کہ خدائے تعالیٰ دونوں صفتوں کے ساتھ متصف ہیں، جسمیت کے ساتھ بھی اور تنزیہہ کے ساتھ بھی، اگر کوئی شخص عقل کے خلاف یہ بات کہے تو یہ تادیل غلط اور قابلِ رد ہے جو تناقض کو ختم نہیں کرتی،

تین کبھی ایک نہیں ہو سکتے نویں بات

عدد چونکہ "کم" کی ایک قسم ہے، اس لئے کبھی بھی قائم بالذات نہیں ہو سکتا، بلکہ ہمیشہ قائم بالغیر ہوتا ہے، اور ہر موجود کے لئے کثرت یا وحدت کا معروض ہونا ضروری ہے، اور ہر ذات موجود جو امتیازِ حقیقی کے ساتھ ممتاز ہے اور متشخص بالتشخص ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ حقیقی کثرت کا معروض ہو، پھر جب وہ کثرت کا معروض بن چکا تو پھر کسی طرح حقیقی وحدت کا معروض بننے کی اس میں صلاحیت نہیں ہے، ورنہ حقیقتاً اجتماعِ ضدّین لازم آئے گا، جیسا کہ ساتویں بات میں معلوم ہو چکا ہے[2]، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ وحدتِ اعتباری کا اس

---

[1] "دور" کی تعریف پیچھے گذر چکی ہے (دیکھئے حاشیہ صفحہ) اور "تسلسل" کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کا اس طرح غیر متناہی ہونا کہ اس کا سلسلہ کبھی ختم ہی نہ ہو، یہ چیز بھی تمام عقلاء کے نزدیک محال ہے، ۱۲ تقی [2] دیکھئے صفحہ ۸۵۴، ۸۵۵ جلد ہذا،

طرح معروض بن سکے کہ مجموعہ حقیقتاً کثیر اور واحد اعتباری ہو[1]

عیسائی حضرات توحید کو بھی حقیقی مانتے ہیں اور تثلیث کو بھی، دسویں بات

ہم میں اور اہل تثلیث میں اس وقت اختلاف و نزاع پیدا نہیں ہوتا جب تک عیسائی حضرات تثلیث و توحید دونوں کے حقیقی ہونے کا دعویٰ نہ کریں، اور اگر وہ تثلیث کو حقیقی اور توحید کو اعتباری مانتے ہیں تو ایسی صورت میں ہمارے اور ان کے درمیان کوئی نزاع اور جھگڑا نہیں ہو سکتا[2]، مگر وہ اپنے خداؤں کے بارے میں حقیقی توحید اور حقیقی تثلیث کے مدعی ہیں جس کی تصریح علماءِ پروٹسٹنٹ کی کتابوں میں موجود ہے چنانچہ میزان الحق کے مصنف نے اپنی کتاب، حل الاشکال کے باب ۱ میں یوں کہا ہے کہ

"عیسائی توحید اور تثلیث دونوں کے معنی حقیقی پر محمول کرتے ہیں"

عقیدۂ تثلیث کی تشریح میں عیسائی فرقوں کا اختلاف، گیارہویں بات

علامہ مقریزی[3] نے اپنی کتاب الخطط میں اپنے زمانہ کے عیسائی فرقوں کا بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:-

---

[1] اس عبارت کا خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ عقلاً کوئی چیز جو ایک سے زیادہ ہو وہ کبھی ایک نہیں ہو سکتی، مثلاً تین کتابوں پر اگر تین ہونے کا حکم لگا دیا گیا تو وہ تین ہی ہیں ان کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ایک ہیں، مصنف نے اسی بات کو منطقی اصطلاحوں میں سمجھایا ہے جن کی تشریح یہاں تفصیل طلب بھی اور غیر ضروری بھی ۱۲

[2] کیونکہ ہم بھی یہ مانتے ہیں کہ تین چیزیں اعتباری طور پر ایک ہو سکتی ہیں، جیسا کہ منطق کا مسلمہ ہے کہ کئی چیزوں کا مجموعہ ایک مستقل چیز ہوتی ہے، مقدمہ میں صفحہ ۳۳، ۳۴ پر ہم نے اسے اچھی طرح واضح کر دیا ہے اسکی مراجعت فرمائیے،

[3] علامہ تقی الدین احمد بن علی مقریزی رح، بعلبک میں ۷۶۴ھ میں پیدا ہوئے، زیادہ عمر قاہرہ میں گذاری چند سال مکہ مکرمہ میں بھی رہے، مورخین میں آپ کا ایک خاص مقام ہے، آپ کی کتاب الخطط مشہور عالم کتاب ہے، جس میں مصر سے متعلق بیشمار تاریخی، تمدنی اور اجتماعی معلومات جمع کر دی ہیں، رمضان ۸۴۵ھ میں وفات پائی ۱۲ تقی

"عیسائیوں کے بے شمار فرقے ہیں، ملکانیہ[۵۱]، نسطوریہ[۵۲]، یعقوبیہ[۵۳]،"

[۵۱] ملکانیہ یا ملکانیہ، بادشاہِ روم کی طرف منسوب ہیں، (دیکھئے الملل و النحل شہرستانی، ص ۳۹ ج ۲) اور غالباً ان سے مراد رومن کیتھولک ہیں ۱۲

[۵۲] نسطوریہ (NESTORIANS) قسطنطنیہ کے ایک مشہور فلسفی اور پیٹرک نسطوریوس کی طرف منسوب ہیں، جو پانچویں صدی عیسوی میں گذرا ہے، اس کا نظریہ یہ تھا کہ مریمؑ سے پیدا ہونیوالا مسیح تھا، اور خدا سے پیدا ہونیوالا ازلی بیٹا مسیح کے اندر اس طرح حلول کر گیا جس طرح سورج کی روشنی بلّور میں منعکس ہو جاتی ہے، اس لئے لاہوتی مسیح اور ناسوتی مسیح الگ الگ چیزیں ہیں، اس لئے مسیح کو خدا کی طرف سجدہ کرنا جائز نہیں، اس کے نظریات پر غور کرنے کے لئے شہر افسس میں تیسری کانفرنس بلائی گئی، جس میں دو سو بشپ شریک تھے، اس کونسل نے نسطوریوس کو کافر قرار دیا لیکن انطاکیہ کا پیٹرک یوحنا اس کانفرنس میں شریک میں نہ ہو سکا تھا اس لئے اس نے اس فیصلہ کی مخالفت کی، جس کے نتیجہ میں عرصۂ دراز تک عیسائی علماء میں تفرقہ پڑا رہا، بالآخر ان پارٹیوں میں صلح ہوئی، تو بادشاہ نے نسطوریوس کو جلاوطن کر دیا، اور اس نے ۴۵۱ء میں وہیں انتقال کیا، اس کے بعد سے نسطوری فرقہ کے لوگ شام، ترکی، اور ایران کے غیر متمدن علاقوں میں وحشیانہ زندگی بسر کرتے رہے، اب تک ان لوگوں کے کلیسا بے انتہا بدصورت اور اندھیرے ہوتے ہیں، یہ فرقہ اکثر و بیشتر تعلیم سے دور رہا، (ملاحظہ ہو انسائیکلو پیڈیا، ص ۲۴۵، ۲۴۶ ج ۱۶، مقالہ NESTORIANS اور الملل والنحل شہرستانی ص ۴۴، ۴۵ ج ۲ قاہرہ ۱۹۴۸ء، الخطط المقریزیہ ص ۳۸۹ ج ۳)

[۵۳] یعقوبیہ (JACOBITES) یہ فرقہ یعقوب برذعانی (JAMES ARADAEUS) کی طرف منسوب ہے، جو ۵۷۸ء سے کچھ قبل پیدا ہوا تھا، اس کا نظریہ یہ تھا کہ مسیح جس طرح دو جوہروں سے مل کر بنا ہے ایک لاہوتی اور ایک ناسوتی، اسی طرح وہ دو مستقل اقنوموں پر بھی مشتمل ہے، یہ عقیدہ تمام عیسائیوں کے اس لئے خلاف تھا کہ وہ مسیح کو دو جوہر تو مانتے ہیں، مگر دو اقنوم نہیں مانتے، بعد میں اس فرقہ کے افراد نے اور غلو کر کے یہ کہا کہ مسیح ہی اللہ کی ذات ہے مسیح میں اور اس میں کوئی فرق نہیں، (دیکھئے برٹانیکا ص ۸۵۹، ج ۱۲ شہرستانی ص ۸۹ ج ابن خلدون، ص ۲۲۵، ج ۱ ابن حزم ص ۴۹ ج ۱)،

یوذغانیہ[1]، مرقولیہ یعنی رہاوی جو حرّان کے قریب آباد تھے وغیرہ وغیرہ "

پھر فرماتے ہیں کہ :۔

" ملکانیہ، نسطوریہ، یعقوبیہ تینوں اس پر متفق ہیں کہ ان کا معبود تین اقنوم ہیں، اور یہ تینوں اقنوم ایک ہی ہیں، یعنی جوہر قدیم، جس کے معنیٰ ہیں باپ، بیٹا، روح القدس مل کر ایک معبود "

پھر فرماتے ہیں کہ :۔

" ان کا بیان ہے کہ بیٹا ایک پیدا شدہ انسان کے ساتھ متحد ہو گیا، اور متحد ہونے والا اور جس کے ساتھ متحد ہوا دونوں مل کر ایک مسیح بن گیا، اور مسیح ہی بندوں کا معبود اور ان کا رب ہے، اب اس اتحاد کی کیفیت اور نوعیت میں ان کے درمیان اختلاف ہے، بعض عیسائیوں کا تو یہ دعویٰ ہے کہ جوہر لاہوتی اور جوہر ناسوتی میں اتحاد ہوا اور اس اتحاد نے دونوں کو اپنی اپنی جوہریت اور عنصریت سے خارج نہیں کیا، اور مسیح رب معبود بھی ہے اور مریم کا بیٹا بھی جو اُن کے پیٹ میں رہا تھا اور جس کو اُس نے جنا تھا اور جو قتل کر کے سُولی دیا گیا،

کچھ عیسائیوں کا دعویٰ یہ ہے کہ متحد ہونے کے بعد دو جوہر ہو گئے، ایک لاہوتی اور دوسرا ناسوتی، اور قتل اور سولی کے واقعات کا تعلق مسیح کی ناسوتی جہت سے ہے لاہوتی سے نہیں، مسیح جو مریم سے پیدا ہوئے یہ بھی ناسوتی کیفیت کے اعتبار سے، یہ نظریہ نسطوریوں کا ہے، یہ کہتے ہیں کہ مسیح پورا کا پورا الٰہ معبود ہے، اور خدا کا بیٹا ہے،

بعض عیسائیوں کا نظریہ یہ ہے کہ اتحاد دو چیزوں میں واقع ہوا، یعنی جوہر لاہوتی اور جوہر ناسوتی میں، اور جوہر لاہوتی بسیط وغیر منقسم ہے، کچھ عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اتحاد اس طرح ہوا کہ بیٹے کا اقنوم جسم میں حلول کر گیا، اور گھل مل گیا،

[1] یوذغانیہ، علامہ مقریزیؒ نے اس کو عیسائیوں میں شمار کیا ہے، لیکن علامہ شہرستانی رح اسے یہودیوں میں شمار کرتے ہیں الملل، ص ۲۵ ج ۲، ہمیں تحقیق نہیں ہو سکی کہ ان میں سے کونسا بیان درست ہے، ۱۲

بعض کا خیال یہ ہے کہ اتحاد صرف ظاہر کے لحاظ سے ہے، جیسے انگوٹھی کی تحریر یا نقش ونگار موم پر مرتسم ہوجاتا ہے، یا انسان کی شکل آئینہ میں نمایاں ہوتی ہے۔

غرض اس مسئلہ میں ان کا باہم سخت اختلاف ہے، فرقۂ ملکانیہ رومی بادشاہ کی طرف منسوب ہے، اُن کا دعویٰ یہ ہے کہ خدا تین معانی کا نام ہے، اس لئے وہ تین ایک اور ایک تین کے قائل ہیں،

یعقوبیہ کی گوہر فشانی یہ ہے کہ وہ واحد قدیم ہے، وہ نہ جسمانی تھا نہ انسان پھر مجسّم بھی بنا، اور انسان بھی،

مرقولیہ کی نازک خیالی یہ ہے کہ خدا ایک ہے، اس کا علم اس کا غیر اور اس کے ساتھ قدیم ہے، اور مسیح اس کا جسمانی بیٹا نہیں، بلکہ، بلکہ ازروئے شفقت ورحمت بیٹا کہا گیا ہے، جس طرح ابراہیم کو خدا کا دوست کہا جاتا ہے[1]؛

ناظرین کو عیسائیوں کے ان عالی دماغ فرقوں کی موشگافی سے اندازہ ہوگیا ہوگا کہ ان کی رائیں اقنوم ابن اور جسم مسیح کے درمیان پائے جانے والے اتحاد کی نسبت کس قدر مختلف ہیں، اسی وجہ سے قدیم اسلامی کتابوں میں آپ کو مختلف دلائل نظر آئیں گے، مرقولیہ کے اس عقیدہ میں ان سے ہمارا اختلاف ونزاع صرف اس قدر ہے کہ وہ ایک ایسا لفظ استعمال کرتے ہیں جو شرک کا وہم پیدا کرنے والا ہے[2]، چونکہ فرقۂ پروٹسٹنٹ نے دیکھ لیا تھا کہ اتحاد کا نظریہ سراسر واضح طور سے فساد کا موجب ہے، اس لئے انھوں نے اپنے اسلاف کی رائے کو چھوڑ کر سکوت کے سوا اور کسی صورت میں اپنے لئے پناہ نہیں سمجھی، اور علاقۂ اتحاد کی توضیح کرنے اور اقانیم ثلاثہ میں اتحاد کی وضاحت کرنے سے خاموشی اختیار کی،

---

[1] کتاب الخطط المقریزیہ ۴۰۷، ۴۰۸، ج ۲ طبع لبنان [2] کیونکہ قولیہ فرقہ حضرت مسیح کو صرف اس لحاظ سے خدا کا بیٹا کہتا ہے کہ اللہ ان پر ایسے ہی شفیق ومہربان ہیں جیسے کہ باپ بیٹے پر ہوتا ہے ۱۲

پچھلی امّتوں میں سے کوئی تثلیث کا قائل نہ تھا

بارھویں بات آدم ؑ سے لے کر موسیٰ ؑ تک گذشتہ امتوں اور قوموں میں سے کسی ایک نے بھی تثلیث کے عقیدہ کو اختیار نہیں کیا، کتاب پیدائش کی بعض[1] آیتوں کا سہارا لے کر اہلِ تثلیث کا استدلال ہمارے خلاف قابلِ پیش رفت نہیں ہے کیونکہ حقیقت میں یہ اس کے معانی کی تحریف ہے، اور اُن کے استدلال کے

---

[1] مثلاً عیسائی حضرات جس آیت پر سب سے زیادہ ناز کرتے ہیں وہ پیدائش کی یہ آیت ہے :-

"پھر خدا نے کہا کہ ہم انسان کو اپنی صورت پر اپنی شبیہ کے مانند بنائیں"۔ (پیدائش ۱: ۲۶)

اس میں خدا نے اپنے لئے "ہم" (جمع متکلم کا صیغہ) استعمال کیا ہے، اس سے اس بات پر دلیل لی جاتی ہے کہ خدا تنہا نہیں تھا، چنانچہ سینٹ آگسٹائن اپنی کتاب میں لکھتا ہے :-

"اگر تنہا باپ نے بغیر بیٹے کے انسان کو پیدا کیا ہوتا تو یہ عبارت نہ لکھی جاتی :-

لیکن اس دلیل کی کمزوری محتاج بیان نہیں ہے، اس لئے کہ اوّل تو "ہم" کا لفظ واحد متکلم کے لئے بکثرت استعمال ہوتا ہے، خصوصاً شاہانہ عبارتوں میں تو اس کا رواج عام ہے، خود قرآن کریم میں جو تثلیث کا کھلا مخالف ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے جمع متکلم کا صیغہ استعمال فرمایا ہے، (اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ) یہاں تک کہ پولس نے بھی اپنے لئے یہ صیغہ استعمال کیا ہے (دیکھئے ا۔کرنتھیوں ۳: ۴، ۸ : ۱ وغیرہ) پھر اگر جمع متکلم کے حقیقی معنی ہی لیتے ہیں تو ان واحد متکلم کے صیغوں کو کیا کہا جائے گا جو پوری بائبل میں پھیلے پڑے ہیں (مثلاً نمبرا اسلاطین ۱۷: ۱۹، لیسعیاہ ۵۰: ۱، یرمیاہ ۲۹: ۱۱، ۱۲ وغیرہ) وہاں حقیقی معنی کیونکہ مراد نہیں؟ اگر کہا جائے کہ باپ، بیٹا اور روح القدس تینوں مل کر ایک ہیں، اس لئے ان پر واحد متکلم کے صیغہ کا اطلاق درست ہے، تو ہم عرض کریں گے کہ جب وہ ایک ہیں تو ان پر جمع متکلم کا اطلاق درست نہ ہونا چاہیے، یہ تو قطعی ناممکن ہے کہ ایک ذات پر جمع متکلم کا صیغہ بھی حقیقتاً دلا جائے اور واحد متکلم کا بھی، (باقی بر صفحہ آئندہ)

پیش نظر جو معنی حاصل ہوتے ہیں ان پر یہ بات پورے طور پر صادق آتی ہے کہ (المعنی فی بطن الشاعر)
ہم اس بات کا دعویٰ نہیں کرتے کہ وہ پیدائش کی کسی آیت سے استدلال نہیں کرتے، بلکہ ہمارا دعویٰ صرف یہ ہے کہ کسی آیت سے یہ ثابت نہیں ہے کہ گذشتہ امتوں میں سے کسی کا بھی یہ عقیدہ رہا ہے، چنانچہ شریعت موسوی اور ان کی اُمت میں اس عقیدہ کا موجود نہ ہونا محتاج بیان نہیں ہے، جو شخص موجودہ مروّجہ توریت کا مطالعہ کرے گا اس سے یہ بات مخفی نہ رہیگی:
یحییٰ علیہ السلام کو بھی اپنی آخری عمر میں مسیح ع کی نسبت یہ شک پیدا ہو گیا تھا کہ وہ واقع میں مسیح موعود ہیں یا نہیں؟ جس کی تصریح انجیل متی باب ۱۱ میں موجود ہے کہ یحییٰ علیہ السلام نے اپنے دو شاگردوں کو مسیح کے پاس بھیجکر یہ دریافت کیا کہ کیا تو وہی آنے والا ہے یا ہم کسی دوسرے کا انتظار کریں؟

اب اگر عیسیٰ علیہ السلام خدا ہوتے تو یحییٰ ع کا کافر ہونا لازم آتا ہے، (العوذ باللہ) کیونکہ خدا کی نسبت شک کرنا کفر ہے، اور یہ کیونکر تصوّر کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے معبود کو پہچانتے بھی نہ تھے، حالانکہ وہ خود نبی بلکہ مسیح ع کی شہادت کے مطابق تمام نبیوں سے افضل تھے، جس کی تصریح اسی باب میں موجود[1] ہے، پھر جب کہ افضل ترین شخص جو اتفاق سے مسیح کا معاصر

(گذشتہ سے پیوستہ) اور اگر آپ یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ "ہم" کا صیغہ اپنے حقیقی معنی میں آیا ہے اور "میں" مجازی معنی میں، تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ خدا کے لئے حقیقی صیغہ پوری بائبل میں صرف دو تین جگہ استعمال ہوا ہے، اور ہزاروں جگہ مجازی صیغہ استعمال کیا گیا ہے، غور فرمائیے کہ ان دو تین جگہوں کو مجازی معنی پر محمول کرنا عقل کے نزدیک زیادہ قابل قبول ہے، یا ان ہزاروں مقامات کو جہاں جہاں خدا کے لئے واحد متکلم کے صیغہ کا استعمال کیا گیا ہے، اس کے علاوہ یہ بات اب پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ پیدائش کی جن آیتوں میں خدا کے لئے "ہم" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے ان میں معنوی تحریف ہوتی ہے، بائبل کے یہودی مفسرین نے اس حقیقت کو محققانہ انداز میں طشت از بام کر دیا ہے، مسلمانوں میں سے حضرت مولانا ناصر الدین صاحب رح نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب "نوید جاوید" (ص ۳۴۹ تا ۳۶۵) میں تفصیل سے عبرانی زبان کی لغت اور قواعد سے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ یہاں "ممنو" کا ترجمہ "ہم" سے کرنا ایک زبردست غلطی ہے، جس کا ارتکاب یقیناً جان بوجھ کر کیا گیا ہے ۱۲ تقی

---

[1] "جو عورتوں سے پیدا ہوئے ہیں، ان میں یوحنا بپتسمہ دینے والے سے بڑا کوئی نہیں" (متی ۱۱:۱۱)

بھی ہے، اپنے معبود کو شناخت نہ کر سکا، تو دوسرے گذشتہ نبی جو مسیح علیہ السلام سے پہلے ہو گزرے ہیں، ان کے نہ پہچاننے کو بطریق اولیٰ اس قیاس پر کر لیجئے، نیز علماء یہود موسیٰ ؑ کے عہد سے آج تک اس عقیدے کے معترف نہیں ہیں، اور یہ بات ظاہر ہے کہ ذات خداوندی اور اسکی تمام صفات قدیم ہیں، غیر متغیر ہیں اور ازلاً و ابداً موجود ہیں :۔

اگر تثلیث حق اور سچی ہوتی تو موسیٰ ؑ اور تمام انبیاء بنی اسرائیل پر یہ بات واجب تھی کہ وہ اس مسئلہ کو کما حقہ واضح کرتے، حیرت بالائے حیرت ہے کہ شریعت موسویہ جو عہد عیسوی تک تمام بنی اسرائیل کے لئے واجب الاطاعت تھی، وہ اس قدر عظیم الشان اور اہم عقیدہ کے بیان سے قطعی خالی ہے جو اہل تثلیث کے دعوے کے بموجب مدارِ نجات ہے، اور بلا استثناء اس عقیدہ کے بغیر کسی کی نجات ممکن نہیں ہے، خواہ نبی ہو یا غیر نبی ۔۔۔ نہ موسیٰ ؑ اس عقیدہ کی وضاحت کرتے ہیں، اور نہ بنی اسرائیل کا کوئی دوسرا پیغمبر اس کی ایسی تصریح کرتا ہے کہ جس سے یہ عقیدہ سمجھ میں آسکتا، اور کوئی شک باقی نہ رہتا، حالانکہ یہی موسیٰ ؑ ان احکام کو جو مقدس پولس کے نزدیک کمزور اور بہت ہی ناقص ہیں خوب وضاحت سے بیان کرتے ہیں، اور نہ صرف ایک مرتبہ بلکہ بار بار ان کی مکمل تشریح کرتے ہیں، اور ان کی پابندی کی سختی سے تاکید کرتے ہیں، اور بعض احکام کے چھوڑنے والے کو واجب القتل قرار دیتے ہیں،

اور اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ خود عیسیٰ ؑ نے عمر بھر اپنے عروج آسمانی سے پہلے کبھی بھول کر بھی ایک بار اس عقیدہ کو بیان نہیں کیا، مثلاً آپ یہ فرماتے کہ خدا تین اقنوم ہیں، باپ، بیٹا اور روح القدس، اور اقنوم ابن میرے جسم کے ساتھ فلاں رشتے سے متعلق ہے، یا کسی ایسے رشتے سے جس کا سمجھنا تمہاری عقلوں کے بس کا کام نہیں، یا اسی قسم کی اور کوئی واضح بات فرما دیتے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اہل تثلیث کے پاس حضرت مسیح ؑ کے چند مشتبہ اقوال کے سوا اس سلسلے میں کچھ نہیں ہے، میزان الحق کا مصنف اپنی مفتاح الاسرار میں کہتا ہے :۔

"اگر تم اعتراض کرو کہ مسیح نے اپنی الوہیت کو واضح طور پر بیان کیوں

نہیں کیا؟ اور صاف وضاحت سے مختصراً یہ کیوں نہ کہا کہ میں ہی بلا شرکت غیرے معبود ہوں، الخ"

پھر ایک نامعقول سا جواب دیا ہے جس کو اس مقام پر نقل کرنے سے ہماری کوئی غرض حاصل نہیں ہوتی، پھر دوسرا جواب یوں دیا ہے کہ:۔

"اس تعلق کو سمجھنے کی قابلیت کسی میں موجود نہیں تھی، اور آپ کے دوبارہ زندہ ہونے اور عروج عثمانی سے قبل اس علاقہ اور وحدانیت کو سمجھنے کی قدرت کوئی بھی نہیں رکھتا تھا، ایسی صورت میں اگر آپ صاف صاف بیان کرتے، تو سب لوگ یہی سمجھتے کہ آپ جسم انسانی کے لحاظ سے خدا ہیں، اور یہ بات یقینی طور پر غلط اور باطل ہوتی، اس مطلب کا سمجھنا بھی ان مطالب کے ذیل میں شامل ہے، جن کی نسبت مسیح نے اپنے شاگردوں سے فرمایا تھا کہ مجھ کو تم سے بہت سی باتیں کہنا ہوتی ہیں، لیکن تم فی الحال ان کا تحمل نہیں کر سکتے، البتہ جب روح حق آئے گا وہ تمام سچی باتوں کی جانب تمھاری رہنمائی کرے گا، کیونکہ وہ خود اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا، بلکہ جو کچھ سنے گا وہی بیان کرے گا، اور آئندہ پیش آنے والے واقعات کی تم اطلاع دے گا"

پھر کہتا ہے کہ:۔

"بڑے بڑے یہودیوں نے بار بار ارادہ کیا کہ اس کو گرفتار کر کے سنگسار کر دیں، حالانکہ وہ ان کے سامنے اپنے خدا ہونے کو صاف اور واضح طور پر بیان نہیں کرتا تھا، بلکہ معمول اور گول مول طریقہ پر ظاہر کرتا تھا"

اس مصنف کے بیان سے دو عذر سمجھ میں آتے ہیں، ایک یہ کہ مسیحؑ کے عروج آسمانی سے قبل اس نازک مسئلہ کے سمجھنے کی کسی میں بھی صلاحیت موجود نہ تھی، دوسرے یہ کہ یہودیوں کا خوف صاف بیان کرنے سے مانع تھا، حالانکہ دونوں باتیں نہایت ہی کمزور ہیں، پہلی تو اس لئے کہ یہ چیز بس اس شبہ کو تو بیشک دور کر دینے کے لئے کافی ہو سکتی ہے کہ میرے جسم اور اقنوم کے درمیان پائے جانے والے اتحاد کا علاقہ تمھاری سمجھ سے بالاتر ہے، اس لئے اس

کی تفتیش اور کھود کرید نہ کرو، اور یقین رکھو کہ میں جسم کے لحاظ سے معبود نہیں ہوں، بلکہ اس اتحاد کے علاقہ سے معبود ہوں، رہا نفس مسئلہ کے سمجھے سے عاجز ہونا تو یہ تو عروج آسمانی کے بعد بھی بدستور قائم ہے، کیونکہ اس وقت سے لیکر آج تک کوئی عیسائی عالم بھی ایسا پیدا نہیں ہوا جو اس بات کو سمجھ سکا ہو کہ اس علاقہ اور وحدانیت کی صورت و نوعیت کیا ہے، اور اگر کسی نے اس سلسلہ میں کچھ کہا بھی ہے تو محض قیاس اور گمان اور اٹکل پچو اندازے کے سوا کچھ نہیں ہے، اسی وجہ سے علماء پروٹسٹنٹ نے سرے سے اس کی وضاحت ھی ترک کر دی، اور اس پادری نے بھی اپنی تصانیف میں بہت سے مقامات پر یہ اعتراف کیا ہے کہ یہ مسئلہ اسرار اور رموز میں سے ہے، انسانی عقل اس کے ادراک سے قاصر ہے،

رہی دوسری بات، تو ظاہر ہے کہ مسیح علیہ السّلام کی تشریف آوری کی غرض اس دنیا میں اس کے سوا اور کچھ نہیں تھی کہ مخلوق کے گناہوں کا کفارہ بن جائیں، اور یہودیوں کے ہاتھوں سُولی چڑھیں، ان کو یقینی طور پر معلوم تھا کہ یہودی ان کو سولی دیں گے، اور یہ بھی معلوم تھا کہ کب سُولی دیں گے، تو پھر اُن کو یہودیوں سے اس عقیدہ کی توضیح میں خوف کھانے کی کیا اور کس طرح گنجائش ہو سکتی ہے؟ اور بڑی ہی حیرت ناک ہے یہ بات کہ جو ذات آسمان وزمین کی خالق ہو، اپنی ہر مرضی پر قادر ہو، وہ اپنے بندوں سے ڈرے اور خوف کھائے جو دنیا میں سب سے زیادہ ذلیل قوم ہیں، اور ان سے اس قدر ڈرے کہ جو عقیدہ مدارِ نجات ہے اس کو بیان نہ کرے حالانکہ اس کے دوسرے بندے جو پیغمبر ہیں، جیسے ارمیاہ اور سعیاہ اور یحییٰ علیہ السلام وہ حق گوئی سے کبھی نہیں ڈرے، بلکہ انھوں نے حق گوئی کی پاداش میں شدید سے شدید اذیتیں اٹھائیں، یہاں تک کہ بعض قتل بھی کر دیئے گئے،

اور اس سے بھی زیادہ عجیب تر بات یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام یہودیوں سے اس ضروری عقیدہ کو بیان کرتے ہوئے تو ڈرتے اور خوف کھاتے تھے، مگر "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" میں انتہائی تشدد اور سختی کرتے ہیں، کہ نوبت گالیاں دینے کی بھی آجاتی ہے، چنانچہ فقیہوں اور فریسیوں کو ان کے مُنہ پر ان الفاظ سے خطاب کرتے ہیں کہ:-

"اے ریاکار فقیہو! اور فریسیو! تم پر افسوس! اے اندھے راہ بتانے والو تم

پر افسوس! — اے احمقو اور اندھو — اے سانپو! اے افعی کے بچو! تم جہنم کی سزا سے کیونکر بچو گے؟"

انجیل متی باب ۲۳ اور انجیل لوقا باب ۱۱ میں تصریح ہے کہ حضرت مسیحؑ ان کے عیوب عوام کے سامنے کھلم کھلا ببانگِ دہل بیان کرتے تھے یہاں تک کہ ان میں سے بعض نے شکایت کی کہ آپ ہم کو گالیاں دیتے ہیں، اور اسی قسم کی اور مثالیں انجیل کے دوسرے مقامات پر موجود ہیں، پھر مسیحؑ کے متعلق یہ بدگمانی کس حد تک جائز ہوسکتی ہے کہ وہ ایسے عقیدہ کو جس پر انسانی نجات کا مدار ہے اُن کے خوف کی وجہ سے بیان کرنا چھوڑ دیں، خدا نہ کرے وہ ایسے ہوں، اس پادری کے کلام سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ مسیحؑ نے اس مسئلہ کو جب کبھی ان کے سامنے ذکر کیا، تو چیستاں اور پہیلی کی طرح گول مول طریقہ پر بیان کیا، اور یہودی اس عقیدہ کے پکے دشمن تھے، یہاں تک کہ انہوں نے مسیحؑ کو اس گول مول ذکر پر بھی کئی مرتبہ سنگسار کرنے کا ارادہ کیا تھا ؛

پہلی فصل

تثلیث کا عقیدہ عقل کی کسوٹی پر

پہلی دلیل چونکہ عیسائیوں کے نزدیک تثلیث اور توحید سے مراد مقدمہ کی دسویں بات کے مطابق حقیقی توحید اور تثلیث ہیں، اس لئے جب حقیقی تثلیث پائی جائے گی تو نویں بات کے بموجب حقیقی کثرت کا پایا جانا ضروری ہوگا اور اس کی موجودگی میں حقیقی توحید کا پایا جانا ممکن نہ ہوگا، ورنہ مقدمہ کے نمبر، کے بموجب حقیقی ضدین کے درمیان اجتماع لازم آئے گا، جو محال ہے، اور واجب کا متعدد ہونا لازم آئے گا، اس صورت میں توحید یقیناً فوت ہو جائے گی، اس لئے تثلیث کا ماننے والا کسی صورت میں بھی خدا کو حقیقۃً ایک ماننے والا نہیں ہو سکتا،

اور یہ کہنا کہ توحید[۲] حقیقی اور تثلیث حقیقی کا غیر واجب میں جمع ہونا تو بیشک حقیقی ضدین کا اجتماع ہے، مگر واجب میں اس اجتماع کو اجتماع ضدین نہیں کہا جائے گا

---

[۱] یہ تمام باتیں بالکل واضح اور بدیہی ہیں، ایسی بدیہی کہ اگر انھیں بیان کرنا شروع کیا جائے تو بات الجھنے ہی لگتی ہے، آج تک کسی بچہ کو بھی یہ شبہ نہ ہوا ہوگا کہ "تین" اور "ایک" الگ الگ چیزیں نہیں ہیں، مگر جب انسان کی عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے تو اسے سمجھانے کے لئے ایسی چیزوں کے لئے بھی عقلی دلیلیں پیش کرنی پڑتی ہیں، لہٰذا اگر ان دلیلوں کے سمجھنے میں کہیں مشکل پیش آئے تو مصنف اور مترجم کو معذور سمجھیں،

[۲] عیسائی حضرات یہ کہا کرتے ہیں کہ اللہ کے سوا دوسری مخلوقات میں تو توحید اور تثلیث جمع نہیں ہو سکتے، مگر خدا میں ہو سکتے ہیں، مصنف رح اس بات کا جواب دے رہے ہیں ۱۲ ت

محض دھوکہ اور فریب ہے، کیونکہ جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ دو چیزیں ذاتی حیثیت سے آپس میں حقیقی ضد ہیں، یا وہ دونوں نفس الامر میں ایک دوسرے کی نقیض ہیں، تو پھر ظاہر ہے کہ ایسی دو چیزوں کا کسی واحد شخص میں بیک وقت ایک ہی حیثیت سے جمع ہو جانا خواہ وہ واجب ہو یا غیر واجب، ممکن نہیں ہوگا، اور یہ بات کس طرح ممکن ہو سکتی ہے جب کہ واحد حقیقی میں کوئی ثلث صحیح نہیں ہے، اور تین کا ثلث صحیح یعنی ایک موجود ہے،

دوسرے یہ کہ "ثلاثہ" تین واحدوں کا مجموعہ ہوتا ہے، بخلاف واحد حقیقی کے کہ اس کے سرے سے آحاد و افراد ہی نہیں ہوتے، نیز واحد حقیقی خود تین کا جزء ہوتا ہے، تو اب اگر دونوں کسی ایک ہی جگہ جمع ہوں تو کُل کا جزء بن جانا اور جزو کا کُل ہونا لازم آئے گا" اور اس قسم کا اجتماع اس بات کو مستلزم ہوگا کہ خدا ایسے اجزاء سے مرکب ہو جو بالفعل غیر متناہی ہیں، کیونکہ اس صورت میں کُل اور جُزو کی حقیقت ایک ہو گی، اور چونکہ کل مرکب ہے تو اُس کا ہر جُزو بھی ایسے اجزاء سے مرکب ہو گا جو بعینہٖ وہی جزو تھے، اور اسی طرح سلسلہ چلتا جائے گا، اور کسی شے کا ایسے اجزاء سے مرکب ہونا جو بالفعل غیر متناہی ہوں قطعی طور پر باطل ہے، نیز ایسا اجتماع اس امر کو مستلزم ہوگا کہ واحد خود اپنی ذات کا ثلث ہو، اور تین ایک کا ثلث ہو جائے، یہ بھی لازم آئے گا کہ تین، نو ہے یعنی اپنے سے تین گُنا اور ایک نو گنا، یعنی نو ہے،

دوسری دلیل

اگر عیسائیوں کے قول کے مطابق خدا کی ذات میں ایسے تین اقنوم مان لئے جائیں جو حقیقی امتیاز کے ساتھ ممتاز ہیں، تو اس امر سے قطع نظر کہ اس سے خداؤں کا کئی ہونا لازم آتا ہے، یہ بات بھی لازم آئے گی کہ خدا کوئی حقیقت واقعیہ نہ ہو، بلکہ محض مرکب اعتباری ہو، کیونکہ حقیقی ترکیب میں تو اجزاء میں باہمی احتیاج و افتقار ہونا ضروری ہے، اس لئے کہ کسی پتھر کو آدمی کے پہلو میں رکھ دینے سے اس انسان اور پتھر میں اتحاد پیدا نہیں ہو جاتا، اور یہ ظاہر ہے کہ واجبات کے درمیان احتیاج نہیں ہوتی، کیونکہ یہ ممکنات کا خاصّہ ہے، اس لئے کہ واجب غیر کا

محتاج نہیں ہوسکتا، اور جو جزو دوسرے جزو سے منفصل اور علیحدہ ہو اور دوسرا اگرچہ مجموعہ میں داخل ہو لیکن ایک جزو دوسرے کا محتاج نہ ہو تو اس سے ذات احدیت مرکب نہیں ہوسکتی، اس کے علاوہ اس شکل میں خدا مرکّب ہوگا، اور ہر مرکّب اپنے تحقق میں اپنے ہر جزو کے متحقق ہونے کا محتاج ہوگا، اور ہر جزو بداہۃً کل کا مغائر ہوتا ہے، پس ہر مرکّب اپنے غیر کا محتاج ہوگا، اور جو غیر کا محتاج ہوتا ہے وہ بالذات ممکن ہوتا ہے، نتیجہ یہ کہ خدا کا بالذات ممکن ہونا لازم آئے گا جو باطل ہے،

تیسری دلیل جب اقانیم کے درمیان امتیاز حقیقی ثابت ہوگیا تو جس چیز سے یہ امتیاز حاصل ہوا ہے یا تو صفاتِ کمال میں سے ہے یا نہیں، پہلی صورت میں تمام صفاتِ کمال ان کے درمیان مشترک نہیں ہوسکتیں، اور یہ چیز اُن کے اس مسلّمہ کے خلاف ہے کہ ان آقانیم میں سے ہر ایک اقنوم صفاتِ کمال کے ساتھ موصوف ہے، اور دوسری صورت میں اس کے ساتھ موصوف ہونے والا ایسی صفت کے ساتھ موصوف ہوا جو صفتِ کمال نہیں ہے یہ نقصان اور عیب ہے، اور خدا کا اس سے پاک ہونا ضروری ہے۔

چوتھی دلیل جوہر لاہوتی اور جوہر ناسوتی میں جب حقیقیاً اتحاد ہوگا تو اقنوم ابن محدود متناہی ہوگا، اور جو ایسا ہوگا اس میں کمی بیشی کے قبول کرنے کا امکان ہوگا، اور جو چیز کمی بیشی کو قبول کرتی ہے اس کا کسی معیّن مقدار کے ساتھ مخصوص ہونا کسی مخصّص کی تخصیص اور مقدّر کی تقدیر کی وجہ سے ہوگا، اور ایسی چیز حادث ہوتی ہے، لہٰذا یہ لازم آئے گا کہ اقنوم ابن حادث ہو، اور اس کے حادث ہونے سے خدا کا حادث ہونا لازم آئے گا، معاذاللہ،

پانچویں دلیل اگر تینوں اقنوم کو امتیاز حقیقی کے ساتھ ممتاز مانا جائے تو جو چیز ان میں امتیاز پیدا کر رہی ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ وجوب ذاتی کے علاوہ کوئی دوسری شئے ہو، کیونکہ وہ تو سب کے درمیان مشترک ہے، اور جس شئے سے اشتراک حاصل ہوتا ہے وہ ذریعۂ امتیاز نہیں ہوسکتی، بلکہ وہ مغائر ہوتی ہے اس لئے

ہر ایک دو اجزاء سے مرکب ہوگا، اور ہر مرکب شئے بالذات ممکن ہوتی ہے، پس یہ لازم آئے گا کہ ان میں سے ہر ایک بالذات ممکن ہوا،

چھٹی دلیل

یعقوبیہ کا مذہب[1] صریح طور پر باطل ہے، کیونکہ ان کے نظریہ کی بناء پر قدیم کا حادث بن جانا اور مجرد کا مادی ہونا لازم آتا ہے، ان کے علاوہ دوسروں کے مذہب کے بطلان کے لئے یہ کہا جائے گا کہ یہ اتحاد یا حلول کی صورت میں ہوگا، یا بغیر حلول کے، پہلی صورت تثلیث کے عدد کے مطابق تین وجوہ سے باطل ہے

اولاً تو اس لئے کہ یہ حلول یا اسطرح کا ہوگا جیسا کہ عرق گلاب میں، یا تیل تل کے اندر، یا آگ کوئلہ میں، یہ اس لئے باطل ہے کہ اس طرح تب ہوسکتا جب کہ اقنوم ابن جسم ہو، مگر عیسائی اس امر میں ہمارے موافق ہیں، کہ وہ جسم نہیں ہے،

یا حلول پھر اس قسم کا ہو جس طرح رنگ کا حلول جسم میں، تو یہ بھی باطل ہے، اس لئے کہ اس سے یہ بات مفہوم ہوئی ہے کہ رنگ حیز میں اس لئے پایا جاتا ہے کہ چونکہ اس کا محل حیز میں موجود ہے، اور ظاہر ہے کہ ایسا حلول اجسام ہی میں ممکن ہے، یا پھر وہ حلول اس قسم کا ہو جیسا کہ صفاتِ اضافیہ کا حلول ذوات میں ہوتا ہے، یہ بھی باطل ہے، کیونکہ اس تبعیت سے جو بات مفہوم ہوتی ہے وہ احتیاج ہے، اب اگر اقنوم ابن کا حلول کسی شئے میں اس لحاظ سے مانا جائے تو اس کا محتاج ہونا لازم آجائے گا جس کے نتیجہ میں اس کو ممکن ماننا پڑے، اور مؤثر کا محتاج ہوگا، اور یہ محال ہے، اور جب حلول کی تمام شکلیں باطل ہیں تو اس کا ممتنع ہونا ثابت ہوگا،

دوسرے اس لئے کہ اگر ہم حلول کے معنی سے قطع نظر بھی کرلیں تب بھی کہہ سکتے ہیں کہ اگر اقنوم ابن جسم میں حلول کر گیا تو یہ حلول یا تو واجب ہوگا یا جائز، پہلی صورت اس لئے ممکن نہیں کہ اسکی ذات یا تو اس حلول کے اقتضاء کے لئے کافی ہوگی یا نہیں، پہلی صورت میں اس اقتضاء کا موقوف ہونا کسی شرط کے موجود ہونے پر محال ہے، تب یا تو خدا[2] کا حادث ہونا لازم آئے گا، یا محل کا قدیم

[1] یعقوبیہ فرقہ یہ کہتا ہے کہ خدا کی ماہیت بدل کر انسان میں آگئی تھی (معاذ اللہ) ۱۲ تقی حاشیہ[2] بر صفحہ آئندہ

قدیم ہونا، حالانکہ دونوں باطل ہیں، دوسری صورت میں اس حلول کا اقتضاء ذات کے علاوہ کوئی اور شے ہوگی اور وہ اس میں حادث ہوگی اور حلول کے حادث ہونے سے اس شے کا حادث ہونا لازم آئے گا جس میں حلول ہوا ہے نتیجۃً اس میں حوادث کی قابلیت ہوگی جو محال ہے، کیونکہ اگر وہ ایسا ہو تو ظاہر ہے کہ یہ قابلیت اس میں اس کے ذات کے لوازم میں سے ہوگی، اور ازلی طور پر موجود ہوگی جو محال ہے، کیونکہ ازل میں حوادث کا وجود محال ہے،

دوسری شکل بھی ممکن[۱] نہیں، اس لئے کہ اس شکل میں یہ حلول اقنوم ابن کی ذات سے ایک زائد چیز ہوگی، پھر جب وہ جسم میں موجود ہوگا تو ضروری ہے کہ جسم میں ایک صفت حادثہ حلول کرے، اور اس کا حلول مستلزم ہوگا اس کے قابلِ حوادث ہونیکو جو باطل ہے،

تیسرے اس لئے کہ اقنوم ابن اگر جسمِ عیسٰی میں حلول کرتا ہے تو دو صورتیں ہی ہو سکتی ہیں، یا تو ذاتِ خداوندی میں بھی باقی رہتا ہے یا نہیں، پہلی صورت میں حال شخصی کا دو[۲] محل میں پایا جانا لازم آئے گا، اور دوسری صورت میں ذاتِ خداوندی کا اس سے خالی ہونا لازم آئے گا، تو وہ بھی منتفی ہو جائے گی، اس لئے کہ انتفاءِ جزو انتفاءِ کُل کو مستلزم ہے۔

اور اگر یہ اتحاد[۳] بغیر حلول کے ہے، تو ہم یہ کہیں گے کہ اقنوم ابن جب مسیح کے ساتھ متحد ہوگیا تو یہ دونوں اتحاد کی حالت میں اگر موجود ہیں تو وہ دو ہوں گے نہ کہ ایک، تو

(صفحہ گذشتہ کا حاشیہ ۲) ؎ اس لئے کہ یا تو یوں کہا جائے کہ جب جسم موجود نہیں تھا اس وقت اقنوم ابن بھی نہیں تھا، اس صورت میں حدوث لازم آئے گا، یا یوں کہا جائے کہ جب سے اقنوم ابن موجود ہے، اس وقت سے جسم بھی موجود ہے، اس سے لازم آتا ہے کہ محل یعنی جسم بھی قدیم ہو جائے، اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ یہ حلول کسی خاص شرط کے ساتھ موقوف تھا، اس لئے کہ ہم تسلیم کر چکے ہیں کہ اس کا تقاضا کرنے والی شے سوائے ذاتِ اقنوم کے اور کچھ نہیں ۱۲ تقی [۱] یعنی اقنوم ابن کا جسم میں بطور جواز حلول کرنا ۱۲ تقی

[۳] یعنی اقنوم ابن اور جسم مسیح کا اتحاد ۱۲ ت

تو اتحاد نہ رہا، اور اگر دونوں معدوم ہو جاتے ہیں تو ایک تیسری چیز پیدا ہو گی، تو بھی اتحاد نہ ہوا، بلکہ دو چیزوں کا معدوم ہونا اور تیسری چیز کا حاصل ہونا لازم آیا، اور اگر ایک باقی رہتا ہے اور دوسرا معدوم ہو جاتا ہے تو معدوم کا موجود کے ساتھ متحد ہونا محال ہے، کیونکہ یہ کہنا محال ہے کہ معدوم بعینہٖ موجود ہے، پس ثابت ہو گیا کہ اتحاد محال ہے،

اور جن لوگوں کا نظریہ یہ ہے کہ اتحاد بطور ظہور کے ہے جس طرح انگوٹھی کی تحریر اور نقش جب کہ گارے پر نمایاں ہوتا ہے یا موم پر ظاہر ہوتا ہے، یا آئینہ میں جس طرح انسانی شکل نظر آتی ہے،

مگر اس طرح اتحادِ حقیقی تو قطعی ثابت نہیں ہو سکتا، بلکہ اس کے برعکس تغائر ثابت ہوتا ہے، کیونکہ جس طرح انگوٹھی کی تحریر اور نقش جو گارے یا موم پر ہے وہ انگوٹھی کے مغائر ہے، اور آئینہ میں نظر آنے والا عکس انسان کے مغائر ہے، بالکل اسی طرح اقنوم ابن غیر مسیح ہو گا، زیادہ سے زیادہ یہ ممکن ہے کہ صفتِ اقنومِ ابن کا جس قدر اثر اس میں ظاہر ہو گا وہ دوسرے میں نہ ہو گا، بالکل اسی طرح جس طرح بدخشاں[1] میں سورج کی شعاع کی تاثیر بہ نسبت دوسرے پتھروں کے زیادہ ظاہر ہوتی ہے،

مذکورہ بالا تمام دلائل سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ عقیدۂ تثلیث ان محالات میں سے ہے جن کے بارے میں کسی شاعر نے کہا ہے کہ ؎

محال[2] لا یساویہ محال	وقول فی الحقیقۃ لا یقال
وفکر کاذب وحدیث زور	بدا منھم ومنشؤہ الخیال
تعالی اللہ ما قالوہ کفر	وذنب فی العواقب لا یقال

---

[1] بدخشاں ایک پتھر ہے جس سے لعل پیدا ہوتا ہے ۱۲ مصنف رحمہ اللہ،

[2] "یہ ایک ایسا محال ہے جس کے برابر کوئی اور محال نہیں ہو سکتا، اور ایک ایسی بات ہے جو کہنے کے لائق ہی نہیں، ایک جھوٹی فکر اور جھوٹی بات ہے جو ان کے منہ سے نکلی ہے، اور اس کا منشاء محض خیال ہی خیال ہے خدا ان کے خیال سے بلند و برتر ہے، انہوں نے تو بالکل کفر کی بات کہی ہے، اور ایک ایسے گناہ کی بات جس کے نتائج پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کہنے کے لائق ہی نہیں"

ساتویں دلیل

فرقۂ پروٹسٹنٹ عشاء ربانی کے مسئلہ میں فرقۂ کیتھولک کا رد کرتا اور مذاق اڑاتا ہے، اور کہتا ہے کہ شہادتِ حس کی بناء پر روٹی کا مسیح بن جانا ممکن نہیں ہے[1]، حالانکہ اس تردید و مذاق کے مستحق دونوں فرقے ہیں، کیونکہ جس شخص نے مسیح کو دیکھا اس کو ایک معین انسان ہی نظر آیا، اور حواس انسانی میں سب سے زیادہ سچے حاسہ یعنی آنکھ کو جھٹلانا درحقیقت بدیہیات میں سفسطہ کا باب کھولنا ہے، اس لئے یہ نظریہ اسی طرح باطل ہے، جیسے کہ روٹی کا مسیح بن جانے کا نظریہ غلط ہے، اس کے نتیجہ میں جاہل عیسائی خواہ اس کا تعلق اہل تثلیث کے کسی بھی فرقہ سے ہو وہ اس عقیدہ کی بدولت کھلم کھلا گمراہ ہو گئے، ان مسکینوں کو تو جوہر لاہوتی اور ناسوتی کا فرق بھی معلوم نہیں، گو ان کے علماء اس فرق کو سمجھتے ہوں، بلکہ یہ لوگ تو جوہر ناسوتی کے لحاظ سے مسیح ؑ کی الوہیت کے معتقد ہیں، اور عجیب طرح ٹامک ٹوئیاں مارتے ہیں،

تین عیسائی ہونے والوں کا عجیب واقعہ

مشہور ہے کہ تین آدمیوں نے عیسائیت قبول کی، ایک پادری صاحب نے ان کو عیسائی مذہب کے ضروری عقائد بالخصوص عقیدۂ تثلیث سکھایا، یہ تینوں نئے عیسائی اس پادری ہی کے پاس رہتے تھے، اتفاقاً ایک روز پادری کا ایک دوست ملاقات کے لئے آیا، اس نے پادری سے پوچھا کہ وہ نئے عیسائی کون ہیں؟ پادری نے بتایا کہ تین اشخاص نے مذہب عیسائی قبول کیا ہے، دوست نے کہا کہ کیا انہوں نے ہمارے مذہب کے ضروری عقائد بھی سیکھ لئے ہیں یا نہیں؟ پادری نے کہا کیوں نہیں؟ اور امتحاناً ان میں سے ایک کو بلایا تاکہ اپنے دوست کو اپنا کارنامہ دکھائے، چنانچہ اس جدید عیسائی سے عقیدۂ تثلیث کے بارے میں دریافت کیا، تو اس نے کہا کہ آپ نے مجھ کو یہ بتایا ہے کہ خدا تین ہیں، ایک آسمان میں، دوسرا کنواری مریم کے پیٹ سے پیدا ہونے والا، تیسرا وہ جو کبوتر کی شکل میں دوسرے خدا پر تیس سال کی عمر

---

[1] ملاحظہ فرمائیے صفحہ ۸۸۸، ۸۸۹ الخ جلد ہذا

میں نازل ہوا[51]،

پادری بڑا غضب ناک ہوا اور اس کو یہ کہہ کر ہٹا دیا کہ یہ مجہول ہے،

پھر دوسرے کو بلایا، اور اس سے بھی یہی سوال کیا، اس نے جواب دیا کہ آپ نے مجھ کو یہ بتایا تھا کہ خدا تین تھے، جن میں سے ایک کو سُولی دے دی گئی، اب دو خدا باقی رہ گئے ہیں اس کو بھی پادری نے غصہ ہو کر نکال دیا،

پھر تیسرے کو بلایا جو بہ نسبت پہلے دونوں کے ہوشیار تھا، اس کو عقائد یاد کرنے کا بھی شوق تھا، پادری نے اس سے بھی سوال کیا، تو کیا خوب جواب دیتا ہے، کہ آقا! میں نے تو جو کچھ آپ نے سکھایا خوب اچھی طرح یاد کر لیا ہے، اور خدائے مسیح کی مہربانی سے پوری طرح سمجھ گیا ہوں، کہ ایک تین ہے اور تین ایک، جن میں سے ایک کو سُولی دے دی گئی، اور وہ مر گیا، اور بوجہ اتحاد کے سب کے سب مر گئے، اور اب کوئی خدا باقی نہیں رہا، ورنہ اتحاد کی نفی لازم آئے گی،

اس سلسلہ میں ہماری گذارش ہے کہ اس میں جواب دینے والوں کا زیادہ قصور نہیں ہے، اس لئے کہ یہ عقیدہ ہی ایسا پیچیدہ ہے کہ جس میں جہلاء بھی ٹھوکر کھاتے ہیں اور علماء بھی حیران ہیں، ان کا اقرار ہے کہ اگرچہ یہ ہمارا عقیدہ ہے، مگر اس کے سمجھنے سے ہم بھی قاصر ہیں، اور سمجھانے سے اور وضاحت کرنے سے بھی عاجز ہیں، اسی لئے امام فخر الدین رازی رح نے اپنی تفسیر میں سورۂ نساء کی تفسیر فرماتے ہوئے کہا ہے کہ:

"عیسائیوں کا مذہب بہت ہی مجہول ہے[52]"،

پھر سورۂ مائدہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:-

"دنیا میں کوئی بات عیسائیوں کی بات سے زیادہ شدید فساد والی اور ظاہر البطلان نہیں ہے[53]"،

---

[51] یعنی روح القدس جس کے بارے میں متی ۳: ۱۶ میں لکھا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر تیس سال کی عمر میں کبوتر کی شکل میں نازل ہوئی، [52] تفسیر کبیر، ص ۶۳۶ ج ۳، آیت وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَۃٌ ۱۲ تقی
[53] ایضاً ص ۴۳۳، ج ۳، آیت لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا الخ ۱۲ تقی

ان عقلی دلائل کی بناء پر بائبل کی عبارتوں کی تاویل ضروری ہے

اب جب کہ دلائل قطعیہ عقلیہ سے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کی خدا کی ذات میں تثلیث حقیقی ناممکن ہے، تو اگر مسیح کا کوئی قول ظاہراً تثلیث پر دلالت بھی کرتا ہے، تو اس کی تاویل ضروری ہو گی، اس لئے کہ لامحالہ چار ہی شکلیں ممکن ہیں:-

یا تو تمام دلائل عقلیہ اور نقلیہ پر عمل کیا جائے، یا دونوں قسم کے دلائل کو ترک کر دیا جائے یا پھر نقل کو عقل پر ترجیح دی جائے، یا اس کے برعکس عقل کو نقل پر ترجیح دیں، پہلی صورت تو قطعی باطل ہے، ورنہ ایک ھی چیز کا ممتنع اور محال ہونا اور اسی کا غیر ممتنع ہونا لازم آئے گا[1] دوسری صورت بھی محال ہے، ورنہ ارتفاع نقیضین لازم آئے گا تیسری شکل بھی جائز نہیں، اس لئے کہ عقل اصل ہے نقل کی، کیونکہ تمام نقل کے ثبوت کا مدار اس بات پر ہے کہ خدا کا وجود اور صفاتِ علم و قدرت اور اس کا پیغمبر بھیجنا ثابت کیا جائے، اور یہ تمام چیزیں دلائل عقلیہ ہی سے ثابت ہو سکتی ہیں، اس لئے عقل میں کسی قسم کا عیب نکالنا درحقیقت عقل و نقل دونوں ہی میں عیب نکالنا ہے، اس لئے ہمارے لئے عقل کی صحت تسلیم کرنے اور اس کے یقین کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں، اسی طرح نقل میں تاویل کے سوا کوئی مفر نہیں ہو سکتا، اور جیسا کہ مقدمہ کی تیسری بات میں معلوم ہو چکا ہے، اہلِ کتاب کے یہاں تاویل کوئی نادر و عجیب اور قلیل بھی نہیں ہے، چنانچہ وہ لوگ ان بے شمار آیتوں کی تاویل کرنا ضروری سمجھتے ہیں جو خدا کے جسمانی ہونے یا شکل و صورت پر دلالت کرتی ہیں، محض ان دو آیتوں کی وجہ سے جو عقلی دلیل کے مطابق ہیں، اسی طرح ان بہت سی آیات کی تاویل کو ضروری قرار دیتے ہیں، جو خدا کے لئے مکانیت پر دلالت کرتی ہیں، محض ان تھوڑی سی آیتوں کی بناء پر جو دلیل عقلی کے مطابق ہیں مگر ہم کو کیتھولک فرقہ کے دانشمندوں اور ان کے ماننے والوں کی اس حرکت پر بڑا ہی تعجب ہوتا ہے کہ یہ لوگ کبھی تو اس قدر افراط کرتے ہیں کہ حس

[1] کیونکہ دلائل میں تعارض ہے،

اور عقل کے فیصلہ کو رد کرتے ہوئے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ روٹی اور شراب[۱] اور روٹی جو عروج مسیح سے مدتِ طویلہ یعنی اٹھارہ سو سال سے زیادہ عرصہ کے بعد اس دنیا میں ہماری آنکھوں کے سامنے پیدا ہوئیں، عشاء ربانی میں ایک دم حقیقتاً مسیح ؑ کا گوشت اور خون بن جاتے ہیں، جن کی یہ لوگ پھر پرستش کرتے اور دونوں کے آگے سجدہ کرتے ہیں، اسی طرح کبھی عقل و بداہۃ کے فیصلہ کو ٹھکراتے ہوئے اور براہینِ عقلیہ کو نظر انداز کرتے ہوئے تثلیث حقیقی اور توحید کی نسبت یہ دعویٰ کر بیٹھے ہیں کہ ان دونوں کا اجتماع واحد شخص میں بیک وقت ایک ہی جہت سے ممکن ہے،

لیکن اس سے بھی زیادہ تعجب خیز اور حیرت انگیز رویہ اس معاملہ میں فرقہ پروٹسٹنٹ کا نظر آتا ہے کہ یہ لوگ عشاء ربانی کی روٹی اور شراب کے مسیح بن جانے کے مسئلہ میں تو اپنے حریف و مقابل کیتھولک لوگوں کی مخالفت بڑے شد ومد سے کرتے ہیں، لیکن دوسرے مسئلہ یعنی عقیدۂ تثلیث میں ان کے ہمنوا ہیں، اب ہم یہ گذارش کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ اگر ظاہر نقل پر عمل کرنا ضروری ہے، خواہ وہ کتنا ہی حس و عقل کے خلاف ہو تو پھر انصاف کی بات یہ ہے کہ اس لحاظ سے کیتھولک فرقہ آپ کے فرقے سے لاکھ درجے بہتر ہے، کیونکہ ان لوگوں نے مسیح کے ظاہری قول کی اطاعت اور فرمانبرداری میں اس قدر مبالغہ کیا ہے کہ اس چیز کے معبود[۱] ہونے کا اعتراف و اقرار کر لیا ہے جو حس و بداہت کے قطعی خلاف تھا،

غرض ایک جانب حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائیوں کے افراط کی یہ نوعیت آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ ان کو انسان سے خدا بنا ڈالا، مگر دوسری طرف تفریط کا یہ حال ہے کہ خود مسیح ؑ کی شان میں اور ان کے آباؤ اجداد کی نسبت بڑی ہی گری ہوئی باتیں منسوب کرتے ہوئے اُن کو ذرا بھی حیا یا خوف نہیں ہوتا، چنانچہ ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ مسیح ملعون ہوا اور مرنے کے بعد جہنم میں گیا، وہاں تین روز قیام کیا جیسا کہ عنقریب یہ تفصیلات آپ کے سامنے آنے والی ہیں،

---

[۱] یعنی روٹی کے معبود ہونیکا ۱۲ ت

اسی طرح ان کا عقیدہ ہے کہ داؤد سلیمان علیہما السلام اور مسیحؑ کے دوسرے آباؤ اجداد سب کے سب اس فارض کی اولاد ہیں جو خود ولد الزنا ہے، یعنی اس کی ماں تمر نے یہودا سے حرام نطفہ سے اس کو جنم دیا، اور زنا سے پیدا ہوا[1]

اسی طرح ان کا عقیدہ ہے کہ داؤد علیہ السلام نے جو عیسیٰؑ کے جد امجد ہیں، اور یاء کی بیوی سے زنا کیا، اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کی نسبت یہ دعویٰ ہے کہ وہ اپنی آخری عمر میں مرتد ہو گئے، جیساکہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے،

ایک زبردست عیسائی عالم کا اعتراف اور وصیّت

ایک زبردست عیسائی عالم نے جس کا نام سیل ہے اور جس نے بعض اسلامی علوم میں بھی اچھی خاصی شد بد حاصل کر لی تھی، اور اپنی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ بھی کیا تھا، اور وہ ترجمہ عیسائیوں میں بڑا مقبول بھی ہے، ا. . . . اس نے اپنی قوم کو جو وصیت کی ہم اس کو اس کے ترجمہ مطبوعہ[2] ۱۸۳۶ء سے نقل کرتے ہیں، وہ کہتا ہے کہ:-

"اوّل یہ کہ مسلمانوں پر جبر نہ کیجیو، دوم یہ کہ ایسے مسئلے نہ سکھاؤ کہ جو عقل کے خلاف ہوں کیونکہ مسلمان ایسے احمق نہیں کہ ایسی باتوں میں ہم اُن پر غالب آجائیں، مثل صنم پرستی اور مسئلہ عشاء ربانی کے کہ مسلمان لوگ ایسی باتوں پر بہت ٹھوکر کھاتے ہیں، اور جس کلیسا میں یہ مسئلے ہیں وہ کلیسا طاقت نہیں رکھتا کہ مسلمانوں کو اپنی طرف کھینچ لے[3]"

ملاحظہ فرمائیے یہ شخص کیسی پتہ کی بات کر رہا ہے، اور اپنی قوم کو کیسی گر کی بات بتاتا ہے، کہ تمھارے یہ مسائل بُت پرستی اور عشاء ربانی کی عقل کے خلاف ہیں،

(حاشیہ ۱ صفحہ گذشتہ پر) [2] یعنی ترجمہ قرآن شریف (ازالۃ الشکوک، ص ۲۶ ج ۱)

[3] یہ عبارت ہم نے ازالۃ الشکوک ص ۲۶ ج ۱ سے لفظ بہ لفظ نقل کر دی ہے ۱۲

واقعی انصاف کی بات تو یہی ہے کہ ان مسائل کے ماننے والے یقینی طور پر مشرک ہیں، خدا سے دعا ہے کہ صراط مستقیم کی جانب ان کی رہنمائی فرمائے[1]۔

---

[1] اظہار الحق کے عربی متون میں پہلی جلد یہاں ختم ہو جاتی ہے، اور دوسری جلد چوتھے باب کی دوسری فصل سے شروع ہوتی ہے، اس کے برخلاف فرانسیسی اور انگریزی تراجم میں پہلی جلد چوتھے باب کے اختتام پر ختم ہوئی ہے ۱۲ محمد تقی عثمانی۔

دوسری فصل

تثلیث کا عقیدہ اقوالِ مسیحؑ کی روشنی میں

اب ہم خود حضرت مسیح علیہ السلام کے وہ ارشادات ہدیۂ ناظرین کریں گے جو تثلیث کے عقیدہ کو باطل قرار دیتے ہیں :-

پہلا ارشاد انجیل یوحنا باب ۱۷ آیت ۳ میں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اللہ سے مناجات کرتے ہوئے فرمایا :-

"اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ لوگ تجھ خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیحؑ کو جسے تونے بھیجا ہے ، جانیں"

پس عیسٰی علیہ السلام نے واضح فرمایا کہ ابدی زندگی کا حاصل یہ ہے کہ انسان اللہ کو واحد حقیقی اور عیسٰی علیہ السلام کو اس کا رسول مانے ، یہ نہیں فرمایا کہ ابدی زندگی یہ ہے کہ آپ کی ذات کو ایسے تین اقنوم والا سمجھیں جو آپس میں حقیقی امتیاز رکھتے ہیں ، اور یہ کہ عیسٰیؑ خدا بھی ہیں اور انسان بھی ، یا یہ کہ وہ جسم والے خدا ہیں ، یہ قول دعاء اور مناجات کے وقت فرمایا گیا ہے ، اس لئے یہ احتمال بھی نہیں ہوسکتا کہ یہودیوں کے ڈر سے ایسا فرمادیا ہو ، پس اگر تثلیث کا عقیدہ مدارِ نجات ہوتا تو آپ اس کو ظاہر فرماتے ،

اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ ابدی زندگی نام ہے اللہ کے لئے توحید حقیقی کے اعتقاد رکھنے کا، اور مسیح کے لئے رسالت کا عقیدہ رکھنے کا، تو جو چیز ان دونوں کی ضد ہے وہ یقینی طور پر ابدی موت اور گمراہی ہو گی، یعنی توحید حقیقی ضد ہے تثلیث حقیقی کی (جیسا کہ پہلی فصل میں تفصیلاً معلوم ہو چکا ہے) اور مسیح ؑ کا بھیجا ہوا ہونا ضد ہے ان کے خدا ہونے کی، کیونکہ بھیجنے والے اور فرستادہ میں مغائرت ضروری ہے، اور یہ ابدی زندگی خدا کے فضل سے مسلمانوں میں موجود ہے، دوسری قومیں جیسے مجوسی اور ہندوستان و چین کے بت پرست اس سے محروم ہیں، کیونکہ وہ ان دونوں عقائد سے محروم ہیں، اور عیسائیوں میں تثلیث کا عقیدہ رکھنے والے بھی اس سے محروم ہیں، پہلا عقیدہ نہ ہونے کی وجہ سے، اور یہودی تمام تر اس سے محروم ہیں، دوسرا عقیدہ نہ ہونے کے سبب سے،

دوسرا ارشاد

انجیل مرقس باب ۱۲ آیت ۲۸ میں ہے:۔

"اور فقیہوں میں سے ایک نے ان کو بحث کرتے سُن کر جان لیا کہ اس نے ان کو خوب جواب دیا ہے، وہ پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ سب حکموں میں اوّل کونسا ہے؟ یسوع نے جواب دیا کہ اوّل یہ ہے: اے اسرائیل! سُن! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے، اور تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ،

دوسرا یہ کہ تو اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ، ان سے بڑا اور کوئی حکم نہیں، فقیہ نے اس سے کہا اے استاد بہت خوب! تو نے سچ کہا کہ وہ ایک ہی ہے، اور اس کے سوا کوئی نہیں، اور اس سے سارے دل اور ساری عقل اور ساری طاقت سے محبت رکھنا، اور اپنے پڑوسی سے اپنی برابر محبت رکھنا، سب سوختنی قربانیوں[1] اور ذبیحوں سے بڑھ کر ہے، جب یسوع نے دیکھا کہ اس نے

[1] سوختنی قربانی (BURNT AFFCRNRE) پچھلی امتوں میں یہ دستور تھا جب کسی شخص کو اللہ کی راہ میں قربانی دینی ہوتی تو وہ اس چیز کو کھلے میدان یا اونچے پہاڑ پر رکھ دیتا تھا آسمان سے ایک آگ اللہ کی طرف سے آتی اور اُسے کھا لیتی، اگر کسی موقع پر یہ آگ نہ آتی تو اُسے قربانی کے

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

دانائی سے جواب دیا تو اُس سے کہا تو خدا کی بادشاہی سے دور نہیں " (آیات ۲۸ تا ۳۴)
انجیل متی کے باب ۲۲ میں بھی یہ دو حکم اسی طرح بیان کئے گئے ہیں، اور ان کے بعد فرمایا گیا ہے[1]
"ان ہی دو حکموں پر تمام توریت اور انبیاء کے صحیفوں کا مدار ہے" الخ
معلوم ہوا کہ سب سے پہلا حکم جس کی تصریح توراۃ اور پیغمبروں کی تمام کتابوں میں کی گئی ہے، اور وہی حق بھی ہے، اور خدائی بادشاہت کے قرب کا سبب بھی، وہ یہ عقیدہ رکھنا ہے کہ اللہ ایک ہے، اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں ہے، اگر تثلیث کا عقیدہ مدار نجات ہوتا تو اس کا بیان توریت اور انبیاء کی تمام کتابوں میں ہوتا، کیونکہ یہ سب سے پہلا حکم ہے، اور عیسیٰ علیہ السلام کو یہ فرمانا چاہئے تھا کہ :-
"سب سے پہلی وصیت یہ ہے کہ وہ رب ایک ہے، تین اقنوم والا، جو حقیقتاً ایک دوسرے سے ممتاز ہیں"
لیکن اس کی تصریح نہ تو کسی نبی کی کتاب میں کی گئی، نہ عیسیٰ علیہ السلام نے ہی ایسا فرمایا، تو یہ عقیدہ مدارِ نجات نہیں ہو سکتا،
لہٰذا ثابت ہوا کہ مدارِ نجات صرف توحید حقیقی کا عقیدہ ہے نہ کہ عقیدۂ تثلیث اور انبیاء کی بعض کتابوں سے مستنبط کر کے اہلِ تثلیث کا جنون مخالف کے لئے حجت نہیں بن سکتا، کیونکہ یہ استنباط بہت ہی خفی اور صریح اقوال کے مقابلے میں نامقبول ہے، مقصود مخالف کا تو یہ ہے کہ تثلیث کے عقیدہ کو اگر نجات میں کچھ بھی دخل ہوتا تو اسرائیلی پیغمبر اس کو اسی وضاحت کے ساتھ بیان کرتے، جس قدر وضاحت کے توحید کو کتاب الاستثناء کے چوتھے باب کی پینتیسویں آیت میں بیان کیا ہے :-
"تاکہ تو جانے کہ خداوند ہی خدا ہے، اور اس کے سوا کوئی ہے ہی نہیں"
پھر آیت ۳۹ میں ہے :-

(گذشتہ سے پیوستہ) نامقبول ہونے کی علامت سمجھا جاتا تھا، قرآن کریم نے بھی سورۂ آلِ عمران میں اس کی تصدیق کر دی ہے، اسی قربانی کو یہاں سوختنی قربانی کہا گیا ہے ۱۲ تقی

[1] آیات ۳۶ تا ۴۰

"پس آج کے دن تو جان لے اور اس بات کو دل میں جما لے کہ اوپر آسمان میں اور نیچے زمین پر خداوند ہی خدا ہے، اور کوئی دوسرا نہیں"۔

اور کتاب استثناء ہی کے باب ۶ آیت ۴ میں ہے:

"سن لے اسرائیل! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خدا ہے، تو اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری طاقت سے خداوند اپنے خدا سے محبت رکھ"۔

اور کتاب یسعیاہ باب ۴۵ آیت ۵ میں ہے:

"میں ہی خداوند ہوں، اور کوئی نہیں، میرے سوا کوئی خدا نہیں ...... تاکہ مشرق سے مغرب تک لوگ جان لیں کہ میرے سوا کوئی نہیں، میں ہی خداوند ہوں میرے سوا کوئی دوسرا نہیں"۔ (آیات ۵، ۶)

یہ آیتیں وضاحت سے پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ مشرق سے مغرب تک ہر شخص کے لئے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اعتقاد رکھنا ہی ضروری ہے، اس بات کا نہیں کہ خدا (معاذ اللہ) تین ہیں، کتاب یسعیاہ ہی کے باب ۴۶ آیت ۹ میں ہے کہ:-

"میں خدا ہوں اور کوئی دوسرا نہیں، میں خدا ہوں اور مجھ سا کوئی نہیں"۔

تنبیہ :- عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۱ء کے مترجم نے مسیح علیہ السلام کے اس قول[1] میں تحریف کی ہے اور ضمیر متکلم کو ضمیر خطاب کے تبدیل کر کے یوں ترجمہ کیا ہے:

"خداوند تیرا خدا ایک ہی خداوند ہے"۔

اس تحریف[2] کے ذریعہ آیت کے بڑے عظیم مقصد کو ضائع کر دیا، اس لئے کہ ضمیر متکلم اس موقعہ پر اس بات پر دلالت کرتی تھی کہ خود عیسیٰ رب نہیں ہیں، بلکہ تربیت کئے ہوئے بندے ہیں، بخلاف ضمیر خطاب کے، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ارادۃً یہ تحریف کردی گئی،

---

[1] یعنی مرقس ۱۲: ۲۹، والا ارشاد جو ابھی اوپر گذرا ہے

[2] لیکن موجودہ اردو ترجمہ میں متکلم ہی کا صیغہ ہے، ہم نے اوپر کی عبارت موجودہ اُردو ترجمہ ہی سے نقل کی ہے ۱۲ ت

تیسرا ارشاد

انجیل مرقس باب ۱۳ آیت ۳۲ میں ہے :-

" لیکن اس دن یا اس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا ، نہ آسمان کے فرشتے ، نہ بیٹا ، مگر باپ "

یہ ارشاد ببانگِ دہل تثلیث کے اعتقاد کو باطل قرار دے رہا ہے ، اس لئے کہ مسیح علیہ السلام نے قیامت کے علم کو صرف اللہ کے لئے مخصوص فرمایا ، اور خود اپنی ذات سے اس علم کی نفی بالکل اسی انداز میں کی جسطرح اللہ کے دوسرے تمام بندوں سے اور اس معاملہ میں اپنے اور ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی ، اگر مسیح علیہ السلام معبود ہوتے تو ممکن نہ تھا کہ وہ قیامت کے وقت سے بے خبر ہوتے بالخصوص اگر یہ بھی پیشِ نظر رکھا جائے کہ " کلمہ " اور " اقنوم الابن " دونوں کا مصداق علم الٰہی ہے ، اور مسیح ؑ اور " کلمہ " اور " اقنوم الابن " میں اتحاد ہے ، اور جو لوگ حلول کے قائل ہیں ان کے مذہب کی بناء پر اگر ہم اس اتحاد کو بھی تسلیم کر لیں ، یا فرقۂ یعقوبیہ کے مسلک کی بنیاد پر جو انقلاب کے قائل ہیں ، ان کی بات مان لی جائے تو اس کا مقتضاء تو یہ ہوگا کہ معاملہ برعکس ہو ، یعنی مسیح ہی کو علمِ قیامت[۱] ہو ، اور باپ کو قطعی علم نہ ہو ورنہ کم از کم جس طرح باپ کو علم ہے بیٹے کو بھی ضرور ہو ، اور چونکہ علم[۲] جسم کی صفات میں سے

---

[۱] کیونکہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ خدا کی صفتِ علم بیٹے میں ہے ۱۲ تقی

[۲] عیسائی حضرات مرقس کی اس عبارت کی یہ تاویل کیا کرتے ہیں کہ حضرت مسیح نے یہاں اپنی بے خبری اپنے جسم کے اعتبار سے بتلائی ہے ، خدا ہونے کی حیثیت سے یا ماہیت کی حیثیت سے نہیں ، مصنف رح اس کا جواب دے رہے ہیں کہ علم تو جسم کو نہیں ہوا کرتا ، اس لئے یہ کہنا ہی درست نہیں ، سینٹ اگسٹائن نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہاں حضرت مسیح اپنی بے خبری مخاطب کے لحاظ سے کہہ رہے ہیں کہ چونکہ میں ابھی تمھیں بتلا نہیں سکتا اس لئے گویا تمھارے حق میں اس گھڑی کی بابت جانتا بھی نہیں ، اور اسکی پولس کے کلام سے مثال بھی پیش کی ہے ، (ریبیگ رائمنکس آف سینٹ آگسٹائن ، ص ۶۸۸ ج ۲) لیکن سوال یہ ہے کہ اگر یہ مطلب لینا درست ہے تب تو اس اعتبار سے باپ بھی نہیں جانتا ، اس لئے کہ اس نے بھی ابھی تک کسی کو نہیں بتلایا ، پھر " مگر باپ " کے استثناء کے کیا معنی رہ جاتے ہیں ؟ ۱۲ تقی

بھی نہیں ہے لہٰذا اس میں ان کا یہ مشہور عذر بھی نہ چل سکے گا کہ حضرت مسیحؑ نے علمِ قیامت کی نفی اپنی ذات سے جو کی ہے، اپنے جسد کے اعتبار سے کی ہے، پس خوب واضح ہو گیا کہ مسیح علیہ السلام نہ بہ لحاظ جسم معبود ہیں، اور نہ کسی دوسرے اعتبار سے وہ معبود ہو سکتے ہیں،

چوتھا ارشاد

انجیل متی باب ۲۰ آیت ۲۰ میں ہے:۔

"اس وقت زبدیؔ[1] کے بیٹوں کی ماں نے اپنے بیٹوں کے ساتھ اس کے سامنے آ کر سجدہ کیا، اور اس سے کچھ عرض کرنے لگی، اس نے اس سے کہا تو کیا چاہتی ہے؟ اس نے اس سے کہا، فرما کہ یہ میرے دونوں بیٹے تیری بادشاہی میں ایک تیری داہنی.... اور ایک تیری بائیں طرف بیٹھیں، یسوع نے جواب میں کہا .... اپنے داہنے بائیں کسی کو بٹھانا میرا کام نہیں، مگر جن کے لئے میرے باپ کی طرف سے تیار کیا گیا، ان ہی کے لئے ہے[2]" آیات ۲۰ تا ۲۳)

یہاں حضرت مسیح علیہ السلام نے صراحت کے ساتھ اپنے آپ سے قدرت کی نفی فرما دی، اور اس کو صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص فرمایا، جس طرح اپنے آپ سے علمِ قیامت کی نفی فرما کر اُسے اللہ تعالیٰ سے مخصوص کیا تھا، اگر حضرت مسیحؑ معبود ہوتے تو یہ ارشاد کیسے درست ہو سکتا تھا؟

پانچواں ارشاد

انجیل متی باب ۱۹ آیت ۱۶ میں ہے:۔

"اور دیکھو ایک شخص نے پاس آ کر اس سے کہا اے (نیک[3])

---

[1] زبدی، یوحنا حواری اور یعقوب حواری کے والد کا نام ہے ۱۲ [2] یہی واقعہ انجیل مرقس ۱۰: ۳۵ تا ۴۵ میں بھی ذکر کیا گیا ہے، مگر وہاں یعقوب اور یوحنا کی ماں کے بجائے خود یعقوب اور یوحنا کا ذکر ہے، یہ بھی بائبل کی تضاد بیانیوں میں سے ایک ہے ۱۲ ت [3] یہاں "نیک" کا لفظ مصنف نے نقل کیا ہے، عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۵ء میں بھی موجود ہے، (ایھا المعلم الصالح) اور قدیم انگریزی ترجمہ میں بھی MASTER GOOD) ہے، لیکن موجودہ اردو اور جدید انگریزی ترجموں میں بھی یہ لفظ یہاں سے حذف کر دیا گیا ہے، البتہ یہی واقعہ انجیل مرقس ۱۰: ۱۷ اور لوقا ۱۸: ۱۸ میں بھی ذکر کیا گیا ہے، وہاں ان تمام ترجموں میں "نیک" کا لفظ اب تک موجود ہے، جو شاید آئندہ ایڈیشنوں میں حذف کر دیا جائے ۱۲ تقی

استاد میں کونسی نیکی کروں، تاکہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں؟ اس نے اس سے کہا تو مجھے کیوں[۵۱]

نیک کہتا ہے؟ نیک تو ایک ہی ہے"۔

یہ ارشاد تو تثلیث کی جڑ ہی کاٹ دیتا ہے، دیکھئے آپ اس کے لئے بھی تیار نہ ہوئے کہ آپ کو "نیک" کہا جائے، اگر آپ معبود ہوتے تو آپ کا یہ ارشاد بے معنی ہوتا، اس کے بجائے آپ یہ فرماتے کہ سوائے باپ بیٹے اور روح القدس کے اور کوئی نیک نہیں اور پھر جب آپ نے اپنے حق میں "نیک" کا لفظ کہلانا بھی پسند نہیں فرمایا، تو تثلیث والوں کے ان کلمات سے جن کو وہ لوگ اپنی نمازوں میں بھی کہتے ہیں:

(اے ہمارے رب اور اے ہمارے معبود یسوع مسیح جس مخلوق کو آپ نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے اس کو تباہ نہ کیجئے) کیسے راضی ہو سکتے ہیں؟

چھٹا ارشاد

انجیل متی باب ۲۷ آیت ۴۶ میں ہے:-

"(اور نو بجے[۵۲] کے قریب) یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا

ایلی، ایلی لِمَا سَبَقْتَنِیْ، یعنی اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟"

پھر آیت ۵۰ میں ہے:-

---

[۵۱] تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے؟ یہ الفاظ مصنفؒ نے قدیم عربی اور انگریزی ترجموں کے مطابق نقل فرمائے ہیں، ہمارے پاس جو قدیم ترجمے ہیں ان میں یہی الفاظ یہاں مذکور ہیں، لیکن جدید اردو اور جدید انگریزی ترجموں میں اسکی جگہ یہ عبارت مذکور ہے، "تو مجھ سے نیکی کی بات کیوں پوچھتا ہے؟" انگریزی کے قدیم اور جدید انگریزی ترجموں میں جو کھلا اختلاف ہے وہ مندرجہ ذیل عبارتوں سے واضح ہوگا:

(قدیم ترجمہ مطبوعہ ۱۸۵۸ء) (جدید ترجمہ مطبوعہ ۱۹۶۱ء) البتہ مرقس ۱۰، ۱۷ اور لوقا ۱۸ : ۱۸ کے تمام ترجموں میں اب تک وہی الفاظ پائے جاتے ہیں جو مصنف نے نقل کئے ہیں تحریف کی اس کھلی مثال سے آپ اندازہ فرما سکتے ہیں کہ تحریف کا عمل کس قدر تدریجی رفتار سے کیا جاتا ہے ۱۲ ت

[۵۲] اردو ترجمہ میں یہاں "سہ پہر کے قریب" کا لفظ ہے، اس واقعہ کے ذکر میں چاروں انجیلوں اور ان کے مختلف ترجموں میں جو بے پناہ اختلافات ہیں ان کی تفصیل کے لئے دیکھئے کتاب ہذا صفحہ ۳۲۵ اور ۳۲۵ ج ا

"یسوع نے پھر بڑی آواز سے چلا کر جان دے دی"

اور انجیل لوقا باب ۲۳ آیت ۴۶ میں ہے :-

"پھر یسوع نے بڑی آواز سے پکار کر کہا اے باپ! میں اپنی روح تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہوں"

یہ ارشاد مسیح کے معبود ہونے کی قطعی تردید کرتا ہے، خصوصاً، حلول ماننے والوں کے مذہب کی بناء پر، یا انقلاب کے قائلین کے مسلک پر، اس لئے کہ اگر آپ معبود ہوتے تو دوسرے معبود سے فریاد کیوں کرتے؟ اور یہ کیونکر کہتے کہ اے میرے معبود! اے میرے معبود! آپ نے مجھے کس لئے چھوڑ دیا؟ اور نہ یہ فرماتے کہ اے میرے باپ میں اپنی روح آپ کو سونپ رہا ہوں کیونکہ معبود پر موت کا واقع ہونا اور عاجز ہونا آیات ذیل کی بناء پر محال ہے،

کُتب مقدسہ کی رُو سے معبود کو موت نہیں آسکتی

کتاب یسعیاہ باب ۴۰ آیت ۲۸ میں ہے :

"کیا تو نہیں جانتا؟ کیا تو نے نہیں سُنا کہ خداوند خدائے ابدی و تمام زمین کا خالق تھکتا نہیں اسکی حکمت ادراک سے باہر ہے"

اسی کتاب کے باب ۴۴ آیت ۶ میں ہے :-

"خداوند اسرائیل کا بادشاہ اور اس کا فدیہ دینے والا ربّ الافواج یوں فرماتا ہے کہ میں ہی اوّل اور میں ہی آخر ہوں، اور میرے سوا کوئی خدا نہیں"

اور کتاب یرمیاہ کے باب ۱۰ آیت ۱۰ میں ہے :-

"لیکن خداوند سچا خدا ہے، وہ زندہ خدا اور ابدی بادشاہ ہے"

اور کتاب حبقوق باب اوّل کی آیت ۱۲ اسطرح ہے :

"اے خداوند میرے خدا! اے میرے قدوس! کیا تو ازل سے نہیں ہے (اور تو نہیں مرے گا"[۵]

(حاشیہ ۵ برصفحہ آئندہ)

اور تیمتھیس کے نام پہلے خط کے باب اوّل آیت ۱۷ میں ہے :-

"رب ازلی بادشاہ یعنی غیر فانی نادیدہ واحد خدا کی عزت اور تمجید ابدالآباد ہوتی ہے"۔

پس جو ذات معبود دائمی ہو، اور کمزوری اور تھکاوٹ سے پاک ہو، لازوال اور غیر فانی ہو وہ کس طرح عاجز ہو سکتی ہے یا مر سکتی ہے؟ کیا ایک فانی اور عاجز چیز معبود ہو سکتی ہے؟ توبہ توبہ! بلکہ حقیقت یہ ہے کہ سچا معبود وہی ہے جس سے عیسیٰ علیہ السلام عیسائیوں کے خیال کے مطابق اس وقت پکار کر خیال کر رہے تھے، اور تعجب یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے معبود کے مرجانے پر اکتفاء نہیں کرتے، بلکہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ مرنے کے بعد جہنم میں بھی داخل ہوا۔

عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح مرنے کے بعد جہنم میں داخل ہوئے

چنانچہ جواد بن ساباط نے یہ عقیدہ کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ ۱۵۰۶ء سے اس طرح نقل کیا ہے :-

"جس طرح مسیح ہمارے لئے مرے اور دفن ہوئے اسی طرح ہم کو یہ عقیدہ بھی رکھنا لازم ہے کہ وہ جہنم میں داخل ہوئے"۔

پادری فلپس کوادنولیس نے احمد الشریف بن زین العابدین کے رسالہ کی تردید میں عربی زبان میں ایک کتاب لکھی، جس کا نام خیالات فلپس رکھا، یہ کتاب رومۃ الکبریٰ کے علاقہ لبسلوقیت میں ۱۶۶۹ء میں طبع ہوئی ہے، مجھ کو ایک کتاب کا ایک نسخہ عاریت کے طور پر شہر دہلی کی انگریزی لائبریری سے ملا، پادری موصوف نے اپنی اس کتاب میں یوں لکھا ہے :-

"جس نے ہماری رہائی کے لئے دکھ اٹھایا ہے، اور دوزخ میں گرا، پھر تیسرے دن مردوں کے درمیان اٹھ کھڑا ہوا الخ"۔

(صفحہ گذشتہ کا حاشیہ) ۵ اظہار الحق کے دونوں نسخوں میں یہی الفاظ مذکور ہیں لیکن ہمارے پاس جتنے قدیم وجدید ترجمے ہیں ان سب میں اس کے بجائے "اور ہم نہیں مریں گے" کے الفاظ ہیں، اظہار الحق کے انگریزی تراجم نے یہ جملہ ہی سرے سے نقل نہیں کیا، البتہ "کیا تو ازل سے الخ" کے بجائے "کیا تو ہمیشہ نہیں رہے گا" کے الفاظ نقل کئے ہیں ۱۲ تقی

اور پریئر بک[a] میں اتھانی شیس کے عقیدہ[b] کے ذیل میں جس پر تمام عیسائی ایمان رکھتے ہیں، لفظ "ہیل" موجود ہے جس کے معنی جہنم ہیں، جواد بن ساباط کہتے ہیں کہ :-

"پادری مارطیروس نے مجھ سے اس عقیدہ کی توجیہ کرتے ہوئے کہا کہ جب مسیح نے انسانی جسم کو قبول کیا تو اس کے لئے ضروری ہو گیا کہ تمام انسانی عوارض کو قبول اور برداشت کرے، لہٰذا وہ جہنم میں بھی داخل ہوا اور عذاب بھی دیا گیا، اور جب جہنم سے نکلا تو اپنے ساتھ ان تمام لوگوں کو جو جہنم میں مسیح کے داخلہ سے قبل موجود تھے جہنم سے نکال لایا میں نے اس سے دریافت کیا کہ کیا اس عقیدہ کی کوئی دلیل نقلی بھی ہے، کہنے لگا کہ اس کے لئے کسی دلیل کی حاجت نہیں، اس پر اس مجلس کے شرکاء میں سے ایک عیسائی نے بطور ظرافت کے کہا کہ پھر تو باپ بڑا ہی سنگدل تھا، ورنہ اپنے بیٹے کو ہرگز جہنم میں جانے نہ دیتا، یہ

---

[a] PRAYER BOOK

[b] عقیدہ اتھانیشس (مشہور عیسائی عالم اور فلاسفر اتھانی شس کی طرف منسوب ہے (پ ۲۹۸ء م ۳۷۳ء) جو عرصۂ دراز تک اسکندریہ کا بشپ رہا ہے، اس کے زمانہ میں آریوس (دیکھئے ص ۶۱۳ جلد ہذا کا حاشیہ ۱) کا فرقہ اپنے شباب پر تھا جو حضرت مسیح کو خدا سے الگ مانتا تھا، اتھانیشس نے اس فرقہ کی تردید کو اپنی زندگی کا مشن بنایا اور اسی جدوجہد میں اسے پانچ مرتبہ جلا وطن کیا گیا، لیکن بالآخر یہ اپنے مشن میں کامیاب ہوا، اور آریوس فرقہ کے نظریات کو غلط قرار دے دیا گیا، نیقاوی کونسل (دیکھئے ص ۶۷۸ جلد ہذا) کے فیصلہ میں بھی پس پردہ اسی کا ہاتھ تھا، اس کا کہنا یہ تھا کہ حضرت مسیح ع خدا کا ایک اقنوم ہیں جو خدا سے مختلف نہیں ہے، اس کے اسی نظریہ کو عیسائیوں میں قبول عام حاصل ہوا، بعد میں اس کے عقائد کو کسی نے نظم کر دیا، اسی نظم کو عقیدۂ اتھانیشس" کہا جاتا ہے، واضح رہے کہ یہ نظم خود اس کی نہیں ہے بلکہ اس کے عقیدہ کو دوسری نے نظم کر دیا ہے (دیکھئے برٹانیکا، ص ۷۵۹ جلد ۲، مقالہ اتھانیشس اور شارٹ ہسٹری آف دی چرچ آر کلیرک ص ۷۰) ۱۲ تقی

[c] HELL

سنکر پادری مذکور نے غصّہ ہوکر اس مجلس سے معترض کو نکلوا دیا، یہ شخص میرے پاس آیا اور اسلام قبول کیا، مگر اس نے مجھ سے یہ عہد لیا کہ "تاحیات اس کے مسلمان ہونے کا اظہار کسی سے نہ کروں"۔

شہر لکھنؤ میں ۱۲۴۸ھ مطابق ۱۸۳۳ء میں ایک بڑا مشہور پادری یوسف ولف نامی آیا، جو اپنے لئے الہام کا بھی دعویٰ کرتا تھا، اور اس کا یہ دعویٰ بھی تھا کہ حضرت مسیحؑ کا نزول ۱۸۴۷ء میں ہوگا، اس کے اور شیعہ مجتہد کے درمیان اس بارے میں زبانی اور تحریری مناظرہ ہوا، شیعہ مجتہد نے اس سے اس عقیدہ کی نسبت بھی سوال کیا، کہنے لگا بیشک مسیحؑ جہنم میں داخل ہوئے اور انہیں عذاب دیا گیا، لیکن اس میں کوئی مضائقہ نہیں، اس لئے کہ یہ جہنم کا داخلہ اپنی امّت کی نجات کے لئے تھا، عیسائیوں کے بعض فرقے اس سے بھی زیادہ قبیح اعتقاد رکھتے ہیں، بل اپنی تاریخ میں مرسیونی[۱] فرقہ کا بیان کرتے ہوئے کہتا ہے :-

"اس فرقہ کا عقیدہ یہ ہے کہ عیسٰیؑ مرنے کے بعد داخل جہنم ہوا، اور قابیل اور اہل سدوم[۲] کی روحوں کو نجات دی، کیونکہ یہ سب وہاں موجود تھے، نیز یہ لوگ خالقِ شر کے فرمانبرداروں میں سے نہ تھے، اور ہابیل اور حضرت نوحؑ اور ابراہیمؑ اور دوسرے صلحاء متقدمین کی روحوں کو بدستور جہنم میں باقی رہنے دیا، کیونکہ یہ سب پہلے فریق کے مخالف تھے، اور اس فرقہ کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ خالقِ عالم اس خدا میں منحصر نہیں جس نے عیسٰیؑ کو بھیجا تھا، اور اسی سبب سے یہ فرقہ عہد عتیق کی کتابوں کے الہامی ہونے کا منکر ہے الخ"۔

پس اس فرقہ کا عقیدہ چند چیزوں پر مشتمل ہے :-

---

[۱] جسے مرقیونی بھی کہتے ہیں، اس فرقہ کے مفصّل تعارف کے لئے دیکھئے ص۳۶۳ ج۱ اور ص۵۹۰ کے حاشیے ۱۲ ت

[۲] سدوم (SADOM) فلسطین کا وہ شہر جہاں حضرت لوطؑ مبعوث فرمائے گئے تھے اور اسے انکی بدعنوانیوں کی وجہ سے ایک ہولناک عذاب کے ذریعہ تباہ کردیا گیا، اس تباہی کا واقعہ قرآن کریم سورہ ہود اور کتاب پیدائش باب ۱۹ میں موجود ہے، آج یہاں بحرِ میّت بہتا ہے ۱۲ تقی

ایک یہ کہ ساری روحیں خواہ وہ انبیاء اور صلحاء کی ہوں یا بدبختوں کی عیسیٰ علیہ السلام کے داخلِ جہنم ہونے سے قبل عذاب میں مبتلا تھیں،

دوسرے یہ کہ عیسیٰؑ جہنم میں داخل ہوئے،

تیسرے یہ کہ عیسیٰؑ نے بدبختوں کی روحوں کو عذاب سے نجات دی، اور انبیاء وصلحاء کی روحوں کو جہنم میں باقی رکھا،

چوتھے یہ کہ صلحاء عیسیٰؑ کے مخالف اور بدبخت لوگ عیسیٰ کے موافق تھے،

پانچویں یہ کہ خالق عالم دو معبود ہیں، ایک نیکی کا خالق، دوسرا بدی کا، اور عیسیٰ پہلے خدا کے رسول اور باقی تمام مشہور انبیاء دوسرے خدا کے پیغمبر ہیں،

چھٹے یہ کہ عہدِ عتیق کی کتابیں الہامی نہیں ہیں،

میزان الحق کے مصنف نے اپنی کتاب حل الاشکال میں (جو کشف الاستار کے جواب میں لکھی گئی ہے) یوں کہا ہے کہ:-

"سچی بات تو یہ ہے کہ مسیحی عقیدہ میں یہ چیز موجود ہے کہ عیسیٰ داخلِ جہنم ہوئے، اور تیسرے روز نکل آئے، اور آسمان پر چڑھ گئے، لیکن اس موقع پر جہنم سے مراد "ہاڈس" ہے جو جہنم اور فلق اعلیٰ کے درمیان ایک مقام ہے، اور مطلب یہ ہے کہ عیسیٰؑ "ہاڈس" میں داخل ہوئے، تاکہ وہاں کے لوگوں کو اپنی عظمت و جلال کا مشاہدہ کرائیں، اور ان پر ظاہر کر دیں کہ میں مالکِ حیات ہوں، اور یہ کہ میں نے سولی پر چڑھ کر اور مر کر گناہ کا کفارہ دے دیا، اور شیطان و جہنم کو مغلوب اور ایمان والوں کے لئے ان دونوں کو کالعدم بنا دیا الخ"

اوّل تو یہ کتاب الصلوٰۃ اور پادری فلپس کو اونولیس کے ظاہر کلام سے اور پادری مادطروس اور یوسف دلف کے صراحتہً اقرار سے نیز عقیدہ اتہانا ثیس سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جہنم کے حقیقی معنیٰ مراد ہیں، اور خود صاحب میزان الحق نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے کہ یہ بات اس عقیدہ میں موجود ہے، پھر بغیر کسی دلیل کے تاویل کی ہے جو قابلِ قبول نہیں، ان کے ذمہ ضروری ہے کہ وہ اپنی مذہبی کتب سے یہ بھی ثابت

کریں کہ فلک اعلیٰ اور جہنم کے درمیان ایک مقام ہے، جس کا نام "ہاڈس" ہے

پھر ان کتابوں سے یہ ثبوت بھی پیش کریں کہ جہنم میں مسیح کا داخلہ اس غرض سے تھا تاکہ وہاں کے لوگوں کو اپنی عظمت وجلال کا مشاہدہ کرائیں، اور مالکِ حیات ہونے پر تنبیہ کریں، پھر یہ بات اس وقت اور زیادہ کمزور ہو جاتی ہے، جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ حکمائے یورپ کے نزدیک افلاک کا کوئی وجود ہی حقیقتاً نہیں ہے، اور متاخرین علمائے پروٹسٹنٹ ان کی اس رائے کو تسلیم کر کے ان کی ہمنوائی کرتے ہیں، پھر یہ توجیہ ان کے زعم کے مطابق کیونکر درست ہوسکتی ہے ؟

پھر یہ "ہاڈس" یا خوشی اور ثواب کی جگہ ہوسکتی ہے یا مشقت اور عذاب کا مقام ؟ اگر پہلی صورت ہے تو وہاں کے رہنے والوں کو اس تنبیہ کی کیا ضرورت، اس لئے کہ وہ تو اس سے قبل ہی راحت و عیش کی زندگی گذار رہے ہیں، اور اگر دوسری شکل ہے تو اس تاویل کا کوئی فائدہ اور نتیجہ نہیں، کیونکہ ارواح کا دوزخ عذاب و تکلیف ہی کا مقام ہوسکتا ہے،

مسیح علیہ السلام کا کفارہ بنجانا عقل کے خلاف ہے

تیسری بات یہ ہے کہ سُولی کی موت کا گناہوں کے لئے کفارہ ہو جانا قطعی عقل کے خلاف ہے، کیونکہ اس گناہ سے مراد عیسائیوں کے خیال کے مطابق وہ اصلی گناہ ہے جو آدم علیہ السلام سے صادر ہوا تھا[۱]، نہ کہ وہ گناہ جو اُن کی اولاد سے صادر ہوئے یا ہوتے ہیں اور یہ بات عقلاً درست نہیں کہ اس گناہ کی سزا ان کی اولاد کو دی جائے، اس لئے کہ اولاد باپ دادوں کے جرم میں ماخوذ نہیں ہوسکتی، جس طرح کہ اولاد کے گناہوں کی وجہ سے باپ دادوں کو نہیں پکڑا جا سکتا، بلکہ یہ چیز انصاف کے خلاف ہے، چنانچہ کتاب حزقیال کے اٹھارہویں باب کی آیت ۲۰ میں اس طرح کہا گیا ہے :-

"باپ بیٹا کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ، صادق کی صداقت اسی کے لئے ہوگی اور شریر کی شرارت شریر کے لئے"

[۱] اس عقیدے کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے مقدمہ ص ۵۵ ج اول

پھر چوتھی بات یہ ہے کہ اس کا مطلب ہے کہ شیطان کو موت سے غیرب بنا دیا کیونکہ شیطان ان کی انجیل کے فیصلہ کے مطابق حضرت مسیحؑ کی پیدائش کے قبل سے ہی ابدی بیڑیوں میں مقید اور گرفتار ہے، یہوداہ کے خط کے کی چھٹی آیت اس طرح ہے:

"اور جن فرشتوں نے اپنی حکومت کو قائم نہ رکھا، بلکہ اپنے خاص مقام کو چھوڑ دیا، ان کو اس نے دائمی قید میں تاریکی کے اندر روزِ عظیم کی عدالت تک رکھا ہے"

پھر تعجب بالائے تعجب یہ ہے کہ عیسائی اپنے مفروضہ معبود کے مرجانے اور دوزخ میں جانے پر اکتفاء نہیں کرتے، بلکہ اس پر تیسری بات کا یوں اضافہ کرتے ہیں کہ وہ ملعون بھی ہوا، خدا کی پناہ! اور مسیحؑ کا ملعون ہونا تمام عیسائیوں کو مسلّم ہے، اور صاحب میزان الحق نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے، اور اپنی کتابوں میں اس کی تصریح بھی کی ہے، اور تو خود ان کے مقدس پولس نے بھی اپنے خط میں جو گلتیوں کو بھیجا گیا تھا تیسرے باب کی تیرھویں آیت میں تصریح کی ہے کہ:

"مسیحؑ جو ہمارے لئے لعنتی بنا، اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کیونکہ لکھا ہے جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے[1]"

اور ہمارے نزدیک اس مکروہ لفظ کا استعمال کرنا بہت ہی قبیح ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کو لعنت کرنے والے کو توریت کے حکم کے بموجب سنگسار کرنا واجب ہے، بلکہ موسیٰؑ کے زمانہ میں اس جرم پر ایک شخص کو سنگسار کیا جاچکا ہے، چنانچہ سفر احبار کے باب[2] ۲۴ میں یہ بات صاف طور پر مذکور ہے، بلکہ ماں باپ کو لعنت کرنے والا بھی واجب القتل ہے، چہ جائیکہ اللہ کو لعنت کرنے والا، جیسا کہ کتاب مذکور کے باب[3] میں مذکور ہے۔

ساتواں ارشاد

انجیل یوحنا باب[20] آیت ۱۷ میں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے مریم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

---

[1] یہ توریت کی اس عبارت کی طرف اشارہ ہے: "جسے پھانسی ملتی ہے وہ خدا کی طرف سے ملعون ہے" استثناء ۲۱/۲۳)

[2] دیکھئے احبار ۲۴: ۱۰ تا ۱۷، [3] ...

"مجھے نہ چھوؤ، کیونکہ میں اب تک باپ کے پاس اوپر نہیں گیا، لیکن میرے بھائیوں کے پاس جاکر ان سے کہہ کہ میں اپنے باپ اور تمھارے باپ اور اپنے خدا اور تمھارے خدا کے پاس اوپر جاتا ہوں"

اس قول میں مسیحؑ نے خود کو باقی سب انسانوں کے برابر قرار دیا ہے (کہ میرا باپ اور تمھارا باپ اور میرا خدا اور تمھارا خدا) تاکہ لوگ مسیحؑ پر غلط بہتان تراشی کرتے ہوئے یوں نہ کہیں کہ وہ معبود ہیں، یا خدا کے بیٹے ہیں، پس جس طرح مسیحؑ کے تمام شاگرد خدا کے بندے ہیں، اور واقع میں خدا کے بیٹے نہیں ہیں، بلکہ صرف مجازی معنی کے لحاظ سے ان کو بیٹا کہدیا گیا ہے، بالکل اسی طرح مسیحؑ خدا کے بندے اور ہیں اور حقیقتاً خدا کے بیٹے نہیں ہیں، اور چونکہ یہ ارشاد عیسائیوں کے دعوے کے مطابق موت کے بعد زندہ ہونے پر اور آسمان پر چڑھنے سے کچھ قبل فرمایا گیا ہے، لہٰذا ثابت ہو گیا کہ مسیحؑ اپنے آسمان پر چڑھنے کے زمانہ تک اپنے خدا کے بندے ہونے کی تصریح کرتے رہے[1]

اور یہ قول قرآن کریم کے بیان کے سَو فی صدی مطابق ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول نقل فرمایا ہے:-

مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۚ

"میں نے ان سے اس کے سوا کچھ نہیں کہا تھا جس کا حکم آپ نے مجھے دیا تھا، یعنی یہ کہ اللہ کی بندگی کرو جو تمھارا بھی پروردگار ہے اور میرا بھی"

آٹھواں ارشاد

انجیل یوحنا کے باب ۱۴ آیت ۲۸ میں حضرت مسیح علیہ السلام کا ارشاد اس طرح منقول ہے:-

"باپ مجھ سے بڑا ہے"

اس میں بھی وہ اپنے معبود ہونے کا انکار فرما رہے ہیں، کیونکہ اللہ کے برابر بھی کوئی نہیں ہو سکتا، چہ جائیکہ اس سے بڑا ہو،

[1] لہٰذا یوں بھی نہیں کہا جا سکتا کہ آپ نے یہودیوں کے خوف سے اپنا معبود اور خدا ہونا واضح طور سے بیان نہیں فرمایا تھا، کیونکہ اب تو کسی کا خوف نہ تھا۔ ۱۲ تقی

نواں ارشاد

انجیل یوحنا باب ۱۴ آیت ۲۴ میں آپ کا ارشاد اس طرح ذکر کیا گیا ہے :-

"جو کلام تم سنتے ہو وہ میرا نہیں، بلکہ باپ کا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے"

لیجئے! اس میں تو صاف موجود ہے کہ میں صرف رسول اور پیغمبر ہوں، اور جو کلام تم سنتے ہو وہ اللہ کی طرف سے آئی ہوئی وحی ہے،

دسواں ارشاد

انجیل متی باب ۲۳ میں ہے کہ آپ نے اپنے شاگردوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا :-

"اور زمین پر کسی کو اپنا باپ نہ کہو، کیونکہ تمہارا باپ ایک ہی ہے، جو آسمانی ہے اور نہ تم ہادی کہلاؤ، کیونکہ تمہارا ہادی ایک ہی ہے یعنی مسیح" (آیات ۹، ۱۰)

اس میں بھی یہ تصریح فرمادی گئی ہے کہ اللہ ایک ہی ہے، اور میں صرف ہادی ہوں،

گیارہواں ارشاد

انجیل متی کے باب ۲۶ آیت ۳۶ میں ہے کہ :-

"اس وقت یسوع ان کے ساتھ گتسمنی نام ایک جگہ میں آیا، اور اپنے شاگردوں سے کہا یہیں بیٹھے رہنا، جب تک کہ میں وہاں جاکر دعاء کروں، اور پطرس اور زبدی کے دونوں بیٹوں[1] کو ساتھ لے کر غمگین اور بے قرار ہونے لگا، اس وقت میری جان نہایت غمگین ہے، یہاں تک کہ مرنے کی نوبت پہنچ گئی ہے، تم یہاں ٹھہرو اور میرے ساتھ جاگتے رہو، پھر ذرا آگے بڑھا، اور منہ کے بل گر کر یوں دعاء کی کہ اے میرے باپ! اگر ہو سکے تو یہ پیالہ[2] مجھ سے ٹل جائے، تو بھی نہ جیسا میں چاہتا ہوں بلکہ جیسا تو چاہتا ہے (ویسا[3] ہی ہو)، پھر شاگردوں کے پاس آکر........ پھر دوبارہ اس نے جاکر یوں دعاء کی کہ اے میرے باپ! اگر یہ میرے پیئے بغیر نہیں ٹل سکتا تو تیری مرضی پوری ہو، اور آکر پھر انہیں سوتے پایا...... اور پھر وہی بات کہہ کر تیسری بار دعاء کی" (آیات ۳۶ تا ۴۴)

---

[1] یعنی یوحنا اور یعقوب، [2] اس سے مراد موت کا پیالہ ہے ۱۲

[3] یہ الفاظ اظہار الحق میں نہیں ہیں ۱۲

ان آیتوں میں حضرت مسیح علیہ السلام کے اقوال و افعال سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو خدا نہیں، خدا کا بندہ سمجھتے تھے، کیا کوئی معبود غمگین اور رنجیدہ ہوسکتا ہے؟ اور کیا وہ دوسرے معبود کے لئے نماز پڑھتا اور گڑگڑاتا ہے؟ نہیں خدا کی قسم نہیں! اور جب کہ حضرت مسیحؑ کی ذات گرامی نے اس عالم میں آکر جسمانی لباس پہنا تاکہ ان کے خون سے سارا عالم جہنم کے عذاب سے چھٹکارا پائے، تو پھر رنجیدہ اور غمگین ہونے کا کیا مطلب؟ اور اس دعاء کے کیا معنی کہ اگر اس پیالہ کا ہٹایا جانا ممکن ہو تو ہٹا دیجئے،

بارہواں ارشاد

آپ کی عادت شریف یہ تھی کہ جب اپنا ذکر فرماتے تو اپنے کو انسان کے بیٹے کے الفاظ سے تعبیر کرتے جیسا کہ مروجہ انجیل کے ناظرین سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے مثلاً آیات ۲۰ باب ۸ و آیت ۶ باب ۹ و ۱۳ و ۲۷ باب ۶ و آیت ۹ و ۱۲ و ۲۲ باب ۱۷ و آیت ۱۱ باب ۱۸ و آیت ۲۸ باب ۱۹ و آیت ۱۸ و ۲۸ باب ۲۰ و آیت ۲۷ باب ۲۴ و آیت ۲۴ و ۴۵ و ۶۴ باب ۲۶، انجیل متی میں اور اسی طرح دوسری کتابوں میں[1] ہے، اور ظاہر ہے کہ انسان کا بیٹا انسان ہی ہوسکتا ہے:-

◎

[1] مثلاً ابن آدم اپنے باپ کے جلال میں اپنے فرشتوں کے ساتھ آئے گا الخ" (متی ۱۶: ۲۷) اسی کتاب میں پیچھے کئی جگہ یہ الفاظ گذر چکے ہیں،

تیسری فصل

نصارٰی کے دلائل پر ایک نظر

مقدمہ کے پانچویں اصول سے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ یوحنا کا کلام مجاز سے بھرا ہوا ہے، اور شاذ و نادر ہی کوئی فقرہ ایسا ملے گا جو تاویل کا محتاج نہ ہو،

اسی طرح مقدمہ کے چھٹے اصول سے یہ بھی واضح ہو چکا کہ مسیحؑ کے اقوال میں اجمال بکثرت پایا جاتا ہے، اور وہ بھی اس قدر کہ اکثر اوقات ان کے معاصرین اور شاگرد بھی اس کو نہ سمجھتے تھے، تاوقتیکہ خود مسیحؑ اس کی تفسیر نہ فرمادیں۔

اسی طرح بارہویں نمبر سے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ حضرت مسیحؑ نے آسمان پر تشریف لے جانے تک کبھی بھی اپنی اُلوہیت اور معبود ہونے کا ذکر اس طرح وضاحت کے ساتھ نہیں کیا جس میں ذرا سی بھی شبہ کی گنجائش نہ ہو، اور حضرت مسیح علیہ السلام کے جن اقوال سے عیسائی حضرات استدلال کرتے ہیں وہ عموماً مجمل اور انجیل یوحنا سے منقول ہیں، ان اقوال کی تین قسمیں ہیں :

بعض اقوال تو وہ ہیں جو اپنے حقیقی معانی کے لحاظ سے ان کے مقصود پر دلالت

ہی نہیں کرتے، اس لئے ان اقوال سے یہ سمجھنا کہ حضرت مسیحؑ خدا تھے محض ان کا زعمِ باطل ہے، اور یہ استنباط اور زعم دلائلِ عقلیہ وقطعیہ اور نصوص عیسویہ کے مقابلہ میں نہ جائز ہے نہ کافی ہے، جیسا کہ گذشتہ دونوں فصلوں سے معلوم ہو چکا ہے، اور بعض اقوال ایسے ہیں کہ ان کی تفسیر انجیل کے دوسرے مقامات اور مسیحؑ کے دوسرے ارشادات سے ہو جاتی ہے، اس لئے ان میں بھی عیسائیوں کی اپنی تفاسیر کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا، اور بعض اقوال ایسے ہیں جن کی تاویل خود عیسائیوں کے نزدیک بھی ضروری ہے، پھر جب تاویل ھی ضروری ہوئی تو پھر ہم کہتے ہیں کہ تاویل ایسی ہونی چاہیئے کہ جو دلائل اور نصوص کے خلاف نہ ہو،

اس لئے یہاں ان کے تمام اقوال کو نقل کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے بلکہ اکثر اقوال کا نقل کرنا کافی ہے، تاکہ ناظرین کو ان سے استدلال کا حال معلوم ہو سکے اور باقی کو اسی پر قیاس کر لیں،

پہلا استدلال: خدا کا بیٹا

عیسائی حضرات سب سے پہلے انجیل کی ان آیات سے استدلال کرتے ہیں، جن میں حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہا گیا ہے[1]، لیکن یہ دلیل دو وجہ سے انتہائی کمزور ہے:-

اوّل تو اس لئے کہ یہ آیتیں اُن آیتوں سے متصادم ہیں جن میں حضرت مسیحؑ کو انسان کا بیٹا کہا گیا ہے[2]، اسی طرح حضرت مسیحؑ کو داؤد کا بیٹا کہنے کے بھی معارض ہے[3] لہٰذا اس قسم کی تطبیق ضروری ہے کہ جو عقلی دلائل کے بھی مخالف نہ ہو، اور محال بھی لازم نہ آئے۔

دوسرے اس لئے کہ "ابن" کو اس کے حقیقی معنی میں لینا درست نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس کے معنی تمام جہان کے ائمہ لغت کے نزدیک متفق علیہ طور پر یہ

---

[1] مثلاً متی ۲۶: ۶۳ و ۳ ، ۱۷ اور یوحنا ۱ : ۱۸ و ۳ : ۱۶ و ۱۸ و ۱ یوحنا ۴ : ۹ ۔

[2] انجیل میں ساٹھ جگہ آپ کو ابن آدم کہا گیا ہے، (نوید جاوید)

[3] جیسا کہ متی ۱: ۱ و ۹ : ۲۷ و ۲۱ : ۹ و لوقا ۱ : ۳۲ میں آپ کا (داؤد کا بیٹا ہی کہا گیا ہے،

ہیں کہ جو شخص ماں باپ دونوں کے مشترک نطفہ سے پیدا ہوا ہو، اور یہ معنی یہاں پر محال ہیں، اس لئے کسی ایسے مجازی معنی پر محمول کرنا ضروری ہے جو مسیحؑ کی شان کے مناسب بھی ہوں، بالخصوص جبکہ انجیل ہی سے یہ بات بھی معلوم ہو چکی ہے کہ یہ لفظ مسیحؑ کے حق میں راست باز شخص کے معنی میں مستعمل ہوا ہے، چنانچہ انجیل مرقس کے پندرہویں باب کی آیت ۳۹ میں ہے:

"اور جو صوبہ دار اس کے سامنے کھڑا تھا اس نے اُسے یوں[1] دم دیتے ہوئے دیکھ کر کہا بے شک یہ آدمی خدا کا بیٹا تھا"

اور لوقا نے اپنی انجیل کے باب ۲۳ آیت ۴۷ میں اس صوبہ دار کا قول اس طرح نقل کیا ہے:

"یہ ماجرا دیکھ کر صوبہ دار نے خدا کی تمجید کی اور کہا بیشک یہ آدمی راستباز تھا"

دیکھئے انجیل مرقس میں "خدا کا بیٹا" کا لفظ اور انجیل لوقا میں اس کے بجائے "راستباز" کا لفظ استعمال ہوا، بلکہ اس لفظ کا استعمال صالح شخص کے معنی میں مسیحؑ کے علاوہ دوسروں کے لئے بھی اس طرح کیا گیا ہے جس طرح بدکار کے حق میں "ابلیس کا بیٹا" کہا گیا ہے، چنانچہ انجیل متی کے باب ۵ میں ہے:

"مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں، کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے"

پھر آیت ۴۴ میں ہے:

"لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے محبت رکھو، اور اپنے ستانے والوں کے لئے دعا کرو (اپنے بغض رکھنے والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اور جو لوگ تمہیں گالیاں دیتے ہیں ان پر رحم کرو)[2] تاکہ تم اپنے باپ کے جو آسمان پر ہے بیٹے ٹھہرو" (آیات ۴۴، ۴۵)

---

[1] یعنی حضرت مسیحؑ کو ۱۲ ت

[2] قوسین کی عبارت مصنفؒ نے نقل فرمائی ہے، قدیم عربی اور انگریزی تراجم میں بھی موجود ہے، مگر جدید اردو اور انگریزی تراجموں میں نہ جانے کس مصلحت سے اس کو حذف کر دیا گیا ہے ۱۲ ت

ملاحظہ فرمائیے، یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صلح کرنے والوں اور مذکورہ اعمال کرنے والوں پر "خدا کے بیٹے" کا اطلاق فرمایا ہے، اور اللہ کو ان کی نسبت سے باپ قرار دیا ہے، اس کے علاوہ انجیل یوحنا کے باب۸ میں حضرت مسیح علیہ السلام اور یہودیوں کے سوال و جواب بیان کرتے ہوئے آپ کا ارشاد اس طرح نقل کیا گیا ہے :-

"تم اپنے باپ کے سے کام کرتے ہو، انہوں نے اس سے کہا ہم حرام سے پیدا نہیں ہوئے، ہمارا ایک باپ ہے یعنی خدا، یسوع نے ان سے کہا اگر خدا تمہارا باپ ہوتا تو تم مجھ سے محبت رکھتے"

اس کے بعد آیت ۴۴ میں ہے :

"تم اپنے باپ ابلیس سے ہو اور اپنے باپ کی خواہشوں کو پورا کرنا چاہتے ہو، وہ شروع ہی سے خونی ہے، اور سچائی پر قائم نہیں رہا، کیونکہ اس میں سچائی ہے نہیں جب وہ جھوٹ بولتا ہے تو اپنی ہی سی کہتا ہے، کیونکہ وہ جھوٹا ہے بلکہ جھوٹ کا باپ ہے"

پس یہودی مدعی تھے کہ ہمارا باپ ایک ہی ہے، یعنی اللہ، اور مسیحؑ کہتے تھے کہ نہیں، بلکہ تمہارا باپ شیطان ہے، اور ظاہر ہے کہ اللہ اور شیطان حقیقی معنی کے لحاظ سے کسی کے بھی باپ نہیں، اس لئے اس لفظ کو معنی مجازی پر محمول کرنا ضروری ہے، مقصود یہود کا یہ تھا کہ ہم نیک اور خدا کے فرمانبردار ہیں، اور مسیح کو مراد یہ تھی کہ تم ہرگز ایسے نہیں ہو، بلکہ تم بدکار اور شیطان کے فرماں بردار ہو، یوحنا کے پہلے خط باب۳ آیت ۹ میں ہے :

"جو کوئی خدا سے پیدا ہوا ہے وہ گناہ نہیں کرتا، کیونکہ اس کا تخم اس میں بنا رہتا ہے بلکہ وہ گناہ کر ہی نہیں سکتا، کیونکہ خدا سے پیدا ہوا ہے، اسی سے خدا کے فرزند اور ابلیس کے فرزند ظاہر ہوتے ہیں" (آیات ۹ و ۱۰)

اسی خط کے پانچویں باب میں ہے :-

"جس کا یہ ایمان ہے کہ یسوع ہی مسیح ہے وہ خدا سے پیدا ہوا ہے، اور جو کوئی والد سے محبت رکھتا ہے وہ اس کی اولاد سے بھی محبت رکھتا ہے، جب ہم خدا سے محبت رکھتے اور اس کے حکموں پر عمل کرتے ہیں تو اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ خدا کے فرزندوں سے بھی محبت رکھتے ہیں"۔

اور رومیوں کے نام خط کے باب ۸ آیت ۱۴ میں ہے:

"اس لئے کہ جتنے خدا کی روح کی ہدایت سے چلتے ہیں وہی خدا کے بیٹے ہیں"۔

اور فلپیوں کے نام خط کے باب ۲ آیت ۱۴ میں پولس رقمطراز ہے:

"سب کام شکایت اور تکرار کے بغیر کیا کرو، تاکہ تم بے عیب اور بھولے ہو کر ٹیڑھے اور کجرو لوگوں میں خدا کے بے نقص فرزند بنے رہو"۔

یہ اقوال ہمارے دعوے .... پر وضاحت سے دلالت کرتے ہیں، اور جب کہ لفظ "اللہ" وغیرہ جیسے الفاظ کے استعمال سے الوہیت ثابت نہیں ہوتی، جیسا کہ مقدمہ کے امر رابع[1] سے معلوم ہو چکا ہے تو "ابن اللہ" جیسے الفاظ سے کیونکر ثابت ہو سکتا ہے؟ بالخصوص جب کہ ہمارے پیش نظر عہد عتیق و جدید کی کتابوں میں مجاز کا بے شمار استعمال بھی ہے، جیسا کہ مقدمہ[2] سے معلوم ہوا، اور پھر خاص طور سے جب کہ دونوں عہدوں کی کتابوں میں بے شمار مقامات پر باپ اور بیٹے کے الفاظ کا استعمال پایا جاتا ہے، جن میں سے ہم کچھ نمونے کے طور پر نقل کرتے ہیں:۔

بائبل میں انسانوں کیلئے "خدا کے بیٹے" کا استعمال

لوقا نے اپنی انجیل کے باب ۳ میں مسیح علیہ السلام کا نسب بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ:۔

"وہ یوسف کا بیٹا اور آدم خدا کا بیٹا ہے"۔

اور ظاہر ہے کہ آدم علیہ السلام حقیقی معنی کے لحاظ سے خدا کے بیٹے نہیں ہیں، اور نہ معبود ہیں، مگر چونکہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے، اس لئے ان کو اللہ کی طرف منسوب کر دیا اور اس موقع پر لوقا نے بڑا ہی بہتر ین کام کر دیا ہے، وہ یہ کہ مسیح علیہ السلام

[1] دیکھئے ص ۱۸۶ جلد اول، [2] دیکھئے ص ۸۷۸، جلد اول،

چونکہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے اس لئے ان کو یوسف نجار کی طرف منسوب کر دیا، اور آدم علیہ السلام چونکہ بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے اس لئے ان کو اللہ کی طرف منسوب کر دیا،

اس کے علاوہ خروج کے باب ۴ آیت ۲۲ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد اس طرح مذکور ہے:

"اور فرعون سے کہنا کہ خداوند یوں کہتا ہے کہ اسرائیل میرا بیٹا بلکہ میرا پہلوٹھا ہے اور میں تجھے کہہ چکا ہوں کہ میرے بیٹے کو جانے دے، تاکہ وہ میری عبادت کرے، اور تو نے اسے اب تک جانے دینے سے انکار کیا ہے، سو دیکھ میں تیرے بیٹے کو بلکہ تیرے پہلوٹھے کو مار ڈالوں گا۔" (آیات ۲۲ و ۲۳)

اس عبارت میں ۲ دو جگہ اسرائیل کو "خدا کا بیٹا" کہا گیا ہے، بلکہ "پہلوٹھے" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

(۳) زبور نمبر ۸۸[۵۱] آیت ۱۹ میں اللہ تعالیٰ سے خطاب کرتے ہوئے حضرت داؤد علیہ السلام کا ارشاد اس طرح نقل کیا گیا ہے:

"اس وقت تو نے رؤیا میں اپنے مقدسوں سے کلام کیا، اور فرمایا کہ میں نے ایک زبردست کو مددگار بنایا ہے، اور قوم میں سے ایک کو چن کر سرفراز کیا ہے، میرا بندہ داؤد مجھے مل گیا، اپنے مقدس تیل سے میں نے اسے مسح کیا ہے ..... وہ مجھے پکار کر کہے گا تو میرا باپ میرا خدا اور میری نجات کی چٹان ہے، اور میں اس کو اپنا پہلوٹھا بناؤں گا اور دنیا کا شہنشاہ۔" (آیات ۱۹ تا ۲۷)

دیکھئے! یہاں اللہ کے لئے "باپ" کا لفظ اور داؤد علیہ السلام کے لئے "زبردست چنا ہوا"، مسیح اور "اللہ کا پہلوٹھا" جیسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں،

(۴) کتاب یرمیاہ کے باب ۳۱ آیت ۹ میں باری تعالیٰ کا ارشاد اس طرح منقول ہے،

"میں اسرائیل کا باپ ہوں اور افرائیم[۵۲] میرا پہلوٹھا ہے۔"

---

[۵۱] موجودہ زبور نمبر ۸۹، [۵۲] افرائیم حضرت یوسف علیہ السلام کے چھوٹے صاحبزادے (پیدائش ۴۱: ۵۲) ان کی طرف اسرائیلیوں کا افرائیمی قبیلہ منسوب ہے، ان کی اولاد کی تفصیل کے لئے دیکھئے گنتی ۱:۱۰، ۲:۱۸، ۲۶:۳۵ وغیرہ

اس میں بھی افرائیم کے لئے " اللہ کا پہلوٹھا" کے الفاظ کہے گئے ہیں، پس اگر ایسے الفاظ کا استعمال معبود ہونے کو مستلزم ہوتا تو داؤد علیہ السلام افرائیم واسرائیل معبود ہونے کے زیادہ مستحق ہیں، کیونکہ گذشتہ شریعتوں کے مطابق بھی اور عام رواج کے لحاظ سے بھی پہلوٹھا بہ نسبت دوسروں کے اکرام کا زیادہ حقدار ہے، اور اگر عیسائی حضرات یہ کہنے لگیں کہ عیسیٰ ع کے بارے میں " اکلوتا بیٹا" کا لفظ استعمال ہوا ہے[1]، تو پھر ہم عرض کریں گے کہ یہ اپنے حقیقی معنی پر ہرگز نہیں ہو سکتا، کیونکہ اللہ نے عیسیٰ ع کے بہت سے بھائیوں کا ذکر کیا ہے، اور ان میں سے تین کے حق میں تو پہلوٹھا کے الفاظ استعمال کئے ہیں، لہٰذا ضروری ہے کہ بیٹے کی طرح " اکلوتا بیٹا" کے بھی مجازی معنی مراد لئے جائیں،

(۵) کتاب سموئیل دوم کے باب[2] میں اللہ تعالیٰ کا قول سلیمان ع کے حق میں اس طرح بیان ہوا ہے :-

" اور میں اس کا باپ ہوں گا اور وہ میرا بیٹا ہوگا "

اب اگر اس لفظ کا اطلاق معبود ہونے کا سبب ہوتا تو سلیمان ع عیسیٰ ع سے مقدم ہونے کی وجہ سے اس کے زیادہ حقدار تھے، اور اس لئے بھی کہ وہ عیسیٰ ع کے اجداد میں سے ہیں،

(۶) کتاب استثناء کے باب ۳۲ آیت ۱۹ اور باب ۱۴ کی پہلی آیت میں اور کتاب یسعیاہ کے باب ۶۳ کی آیت ۸ میں، اور ہوشع کی کتاب کے باب ۱ کی آیت ۱۰ میں " اللہ کے بیٹوں" والے لفظ کا اطلاق تمام بنی اسرائیل کے لئے کیا گیا ہے، کتاب یسعیاہ باب ۶۳ آیت ۱۶ میں ہے کہ حضرت یسعیاہ علیہ السلام باری تعالیٰ سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں :-

" یقیناً تو ہمارا باپ ہے، اگرچہ ابراہام ہم سے ناواقف ہو، اور اسرائیل ہم کو نہ پہچانے تو اے خداوند ہمارا باپ اور فدیہ دینے والا ہے، تیرا نام ازل سے یہی ہے "

---

[1] دیکھئے یوحنا ۱ : ۱۴، [2] آیت ۱۴ ،

اور اسی کتاب کے باب ۶۴ آیت ۸ میں ہے :

"تو بھی اے خداوند! تو ہمارا باپ ہے "

ان آیتوں میں حضرت یسعیاہ علیہ السلام نے صراحت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو اپنا اور تمام بنی اسرائیل کا باپ قرار دیا ہے ،

(۸) کتاب ایوب باب ۳۸ آیت ۷ میں ہے :

"جب صبح کے ستارے مل کر گاتے تھے اور خدا کے سب بیٹے خوشی سے للکارتے تھے "

(۹) شروع جواب میں معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ کے بیٹے کا اطلاق نیک لوگوں، عیسیٰؑ پر ایمان لانے والوں، محبت کرنے والوں، اللہ کے فرمانبرداروں اور نیک اعمال کرنے والوں پر کیا گیا ہے ،

(۱۰) زبور نمبر ۶۷ کی پانچویں آیت میں ہے :

"خدا اپنے مقدس مکان میں یتیموں کا باپ اور بیواؤں کا دادرس ہے "

یہاں اللہ کو "یتیموں کا باپ" کہا گیا ،

(۱۱) کتاب پیدائش باب ۶ آیت ۱ و ۲ میں ہے ،

"جب روئے زمین پر آدمی بہت بڑھنے لگے اور ان کی بیٹیاں پیدا ہوئیں تو خدا کے بیٹوں نے آدمی کی بیٹیوں کو دیکھا کہ وہ خوب صورت ہیں، اور جن کو انھوں نے چُنا ان سے بیاہ کر لیا "

پھر آیت ۴ میں ہے :

"ان دنوں میں زمین پر جبار تھے ، اور بعد میں جب خدا کے بیٹے انسان کی بیٹیوں کے پاس گئے ، تو ان کے لئے ان سے اولاد ہوئی، یہی قدیم زمانہ کے سورما ہیں جو بڑے نامور ہوئے "

اللہ کے بیٹوں سے مراد شرفاء کی اولاد اور لوگوں کی بیٹیوں سے مراد عوام الناس کی لڑکیاں ہیں ، اسی لئے تو عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۱ء کے مترجم نے پہلی آیت

۱؎ موجودہ زبور نمبر ۶۸

کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ شرفاء کے لڑکوں نے عوام کی لڑکیوں کو خوب صورت پایا پس ان کو اپنی بیویاں بنالیا، پس "اللہ کے بیٹوں" کا اطلاق علی الاطلاق شرفاء کی اولاد کے لئے کیا گیا ہے، جس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ لفظ اللہ کا استعمال شریف کے معنی میں درست ہے،

(۱۲) انجیل کے بکثرت مواقع پر "تمہارے باپ" کا لفظ اپنے شاگردوں اور دوسروں کے حق میں خطاب کرتے ہوئے اللہ کے لئے استعمال کیا گیا ہے[1]،

(۱۳) کبھی کبھی لفظ بیٹا یا باپ کی نسبت کسی ایسی چیز کی جانب بھی کردی جاتی ہے جس کو معمولی سی مناسبت حقیقی معنی کے ساتھ ہوتی ہے، جس طرح شیطان کے لئے "جھوٹ کا باپ" جیسا کہ ناظرین کو معلوم ہو چکا ہے، یا جس طرح جہنم کی اولاد یا اورشلیم کے بیٹے" والے الفاظ عیسیٰ علیہ السلام کے کلام میں یہود کے حق میں موجود ہیں، جب کہ انجیل متی کے باب ۲۳ میں ہے، یا اسی طرح "زمانہ کے بیٹے" دنیا والوں کے لئے یا "اللہ کے بیٹے" اور "قیامت کے بیٹے" والے الفاظ جنتیوں کے حق میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلام میں ملتے ہیں، جیسا کہ لوقا کے باب ۲۰ میں اور تھسلنیکیوں کے نام پہلے خط کے باب ۵ میں استعمال کئے گئے ہیں،

عیسائی حضرات کا دوسرا استدلال،

انجیل یوحنا باب ۸ آیت ۲۳ میں ہے:

"اس نے ان سے کہا تم نیچے کے ہو، میں اوپر کا ہوں، تم دنیا کے ہو میں دنیا نہیں ہوں"

حضرت مسیح علیہ السلام کے اس ارشاد سے عیسائی حضرات یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ "میں معبود ہوں اور آسمان سے اُتر کر انسانی جسم میں آیا ہوں" عیسائی حضرات کو اس ارشاد کی یہ تشریح کرنے کی اس لئے ضرورت پیش آئی کہ اس کا ظاہری مفہوم مشاہدہ کے خلاف تھا، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کھلی آنکھوں اسی دنیا میں

---

[1] مثلاً، "تاکہ تم اپنے باپ کے جو آسمان پر ہے بیٹے ٹھہرو الخ" (متی ۵ : ۴۵، نیز ملاحظہ ہو متی ۵ : ۱۶، ۵ : ۴۸ و لوقا ۱۲ : ۳۰ و ۱۱ : ۲ و یوحنا ۲۰ : ۱۷)

پیدا ہوئے تھے، لیکن یہ تاویل دو وجہ سے غلط ہے:

اوّل تو اس لئے کہ یہ بات عقلی دلائل اور نصوصِ قطعیہ کے خلاف ہے۔

دوسرے اس لئے کہ اس قسم کی بات حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے شاگردوں کے حق میں بھی فرمائی ہے۔ چنانچہ انجیلِ یوحنا ہی کے باب ۱۵ کی آیت ۱۹ میں ہے:-

"اگر تم دنیا کے ہوتے تو دنیا اپنوں کو عزیز رکھتی، لیکن چونکہ تم دنیا کے نہیں بلکہ میں نے تم کو دنیا میں سے چن لیا ہے اس واسطے دنیا تم سے عداوت رکھتی ہے"

اور یوحنا باب ۱۷ آیت ۱۴ میں ہے:

"جس طرح میں دنیا کا نہیں وہ بھی دنیا کے نہیں"

پس مسیح ؑ نے اپنے شاگردوں کے حق میں بھی یہی فرمایا کہ وہ اس جہان کے نہیں ہیں ٹھیک جس طرح اپنے لئے یہ بات کہی تھی........ لہٰذا یہ بات اگر الوہیت اور خدائی کو مستلزم ہے، جیساکہ عیسائی حضرات کا خیال ہے، تو لازم آتا ہے کہ تمام شاگردانِ مسیح بھی معبود ہوں، خدا کی پناہ! بلکہ صحیح مطلب اس کلام کا یہ ہے کہ تم کمینی دنیا کے طالب ہو اور میں ایسا نہیں ہوں، بلکہ طالب آخرت اور اللہ کی خوشنودی کا طالب ہوں، اور اس قسم کا مجاز اہل زبان کے یہاں بکثرت ہے، چنانچہ زاہدوں اور صالحین کے لئے کہا جاتا ہے کہ یہ دنیا کے نہیں ہیں،

تیسری دلیل

انجیل یوحنا کے باب نمبر ۱۰ آیت ۳۰ میں مذکور ہے کہ:

"میں اور باپ ایک ہیں"

یہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ مسیح اور خدا متحد ہیں،

یہ دلیل بھی دو وجہ سے درست نہیں،

اوّل تو اس لئے کہ عیسائیوں کے نزدیک بھی مسیح نفس ناطقہ رکھنے والے انسان ہیں، لہٰذا اس لحاظ سے تو اتحاد ناممکن تھا، اس لئے لامحالہ انھیں یہ تاویل کرنی پڑے گی کہ جس طرح وہ انسان کامل ہیں اسی طرح خدائے کامل بھی ہیں، لیکن اس تاویل پر پہلے اعتبار سے خدا کے ساتھ مغائرت اور دوسرے لحاظ سے اتحاد لازم

آتا ہے، اور آپ کو پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ یہ بات بالکل باطل[1] ہے،

دوسرے یہ کہ اس قسم کے الفاظ حواریین کے حق میں بھی فرمائے گئے ہیں، انجیل یوحنا باب ۱۷ آیت ۲۱ میں ہے:

"تاکہ وہ سب ایک ہوں، یعنی جس طرح اے باپ! تو مجھ میں ہے اور میں تجھ میں ہوں وہ بھی ہم میں ہوں، اور دنیا ایمان لائے کہ تو نے ہی مجھے بھیجا، اور وہ جلال جو تو نے مجھے دیا ہے میں نے انھیں دیا ہے، تاکہ وہ ایک ہوں جیسے ہم ایک ہیں"

پس یہ کہنا کہ "وہ سب ایک ہوں" کا جملہ ان کے اتحاد پر دلالت کرتا ہے، دوسرے قول میں اپنا خدا کے ساتھ متحد ہونا اور حواریین کے ساتھ متحد ہونا دونوں چیزوں میں یکسانیت ثابت کی ہے، اور ظاہر ہے کہ ان سب کا حقیقتاً ایک بن جانا ممکن نہیں، اسی طرح مسیح ع اور خدا کا ایک بن جانا بھی غیر ممکن ہے، بلکہ سچی بات یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ متحد ہونے کے معنی اس کے احکام کی اطاعت کرنا اور نیک اعمال کرنا ہے، اس قسم کے اتحاد میں واقعی مسیح اور حواریین اور تمام اہلِ ایمان برابر ہیں، ہاں فرق قوت اور ضعف کا ہے، اس معنی کے لحاظ سے مسیح ع کا اتحاد قوی اور شدید ہے، اور دوسروں کا ان کی نسبت سے کم، اور متحد ہونے کے جو معنی ہم نے عرض کئے وہی معنی یوحنا حواری کے ایک ارشاد سے ثابت ہوتے ہیں جو اُن کے پہلے خط باب اوّل آیت ۵ میں اس طرح مذکور ہے:

"اس سے سُن کر جو پیغام ہم تمھیں دیتے ہیں وہ یہ ہے کہ خدا نور ہے، اور اس میں ذرا بھی تاریکی نہیں، اگر ہم کہیں کہ ہماری اس کے ساتھ شراکت ہے اور پھر تاریکی میں چلیں تو ہم جھوٹے ہیں، اور حق پر عمل نہیں کرتے، لیکن اگر ہم نور میں چلیں جس طرح کہ وہ نور میں ہے تو ہماری آپس میں شراکت ہے"

[1] اس لئے کہ ایک چیز دوسری چیز کا یا عین ہو سکتی ہے یا غیر، بیک وقت عین اور غیر دونوں نہیں ہو سکتی جس کے تفصیلی دلائل آپ اس باب کی فصل اوّل میں پڑھ چکے ہیں ۱۲ تقی۔

اور چھٹی ساتویں آیت فارسی تراجم میں اس طرح مذکور ہے:

"اگر گوئیم کہ با دے متحدیم و در ظلمت رفتار نمائیم در دروغ گوئیم و در راستی عمل بنمائیم، و اگر در روشنائی رفتار نمائیم، چنانچہ او در روشنائی می باشد با یکدیگر متحد ہستیم"

یعنی: اگر ہم یہ کہیں کہ ہم اس کے ساتھ متحد ہیں اور اندھیرے میں چلنے لگیں تو ہم جھوٹ بولتے ہیں اور سچ پر عمل نہیں کرتے، اور اگر روشنی میں چلیں جیسے وہ روشنی میں ہے تو ہم ایک دوسرے کے ساتھ متحد ہیں،

اس میں بجائے شرکت کے لفظ کے اتحاد کا لفظ استعمال ہوا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے ساتھ شریک ہونے یا اس کے ساتھ متحد ہونے کا وہی مطلب ہے جو ہم نے عرض کیا ہے،

چوتھی دلیل

انجیل یوحنا باب ۱۴ آیت ۹ میں ہے:

"جس نے مجھے دیکھا اس نے باپ کو دیکھا، تو کیونکر کہتا ہے کہ باپ کو ہمیں دکھا، کیا تو یقین نہیں کرتا کہ میں باپ میں ہوں، اور باپ مجھ میں ہے، یہ باتیں جو میں تم سے کہتا ہوں اپنی طرف سے نہیں کہتا، لیکن باپ مجھ میں رہ کر اپنے کام کرتا ہے"

اس عبارت میں حضرت مسیح کا یہ فرمانا کہ "میں باپ میں ہوں اور باپ مجھ میں ہے" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مسیح اور خدا ایک ہیں

لیکن یہ دلیل بھی دو وجہ سے کمزور ہے:

اوّل اس لئے کہ عیسائیوں کے نزدیک دنیا میں خدا کا دیکھا جانا محال ہے، جیسا کہ آپ مقدمہ کے امر رابع[1] میں معلوم کر چکے ہیں، اس لئے وہ لوگ اس کی تاویل معرفت کے ساتھ کرتے ہیں، مگر چونکہ اس طرح مسیح اور خدا کا ایک ہونا لازم نہیں آتا، اس لئے کہتے ہیں کہ دوسرا اور تیسرے قول میں جس حلول کا تذکرہ ہے

[1] دیکھئے صفحہ ۸۶۱ جلد ہذا۔

وہ اور حضرت مسیح کی خدائی کی معرفت تمام اہل تثلیث کے نزدیک واجب التاویل ہے، یعنی اس سے مراد اتحاد باطنی ہے، پھر ان تاویلات کے بعد کہتے ہیں کہ چونکہ مسیح انسان کامل بھی ہیں، اس لئے ان کے تینوں اقوال دوسرے لحاظ سے درست ہیں، حالاں کہ آپ بار بار جان چکے ہیں کہ یہ باطل ہے، کیونکہ تاویل کے لئے ضروری ہے کہ وہ دلائل اور نصوص کے خلاف نہ ہو،

دوسرے اس لئے کہ اس باب کی آیت ۲۰ میں ہے کہ:-

"میں اپنے باپ میں ہوں اور تم مجھ میں اور میں تم میں"۔

اسی طرح تیسری دلیل کے جواب میں آپ نے پڑھا کہ مسیح علیہ السلام نے اپنے حواریوں کے حق میں فرمایا تھا:

"جس طرح اے باپ! تو مجھ میں ہے اور میں تجھ میں ہوں وہ بھی ہم میں ہوں"۔

اور ظاہر ہے کہ الف، ب میں سمایا ہوا ہو اور ب، ج میں تو اس سے لازم آتا ہے کہ خود الف بھی ج میں سمایا ہوا ہے، اور کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب ۶ آیت ۱۹ میں ہے:

"کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارا بدن روح القدس کا مقدس ہے جو تم میں بسا ہوا ہے اور تم کو خدا کی طرف سے ملا ہے، اور تم اپنے نہیں"۔

اور کرنتھیوں ہی کے نام دوسرے خط کے باب ۶ آیت ۱۶ میں ہے:

"اور خدا کے مقدِس کو بتوں سے کیا مناسبت ہے؟ کیونکہ ہم زندہ خدا کا مقدِس ہیں چنانچہ خدا نے فرمایا ہے کہ میں ان میں بسوں گا، اور ان میں چلوں پھروں گا الخ"۔

اور افسیون کے نام خط باب ۴ آیت ۶ میں ہے:

"اور سب کا خدا اور باپ ایک ہی ہے جو سب کے اوپر اور سب کے درمیان اور سب کے اندر ہے"۔

پس اگر سمانا اتحاد کو ظاہر کرتا اور معبود ہونے کو ثابت کر سکتا ہے تو پھر ضروری ہوگا کہ حواریین بلکہ تمام کورنتھیہ اور افسس کے باشندے بھی معبود قرار دیئے جائیں

سچی بات تو یہ ہے کہ اگر کوئی چھوٹا مثلاً قاصد، غلام یا شاگرد اپنے کسی بڑے کے تابع ہوتا ہے تو اس کی تعظیم کو بڑے کی تعظیم، اس کی تحقیر کو بڑے کی تحقیر اور اور اس سے محبت کو بڑے سے محبت سمجھا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے حواریوں کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"جو تم کو قبول کرتا ہے وہ مجھے قبول کرتا ہے، اور جو مجھے قبول کرتا ہے وہ میرے بھیجنے والے کو قبول کرتا ہے" ([illegible])

اور آپ ہی نے ایک بچے کے بارے میں ارشاد فرمایا:۔

"جو کوئی اس بچے کو میرے نام پر قبول کرتا ہے وہ مجھے قبول کرتا ہے، اور جو مجھے قبول کرتا ہے وہ میرے بھیجنے والے کو قبول کرتا ہے" (لوقا باب ۹ آیت ۴۸)

اسی طرح جن ستر اشخاص کو آپ نے دو دو کی ٹولیوں میں تقسیم کر کے مختلف شہروں میں بغرض تبلیغ بھیجا تھا ان کے حق میں ارشاد فرمایا:

"جو تمہاری سنتا ہے وہ میری سنتا ہے، اور جو تمہیں نہیں مانتا وہ مجھے نہیں مانتا اور جو مجھے نہیں مانتا وہ میرے بھیجنے والے کو نہیں مانتا" (لوقا باب ۱۰ آیت ۱۶)

اسی طرح متی کے باب ۲۵[1] میں "اصحاب الیمین" اور "اصحاب الشمال" کے لئے بھی اسی قسم کی بات کہی گئی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ارمیاہ علیہ السلام کی زبانی یوں فرمایا:

"شاہ بابل بنوکدرضر نے مجھے کھا لیا، اس نے مجھے شکست دی ہے، اس نے مجھے خالی برتن کے مانند کر دیا، اژدہا کے مانند وہ مجھے نگل گیا" (کتاب یرمیاہ باب ۵۱[2])

بالکل اسی طرح قرآنِ کریم میں ہے:

اَلَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ،

"وہ لوگ جو آپ سے بیعت کرتے ہیں اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے"

---

[1] ملاحظہ ہوں آیات ۳۴ تا ۴۶، [2] آیت ۳۴،

اور حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اپنی مثنوی میں فرماتے ہیں ؎

گر تو خواہی ہمنشینی با خدا
رو، نشیں تو در حضورِ اولیاء

"یعنی تو اگر اللہ کے ساتھ بیٹھنا چاہتا ہے تو جا کر اولیاء اللہ کے پاس بیٹھ"۔

لہٰذا اس طریقہ پر حضرت مسیح علیہ السلام کی معرفت بلا شبہ اللہ ہی کی معرفت ہے، رہا کسی شخص کا اللہ میں سما جانا، یا اللہ کا اس میں سما جانا، اسی طرح مسیحؑ کا کسی میں یا کسی کا مسیح میں سما جانا، سو اس سے مراد ان کی اطاعت اور فرماں برداری ہے جیسا کہ یوحنا کے پہلے خط کے تیسرے باب میں ہے کہ :-

"اور جو اس کے حکموں پر عمل کرتا ہے وہ اس میں اور یہ اس میں قائم رہتا ہے، اور اسی سے یعنی اس رُوح سے جو اُس نے ہمیں دیا ہے ہم جانتے ہیں کہ وہ ہم میں قائم رہتا ہے"۔

بغیر باپ کے پیدا ہونا پانچویں دلیل

اور کبھی وہ مسیح علیہ السلام کے بعض حالات سے استدلال کرتے ہیں، چنانچہ ان کے بغیر باپ کے پیدا ہونے سے بھی استدلال کرتے ہیں، یہ استدلال نہایت ہی کمزور ہے، کیونکہ عالم تمام کا تمام حادث ہے، اور عیسائیوں کے خیال کے مطابق اس زمانہ تک اس کے حدوث کو چھ ہزار سال بھی نہیں گذرے، اور ساری مخلوق خواہ آسمان ہو یا زمین، جمادات ہوں یا نباتات، حیوانات ہو یا بنی آدم، عیسائیوں کے نزدیک بھی ایک ہفتہ کے اندر پیدا ہوئے، اور سارے ہی حیوانات بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے، تو یہ سب حیوانات بغیر باپ کے پیدا ہونے میں مسیح کے ساتھ شریک ہیں، بلکہ اس بات میں مسیح علیہ السلام سے بھی بڑھے ہوئے ہیں، کہ یہ بغیر ماں کے بھی پیدا ہوئے،

اسی طرح کیڑے مکوڑے کی بھی صدہا اقسام ہیں، جو برسات کے موسم میں ہر سال بغیر ماں باپ کے پیدا ہوتے ہیں، تو یہ بات محض معبود ہونے کی وجہ سے کیونکر ہو سکتی ہے؟

اگر نوعِ انسانی کا خیال کیا جائے تو پھر بھی آدم علیہ السلام اس معاملہ میں مسیح علیہ السلام

سے بڑھے ہوئے ہیں، کیونکہ وہ بغیر ماں کے بھی پیدا ہوئے ہیں،

اسی طرح صدوق کاہن جو ابراہیم علیہ السلام کا معاصر اور ہم زمانہ تھا اُس کا حال[1] عبرانیوں کے نام خط کے باب ۷ آیت ۳ میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے:

"یہ بے باپ، بے ماں، بے نسب نامہ ہے، نہ اس کی عمر کا شروع نہ زندگی کا آخر"

یہ شخص مسیح سے دو باتوں میں بڑھا ہوا نکلا، ایک تو بے ماں کے پیدا ہونے میں اور دوسرے یہ کہ اس کی کوئی ابتداء نہیں ہے،

چھٹی دلیل، معجزات

اور کبھی مسیح کے معجزات سے استدلال کرتے ہیں، یہ بھی نہایت کمزور اور بودی دلیل ہے، کیونکہ ان کا سب سے بڑا معجزہ مردوں کو زندہ کرنا ہے، اس معجزہ کے ثبوت سے قطع نظر کرتے ہوئے اور اس امر کو بھی نظر انداز کرتے ہوئے کہ موجودہ انجیل اس کی تکذیب کرتی ہے، ......

میں کہتا ہوں کہ موجودہ انجیل کے مطابق مسیح نے اپنے سولی چڑھائے جانے تک

[illegible]

کے باب ۳۷ میں تصریح موجود ہے، لہٰذا اگر مردوں کو زندہ کرنا معبود بننے کے لئے کافی ہے تو وہ معبود ہونے کے مسیح سے زیادہ مستحق ہیں،

اسی طرح الیاس علیہ السلام نے بھی ایک مردہ کو زندہ کیا، جیسا کہ کتاب سلاطین اوّل کے باب ۱۷ میں صاف موجود ہے[2]، نیز الیسع علیہ السلام نے ایک مردہ کو زندہ کیا، جیسا کہ کتاب سلاطین کے باب ۴ میں مصرح ہے[3]، اور الیسع علیہ السلام سے تو یہ معجزہ ان کی

---

[1] اس کا پورا نام ملک صدق Melchiz'edek King of Slam ہے، اس کا ذکر کتاب پیدائش ۱۴: ۱۸ میں آیا ہے ۱۲ تقی

[2] آیات ۱ تا ۱۴، اس میں واقعہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام ایک بیوہ کے مہمان ہوئے، اس کا لڑکا بیمار ہو کر چل بسا، حضرت الیاسؑ نے اللہ سے دعاء کر کے اُسے پھر زندہ کر دیا، (۱- سلاطین ۱۷: ۲۰، ۲۱)

[3] اس میں بھی ہے کہ حضرت الیسعؑ نے ایک مہمان نواز عورت کیلئے پہلے بیٹا ہونے کی دعاء کی پھر جب وہ بیٹا بڑا ہو کر مر گیا تو اُسے بحکمِ خدا زندہ کیا (۲- سلاطین ۴: ۳۵)

وفات کے بعد بھی صادر ہوا، کہ ایک مردہ ان کی قبر میں ڈالا گیا، جو اللہ کے حکم سے زندہ ہوگیا، جیساکہ اسی کتاب کے باب ۱۳ میں موجود ہے، اسی طرح ایک کوڑھی کو اچھا کر دیا جیساکہ سفر مذکور کے باب ۵ میں مذکور ہے،[1]

اور کبھی عیسائی لوگ عہدِ عتیق کی کتابوں کی بعض آیات اور حوارین کے بعض اقوال سے استدلال کرتے ہیں، میں نے یہ تمام دلائل اور ان کے جوابات کتاب ازالۃ الاوہام میں نقل کئے ہیں جو صاحب دیکھنا چاہیں اس کو ملاحظہ فرمائیں[3]، اس کتاب میں میں نے ان کو اس لئے ذکر نہیں کیا کہ پہلے ہی دلائل نہایت کمزور ہیں، اور اگر کمزوری کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تب بھی ان سے عیسائیوں کے زعم کے بموجب بھی معبود ہونا ثابت نہیں ہوتا، جب تک یہ نہ مانا جائے کہ مسیح علیہ السلام انسان کامل بھی ہیں، اور معبود کامل بھی، اور یہ بات قطعی باطل ہے جیساکہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

اور اگر ہم تسلیم بھی کرلیں کہ ان کے بعض اقوال اس معاملہ میں نص ہیں تب بھی کہا جائے گا کہ یہ ان کا اپنا اجتہاد ہے، حالانکہ آپ کو باب اوّل سے معلوم ہوچکا ہے کہ ان کی تمام تحریرات الہامی نہیں ہیں، اور ان تحریروں میں غلطیاں بھی صادر ہوئی ہیں، اور اختلاف و تناقض بھی یقیناً موجود ہے،

اسی طرح ان کے مقدس پولس کی بات ہمارے لئے قابلِ تسلیم نہیں، ایک تو اس لئے کہ وہ حواری نہیں، نہ ہمارے لئے واجب التسلیم ہے، بلکہ ہم تو اسکو معتبر بھی جاننے کے لئے تیار نہیں،

اب آپ حضرات کو معلوم ہونا چاہیئے کہ میں نے جو مسیح کے اقوال نقل کئے اور ان کے معانی بیان کئے محض الزام کی تکمیل کے لئے، اور یہ ثابت کرنے کے لئے

[1] آیات ۲۱، [2] آیت ۱۴،

[3] دیکھئے ازالۃ الاوہام، باب دوم فصل سوم، ص ۳۰۷، مطبوعہ سید المطابع ۱۲۶۹ھ۔

کہ عیسائیوں کا استدلال ان اقوال سے نہایت کمزور ہے، اسی طرح حوارین کے اقوال کے متعلق جو کچھ کہا ہے وہ یہ تسلیم کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ حوارین کے ہی اقوال ہیں ورنہ ہمارے نزدیک ان اقوال کا مسیح یا ان کے حوارین کے اقوال ہونا اس لئے ثابت نہیں ہے کہ ان کتابوں کی کوئی سند موجود نہیں، جیساکہ آپ کو باب اوّل میں معلوم ہو چکا ہے، نیز اس لئے بھی کہ ان کتابوں میں عموماً اور اس مسئلہ میں خصوصاً بہت تحریفات واقع ہوئی ہیں، جیساکہ آپ کو دوسرے باب سے معلوم ہوا، عیسائیوں کی عام عادت اس قسم کے امور میں یہ ہے کہ وہ عبارتوں کو جس طرح چاہتے ہیں بدل ڈالتے ہیں، میرا عقیدہ تو یہ ہے کہ مسیح اور ان کے حواری اس قسم کے گندے کفریہ عقیدہ سے یقیناً پاک ہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے بندے اور رسول ہیں، اور عیسیٰ ع بھی اللہ کے بندے اور رسول تھے، اور حوار یین اللہ کے رسول کے فرستادے اور قاصد تھے،

امام رازیؒ اور ایک پادری کا دلچسپ مناظرہ

امام فخر الدین رازیؒ اور ایک پادری کے درمیان تثلیث کے مسئلہ پر خوارزم میں ایک مناظرہ پیش آیا تھا، چونکہ اس کا نقل کرنا فائدے سے خالی نہیں ہے اس لئے میں ان کو نقل کرتا ہوں، امام موصوفؒ نے اپنی مشہور تفسیر میں سورۂ آلِ عمران کی آیت ذیل کی تفسیر کے تحت فرمایا ہے:

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَاجَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ، الآية — "تو جو شخص آپ کے پاس علم کے آنے کے بعد آپ سے مناظرہ کرے تو الخ"

"اتفاق سے جب میں خوارزم میں تھا تو مجھ کو اطلاع ملی کہ ایک عیسائی آیا ہوا ہے، جو اپنے مذہب کا تحقیقی اور عمیق علم رکھنے کا مدعی ہے، میں اس کے پاس پہنچا، ہم نے گفتگو شروع کی، کہنے لگا کہ محمد (صلی اللہ علیہ

کے نبی ہونے کی کیا دلیل ہے ؟ میں نے کہا کہ جس طرح موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کے ہاتھ سے خلاف عادت امور کا صادر ہونا ہم تک روایات کے ذریعہ پہونچا ہے، اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے خلافِ عادت کاموں کا صدور ہم کو روایات کے ذریعہ پہونچا، لہٰذا اگر ہم تواتر کا انکار کریں یا اس کو تو تسلیم کریں لیکن یہ نہ مانیں کہ معجزہ نبی کی سچائی پر دلالت کرتا ہے تو اس صورت میں تمام انبیاء کی نبوّت باطل ہو جاتی ہے، اور اگر ہم تواتر کی صحت بھی تسلیم کریں، اور یہ بھی مان لیں کہ معجزہ صدق نبوّت کی دلیل ہے، اور اگر یہ دونوں چیزیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ثابت ہیں، تو پھر یقینی طور پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کا اعتراف واجب ہوگا، کیونکہ دلیل کی یکسانیت کی صورت میں مدلول کی یکسانیت ضروری ہے،

اس پر وہ نصرانی کہنے لگا کہ میں عیسیٰؑ کو نبی نہیں کہتا، بلکہ خدا کہتا ہوں میں نے کہا ٹھیک ہے، ثبوت میں گفتگو کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے خدا کی پہچان ہو جائے، اور تم نے خدا کے بارے میں جو بات کہی ہے وہ اس لئے غلط ہے کہ معبود اس ذات کو کہتے ہیں کہ جو موجود اور واجب الوجود بالذات ہو، نیز اس کے لئے ضروری ہے کہ نہ وہ جسم رکھتا ہو، نہ کسی احاطہ میں ہو، نہ عرض ہو، ادھر عیسیٰ علیہ السلام کی حالت یہ ہے کہ وہ ایک جسم رکھنے والے انسان ہیں، جو پہلے ناپید تھے، پھر پیدا ہوئے، اور زندہ ہونے کے بعد قتل کر دیئے گئے، ابتداء میں بچے تھے، پھر پھولے پھلے، پھر جوان ہوئے، کھاتے تھے، پیتے تھے، پاخانہ پیشاب کرتے، اور سوتے جاگتے تھے، اور یہ بات عقلاً بدیہی اور کھلی ہوئی ہے کہ حادث قدیم نہیں ہو سکتا، اور محتاج غنی نہیں ہو سکتا، متغیر ہونے والا دائمی نہیں ہو سکتا،

دوسری وجہ اس دلیل کے باطل ہونے کی یہ ہے کہ تم یہ تسلیم کرتے ہو کہ یہود نے عیسیٰ ؑ کو گرفتار کیا اور سولی دی، اور تختہ پر لٹکا کر ان کی پسلیاں توڑ دیں، اور مسیح نے ان سے چھوٹ کر بھاگنے کی امکانی کوشش بھی کی اور روپوشش ہونے کی بھی، نیز ان واقعات کے پیش آتے ہر گھبراہٹ اور جزع و فزع بھی ظاہر کیا، اب اگر وہ معبود تھے یا خدا اُن میں سمائے ہوئے تھا، یا وہ خدا کا ایسا جزء تھے جو خدا میں سمایا ہوا تھا، تو پھر انہوں نے یہود کو اپنے سے کیوں دفع نہیں کیا؟ اور ان کو نیست و نابود کیوں نہ کیا؟ اور ان کو رونے دھونے اور گھبرانے کی کیا ضرورت تھی؟ اور ان سے نکل بھاگنے کی تدبیر کرنے کی کیا حاجت تھی؟ خدا کی قسم مجھ کو بے حد تعجب ہوتا ہے کہ کوئی عاقل اس قسم کی بات کس طرح کہہ سکتا ہے؟ اور اس کو صحیح بھی سمجھتا ہو، حالانکہ عقل اس کے باطل ہونے پر کھلی شہادت دے رہی ہے،

تیسری دلیل یہ ہے کہ تین صورتوں میں سے بہر حال ایک شکل قبول کرنا پڑے گی، یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ خدا وہی جسمانی شخص تھا جو دیکھا جاتا اور نظر آتا تھا، یا یہ کہا جائے کہ خدا پورے طور پر اس میں سمایا ہوا تھا، یا یہ کہ خدا کا کوئی جزء اس میں سمائے ہوئے تھا، مگر یہ تینوں شکلیں باطل ہیں:

پہلی تو اس لئے کہ عالم کا معبود اگر اس جسم کو مان لیا جائے تو جس وقت یہود نے اسکو قتل کر دیا تھا تو گویا یہ مان لیا جائے کہ یہود نے عالَم کے خدا کو قتل کر دیا، پھر عالَم بغیر خدا کے کس طرح باقی رہ گیا؟ پھر یہ چیز بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ یہود دنیا کی ذلیل ترین اور کمینی قوم ہے، پھر جس خدا کو ایسے ذلیل لوگ بھی قتل کر دیں گے تو وہ انتہائی عاجز اور بے لبس خدا ہوا،

دوسری صورت اس لئے باطل ہے کہ اگر خدا نہ جسم والا ہے نہ عرض[1] والا، تو اس کا کسی جسم میں سمایا جانا عقلاً محال ہے، اور اگر وہ جسم رکھتا ہے تو اس کے کسی دوسرے جسم میں سمانے سے یہ مراد ہو سکتی ہے کہ اس خدا کے اجزاء اس جسم کے اجزاء کے ساتھ مخلوط ہو جائیں، اور اس سے لازم آئے گا کہ اس خدا کے اجزاء ایک دوسرے سے جدا اور الگ ہیں۔ اور اگر وہ عرض ہو تو محل کا محتاج ہو گا، اور خدا دوسرے کا محتاج بنے گا، اور یہ تمام صورتیں نہایت ہی رکیک اور لودی ہیں،

تیسری شکل یعنی یہ کہ خدا کا کچھ حصّہ اور اس کے بعض اجزاء سما گئے ہوں، یہ بھی محال ہے، کیونکہ یہ جزو یا تو خدائی اور الوہیت میں قابلِ لحاظ اور لائقِ اعتبار ہے۔ تو اس جزو کے علیحدہ اور خدا سے جُدا ہونے کی شکل میں ضروری ہوا کہ خداوند رہے۔ اور اگر وہ ایسا جزو ہے، جس پر خدا کی خدائی موقوف نہیں تو وہ درحقیقت خدا کا جزو نہیں ہے لہٰذا تمام صورتوں کے بطلان کے ثابت ہونے پر عیسائیوں کا دعویٰ بھی باطل ہوا،

چوتھی دلیل عیسائیوں کے باطل ہونے کی یہ ہے کہ متواتر طریق سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچ چکی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کی عبادت اور فرمانبرداری کی طرف بے انتہا رغبت تھی، اور اگر وہ خود خدا ہوتے تو یہ بات محال ہوتی، کیونکہ خدا خود اپنی عبادت نہیں کیا کرتا، پس یہ دلائل ان کے دلائل کے فاسد ہونے کو نہایت بہترین طریقہ پر واضح کر رہے ہیں،

---

[1] "عرض"، منطق کی اصطلاح میں اس چیز کو کہتے ہیں جو اپنا کوئی الگ وجود نہ رکھتی ہو، بلکہ کسی جسم میں سما کر پائی جاتی ہو، مثلاً، رنگ، بو، روشنی، تاریکی وغیرہ ۱۲ تقی

پھر میں نے عیسائی سے کہا کہ تمہارے پاس مسیح کے خدا ہونے کی کیا دلیل ہے؟

کہنے لگا کہ ان کے ہاتھوں مُردوں کو زندہ کر دینے، مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دینے جیسے عجائبات کا ظہور ان کے خدا ہونے پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ یہ کام بغیر خدائی طاقت کے ناممکن ہیں۔

میں نے پوچھا، کیا تم اس بات کو تسلیم کرتے ہو کہ دلیل کے نہ ہونے سے مدلول کا نہ ہونا لازم نہیں آتا، یا یہ تسلیم نہیں کرتے؟ اگر تم کو یہ تسلیم نہیں ہے تو تمہارے قول سے یہ لازم آتا ہے کہ ازل میں جب عالم موجود نہ تھا تو خدا بھی موجود نہ تھا[1]، اور اگر تم مانتے ہو کہ دلیل کا نہ ہونا مدلول کے نہ ہونے کو مستلزم نہیں ہے، تو پھر میں کہوں گا کہ جب تم نے عیسیٰ ؑ کے جسم میں خدا کے سمانے کو جائز مان لیا تو تم کو یہ کیونکر معلوم ہوا کہ خدا میرے اور تمہارے بدن اور جسم میں سمایا ہوا نہیں ہے، اسی طرح ہر حیوان کے بدن میں موجود نہیں ہے۔

کہنے لگا اس میں تو ظاہری فرق ہے، اس لئے کہ میں نے عیسیٰ میں جو خدا کے سمانے کا حکم لگایا ہے تو اس لئے کہ ان سے وہ عجائبات صادر ہوئے اور ایسے عجیب افعال میرے اور تمہارے ہاتھوں سے ظاہر نہیں ہوئے، معلوم ہوا کہ ہم تم میں یہ حلول موجود نہیں ہے۔

میں نے جواب دیا کہ اب معلوم ہوا کہ تم میری اس بات کو سمجھے ہی نہیں کہ عدم دلیل سے عدم مدلول لازم نہیں آتا، یہ اس لئے کہ

---

[1] کیونکہ تمام کائنات اللہ کے وجود پر دلیل ہے، اور اللہ کا وجود اس کا مدلول، اگر دلیل کے نہ ہونے سے مدلول کا نہ ہونا لازم آتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جس وقت کائنات موجود نہ تھی اس وقت (معاذ اللہ) خدا بھی نہ تھا، اس لئے معلوم ہوا کہ اگر کسی وقت دلیل موجود نہ ہو تو یہ ضروری نہیں کہ مدلول بھی معدوم ہو ۱۲ تقی

ان خلاف عادت امور کا صادر ہونا عیسیٰ ؑ کے جسم میں خدا کے سمانے کی دلیل ہے، اور میرے اور تمہارے ہاتھوں سے ایسے افعال کا صادر ہونا سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ یہ دلیل نہیں پائی گئی۔

پس جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ دلیل موجود نہ ہونے سے مدلول کا موجود نہ ہونا لازم نہیں ہے تو پھر میرے اور تمہارے ہاتھوں ان افعالِ عجیبہ کے ظاہر نہ ہونے سے یہ بات بھی لازم نہیں آتی کہ مجھ میں اور تم میں خدا سمایا ہوا نہیں، بلکہ یہ بھی کہ وہ جُوہے، کُتّے اور بلّی میں سمایا ہوا نہیں ہے،

پھر میں نے کہا کہ جس مذہب کے ماننے پر کُتّے اور بلّی میں خدا کا سمایا ہوا ہونا تسلیم کرنا پڑے وہ مذہب نہایت ہی ذلیل اور رکیک ہے،

دوسری وجہ یہ ہے کہ لکڑی کا سانپ بن جانا عقل کے نزدیک مردہ کے زندہ ہوجانے سے زیادہ بعید ہے، کیونکہ مردہ اور زندہ کے جسم میں جس قدر مشابہت اور یکسانیت ہے، اس قدر لکڑی اور اژدہے میں ہرگز نہیں، لہٰذا جب لکڑی کے اژدہا بن جانے سے موسیٰ علیہ السلام کا خدا ہونا یا خدا کا بیٹا ہونا ضروری نہیں ہوا تو مردہ کا زندہ کردینا بدرجۂ اولیٰ خدا ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتا،

اس موقع پر وہ عیسائی لاجواب ہوگیا، اور بول نہ سکا'' :.

باب پنجم

قرآن کریم

اللہ کا کلام ہے

اگر

تمھیں اس کلام میں جو ھم نے اپنے بندے پر
اُتارا ہے، ذرا بھی شبہ ہو تو اس جیسی ایک
ھی سورت بنا لاؤ، اور اللہ کے سوا اپنے تمام
حمایتیوں کو بلا لو، اگر تم سچّے ہو!!" البقرہ"

پانچواں باب

قرآن کریم اللہ کا کلام ہے

پہلی فصل

قرآن کریم کی اعجازی خصوصیات

جو چیزیں قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے پر دلالت کرتی ہیں بے شمار ہیں، ان میں سے مسیح ؑ کے حواریوں کے شمار کے مطابق میں بارہ[12] چیزوں کے بیان پر اکتفاء کرتا ہوں، اور باقی ان جیسی چیزوں کو چھوڑ دیتا ہوں مثلاً قرآنِ کریم میں کسی دینی یا دنیوی بات کے بیان کے وقت مخالف اور معاند کا بھی لحاظ کیا جاتا ہے، اور ہر چیز کے بیان کے وقت خواہ وہ ترغیبی ہو یا ڈرانے کی ہو، شفقت ہو یا عتاب، اعتدال ملحوظ ہوتا ہے، اور یہ دونوں چیزیں انسانی کلام میں نایاب ہیں اس لئے کہ انسان ہر حالت کے بیان میں اس کے مناسب گفتگو کرتا ہے، لہٰذا عتاب اور ناراضی کے موقع پر ان لوگوں کی قطعی رعایت نہیں کرتا جو شفقت کے لائق

ہوں، اسی طرح اس کے برعکس، نیز دنیا کے ذکر کے موقع پر آخرت کا حال یا آخرت کی حالت بیان کرتے ہوئے دنیا کا حال ذکر نہیں کیا کرتا، غصہ کی حالت میں قصور سے زیادہ کہہ جاتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

پہلی خصوصیت' بلاغت

قرآن حکیم بلاغت کے اس اعلیٰ معیار پر پہنچا ہوا ہے جس کی مثال انسانی کلام میں قطعی نہیں ملتی، ان کے کلام کی بلاغت اس معیار تک پہونچنے سے قاصر ہے، بلاغت کا مطلب یہ ہے کہ جس موقع پر کلام کیا جا رہا ہے اس کے مناسب معنی کے بیان کے لئے بہترین الفاظ اس طرح منتخب کئے جائیں کہ مدعا کے بیان کرنے میں اور اس پر دلالت کرنے میں نہ کم ہوں نہ زیادہ، لہٰذا جسقدر الفاظ زیادہ شاندار اور معانی شگفتہ ہوں گے اور کلام کی دلالت جس قدر حال کے مطابق ہوگی اتنا ہی وہ کلام زیادہ بلیغ ہوگا، قرآن کریم بلاغت کے اس بلند معیار پر پورا اترتا ہے، اس کے چند دلائل ہیں:-

بلاغت کی پہلی دلیل

اہل عرب کی فصاحت[1] بالعموم محسوسات کے بیان تک محدود ہے، جیسے اونٹ، گھوڑے یا عورت اور بادشاہ کی تعریف، شمشیر زنی، نیزہ بازی، جنگ یا لوٹ مار کا بیان۔ یہی حال عجمیوں کا ہے خواہ وہ شاعر ہوں یا انشاء پرداز، عموماً ان کی فصاحت انہی چیزوں کے بیان میں دائر ہے، بلکہ ان اشیاء کے بیان میں ان کی فصاحت و بلاغت کا دائرہ بڑا وسیع ہے، ایک تو اس لئے کہ یہ چیزیں اکثر انسانوں کی طبیعت کے مطابق ہیں، دوسرے

---

[1] "فصاحت" علم بیان کی اصطلاح میں اُسے کہتے ہیں کہ عبارت کا ہر لفظ شگفتہ اور اسکی ادائیگی آسان ہو، عبارت میں نحوی وصرفی قواعد کا پورا لحاظ رکھا گیا ہو، الفاظ موٹے موٹے اور ثقیل نہ ہوں ان کے معنی عام محاورے میں مشہور ہوں۔

اور "بلاغت" کا مطلب یہ ہے کہ فصاحت کے ساتھ ساتھ اس میں مخاطب اور موقع و محل کی پوری رعایت ہو، جاہلوں کے سامنے عالمانہ عبارت یا عالموں کے سامنے عامیانہ عبارت استعمال کی جائے گی تو وہ بلاغت کے خلاف ہوگی ۱۲ تقی

ہر ملک اور ہر زمانہ کے شاعروں اور ادیبوں نے ان اشیاء کا ذکر کرتے ہوئے کوئی نہ کوئی جدید مضمون یا لطیف نکتہ بیان کیا ہے، چنانچہ بعد کے آنے والے لوگوں کے لئے پہلوں کی موشگافیاں پہلے سے موجود ہوتی ہیں،

اب اگر کوئی شخص سلیم الذہن ہو، اور ان چیزوں کے بیان کا ملکہ حاصل کرنے کی طرف متوجہ ہو، تو مسلسل مشق کرنے سے ذہنی اور فکری صلاحیتوں کے مطابق اس کو ان اشیاء کی خوبی بیان کرنے کا ملکہ حاصل ہوجاتا ہے، چونکہ قرآنِ کریم میں خاص طور پر اشیاء کا بیان نہیں کیا گیا، لہٰذا اس میں ایسے فصیح الفاظ کا وجود نہ ہونا چاہیئے جن کی فصاحت اہل عرب کے نزدیک مسلّم اور متفق علیہ ہے[1]،

دوسری دلیل قرآن کریم میں اللہ نے سچائی اور راست گوئی کا پورا اہتمام کیا ہے اور سارے قرآن میں کوئی ایک بات غلط یا جھوٹ نہیں ہے، ادھر جو شاعر اپنے کلام میں سچ بولنے کی پابندی کرے، اور جھوٹ کی آمیزش سے احتراز کرے اس کا شعر یقیناً فصاحت سے گرجاتا ہے، یہاں تک کہ کہاوت مشہور ہوگئی، کہ بہترین شعر وہ ہے جس میں زیادہ سے زیادہ جھوٹ بولا گیا ہو[2]، تم دیکھتے ہو کہ لبید بن ربیعہ[3] رضؓ اور حسان بن ثابت[4] رضؓ دونوں بزرگ جب مسلمان ہوگئے تو ان کا کلام معیار

---

[1] لیکن واقعہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں کوئی لفظ فصاحت کے اعلیٰ معیار سے گرا ہوا نہیں ہے، یہ قرآن کریم کا کھلا ہوا اعجاز ہے، ۱۲ ت [2] اس لئے کہ شعر کی ساری لطافت اور اس کے مبالغوں اور نکتہ آفرینیوں میں پنہاں ہوتی ہے اگر ان چیزوں کو اُس سے نکال دیا جائے تو اس کی روح ہی ختم ہوجاتی ہے ۱۲ ت [3] "لبید بن ربیعہ" عربی کے شعراء مخضرمین میں سے ہیں، سبعہ معلقہ میں ایک قصیدہ ان کا بھی ہے، اسلام لانے کے بعد انہوں نے شعر کہنا تقریباً ترک کر دیا تھا ۱۲ ت

[4] "حسان بن ثابت رضؓ" مشہور انصاری صحابی ہیں، عربی کے صاحب دیوان شاعر ہیں، جنہوں نے اپنے اشعار کے ذریعہ اسلام کی مدافعت کی، ۱۲ ت (آئندہ صفحہ کا حاشیہ [1] صفحہ ہذا پر)

سے گر گیا ان کے اسلامی دور کے اشعار جاہلی زمانہ کے اشعار کی طرح زور دار نہیں ہیں، لیکن قرآن کریم باوجود جھوٹ سے پرہیز کرنے کے نہایت فصیح ہے،

تیسری دلیل کسی قصیدہ کے تمام اشعار شروع سے آخر تک فصیح نہیں ہوتے[1]، بلکہ تمام قصیدہ میں ایک ہی دو شعر معیاری ہوتے ہیں، اور باقی اشعار پھیکے اور بے مزہ، قرآن کریم اس کے برعکس باوجود اتنی بڑی ضخیم کتاب ہونے کے سارے کا سارا اس درجہ فصیح ہے کہ تمام مخلوق اس کے معارضہ اور مقابلہ سے عاجز ہے، جس کسی نے سورۂ یوسف (علیہ السلام) کا بنظر غائر مطالعہ کیا ہو گا وہ جانتا ہے کہ اتنا طویل قصّہ بیان کے لحاظ سے جانِ بلاغت ہے،

چوتھی دلیل اگر کوئی شاعر یا ادیب کسی مضمون یا قصہ کو ایک سے زیادہ بار بیان کرتا ہے، تو اس کا دوسرا کلام پہلے کلام جیسا ہرگز نہیں ہوتا، اس کے برخلاف قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام کے واقعات، پیدائش و آخرت کے احوال احکام اور صفات خداوندی بکثرت اور بارہا بیان کئے گئے ہیں انداز بیان بھی اختصار اور تطویل کے اعتبار سے مختلف ہے، عنوان و بیان میں ایک ہی اسلوب اختیار نہیں کیا گیا ہے، اس کے باوجود ہر تعبیر اور ہر عبارت انتہائی فصاحت کی حامل ہے، اس لحاظ سے دونوں عبارتوں میں کچھ بھی تفاوت محسوس نہیں ہوتا ہے،

پانچویں دلیل قرآن کریم نے عبادات کے فرض ہونے، ناشائستہ امور کے حرام ہونے، اچھے اخلاق کی ترغیب دینے، دنیا کو ترک کرنے اور آخرت کو ترجیح دینے یا اور اسی قسم کی دوسری باتوں کے بیان پر اکتفاء کیا ہے ان چیزوں کا ذکر و تذکرہ کلام کی فصاحت کم کرنے کا موجب ہوتا ہے، چنانچہ اگر کوئی فصیح شاعر یا ادیب فقہ یا عقائد کے نو دس مسئلے ایسی بہترین فصیح عبارت میں لکھنے کا ارادہ کرے جو بلیغ تشبیہات اور دقیق استعاروں کو لئے ہوئے ہو تو وہ قطعی عاجز ہو گا، اور اپنے مقصد میں ناکام،

---

[1] امرء القیس کا معلقہ قصیدہ عربی ادب کا ستون سمجھا جاتا ہے، مگر اس کے پہلے شعر پر ہی بلاغت کی رو سے [illegible]

چھٹی دلیل

ہر شاعر کی سحر کلامی ایک ہی فن تک محدود ہوتی ہے، اس کا کلام دوسرے مضامین کے بیان میں بالکل پھیکا پڑجاتا ہے، جیسا کہ شعراء عرب کے متعلق مشہور ہے، کہ امراء القیس کے اشعار شراب، کباب، عورتوں کے ذکر اور گھوڑوں کی تعریف میں بے مثل اور لاجواب ہیں، نابغہ کے اشعار خوف و ہیبت کے بیان میں اعشیٰ کے شعر حسن طلب اور شراب کے وصف میں، زہیر کے اشعار رغبت اور امید کے بیان میں بے نظیر ہوتے ہیں، شعراء فارس نظامی اور فردوسی جنگ و جدل کے بیان میں یکتا ہیں، سعدی غزل گوئی کے بادشاہ ہیں، توانوری قصیدہ گوئی کے امام ہیں،[1]

اس کے برعکس قرآن حکیم خواہ کوئی مضمون بیان کرے ترغیب کا ہو یا ترہیب کا ڈرانے والا ہو یا نصیحت کا، ہر مضمون میں اس کی فصاحت کا سورج نصف النہار کو پہنچا ہوا ہے، ہم نمونہ کے طور پر ہر صنف بیان کی ایک ایک آیت پیش کرتے ہیں:-

قرآن کریم کی بلاغت کے نمونے

ترغیب کا مضمون

ترغیب کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے:-

---

[1] خود اردو میں انیس و دبیر مرثیہ کے بادشاہ ہیں، ذوق قصیدہ گوئی میں مشہور ہے، غالب غزل کا امام ہے، فانی حسرت و یاس کے بیان میں یکتا ہیں، اور ان مضامین سے ہٹ کر ان کے اشعار پھیکے نظر آتے ہیں ۱۲ تقی یہاں تک کہ قرآن کریم نے بعض ان مضامین میں بلاغت کو اوجِ کمال تک پہنچا کر دکھلایا ہے جن میں کوئی بشری ذہن غور و فکر کے بعد بھی کوئی ادبی چاشنی پیدا نہیں کرسکتا، مثلاً قانون وراثت کو لیجیے، ایک ایسا خشک اور سنگلاخ موضوع ہے جس میں دنیا بھر کے ادیب اور شاعر کد و کاوش سے بھی عبارت کا حسن پیدا کرنا چاہیں تو نہیں کرسکتے، لیکن اس بات کو ذہن میں رکھ کر سورۂ نساء میں یُوْصِیْکُمُ اللّٰهُ فِیْٓ اَوْلَادِكُمْ والا رکوع پڑھ جائیے، (بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ،

ترجمہ: "کوئی شخص آنکھوں کی ٹھنڈک کے اس سامان کو نہیں جانتا جو ان کے لئے پوشیدہ رکھا گیا ہے"۔

ترہیب کا مضمون

جہنم کے عذاب سے ڈراتے ہوئے ارشاد ہے :۔

وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ مِنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ يَتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ۔

"ترجمہ": "ہر ظالم اور معاند شخص ناکام رہے گا، اس کے پیچھے ایک بھڑکتوا ں ہے اسے پیپ لہو کا پانی پلایا جائے گا، جسے وہ گھونٹ گھونٹ کر کے پیئے گا، مگر مجال ہے کہ اسے خوشگواری کے ساتھ حلق سے اُتار سکے، اور اس کے پاس ہر طرف سے موت آئے گی مگر وہ مرے گا نہیں، اور اس کے پیچھے شدید عذاب ہوگا"۔

دھمکی اور ملامت

دنیوی عذاب کی دھمکی دیتے ہوئے ارشاد ہے :۔

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ، وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُمْ مَنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ وَمِنْهُمْ مَنْ اَغْرَقْنَا ، وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ؕ

(گذشتہ سے پیوستہ) ،آپ بے ساختہ پکار اٹھیں گے کہ یقیناً یہ کوئی غیر معمولی کلام ہے، اس پورے رکوع میں قانونِ وراثت بیان کیا گیا ہے، لیکن اس حسن وجمال کے ساتھ کہ سبحان اللہ! ہر آیت پر ادبیت کا ذوق وجد کرتا ہے ۱۲ محمد تقی

ترجمہ: "پس ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ کے عوض دھر لیا، ان میں سے بعض وہ تھے جن پر ہم نے پتھراؤ بھیجا، بعض وہ تھے جنھیں چیخ نے آپکڑا، اور بعض وہ تھے جنھیں ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور بعض وہ تھے جنھیں ہم نے غرق کر ڈالا، اور اللہ ظلم کرنے والا نہ تھا، وہ لوگ تو خود اپنے جانوں پر ظلم کر رہے تھے"

وعظ و نصیحت:

وعظ و نصیحت کا مضمون ارشاد فرمایا جارہا ہے:-

أَفَرَأَيْتَ إِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ مَآ أَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ۝

ترجمہ: "اے مخاطب ذرا بتلاؤ تو اگر ہم ان کو چند سال تک عیش میں رہنے دیں پھر جس کا ان سے وعدہ ہے وہ ان کے سر پہ آپڑے تو ان کا وہ عیش کس کام آسکتا ہے"

ذات و صفات کا بیان:

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثٰى وَ مَا تَغِيْضُ الْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۝

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کو سب خبر رہتی ہے جو کچھ کسی عورت کو حمل رہتا ہے اور جو کچھ رحم میں کمی بیشی ہوتی ہے، اور ہر شے اللہ کے نزدیک ایک خاص انداز سے ہے، وہ تمام پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا ہے سب سے بڑا عالی شان ہے"

ساتویں دلیل

اگر کلام کو ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی جانب منتقل کیا جائے اور وہ مختلف مضامین کے بیان پر مشتمل ہو تو ایسی شکل میں کلام کے اجزاء کے درمیان عمدہ قسم کا ربط اور جوڑ نہیں

رہتا، اس لئے وہ کلام بلاغت کے معیاری درجہ سے گر جاتا ہے،

اس کے برعکس قرآن کریم میں ایک واقعہ سے دوسرے واقعہ کی جانب انتقال وگریز بکثرت پایا جاتا ہے، اسی طرح وہ امر و نہی کے مضامین اور خبرو استخبار، وعدہ و وعید کے ذکر، نبوت کے اثبات اور توحید ذات و صفات، ترغیب و ترہیب، اور کہاوتوں کے مختلف النوع مضامین بیان کرتا ہے، اس کے باوجود اس میں کمال درجہ کا ربط اور تعلق اور آگے کا پیچھے سے جوڑ موجود ہے، اور بلاغت کا ایسا اعلیٰ معیار قائم رہتا ہے جو انسانی عادت کے خلاف ہے، اسی لئے عرب کے بلغاء کی عقلیں قرآن کو دیکھ کر حیران ہیں،

آٹھویں دلیل

قرآن کریم کا طرۂ امتیاز ہے کہ اکثر جگہوں پر تھوڑے سے الفاظ میں بے شمار معانی کو اس طرح سمولیتا ہے جیسے سمندر کو کوزے میں، اس جامعیت کے ساتھ کہ اس کی حلاوت اور شیرینی اور زیادہ ہو جاتی ہے، جن لوگوں نے سورۂ صٓ کی ابتدائی آیتوں پر غور کیا ہوگا وہ میرے قول کی سچائی کی شہادت دیں گے کہ کس عجیب طریقہ پر اس کی ابتداء کی گئی ہے، کفار کے واقعات اور ان کی مخالفت و عناد کے بیان کے ساتھ گذشتہ امتوں کے ہلاک کئے جانے سے اس کو تنبیہ کی گئی، ان کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنا، اور قرآن کریم کے نازل ہونے پر تعجب اور حیرت کرنا بیان فرمایا گیا، پھر ان کے سرداروں کا کفر پر متفق ہونا، اُن کے کلام میں حسد کا نمایاں ہونا اور ان کی تعجیز و تحقیر، دنیا اور آخرت میں ان کی رسوائی اور ذلّت کی دھمکی، ان سے پہلی قوموں کی تکذیب کا بیان، اور اللہ کا ان کو ہلاک کرنا، قریش اور ان جیسے دوسرے لوگوں کو امم سالفہ کی سی ہلاکت کی دھمکی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انکی ایذاء رسانی پر صبر کی ترغیب، اور آپ کی دلداری اور تسلّی اس کے بعد داؤد، سلیمان، ایوب، ابراہیم اور یعقوب علیہم السلام کے واقعات کا بیان، یہ سب مضامین اور واقعات بہت ہی مختصر اور تھوڑے الفاظ میں

بیان فرمائے گئے ہیں، اسی طرح ارشاد ہے،

اعجاز قرآنی کا ایک حیرت انگیز نمونہ

"وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ"، سبحان اللہ! اس جملہ کی جامعیت پر عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے، اس قدر اختصار اور پھر بے شمار معانی سے مالا مال، بلاغت کا شاہکار ہونے کے علاوہ دو متقابل معانی یعنی قصاص و حیات کے درمیان مطابقت[1] پر مشتمل ہے، ساتھ ساتھ مضمون کی ندرت بھی پائی جاتی ہے، کیونکہ قتل جو حیات کو فنا کر دینے والا ہے اسکو خود حیات کا ظرف قرار دیا گیا ہے، یہ کلام ان تمام تعبیرات اور مقولوں سے بہتر اور عمدہ ہے جو اہل عرب کے یہاں اس مفہوم کی ادائیگی کے لئے مشہور رہیں، سب سے زیادہ مشہور کہاوتیں اس سلسلہ میں یہ ہیں :-

قَتْلُ الْبَعْضِ اَحْيَاءٌ لِّلْجَمِيعِ

"بعض لوگوں کا قتل باقی تمام انسانوں کے لئے زندگی کا سامان ہوتا ہے"

اور

اُكْثِرُوا الْقَتْلَ لِيَقِلَّ الْقَتْلُ

"قتل زیادہ کرو تاکہ قتل کم ہو جائیں"

اور

اَلْقَتْلُ اَنْفٰى لِلْقَتْلِ

"قتل قتل کو دور کرتا ہے"

---

[1] مطابقت یا طباق، علم بدیع کی اصطلاح میں ایک صنعت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک جملہ میں دو یا دو سے زیادہ متضاد چیزوں کا جمع کر دینا مثلاً ؎

گل تبسم کہہ رہا تھا زندگانی کو مگر
شمع بولی، گریۂ غم کے سوا کچھ بھی نہیں

مذکورہ بالا آیت میں بھی قصاص اور زندگی کو یکجا کر کے ایک حسین مطابقت پیدا کی گئی ہے ۱۲ ت

لیکن قرآنی الفاظ ان کے مقابلہ میں چھ وجہ سے زیادہ فصیح ہیں :۔

(۱) قرآنی جملہ ان سب فقروں سے زیادہ مختصر ہے، اس لئے کہ " وَلَكُمْ " کا لفظ تو اس میں شمار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ یہ لفظ ہر مقولہ میں محذوف ماننا پڑے گا، مثلاً :۔ قَتْلُ الْبَعْضِ اَحْيَاءٌ لِلْجَمِيْعِ میں بھی اس کو مقدر ماننا ضروری ہے اسی طرح اَلْقَتْلُ اَنْفٰى لِلْقَتْلِ میں بھی، اب صرف فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ کے حروف مجموعی دوسرے اقوال کے حروف کی نسبت سے بہت مختصر ہیں،

(۲) انسانی کلام اَلْقَتْلُ اَنْفٰى لِلْقَتْلِ بظاہر اس کا مقتضی ہے کہ ایک شئے خود اپنی نفی کا سبب ہو سکے، اور یہ عیب ہے، اس کے برعکس الفاظ قرآنی کا تقاضا ہے کہ قتل کی ایک نوع جس کو قصاص کہا جاتا ہے حیات کی ایک نوع کا سبب ہے،

(۳) ان کے بہترین کلام میں تکرار لفظی قتل کا وجود ہے، جو عیب شمار کیا گیا ہے برخلاف الفاظ قرآن کے کہ اس میں تکرار نہیں،

(۴) ان کا یہ بہترین کلام قتل سے روکنے کے علاوہ اور کسی معنی کا فائدہ نہیں دے رہا ہے، اس کے برعکس الفاظ قرآن قتل اور زخمی کرنے دونوں سے روکنے کا فائدہ دے رہے ہیں، اس لئے یہ کلام زیادہ عام اور مفید ہوا،

۵ ان کہاوتوں میں قتل کو ایک دوسری حکمت کا تابع بنا کر اسے مطلوب قرار دیا گیا ہے، اس کے برعکس قرآنی الفاظ میں بلاغت اس لئے زیادہ ہے کہ وہ قتل کا نتیجہ زندگی کو قرار دیتا ہے جو اصل مقصود ہے، اس سے خود قتل کے مقصود ہونے پر اشارہ ملتا ہے،

۶ ظلماً قتل کرنا بھی قتل کی ایک نوع ہے، مگر یہ قتل کو روکنے والی ہرگز نہیں[1] اس کے برعکس قصاص بہرصورت مفید ہی مفید ہے، لہٰذا انسانی کلام بظاہر غلط اور قرآنی الفاظ ظاہری و باطنی طور پر فصیح ہیں،

---

[1] اور کہاوتوں کے اندر قتل کی کوئی تفصیل نہیں بتلائی گئی کہ کونسا مفید ہے اور کونسا مضر، قرآن کریم نے قتل کی بجائے " قصاص " کا لفظ استعمال فرما کر یہ تفصیل بھی بیان فرمادی ہے ۱۲ ت

اسی طرح باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ

ترجمہ: "اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور اللہ سے ڈرے اور ڈرتا رہے تو ایسے لوگ کامیاب ہیں"

اس لئے کہ یہ قول باوجود مختصر الفاظ کے تمام ضروری چیزوں کو جامع ہے،

حضرت عمرؓ اور بطریق روم کا واقعہ

کہا جاتا ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ ایک روز مسجد میں آرام فرما رہے تھے، کہ اچانک ایک شخص کو دیکھا جو آپ کے سرہانے کھڑا ہوا کلمۂ شہادت پڑھ رہا تھا پوچھنے پر اس نے بتایا کہ میں روم کے ان علماء میں سے ہوں جو عربی اور دوسری بہت سی زبانیں خوب جانتے ہیں، میں نے ایک مسلمان قیدی کو تمہاری کتاب کی ایک آیت پڑھتے سُنا اور پھر غور کیا تو وہ آیت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی ان تمام آیات کو جامع ہے جو دنیا اور آخرت کے احوال کے سلسلہ میں اُن پر نازل ہوئی ہیں، وہ آیت مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ہے۔

حسین بن علی واقدی اور ایک عیسائی طبیب کی حکایت

نصاریٰ کے ایک طبیب حاذق نے حسین[1] بن علی واقدی سے سوال کیا کہ تمہاری کتاب قرآن میں علم طب کی کوئی بات ذکر نہیں کی گئی، حالانکہ علم کی دو قسمیں ہیں، علم الابدان[2] اور علم الادیان،

---

[1] اظہار الحق کے تمام نسخوں میں ایسا ہی ہے، مگر مشہور علی بن حسین واقدی ہے، چنانچہ علامہ آلوسیؒ نے بھی یہ نام اسی طرح ذکر کیا ہے، انہوں نے یہ واقعہ سورہ اعراف کی آیت لا تسرفوا کے ذیل میں کتاب العجائب کرمانی کے حوالہ سے ذکر کیا ہے دیکھئے روح المعانی ص۱۱۰ ج۸ خود مصنف رہ نے مقدمہ میں اپنی کا ایک واقعہ ذکر کیا ہے وہاں نام علی بن حسین ہی لکھا ہے (دیکھئے صد ۲۹۹ ج۱)۔ [2] علم الابدان یعنی انسانی جسم اس پر واقع ہونے والے امراض اور ان کے علاج کا علم جسے طب کہتے ہیں، اور علم الادیان یعنی مذاہب کا علم،

حسینؒ نے جواب دیا کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے تو پورا علمِ طب نصف آیت میں بیان فرما دیا ہے، طبیب نے پوچھا وہ کونسی آیت ہے؟ کہا کہ:

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا

"کھاؤ اور پیؤ اور اسراف نہ کرو"

یعنی جو کھانے پینے کی چیزیں خدا نے تمہارے لئے حلال کی ہیں ان کو کھاؤ پیؤ اور حرام کی طرف مت بڑھو، اور اس قدر زیادہ مقدار مت استعمال کرو جو مضر ہو، اور جس کی تم کو ضرورت بھی نہ ہو،

پھر طبیب نے پوچھا کہ کیا تمہارے نبی نے بھی اس سلسلہ میں کچھ فرمایا ہے؟ انہوں نے فرمایا بیشک ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی چند الفاظ میں پوری طب کو سمیٹ دیا ہے، طبیب نے پوچھا کیسے؟ انہوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

اَلْمِعْدَةُ بَيْتُ الدَّاءِ وَالْحِمْيَةُ رَأْسُ كُلِّ دَوَاءٍ وَاَعْطِ كُلَّ بَدَنٍ مَا عَوَّدْتَهٗ [1]

ترجمہ: "معدہ امراض کا گھر ہے، اور پرہیز سب سے بڑی دوا ہے، اور بدن کو وہ چیز دو جس کا تم نے اسے عادی بنایا ہے"

طبیب نے کہا کہ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ نبی علیہ السلام اور تمہاری کتاب نے جالینوس کی ضرورت باقی نہیں چھوڑی، یعنی دونوں نے وہ چیز بتادی جو حفظ صحت اور ازالۂ مرض کے لئے اصل اور مدار ہے،

نویں دلیل کلام کی شوکت اور شیرینی و حلاوت دو متضاد صفتیں ہیں، جن کا اجتماع طویل کلام کے ہر جزء میں مناسب مقدار کے ساتھ عادۃً ادباء کے

---

[1] یہ الفاظ کتب حدیث میں ہمیں نہیں مل سکے، وروی الطبرانی بضعف عن ابی هريرة رض المعدة حوض البدن والعروق اليها واردة فاذا صحت المعدة صدرت العروق بالصحة واذا افسدت المعدة صدرت العروق بالسقم (جمع الفوائد ص ۱۳ ج ۲) اور علامہ آلوسی بغدادی رح نے اپنی تفسیر میں علی بن حسینؒ واقد کا مذکورہ قصہ (بقیہ برصفحہ آئندہ)

کلام میں نہیں ہوتا پھر ان دونوں چیزوں کا جا بجا تمام مواقع پر قرآن کریم میں پایا جانا دلیل ہے کمال بلاغت اور فصاحت کی جو انسانی عادت سے خارج ہے[1]،

دسویں دلیل

قرآن کریم بلاغت کی جمیع اقسام وانواع پر مشتمل ہے، مثلاً تاکید کی اقسام، تشبیہ وتمثیل کی قسمیں، استعارہ اور حسن مقاطع اور مطالع وحُسنِ مفاصل کی اقسام، تقدیم وتاخیر، فصل اور وصل اور ایسے رکیک اور شاذ الفاظ سے قرآن کریم یکسر خالی ہے، جو نحوی صرفی قواعد یا لغوی استعمال کے خلاف ہوں، بڑے بڑے ادباء اور شعراء میں سے کوئی بھی ان بلاغت کی مذکورہ انواع میں سے ایک دو سے زیادہ اپنے کلام میں استعمال نہیں کر سکا، اور اگر کسی نے ان سب کو جمع کرنے کی کوشش بھی کی ہے تو ٹھوکریں کھائی ہیں، قرآن کریم اس کے بر عکس ان تمام انواعِ بلاغت سے بھرا پڑا ہے،

(گذشتہ سے پیوستہ) لکھنے کے بعد فرمایا ہے کہ "یہ الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں ہیں، بلکہ حارث بن کلدہ کے ہیں" البتہ حضرت ابو ہریرہؓ کی جو روایت ہم نے جمع الفوائد سے نقل کی ہے اُسے انہوں نے بیہقی کی شعب الایمان سے بھی نقل کیا ہے، اور لکھا ہے کہ دار قطنیؒ نے اس حدیث کو بھی موضوع قرار دیا ہے (روح المعانی، ص ۱۱۱ جلد ۸)

[1] اس کی بہترین مثال سورۃ تکویر کی یہ آیت ہے جس میں شوکت اور شیرینی کو جس معجزانہ انداز سے سمویا گیا ہے، اس پر ذوقِ سلیم وجد کرتا ہے ؎

"فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ وَاللَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ذِىْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِى الْعَرْشِ مَكِيْنٍ"

انسان کے کلام میں ان دونوں چیزوں کا اجتماع شاذ ونادر ہی ہوتا ہے یہ بات شاید اس طرح واضح ہو سکے میرؔ نے ایک شعر کہا تھا ؎

سرہانے میرؔ کے آہستہ بولو　؎　ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

اور سوداؔ نے کہا کہ ؎

سوداؔ کی جو بالیں پہ ہوا شورِ قیامت　؎　خدامِ ادب بولے ابھی آنکھ لگی ہے،

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

یہ دس وجوہ ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ قرآن کریم بلاغت کے اس بلند مرتبہ پر پہنچا ہوا ہے جو انسانی عادت سے خارج ہے، اس بات کو فصحائے عرب اپنے سلیقہ سے سمجھتے ہیں، اور عجمی علماء علمِ بیان کی مہارت اور اسالیبِ کلام کے احاطہ سے، اور جو شخص لغتِ عرب سے جتنی زیادہ واقفیت رکھتا ہو گا وہ بہ نسبت دوسروں کے قرآنی اعجاز کو زیادہ سمجھے گا،

قرآن کریم کی دُوسری خصوصیت

دوسری چیز جو قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے پر دلالت کرتی ہے وہ اس کی عجیب ترکیب، نادر اسلوب، آیتوں کے آغاز و انتہا کا انداز، ساتھ ہی اس کے علم بیان کے دقائق اور عرفانی حقائق پر مشتمل ہونا، نیز حُسنِ عبارت اور پاکیزہ اشارے، سلیس ترکیبیں اور بہترین ترتیب، ان مجموعی خوبیوں کو دیکھ کر بڑے بڑے ادباء کی عقلیں حیران ہیں،

قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت کو معجزانہ حد تک پہنچا دینے میں ایک حکمت تو یہ تھی کہ کسی بڑے سے بڑے ہٹ دھرم کو بھی یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ معاذ اللہ اس کلام میں قصور پایا جاتا ہے،

دوسرے یہ کہ اللہ کا کلام انسانوں کے کلام سے اس حد تک ممتاز ہو جائے کہ کسی بڑے سے بڑے ادیب اور شاعر کا کلام اس کی گرد کو بھی نہ پہونچ سکے،

کوئی ادیب غلطیوں سے خالی نہیں رہا،

اس لئے کہ انسانوں میں جتنے ادیب گذرے ہیں چاہے وہ نثر نگار ہوں یا شاعر، خاص طور سے اپنے کلام کے آغاز (مطالع) کو حسین سے حسین تر بنانے کی کوشش کرتے

(گذشتہ سے پیوستہ) میر کے شعر میں انتہا درجہ کی شیرینی ہے، مگر شوکت نہیں، اور سودا کے شعر میں شوکت ہے مگر شیرینی اور نزاکت کا دور دور پتہ نہیں، قرآن کریم کی آیتوں میں دونوں چیزیں ساتھ ساتھ نظر آتی ہیں، ت

ہیں، حسنِ ابتداء ہی وہ چیز ہے جو ایک ادیب کے کلام کو چمکا دیتی ہے، اور اسی میں کوئی لغزش ہو جائے تو پورے کلام کا حسن غارت ہو جاتا ہے، مثلاً امرءالقیس کو لیجئے، اس کے مشہور قصیدے کا مطلع ہے ؎

قفانبک[1] من ذکری حبیب[2] ومنزل ٭ بسقط اللوٰی بین الدخول فحومل

شعر کے ناقدوں نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس شعر کا پہلا مصرع اپنے الفاظ کی شیرینی، نزاکت اور مختلف قسم کے معانی کو ایک جملہ میں جمع کر دینے کے اعتبار سے بے نظیر ہے، اس لئے کہ اس میں وہ اپنے آپ کو بھی محبوب کی یاد میں ٹھہرنے کی دعوت دے رہا ہے، اور اپنے ساتھیوں کو بھی، خود بھی رو رہا ہے، دوسروں کو بھی رُلا رہا ہے، محبوب کو بھی یاد کر رہا ہے اور اس کے گھر کو بھی، لیکن دوسرا مصرعہ ان تمام نزاکتوں سے خالی ہے[2]

اسی طرح عربی کے مشہور شاعر ابو النجم کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ ہشام بن[3] عبد الملک کے پاس گیا، اور قصیدے کا مطلع پڑھا ؎

صفراء[4] قد کادت ولمّا تفعل
کأنھا فی الأفق عین الاحول

اتفاق سے ہشام بھینگا تھا، اس لئے اس نے ابو النجم کو نکال باہر کیا اور قید کروا دیا[5]

---

[1] شعر کا مفہوم یہ ہے کہ شاعر اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ محبوب کے ایک پرانے مکان کے پاس سے گذرتا ہے جو اب کھنڈر بن چکا ہے، تو ساتھیوں سے کہتا ہے "ٹھہرو! ذرا محبوب اور اس کے گھر کو یاد کر کے رو لیں، وہ گھر جو ٹیلے کے کنارے مقام دخول اور مقام حومل کے درمیان واقع تھا" [2] اس شعر کے معنی پر بعض ناقدوں نے یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ محبوب کی یاد میں دوسروں کو رونے کی دعوت دینا غیرتِ عاشقی کے خلاف ہے، اور غزل کا کوئی مطلع عاشقی کے خلاف نہ ہونا چاہئے، [3] بنو امیہ کا مشہور خلیفہ ۷۲۴ء تا ۷۴۳ء جس کے زمانہ میں مسلمانوں کی فوجیں فرانس تک پہنچ گئی تھیں [4] شاعر سورج کے غروب کا منظر پیش کر رہا ہے، کہ: "وہ زرد رو ہو چکا ہے، اور قریب ہے کہ ڈوب جائے لیکن ابھی ڈوبا نہیں، اُفق پر وہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے بھینگے کی آنکھ" [5] حالانکہ ابو النجم ہشام کے بے تکلف دوستوں میں سے تھا، ایسا ہی ایک واقعہ ذوالرّمہ کا بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے عبد الملک (تقیٰ صفحہ ۲۳۷ (۵))

اسی طرح جریر نے ایک مرتبہ عبدالملک کی شان میں ایک مدحیہ قصیدہ پڑھا جس کا مطلع تھا ع

أتصحوا أم فؤادك غير صباح[1]

اس پر عبدالملک نے بگڑ کر کہا:

"بل فؤادك أنت يا ابن الفاعلة"

"یعنی خود تیرا دل[2] بے ہوش ہوگا"

اسی طرح بحتری نے یوسف بن محمود کے سامنے مطلع پڑھا ؎

لك الويل من ليل تقاصر آخره[3]

بادشاہ نے فوراً کہا: "اس کا نہیں، تیرا ناس ہو"

اسحٰق[4] موصلی مانا ہوا ادیب ہے، وہ ایک مرتبہ معتصم کے پاس گیا، بادشاہ انہی دنوں میدان کے اندر اپنا محل تعمیر کرکے فارغ ہوا تھا، اسحٰق نے جا کر اس کے سامنے اپنا یہ مطلع پڑھا ؎

(گذشتہ سے پیوستہ) کے سامنے قصیدے کا مطلع پڑھا ؎

مابال عينك منها الماء ينسكب

"تیری آنکھ کو کیا ہوگیا کہ اس سے پانی بہتا رہتا ہے"، عبدالملک کو آنکھ بہنے کا مرض تھا وہ سمجھا کہ اس نے مجھ پر چوٹ کی ہے، چنانچہ اسے غضب ناک ہوکر نکلوا دیا (العمدۃ لابن رشیق، ص ۲۲۲ جلد اوّل)

[1] یعنی "کیا تو ہوش میں ہے یا تیرا دل بے ہوش ہے؟" اس کا دوسرا مصرعہ ہے: عشية همّ صحبك بالرواح

[2] عبدالملک اس بات سے ناواقف نہ تھا کہ شاعر اپنے آپ ہی کو خطاب کر رہا ہے، لیکن اس نے اسے غزل کے مطلع کا عیب سمجھ کر اسے تنبیہ کی،

[3] یعنی "تیرا ناس ہو، اے وہ رات جس کا آخری حصہ بڑا کوتاہ ثابت ہوا"، غزل کی ابتداء میں یہ بد دعاء ذوق سلیم پر بار ہے، اس لئے بادشاہ نے اُلٹی اُسے بد دعا دی،

[4] اسحٰق بن ابراہیم موصلی (۲۳۶ھ، ۸۵۰ء) مولدین کا مشہور شاعر ہے، یہ ان لوگوں میں سے ہے جنھوں نے عربی شاعری میں فارسی کی معنی آفرینی کی بنیاد ڈالی اور اپنی قادر الکلامی کا لوہا منوایا، تقی

یا دار غیرک البلی ومحاک!
یا لیت شعری ما الذی أبلاک؟

معتصم نے اس شعر سے بدشگونی لیتے ہوئے فوراً محل کو گرانے کا حکم دیدیا[۱]،
غرض اسی طرح بڑے مشہور شعراء نے ان مقامات پر لغزشیں اور ٹھوکریں کھائی ہیں، شرفاء عرب باوجود اس کے کہ کلام کے اسرار پر پوری مہارت رکھتے تھے اور اسلام سے شدید عداوت بھی، لیکن قرآن کی بلاغت اور الفاظ کی خوبصورتی اور اسلوب وطرز کی عمدگی میں انگلی رکھنے کی مجال نہ پا سکے، اور نہ کوئی عیب نکالنے کی قدرت ہوئی بلکہ انھوں نے اس بات کا اعتراف کیا کہ یہ کلام شاعروں کے شعر اور خطیبوں کے خطبوں جیسا ہرگز نہیں ہے، البتہ اسکی فصاحت پر حیران ہوتے ہوئے کبھی اس کو جادو کہا، اور کبھی یہ کہا کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تراشیدہ اور پہلوں کی بے سند باتیں ہیں جو نقل ہوتی چلی آتی ہیں، کبھی اپنے ساتھیوں سے یوں کہتے ہیں کہ اس قرآن کو مت سنو، اور جب پڑھا جائے تو خوب شور مچاؤ، شاید اس طریقہ سے تم غالب آجاؤ، یہ پوزیشن عموماً اس شخص کی ہوتی ہے جو حیران اور لاجواب ہوا کرتا ہے،

ثابت ہوا کہ قرآن اپنی فصاحت وبلاغت اور حسن الفاظ کی بنا پر معجزہ ہے، اور یہ بات عقل سلیم کیونکر تسلیم کر سکتی ہے کہ فصحائے عرب جن کا شمار ریت

---

[۱] عربوں کی عام زندگی چونکہ خانہ بدوشی کی تھی اس لئے وہ عام طور سے اپنی شاعری میں محبوب کے پرانے گھر کے کھنڈروں کا تذکرہ کرتے ہیں، اس شعر میں بھی شاعر ایک ایسے ہی مکان پر گذرتا ہے تو اسے خطاب کرکے کہتا ہے "اے مکان! بوسیدگی نے تجھے بدل کر بالکل ہی مٹا ڈالا، کاش مجھے معلوم ہو سکتا کہ تجھے کس نے تباہ کیا"، [۲] مشہور ہے کہ جہانگیر کے سامنے فارسی کے کسی مشہور شاعر نے مدحیہ قصیدہ کا مطلع پڑھا سہ "اے تاج دولت برسرت از ابتداء تا انتہا" جہانگیر نے شاعر نے پوچھا "عروض جانتے ہو؟" شاعر نے کہا نہیں، جہانگیر نے کہا "اگر عروض جانتے ہوتے تو سر قلم کرادیتا، اسلئے کہ مصرعہ کی تقطیع میں "لت برسرت" (مستفعلن) آرہا ہے ۱۲ تقی

کے ذرّوں اور سنگستانی پتھریلوں سے کم نہ تھا، اور جو اپنی حمیت اور عصبیت میں مشہور تھے، جو ایک دوسرے کے مقابلہ میں تفاخر کی جنگ کے دلدادہ اور حسب ونسب کی مرافعت کے عادی تھے، انھوں نے بڑی آسان بات یعنی سب سے چھوٹی قرآن کی سورۃ کے برابر سورت تیار کرنے کی بجائے شدید ترین صعوبتیں برداشت کرنے کو ترجیح دی، جلاوطن ہوئے، گردنیں کٹائیں اور قیمتی جانیں قربان کیں، بال بچوں کی گرفتاری اور مال واملاک کی بربادی سہی، مگر قرآن کے مقابلہ میں ایک سورت پیش نہ کر سکے، حالانکہ ان کا مخالف چیلنج دینے والا عرصۂ دراز تک اُن کے بھرے مجمعوں میں اور محفلوں میں اس قسم کے الفاظ سے اُن کو چیلنج کرتا رہا،

فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ط	"اس جیسی ایک سورت بنا لاؤ، اور اگر تم سچے ہو تو اس مقصد کیلئے اللہ کے سوا جس کسی کو اس کام میں اپنی مدد کیلئے بلا سکو بلا لو۔"

اور ایک دوسری جگہ قرآن نے پکارا :۔

وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ط فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَن تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ط	"اور اگر تم کو اس کتاب کے بارے میں ذرا بھی شک و شبہ ہے جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے تو اس جیسی ایک سورت بنا لاؤ، اور اگر سچے ہو تو اللہ کے سوا جتنے تمھارے حمائتی ہیں سب کو اپنی مدد کے لئے بلا لو، پھر بھی اگر تم ایسا نہ کر سکو، اور یقین ہے کہ ہرگز نہ کر سکو گے تو پھر اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے"۔

دوسری جگہ پوری دعوے کے ساتھ کہا:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝

ترجمہ:- "آپ فرما دیجئے کہ اگر تمام انسان اور جنّات مل کر اس قرآن کے جیسا کلام بنانا چاہیں تو بھی اس جیسا نہیں بنا سکیں گے، خواہ ان میں سے ایک دوسرے کی کتنی ہی مدد کیوں نہ کرے"۔

اور اگر ان کا یہ گمان تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی دوسرے کی مدد سے یہ کتاب تیار کی ہے تو ان کے لئے بھی ایسا ہی موقع تھا، کہ دوسرے کی مدد سے ایسی کتاب تیار کر دیتے، کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو زباندانی اور مدد طلب کرنے میں منکرین ہی کی طرح ہیں،

جب انھوں نے ایسا نہ کیا، اور قرآن مجید کا مقابلہ کرنے پر جنگ و جدل کو ترجیح دی، اور زبانی مقابلہ کے بجائے مار دھاڑ کو گوارا کیا، تو ثابت ہو گیا کہ قرآن کریم کی بلاغت اُن کو تسلیم تھی، اور وہ اس کی معارضہ سے عاجز تھے زیادہ سے زیادہ یہ ہوا کہ وہ دو فرقوں پر تقسیم ہو گئے، کچھ لوگوں نے اس کتاب کی اور نبی ص کی تصدیق کی، اور کچھ لوگ اس کی حسین بلاغت پر حیرت زدہ رہ گئے،

روایات میں آیا ہے کہ ولید بن مغیرہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جب یہ آیت سنی:-

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ط

ترجمہ:- "بلاشبہ اللہ تعالیٰ انصاف، نکوکاری، اور قریبی رشتہ داروں کو داد و دہش کا حکم دیتا ہے اور فحش اور بیہودہ باتوں سے روکتا ہے"۔

تو کہنے لگا کہ خدا کی قسم! اس کلام میں عجیب قسم کی مٹھاس اور رونق ہے، اس میں بلا کی روانی اور شیرینی ہے[1]،

اسی طرح دوسری روایت میں آیا ہے کہ اُس نے جب قرآن کریم سنا تو بڑی رقت طاری ہوئی، ابوجہل نے جب سُنا تو تنبیہ کرنے اس کے پاس آیا، اور یہ ابوجہل کا بھتیجا تھا، ولید نے جواب دیا کہ خدا کی قسم! تم میں کوئی شعر کے حسن و قبح کو مجھ سے زیادہ جاننے والا نہیں، خدا کی قسم! جو محمدؐ کہتا ہے اس کو کوئی بھی نسبت اور مشابہت شعر کے ساتھ نہیں ہے[2]،

اور یہ بھی روایت میں آتا ہے کہ موسم حج آنے پر اس نے قریش کو جمع کیا اور کہا کہ عرب کے مختلف قبائل آئیں گے تو محمدؐ کے بارے میں کوئی ایسی بات طے کر لو کہ پھر اس میں باہمی اختلاف نہ ہو، قریش نے کہا کہ ہم یہ کہیں گے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کاہن ہیں، ولید نے کہا، خدا کی قسم! وہ اپنے کلام اور سجع[3] میں کاہن ہرگز نہیں ہیں، قریش نے کہا کہ پھر مجنون ہیں [illegible]

[illegible]

کہا کہ ہم کہیں گے کہ وہ جادوگر ہیں، [illegible]

قریش نے کہا کہ پھر ہم کیا [illegible]؟ کہنے لگا کہ ان باتوں میں سے تم جو بھی کہو گے میرے نزدیک باطل اور غلط ہے، البتہ جادوگر ہونا زیادہ درست ہوگا، اس لئے کہ یہ ایسا جادو ہے جو باپ بیٹے میں، بھائی بھائی میں، اور خاوند بیوی میں جدائی ڈال دیتا ہے۔

---

[1] اس کے پورے الفاظ یہ ہیں:- واللہ انّ لقولہ الذی یقول حلاوۃ وان علیہ لطلاوۃ وانہ لمثمر اعلاہ معذق اسفلہ وانہ لیعلوا ما یعلٰی وانہ لیحطم ما تحتہ" ولید کے یہ الفاظ حاکم اور بیہقی کی روایت سے علامہ سیوطی رحمہ نے نقل کئے ہیں۔ (الخصائص الکبریٰ ص۱۱۳ ج ۱ و الاتقان ص۱۱۷ ج۲) لیکن احقر کو جستجو کے باوجود کہیں یہ نہ مل سکا کہ اس نے یہ الفاظ خاص طور سے اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ الخ والی آیت سنکر کہے تھے ۱۲ [2] اخرجہ الحاکم والبیہقی من طریق عکرمۃ عن ابن عباسؓ کذا فی الخصائص الکبریٰ (ص ۱۱۳ ج ۱) ۱۲ [3] تُک "سجع" یعنی قافیہ بند نثر، وہ نثر جس میں شعر کی طرح قافیوں کا التزام کیا گیا ہو مثلاً "پہلے بات کو تولو پھر بولو" ۱۲

اور آدمی کو اس کے قبیلے اور خاندان سے الگ کر دیتا ہے ،

پھر یہ وہاں سے اُٹھ کر سڑکوں پر جا بیٹھے ، اور لوگوں کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے روکنے لگے ، اس سلسلہ میں آیت کریمہ ولید کی شان میں نازل ہوئی :-

" ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا [1] الخ

نیز روایت میں آیا ہے کہ عتبہ [2] نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کی نسبت اپنی قوم کی مخالفت کے سلسلہ میں گفتگو کی ، حضورؐ نے ان کے سامنے حٰمٓ تَنْزِيلٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ، كِتَابٌ فُصِّلَتْ سے فَاَنْذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ تک تلاوت فرمائی ، عتبہ اپنا ہاتھ منہ پر رکھتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رحم کا طالب ہوا ، اور کہا کہ بس اور مت سنائیے [3] ،

ایک اور روایت میں یوں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم برابر پڑھتے جاتے تھے ، اور عتبہ ہمہ تن گوش بنا ہوا اپنے دونوں ہاتھ بے اختیار اپنی کمر کے پیچھے ڈالے ہوئے ان پر سہارا لیتا جاتا تھا ، یہاں تک کہ آپؐ نے آیت سجدہ تلاوت فرمائی ، اور سجدہ کیا ، عتبہ اس حالت میں اُٹھا کہ قطعی ہوش نہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا جواب دے ، اور سیدھا گھر چلا گیا ، اور پھر لوگوں سے روپوش رہا ، یہاں تک کہ لوگ اس کے پاس پہنچے ، تب عتبہ نے معذرت کی اور کہا کہ خدا کی قسم ! محمدؐ نے مجھے ایسا کلام سنایا ہے کہ میرے کانوں نے تمام عمر ایسا کلام نہیں سنا ، میری سمجھ میں نہیں آسکا کہ کیا جواب دوں [4] ؟ اخرج

---

[1] اخرجہ ابن اسحٰق والبیہقی من طریق عکرمۃ او سعید عن ابن عباسؓ (الخصائص الکبرٰی ص ۱۱۳ ج ۱)

[2] یعنی ابو الولید عتبہ بن ربیعہ جو قریش کے سر برآوردہ لوگوں میں سے تھا اور اسے شعر و ادب کا ستون سمجھا جاتا تھا۔ ۱۲ تقی

[3] روی ہذا اللفظ ابن ابی شیبہ فی مسندہ والبیہقی وابونعیم عن جابر (الخصائص ص ۱۱۴ ج ۱)

ابو عبید نے بیان کیا ہے کہ کسی بدوی نے کسی شخص کو یہ پڑھتے ہوئے سُنا
فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ، تو فوراً سجدہ میں گر گیا، اور کہا کہ میں نے اس کلام
کی فصاحت پر سجدہ کیا ہے،

اسی طرح ایک مشرک نے کسی مسلمان کو یہ آیت پڑھتے سُنا کہ فَلَمَّا
اسْتَيْأَسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا ط کہنے لگا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی مخلوق
اس قسم کا کلام کہنے پر قادر نہیں ہے،

اصمعی رح نے بیان کیا کہ ایک پانچ چھ سالہ بچی کو میں نے فصیح کلام اور بلیغ عبارت
ادا کرتے ہوئے سُنا، وہ کہہ رہی تھی "استغفر اللہ من ذنوبی کلها" میں
نے اس سے کہا تو کونسے گناہوں کی معافی چاہتی ہے، حالانکہ تو ابھی معصوم اور غیر مکلف
ہے، لڑکی نے جواب میں یہ دو شعر پڑھے :-

استغفر اللہ لذنبی کلّہٖ   قتلت انسانا بغیر حلّہٖ

مثل غزالٍ ناعمٍ فی دلّہٖ   انتصف اللیل ولم اصلّہٖ

اصمعی رح نے کہا کہ تو کس قدر غضب کی فصیح الکلام ہے، لڑکی نے کہا کہ کیا اللہ کے
اس ارشاد کے سامنے بھی کوئی کلام فصیح کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے :-

وَاَوْحَيْنَا اِلٰی اُمِّ مُوْسٰی اَنْ اَرْضِعِيْهِ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ
فِی الْيَمِّ وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ اِنَّا رَادُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ
مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ،[1]

کہ ایک آیت میں دو امر اور دو نہی اور دو خبریں اور دو بشارتیں جمع فرما دی ہیں،

ایک اور روایت میں ہے کہ ابوذر رض کہتے ہیں کہ خدا کی قسم میں نے اپنے بھائی انیس
سے بڑا شاعر کوئی نہیں دیکھا کہ جس نے زمانۂ جاہلیت میں بارہ شعراء کو مقابلہ میں

[1] اور ہم نے موسیٰ کی ماں کے دل میں یہ بات ڈالی کہ تم اس بچے کو دودھ پلاؤ، پھر جب تمھیں
اسکی جان کا خوف ہو تو اُسے دریا میں ڈال دینا، اور تم ڈرو نہیں، نہ کچھ افسوس کرو، ہم اُسے
تمھارے پاس ضرور لوٹائیں گے، اور اُسے پیغمبر بنائیں گے" (قصص)

شکست دی تھی، وہ جب مکہ سے واپس آیا، میں نے اس سے حضور کی نسبت پوچھا کہ لوگ آپ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ اس نے کہا کہ وہ لوگ آپ کو شاعر، جادوگر، کاہن بتاتے ہیں، پھر کہا کہ میں نے کاہنوں کا کلام بھی سنا ہے، ان کا کلام محمد کے کلام سے میل نہیں کھاتا، اور میں نے ان کے کلام کا بہترین شعراء کے کلام سے بھی موازنہ کیا ہے، ان کا کلام اس سے بھی جوڑ نہیں کھاتا، اس لئے وہ میرے نزدیک سچے ہیں اور لوگ جھوٹے۔

صحیحین میں حضرت جابر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز میں سورہ طور کی تلاوت کرتے ہوئے سنا، جب آپ اس آیت پر پہونچے:۔

ام خلقوا من غیر شئ ام ھم الخالقون، ام خلقوا السموٰت والارض، بل لا یوقنون، ام عندھم خزائن ربک ام ھم المسیطرون"

میرا دل اسلام قبول کرنے کے لئے اُڑنے لگا،

سنا گیا ہے کہ ابن مقفع[1] نے قرآن کریم کا معارضہ کرنے کا ارادہ کیا تھا، بلکہ اس کا جواب لکھنا شروع کیا تھا کہ ایک بچے کو یہ آیت پڑھتے سنا کہ:۔

وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ

فوراً جاتے ہی اپنا لکھا ہوا مٹا دیا، اور کہنے لگا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کلام کا معارضہ ناممکن ہے، اور ہرگز یہ انسانی کلام نہیں ہے،

یحیٰی بن حکم غزالی کی نسبت جو اندلس کے فصحاء میں سے ہے، لکھا ہے کہ انھوں نے بھی اس قسم کا ارادہ کیا تھا، چنانچہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے سورہ اخلاص اس

---

[1] عبداللہ بن المقفع، عربی کا مشہور انشاء پرداز، جسکی نثر کو عربی زبان میں سند مانا گیا ہے، "کلیلہ ودمنہ" کو عربی میں اس نے منتقل کیا، نسلاً آتش پرست تھا، پھر مسلمان ہو گیا تھا، بہت سے لوگوں کو اس کے ایمان پر آخر تک شک رہا، پیدائش ۱۰۶ھ وفات ۱۴۲ھ (الادب العربی وتاریخہ) وقصۃ معارضتہ ذکرہا الباقلانی فی اعجاز القرآن (ص ۵۰ ج ۱ ہامش الاتقان)

نظر سے دیکھی کہ اس طرز پر جواب لکھوں، یکایک اس کلام کی اس قدر ہیبت طاری ہوئی کہ میرا دل خوف و رقت سے بھر گیا، اور مجھ کو توبہ اور ندامت پر آمادہ کیا،

اعجاز قرآنی کے بارے میں معتزلہ کی رائے!!

معتزلہ[1] میں سے نظام[2] کی رائے یہ ہے کہ قرآن کریم کا اعجاز سلب قدرت کی بناء پر ہے، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل اہل عرب کو اس قسم کے کلام پر قدرت حاصل تھی، لیکن آپ کی بعثت کے بعد اللہ نے ان کو اس کے معارضہ سے ان اسباب کی بناء پر عاجز کر دیا جو بعثت کے بعد پیدا ہوئے، لہٰذا ان کی قوت معارضہ کو سلب کر لینا یہی خرقِ عادت ہونے کی وجہ سے معجزہ ہے،

بہرکیف وہ بھی قرآن کو اس سلب قدرت کی وجہ سے معجز تسلیم کرتے ہیں، اور یہ اعتراف کرتے ہیں کہ آپ کی بعثت کے بعد لوگ معارضہ سے عاجز ہوئے لیکن

---

[1] معتزلہ، مسلمانوں کا ایک فرقہ جو دوسری صدی ہجری میں پروان چڑھا، یہ فرقہ اہل سنت سے بہت سے مابعد الطبیعی (METAPHYSICAL) مسائل میں اختلاف رکھتا تھا واصل بن عطاء پیدائش ۸۰ھ وفات ۱۳۱ھ، نظام (وفات ۲۲۰ھ، ابو علی جبائی (وفات ۳۰۳ھ) وغیرہ اس فرقہ کے مشہور لیڈر رہیں، فلسفہ یونان کے زوال کے ساتھ ساتھ یہ فرقہ بھی ختم ہو گیا،

[2] ابراہیم بن سیار النظام (م ۲۲۰ھ تقریباً) معتزلہ کے مشہور قائدوں میں سے ہے، اگرچہ اس کے نظریات عام معتزلہ سے بھی کچھ مختلف ہیں، اس پر فلسفۂ یونان کا غلبہ تھا، جس کی بناء پر بہت سے مسائل میں اس نے تمام مسلمانوں کے خلاف ان کی آراء کو اختیار کیا، وجود کائنات سے متعلق اس کے نظریات ڈارون ( ) کے نظریہ ارتقاء سے ملتے جلتے ہیں، اجماع اور قیاس کو حجت نہیں مانتا تھا، اعجاز قرآن کے بارے میں بھی اس کا نظریہ پوری امت مسلمہ کے خلاف وہ تھا جو مصنف رح نے نقل فرمایا ہے، رفض کی طرف بھی مائل تھا، جس کی بناء پر بہت سے صحابہؓ کی شان میں اس کی گستاخیاں منقول ہیں (الملل والنحل للشہرستانی ص ۶۷ تا ۷۷ ج ۱)

بعثت سے قبل بھی وہ اسی قسم کے کلام پر قدرت رکھتے تھے یا نہیں، اس میں مخالفت کرتے ہیں،

معتزلہ کا نظریہ غلط ہے اس کے دلائل:

لیکن نظام کا یہ دعوٰی چند وجوہ سے باطل ہے:

(۱) اگر ایسا ہوتا تو وہ قرآن کریم کا معارضہ اس کلام سے کر سکتے تھے جو زمانۂ جاہلیت میں اُن کے شعراء اور فصحاء کے ذخیرہ میں موجود تھا، وہ آسانی کے ساتھ قرآن کا مثل بن سکتا تھا،

(۲) فصحائے عرب عام طور پر قرآنی الفاظ کے حسن، اس کی بلاغت اور سلاست پر حیرت زدہ ہوتے تھے، ان کی حیرانی کی وجہ یہ نہ تھی کہ ہم اس کا مقابلہ کرنے پر قادر کیوں نہ رہے، حالانکہ پہلے ہمیں اس جیسے کلام پر قدرت تھی،

(۳) اگر مقابلہ کی طاقت سلب کر کے قرآن میں اعجاز پیدا کرنا مقصود ہوتا تو زیادہ مناسب یہ تھا کہ قرآن کریم میں بلاغت و فصاحت کا بالکل بھی لحاظ نہ کیا جاتا، کیونکہ قرآن اس صورت میں بھی خواہ بلاغت کے کسی درجہ میں بھی ہوتا، بلکہ اگر رکاکت کے درجہ میں داخل کر دیا جاتا تب بھی اس کا معارضہ دشوار ہوتا بلکہ ایسی صورت میں زیادہ تعجب انگیز اور خلافِ عادت ہوتا،

(۴) قرآن کریم کی آیت ذیل اس نظریہ کی تردید کرتی ہے:-

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا،

ترجمہ: "آپ فرما دیجئے کہ اگر تمام انسان اور جنات جمع ہو کر اس قرآن کے مثل لانا چاہیں تو نہیں لائیں گے، اگرچہ ان میں سے ایک دوسرے کی مدد کو کیوں نہ آجائے"

اعجاز قرآن پر ایک شبہ کا جواب

اگر یہ کہا جائے کہ فصحائے عرب جب کسی قرآنی سورت کے مفرد الفاظ کے تکلم پر قادر تھے، بلکہ چھوٹے چھوٹے مرکبات پر بھی قدرت رکھتے تھے تو یقیناً وہ اس

جیسے کلام پر قادر تھے،

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات غلط ہے، اس لئے کہ کبھی کبھی مرکّب کا حکم اجزاء جیسا نہیں ہوتا، آپ دیکھتے ہیں کہ انفرادی طور پر ایک ایک بال میں یہ صلاحیت نہیں کہ اس میں ہاتھی یا کشتی کو باندھا جا سکے، لیکن بہت سے بالوں کو ملا کر جب مضبوط رسی بٹی جائے تو اس میں ہاتھی یا کشتی کا باندھا جانا ممکن ہو جاتا ہے، اور اگر اس نظریہ کو درست مان لیا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ ہر عربی شخص امرء القیس جیسے فصحائے عرب کی مانند قصیدے کہنے پر قادر ہے[1]،

قرآن کریم کی تیسری خصوصیّت پیشنگوئیاں،

قرآن کریم آنے والے واقعات کی ان پیشنگوئیوں پر مشتمل ہے جو بالآخر سو فیصد درست ثابت ہوئیں، مثلاً:-

(۱) لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ مُحَلِّقِیْنَ رُؤُسَكُمْ وَمُقَصِّرِیْنَ لَا تَخَافُوْنَ[2]

ترجمہ: "اگر اللہ نے چاہا تو تم مسجدِ حرام میں ضرور داخل ہوگے، اس طرح کہ تم میں سے بعض نے اپنے سر منڈوائے ہوئے ہوں گے، بعض نے بال چھوٹے کرائے ہوئے ہوں گے، اور تمھیں کوئی خوف نہ ہوگا"

چنانچہ صحابۂ کرام رضؓ فتح مکہ کے موقع پر ٹھیک اسی طرح حرم میں داخل ہوئے،

(۲) وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ـــــ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِكُوْنَ بِیْ شَیْئًا[3]

[1] کیونکہ وہ وہی مفردات استعمال کرتا ہے جو امرء القیس نے کئے تھے ۱۲ ت [2] سورۂ فتح [3] سورہ نور

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ایمان لانے والوں اور عمل صالح کرنے والوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں زمین میں خلافت عطا کرے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلافت عطا کی، اور ان کے اس دین کو مضبوطی عطا کرے گا جسے اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے، اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا، وہ میری عبادت کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں"۔

اس میں حق تعالیٰ شانہٗ نے مومنین سے وعدہ فرمایا ہے کہ اُن میں خلیفہ بنائے جائیں گے، اور ان کے پسندیدہ دین کو مضبوطی اور طاقت دی جائے گی، اور ان کے خوف کو امن سے تبدیل کیا جائے گا، اس وعدہ کو تھوڑے عرصہ ہی میں پورا فرما دیا، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ ہی میں مکّہ پر مسلمانوں کا تسلّط ہو گیا، اسی طرح خیبر اور بحرین اور ملکِ یمن اور اکثر عربی ممالک مسلمانوں کے زیرِ نگین آ گئے، ملکِ حبش بھی بادشاہ نجاشی کے مسلمان ہو جانے کی وجہ سے دار الاسلام بن گیا، ہجر کے کچھ لوگوں نے اور علاقۂ شام کے کچھ عیسائیوں نے اطاعت قبول کر کے جزیہ دینا منظور کیا، یہ تسلّط عہدِ صدیقی رضؓ میں اور بڑھ گیا، کیونکہ مسلمان فارس کے بعض شہروں اور بصریٰ و دمشق اور بعض دوسرے شام کے شہروں پر قابض ہو گئے،

پھر یہ غلبہ عہدِ فاروقی میں اور زیادہ بڑھ گیا، یہاں تک کہ تمام ملک شام اور پورے مصر اور اکثر فارس کے علاقوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا، پھر یہ تسلّط عہدِ عثمانی میں اور زیادہ ہوتا چلا گیا، یہاں تک کہ مغربی جانب میں اندلس اور قیروان کی حدوں تک اور مشرق میں چین کی حد تک اسلامی سلطنت پھیل گئی، غرض کُل نبیل لہ مدّت میں مسلمان پورے طور پر ان تمام ممالک پر قابض ہو گئے،

اسی طرح اللہ کا دین متین ان سب ملکوں میں تمام مذاہب پر غالب آ گیا، اور مسلمان بے خوف و خطر اپنے معبود کی عبادت آزادی کے ساتھ کرنے لگے،

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دورِ خلافت میں اگرچہ مسلمانوں کے قبضہ میں کوئی جدید ملک نہیں آیا، لیکن آپ کے عہد مبارک میں بھی ملّتِ اسلامیہ کی ترقی بلاشبہ ہوئی،

تیسری قرآنی پیشینگوئی مسیلمہ کا واقعہ

آیت شریفہ میں فرمایا گیا ہے :۔
سَتُدْعَوْنَ اِلٰی قَوْمٍ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ
"عنقریب تمہیں ایک ایسی قوم کی طرف بلایا جائیگا جو سخت قوّت والی ہے"

اس میں جو خبر دی گئی ہے وہ بعینہٖ اسی طرح واقع ہوئی، اس لئے کہ سخت قوّت والی قوم کا مصداق راجح قول کے مطابق بنو حنیفہ مسیلمۃ الکذاب[1] کا قبیلہ ہے، اور بلانے والے صدیقِ اکبرؓ ہیں،

قرآن کی چوتھی پیشینگوئی دین کا غلبہ و ظہور

ارشاد باری ہے کہ :۔
هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ،

ترجمہ :۔ "خدا وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اس (دین حق) کو تمام دینوں پر غالب کر دے"

تیسری پیشینگوئی کی طرح اس کا بھی مشاہدہ ہوچکا ہے، یہ دوسری بات ہے کہ اسکی پوری تکمیل وعدۂ الٰہی کے مطابق خدا نے چاہا تو عنقریب ہونے والی ہے[2]،

پانچویں پیشینگوئی فتح خیبر وغیرہ

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا

---

[1] مسیلمۂ کذّاب، عرب کا جھوٹا نبی جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا، بنو حنیفہ کا پورا قبیلہ اس کے ساتھ ہوگیا تھا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں اسکی سرکوبی کی گئی [2] یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ تشریف آوری کے بعد، ۱۲ تقی

وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا
وَعَدَكُمُ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هَٰذِهِ
وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُونَ آيَةً لِلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيَكُمْ
صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا وَأُخْرَىٰ لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ
بِهَا وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ،

ترجمہ: "بلاشبہ مسلمانوں سے راضی ہوگیا، اس وقت جب وہ درخت کے نیچے آپؐ سے بیعت کر رہے تھے، تو اللہ نے ان کے دلوں کی بات جان لی، پھر ان پر سکون نازل فرمایا، اور بدلے میں انھیں ایک عنقریب ہونے والی فتح عطا کی، اور بہت سا مالِ غنیمت جسے وہ لینے والے تھے، اور اللہ زبردست اور حکمت والا ہے، اللہ نے بہت سارے مالہائے غنیمت کا وعدہ کیا ہے، جنھیں تم لوگے، پھر یہ مالِ غنیمت پہلے ہی تمھیں دیدیا، اور لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا اور تاکہ یہ مسلمانوں کے لئے ایک نشانی بن جائے اور اللہ تمھیں سیدھا راستہ دکھائے"

"فتح قریب" سے مراد خیبر کی فتح ہے، اور "بہت سے مالِ غنیمت" سے پہلے مقام پر خیبر یا ہجر کی غنیمتیں ہیں، اور دوسری جگہ اس سے مراد وہ غنیمتیں ہیں جو یوم وعدہ سے قیامت تک مسلمانوں کو ملنے والی ہیں، اور "اُخریٰ" کا مصداق ہوازن یا فارس یا روم کی غنیمتیں ہیں، اور واقعہ اسی طرح ہوا جس طرح کہ خبر دی گئی تھی،

قرآن کی چھٹی پیشینگوئی

آیت وَأُخْرَىٰ تُحِبُّونَهَا نَصْرٌ مِنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ ط اس میں اُخریٰ سے دوسری خصلت مراد ہے، اور نَصْرٌ مِنَ اللَّهِ تفسیر ہے اس اُخریٰ کی اور فَتْحٌ قَرِيبٌ سے مراد فتح مکہ ہے، اور حسنؒ کے قول کے موافق فارس و روم کی فتح ہے، غرض کوئی مراد ہو، مکہ بھی فتح ہوا، اور فارس و روم بھی،

لہ صلح حدیبیہ کی طرف اشارہ ہے ۱۲ تقی

ساتویں پیشینگوئی

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا ط

"جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے گی، اور آپؐ، لوگوں کو دیکھ لیں کہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں الخ"

یہاں فتح سے مراد فتح مکہ ہے، کیونکہ صحیح قول کے مطابق یہ سورت فتح مکہ سے قبل نازل ہوئی ہے، اس لئے کہ اِذَا استقبال کو مقتضی ہے، گزرے ہوئے واقعہ کے لئے اِذَا جَآءَ مستعمل نہیں ہوتا، اور نہ اِذَا وَقَعَ کہا جاتا ہے، سو مکہ فتح ہوگیا، اور لوگ جوق درجوق گروہ درگروہ اہل مکہ اور طائف کے رہنے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں داخل اسلام ہوئے

آٹھویں پیشینگوئی

آیت قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ

"آپ کافروں سے کہہ دیجئے کہ عنقریب تم مغلوب ہو جاؤ گے"

ٹھیک اسی طرح واقع ہوا جس طرح خبر دی گئی، اور کفار مغلوب ہو گئے،

نویں پیشینگوئی

آیت وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّھَا لَکُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَۃِ تَکُوْنُ لَکُمْ وَیُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ وَیَقْطَعَ دَابِرَ الْکٰفِرِیْنَ ط

"اور (اس وقت کو یاد کرو) جب اللہ تم سے یہ وعدہ کر رہا تھا کہ دو گروہوں میں سے ایک تمہارا ہوگا اور تم یہ چاہتے تھے کہ تمہیں وہ قافلہ ملے جو بے کھٹک ہو، اور اللہ چاہتا ہے کہ اپنے کلمات حق کو ثابت کر دے، اور کافروں کی جڑ کاٹ دے"

یہاں دو جماعتوں سے مراد ایک تو وہ تجارتی قافلہ ہے جو شام سے واپس آرہا تھا دوسرا وہ جو مکہ مکرمہ سے آرہا تھا، اور "بے کھٹکے" سے مراد وہ قافلہ ہے جو شام سے آیا تھا چنانچہ یہ واقعہ بھی بعینہٖ اسی طرح پیش آیا[1]

[1] یہ غزوۂ بدر کی طرف اشارہ ہے،

دسویں پیشینگوئی

آیت اِنَّا کَفَیْنٰکَ الْمُسْتَهْزِئِیْنَ،
"مذاق اُڑانے والوں کے مقابلہ کے لئے آپ کی طرف سے ہم نے کفایت کر لی ہے"،

جب یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اس بات کی بشارت دی کہ اللہ اُن کے شر و ایذا سے کفایت کرے گا، یہ تمسخر کرنے والی جماعت اہل مکّہ کی تھی، جو لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دور رکھنے کی کوشش کرتی اور آپ کو اذیت پہنچاتی، یہ لوگ قسم قسم کی بلاؤں اور تکلیفوں کے ساتھ مارے گئے،

گیارہویں پیشینگوئی

آیت وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ،
"اور اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے گا"؛

پیشینگوئی کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت منجانب اللہ ہوتی ہے، حالانکہ آپؐ کے دشمن اور بُرا چاہنے والے بے شمار تھے، لیکن حفاظتِ الٰہی کے سبب ہمیشہ اپنے ارادوں میں ناکام و نامراد رہے،

بارہویں پیشینگوئی

آیتِ شریفہ۔ الٓمٓ، غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ لِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ وَیَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰہِ یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ، وَعْدَ اللّٰہِ لَا یُخْلِفُ اللّٰہُ وَعْدَهٗ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ط (الروم)

ترجمہ: "الف، لام، میم، روم والے) قریب ترین زمین (یعنی ارضِ عرب) میں مغلوب ہو گئے، اور وہ اس مغلوب ہونے کے بعد عنقریب (اہل

فارس پر، غالب آجائیں گے چند (یعنی تین سے لیکر دس) ہی سالوں میں اللہ کے ہاتھ میں ہے کام پہلے اور پچھلے، اور اس دن مسلمان اللہ کی مدد کی وجہ سے خوش ہونگے، اللہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے، اور وہ زبردست اور مہربان ہے، یہ اللہ کا وعدہ ہے، اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے، دنیوی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں، اور یہ لوگ آخرت سے غافل ہیں"۔

اہل فارس آتش پرست تھے، اور رومی لوگ عیسائی تھے، جس وقت اہلِ فارس کی کامیابی کی خبر مکہ پہونچی، مشرکین بہت خوش ہوئے، اور یہ کہا کہ تم لوگ اور عیسائی اہل کتاب ہیں، اور ہم لوگ اور آتش پرست امّی اور ناخواندہ ہیں اور دونوں کے پاس کوئی کتاب نہیں ہے، اس موقع پر ہمارے بھائی تمھارے بھائیوں پر غالب آئے اسی طرح ہم تم پر غالب آئیں گے، یہ چیز ہمارے لئے فال نیک ہے،

اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں[1]، اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تمھاری آنکھیں ٹھنڈی نہ کرے، خدا کی قسم چند سال کے اندر رومی اہلِ فارس پر غالب آجائیں گے، اُبی ابن خلف کہنے لگا کہ تو جھوٹا ہے، لہٰذا ہمارے اور اپنے درمیان ایک مدّت مقرر کرلے، یہاں تک کہ دونوں جانب سے دس اونٹوں کی شرط کی گئی، اور تین سال کی مدّت باہمی مقرر ہوگئی، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی اطلاع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "بضع" کا اطلاق تین[۳] سے لے کر نو[۹] تک آتا ہے، تم اونٹوں کی تعداد میں اضافہ کرکے مدّت بڑھالو، چنانچہ سو اونٹوں کی شرط لگائی گئی اور نو سال کی مدت باہمی مقرر ہوگئی،

اُحد سے واپس آتے ہوئے اُبی کا انتقال ہوگیا، اور رومی لوگ شکست کے ٹھیک سات برس بعد اہلِ فارس پر غالب آگئے، اس لئے ابوبکر صدیق

[1] رواہ الترمذی عن ابن ... (جمع الفوائد ... ج ۲ ص ۱۱ ...)

رضی اللہ عنہ نے شرط جیتنے کی وجہ سے اُبی کے وارثوں سے شرط مقررہ کے مطابق سُو اونٹ وصول کیے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر صدیق رض کو ان اونٹوں کے صدقہ کرنے کا حکم دیا[۱]،

مصنّف "میزانُ الحق" کا اعتراض

"میزان الحق"، کا مصنّف تیسرے باب کی چوتھی فصل میں کہتا ہے کہ اگر ہم مفسرین کے دعوے کو سچّا مان لیں کہ یہ آیت رومیوں کے اہل فارس پر غالب آنے سے پہلے نازل ہوئی تھی تب بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ بات محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے قیاس اور گمان سے کہی ہوگی، تاکہ اپنے ساتھیوں کے لئے تسکینِ قلب کا سامان مہیّا کریں، اس قسم کی باتیں ہر زمانے میں عقلاء اور صائب الرائے لوگوں کی جانب سے کہی گئی ہیں، معلوم ہوا کہ وحی کی بناء پر ایسا نہیں کہا گیا۔

اُس کا جواب

یہ بات کہ یہ صرف مفسرین کا دعویٰ ہے اس لئے بے بنیاد ہے کہ باری تعالیٰ کا ارشاد "سَيَغْلِبُوْنَ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ" میں اس بات کی تصریح ہے کہ یہ واقعہ مستقبل قریب میں یعنی دس سال کے اندر اندر واقع ہونے والا ہے، جیساکہ لفظ "سِنِيْنَ" اور "بضع" کا تقاضا ہے، اسی طرح وَعْدَ اللّٰهِ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ کے الفاظ بھی، کیونکہ یہ دونوں جملے اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ مسلمانوں کو آئندہ زمانے میں مسرّت اور خوشی حاصل ہونے والی ہے، پھر اس واقعہ کے پیش آنے کے بعد بھی یوں کہنا کہ وعدہ نہیں کیا گیا تھا، یا اس میں وعدہ خلافی ہوئی بے معنی بات ہے،

[۱] یہ واقعہ حدیث و تفسیر کی کتابوں میں تھوڑے تھوڑے اختلاف کے ساتھ مروی ہے (دیکھئے جمع الفوائد

رہی یہ بات کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات محض اپنے قیاس یا فراست کی بناء پر کہدی تھی، سو یہ دو وجہ سے غلط ہے :-

(۱) یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم عیسائیوں کے نزدیک بھی عقلاء میں شمار ہوتے ہیں، اس کا اقرار پادری صاحب کو بھی ہے، انہوں نے اپنی اس کتاب میں بھی اور دوسری تصانیف مین بھی اس کا اقرار ہے، اب جو شخص نبوت کا مدعی اور عقلمند ہو، اسکی شان سے یہ بات بالکل بعید ہے کہ وہ یقین کے ساتھ یہ دعوٰی کرے کہ فلاں بات اسقدر قلیل عرصہ میں اس طرح پر پیش آئے گی، یہاں تک کہ اپنے معتقدین کو اجازت دے کہ اس معاملہ میں تم شرط لگا سکتے ہو، بالخصوص ایسے دشمنوں اور معاندوں کے ساتھ جو اس کو رسوا کرنے کے درپے رہتے ہیں، اور اس کی ادنی لغزش کی تاک میں رہتے ہیں، بالخصوص ایسے معاملے میں جو اگر واقع ہو بھی جائے تو اس کو کوئی خاص قابلِ لحاظ فائدہ بھی پہنچتا ہو اور اس کا واقع نہ ہونا اس کے لئے ذلت و رسوائی کا اور اس کے جھوٹا ثابت ہونے کا باعث ہو سکے، اور اس طرح مخالفین کو اس کی تکذیب کے لئے مزید حجت اور بہانہ مل جانے کا خطرہ ہو،

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ عقلاء اگرچہ بعض واقعات و معاملات کی نسبت اپنی عقل و قیاس سے کوئی بات کہہ دیا کرتے ہیں، اور بعض اوقات ان کا خیال و گمان درست نکلتا ہے، اور کبھی غلط بھی ہو جاتا ہے، لیکن عادت اللہ اس طرح جاری ہے کہ اگر ایسا کہنے والا نبوت کا جھوٹا دعوٰی بھی کرتا ہو، اور کسی آنے والے حادثہ کی خبر بھی دے اور غلط بیانی کرتے ہوئے اس کو خدا کی طرف منسوب کرے، تو ایسی خبر کبھی صحیح نہیں ہوا کرتی، بلکہ یقیناً جھوٹی ہوتی ہے، چنانچہ[۱] اس بحث کے آخر میں انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو معلوم ہو سکے گا،

تیرہویں پیشگوئی

آیت شریفہ :- اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ،

(صفحہ ہذا کا حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

"کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ایک جماعت ہیں، ایک دوسرے کی مدد کریں گے، عنقریب یہ سب منہ کی کھائیں گے، اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے"۔

حضرت فاروق اعظم رضؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نہ سمجھ سکا کہ اس سے کیا مراد ہے[1]، یہاں تک کہ بدر کی لڑائی پیش آئی، اور میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زرہ پہنے ہوئے یہی آیت پڑھتے سُنا، تب میں سمجھا کہ بدر کی فتح کی پیشینگوئی کی گئی تھی۔

چودہویں پیشینگوئی آیت کریمہ:۔ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ،

"ان سے جہاد کرو، اللہ انھیں تمھارے ہاتھوں عذاب دے گا، اور رسوا کرے گا اور ان کے خلاف تمھاری مدد کرے گا، اور مسلمان قوم کے سینوں کو تسلی بخشے گا"۔

اور یہ واقعات دی ہوئی خبر کے مطابق بالکل صحیح واقع ہوئے،

پندرہویں پیشینگوئی آیت کریمہ:۔ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۭ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ،

(گذشتہ صفحہ کا حاشیہ صفحہ ہذا پر) [1] علامہ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ میں نقل کیا ہے کہ مسیلمہ کذاب نے یہ سُنا کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کنویں میں اپنا لعاب مبارک ڈالا تھا تو اس کا پانی خوب جاری ہوگیا تھا، اس نے ایک بہتے ہوئے کنویں میں اس غرض سے تھوکا کہ میں بھی یہ بات لوگوں سے کہہ سکوں گا، لیکن وہ کنواں خشک ہوگیا، ہمارے زمانے میں مرزا غلام احمد قادیانی کی مثال سامنے ہے کہ اس نے جتنی پیشینگوئیاں کی تھیں خدا کے فضل سے سب ہی جھوٹی ثابت ہوگئیں ۱۲

[1] سمجھنے کیسے، آیت مکی زندگی میں اُس وقت نازل ہورہی ہے جب مسلمان ہر طرف سے کفار کے شکنجوں میں کسے ہوئے تھے، اور اُف کرنے کی اجازت نہ تھی، اور پورے عزم وادّعاء کے ساتھ کہا یہ جارہا ہے کہ یہ

(بقیہ برصفحہ آئندہ)

"یہ لوگ (یعنی یہودی) کچھ تکلیف[۱] پہنچانے کے سوا تم کو اور کوئی نقصان ہرگز نہیں پہنچا سکیں گے، اور اگر تم سے لڑے تو تمھیں پیٹھ دکھا جائیں گے، پھر ان کی مدد نہیں کی جائے"

اس میں تین غیبی چیزوں کی خبر دی گئی، اوّل تو یہ کہ مسلمان یہود کے ضرر سے محفوظ و مامون رہیں گے، دوسرے یہ کہ اگر یہودی مسلمانوں سے لڑیں گے تو شکست کھائیں گے، تیسرے یہ کہ شکست کھانے کے بعد پھر کبھی ان کو قوت و شوکت نصیب نہیں ہوگی، پھر اسی طرح تینوں باتیں واقع ہوئیں،

سولہویں پیشگوئی

آیت کریمہ: ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَمَا ثُقِفُوٓا إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ،

ترجمہ: "ان (یہودیوں) پر ذلّت کا ٹھپّہ لگا دیا گیا ہے، جہاں بھی یہ پائے جائیں گے مگر ایک ایسے سبب سے جو اللہ کی طرف سے ہے، اور ایک ایسے سبب سے جو لوگوں کی طرف سے ہے[۲]، اور اللہ کے غضب کو لے کر لوٹے ہیں، اور ان پر مسکنت مسلّط کر دی گئی ہے"

چنانچہ خبر کے مطابق یہی واقع ہوا، کہ آج تک یہود کو کسی ملک کی سلطنت نصیب نہیں ہوئی، اور جس ملک میں بھی یہود موجود ہیں دوسری قوموں

(گذشتہ سے پیوستہ) سب منہ کی کھائیں گے، غور فرمائیے! کیا کوئی انسان ایسے وثوق کے ساتھ ایسی حالت میں یہ بات کہہ سکتا ہے؟ ۱۲ ت

[۱] تکلیف سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں گستاخی ہے یا مسلمانوں کو ڈرانا دھمکانا ۱۲ از مصنف رحمۃ اللہ علیہ

[۲] اللہ کی طرف سے جو سبب ہے اس سے مراد یہ ہے کہ یوں تو ہر یہودی لائق قتل ہے، مگر ان میں سے کمزوروں اور ان کے عابدوں کو قتل کے حکم سے اللہ نے مستثنیٰ کر دیا ہے، اور لوگوں کی طرف کے سبب سے مراد صلح و جزیہ وغیرہ ہے، تفصیل کیلئے دیکھئے بیان القرآن جلد اول،

کی رعایا بنے ہوئے اور ذلّت کی زندگی گذار رہے ہیں[1]

سترہویں پیشگوئی
اُحد کے دن مسلمانوں کا رعب

آیت شریفہ :۔ سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ ،

"ہم کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے"

یہ پیشینگوئی یوم احد میں دو طرح سے صادق آئی ، اوّل تو یہ کہ جب لڑائی کا نقشہ پلٹ گیا اور کفار مسلمانوں پر غالب آگئے، مسلمانوں کو شکست ہوگئی، تو اللہ تعالیٰ نے فاتح ہو جانے کے باوجود کافروں کے دلوں میں اتنا رعب اور خوف پیدا کر دیا کہ بلا وجہ مسلمانوں کو چھوڑ کر خود فرار ہو گئے ۔

دوسرے یہ کہ مکہ واپس ہوتے ہوئے راستہ میں ٹھہرے تو اپنی اس حرکت، اور بلا وجہ بھاگ آنے پر نادم ہوتے ہوئے کہنے لگے کہ تم نے سخت غلطی کی کہ ایسی حالت میں لوٹ آئے جب کہ تم مسلمانوں کی قوت توڑ چکے تھے ، اور ان میں بھاگنے والوں کے علاوہ اور کوئی نہ رہا تھا ، اب بھی مناسب ہے کہ واپس

---

[1] آجکل یہودیوں نے جو اسرائیل پر قبضہ جمالیا ہے اس سے غیر مسلموں کو اعتراض کا ایک بہانہ ہاتھ آگیا ہے ، لیکن اس بات پر غور نہیں کیا جاتا کہ یہ حکومت درحقیقت کس کی ہے ؟ وہ کون ہے جس نے اُسے قائم کرایا اور جو اُسے مسلسل سہارا دے رہا ہے ؟ اگر کوئی شخص واقعات سے بالکل ہی آنکھیں بند کر کے نہیں بیٹھا تو وہ دیکھ سکتا ہے کہ یہ حکومت یہودیوں کی نہیں، امریکہ اور برطانیہ کی ہے ، انھوں نے ہی اپنے مقاصد کے لئے اسے قائم کرایا ہے ، وہی اُسے چلا رہے ہیں، اور اسرائیل کے جغرافیائی محل وقوع کو دیکھئے تو فوراً پتہ چل جائے گا کہ اگر کسی روز امریکہ اور برطانیہ نے اس پر سے ہاتھ اُٹھا لیا تو اسی دن اس حکومت کا نام ونشان مٹ جائے گا ، ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کھلونے میں چابی بھر کر اُسے چلا دے تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کھلونے میں جان پڑ گئی ہے ، اور یہ دوڑنے بھاگنے کے قابل ہو گیا ہے ، اسرائیل کی مثال بالکل اُسی چابی بھرے کھلونے کی مانند ہے ، اُسے یہودیوں کی حکومت کہنا یا سمجھنا حقیقت کا منہ چڑانا ہے ، چنانچہ موجودہ حکومت کے باوجود دنیا بھر کی نگاہ میں یہودیوں کی ذلت میں کوئی

لوٹ کر مسلمانوں کو جڑ بنیاد سے ختم کر دیں، تاکہ آئندہ ان کو پنپنے کا موقع نہ مل سکے۔ مگر اللہ نے ان کو کچھ ایسا مرعوب کر دیا تھا کہ ہمت ہی نہ ہوئی، اور مکہ واپس چلے گئے۔

اٹھارہویں پیشگوئی
قرآن کی حفاظت

آیت کریمہ:۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ ط

"ہم نے ہی قرآن اُتارا ہے اور ہم ہی اسکی حفاظت کرنیوالے ہیں"

مطلب تھا کہ ہم قرآن کریم کی ایسی حفاظت کریں گے کہ اس میں تحریف یا کمی بیشی نہ ہو سکے گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا ہے اور دشمنانِ اسلام ملحدین معطلہ[1] اور قرامطہ[2] کو ہرگز اس کی مجال نہ ہو سکی کہ قرآن کریم میں ذرہ برابر تحریف کر سکیں، نہ تو

---

[1] معطلہ، وہ فرقہ جو خدا کی ذات کو تمام صفات سے خالی مانتا تھا یہ بھی دراصل قرامطہ کی ایک شاخ تھی جس کا تعارف اگلے حاشیہ میں ہے ۱۲ ت

[2] قرامطہ، ملحدین کا ایک گروہ ہے جسے باطنیہ بھی کہتے ہیں، تیسری صدی کے نصف سے لیکر پانچویں صدی تک یہ عالم اسلام کے لئے ایک زبردست مصیبت بنے رہے، ان کا سرگروہ میمون تھا، جس نے قرمط کو اپنے ساتھ ملاکر اس فرقے کی بنیاد ڈالی، اسی بناء پر اُسے قرامطہ کہتے ہیں، یہ لوگ عجیب قسم کے نظریات رکھتے تھے، ان کا کہنا تھا کہ دنیا کی ہر شے کے پیچھے دراصل ایک اور معنوی چیز کام کرتی ہے، کہتے تھے کہ خدا دو ہیں، ایک عقل اور ایک نفس، رہا باری تعالیٰ سو وہ نہ معدوم نہ موجود، نہ معلوم ہے نہ مجہول، قیامت، معجزات، وحی، نزول ملائکہ، ہر چیز کا انکار کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ درحقیقت قرآن کی آیتوں کے وہ معنی نہیں جو ظاہر میں معلوم ہوتے ہیں، بلکہ ان کے پوشیدہ معنی ہیں، لہٰذا قرآن میں جتنے فرائض ہیں اُن سے مراد فرقہ باطنیہ کے امراء کی اطاعت ہے، اور جتنے محرمات ہیں ان سے مراد حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اور باطنیہ کے علاوہ کسی شخص سے دوستی رکھنے کی حرمت ہے، حسن بن صباح بھی اسی فرقہ کا مشہور لیڈر رہے جس نے مشہور مصنوعی جنت قائم کی تھی، ان لوگوں نے مسلمانوں پر قتل و غارت گری کا ایک طوفان مچایا تھا جس کی مقاومت میں بہت سے مسلم بادشاہوں نے اپنی زندگیاں صرف کر دیں (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

اس کے کسی حروف کو بدل سکے، اور نہ آج تک اُس کے کسی اعراب کو متغیر کر سکے، حالانکہ بارہ سو اسی سال کا طویل عرصہ گذر چکا ہے، بخلاف توریت وانجیل وغیرہ اور دوسری کتابوں کے کہ وہ کبھی کی محرف ہو چکی ہیں، اللہ کی یہ بڑی قابلِ شکر نعمت ہے،

انیسویں پیشنگوئی

قرآن کریم ہی کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا:۔

لَا يَأْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ، تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝

ترجمہ:۔ "باطل نہ اس کے آگے سے آسکتا ہے نہ پیچھے سے، یہ ایک حکیم وحمید کی طرف سے اُتاری ہوئی کتاب ہے"

یہ پیشنگوئی بھی گذشتہ پیشنگوئیوں کی طرح پوری اُتری، "باطل" سے مراد تحریف وتبدیل ہی ہے[1]،

بیسویں پیشنگوئی

آیت کریمہ:۔ اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ،

ترجمہ:۔ "بلاشبہ جس ذات نے قرآن (کے احکام) آپ پر فرض کئے ہیں، وہ آپ کو دوبارہ لوٹائے گا"

منقول ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم غار سے[2] نکل کر دشمن کے تعاقب سے محفوظ رہنے کے لئے ایک غیر معروف راستہ پر تشریف لے گئے، اور پھر خطرہ سے محفوظ ہو جانے کے بعد عام راستے پر سفر کرتے ہوئے جحفہ[3] نامی مقام پر جو مکہ اور مدینہ کی درمیانی منزل ہے قیام فرمایا، اور مکہ جانے والی سڑک نظر آئی تو طبعی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وطن کی یاد آئی، اور اپنے اور والد بزرگوار کے مقام وطن

(گذشتہ سے پیوستہ) ذان کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو الملل والنحل للشہرستانی، ص ۳۳۳

[1] اور کامل ابن اثیر، ص ۱۱۷ ج ۱۰) یہاں مصنف رح کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ لوگ قرآن میں معنوی تحریفیں تو کرتے رہے، مگر لفظی تحریف کی مجال نہ ہو سکی، اور ان کی معنوی تحریفیں بھی ایک مختصر زمانہ کے بعد فنا ہو گئیں ۱۲ تقی [2] یعنی ہجرت کے وقت غار ثور سے نکل کر ۱۲ ت

[3] جحفہ آجکل جدہ سے جو پکی سڑک مدینہ جاتی ہے اس پر بدر سے نکلنے کے بعد سب سے بڑا پہلا شہر یہی ہے آج یہاں آباد

کی یاد نے پریشان کیا تو فوراً حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے، اور عرض کیا کہ کیا آپ کو وطن اور شہر کا اشتیاق ہو رہا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا بے شک، جبرئیل نے عرض کیا کہ آپ بالکل اطمینان رکھیں، حق تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ ہم آپؐ کو آپؐ کے وطن عزیز مکہ میں فاتحانہ داخل کریں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا،

اکیسویں پیشنگوئی یہودیوں کی تمنائے موت

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ، وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ، وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝

ترجمہ: "آپؐ فرما دیجئے کہ (اے یہودیو) اگر اللہ کے پاس صرف تمہارے لئے خالص طور پر دار آخرت ہے دوسرے لوگوں کے لئے نہیں تو تم موت کی تمنا کرو، اگر تم سچے ہو، اور یہ لوگ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہرگز موت کی تمنا نہ کریں گے، اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے"۔

آیت شریفہ میں تمنا سے مراد زبان سے موت کی آرزو کرنا ہے، غور کیجئے کہ ایک جانب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی دانشمندی، دور اندیشی، انجام بینی اور حزم واحتیاط جیسی صفات کی حامل ہے، جس کا اقرار ہر موافق و مخالف کو یکساں ہے، اس کے ساتھ ہی حضورؐ کا دنیا و آخرت میں جو بلند مقام ہے، اور دارین کی جو عظیم سرداری حضورؐ کو حاصل ہے، اس کے پیش نظر عقل اس بات کو ماننے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہے کہ اللہ کی طرف سے وحی کے ذریعہ کامل اطمینان اور یقین و وثوق حاصل کئے بغیر اپنے شدید ترین دشمنوں کو ایسی بات کا علی الاعلان چیلنج دیں کہ جس کا انجام آپؐ کو معلوم نہ ہو، اور آپؐ کو ہرگز یہ خوف لاحق نہ ہو کہ غلط ہونے کی صورت میں مخالفین اور دشمنانِ دین اس دلیل

لہ مذکورہ بالا آیت اسی وقت نازل ہوئی تھی، اور اس میں "معاد" سے مراد "مکہ مکرمہ" ہے، کما رواہ البخاری (جمع الفوائد ص ۱۰۷ ج ۲)

سے آپؐ کو مغلوب اور عاجز کر دیں گے، سمجھدار انسان، گو وہ نا تجربہ کار ہی کیوں نہ ہو، اس قسم کی دلیری نہیں کر سکتا، چہ جائیکہ وہ ذاتِ گرامی جو عقلاء دنیا کی سرتاج ہے، ظاہر ہے اس سے ایسی بد احتیاطی کی ہرگز توقع نہیں کی جا سکتی،

معلوم ہوا کہ آپؐ کو ایسے عظیم الشان چیلنج پر اس یقین اور وثوق نے آمادہ کیا جو آپؐ کو وحی کے ذریعہ حاصل ہوا تھا، اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ وہ لوگ آپؐ کے شدید ترین دشمن اور آپ کی تکذیب کے سب سے زیادہ حریص تھے، رات دن ان تدابیر میں غلطاں و پیچاں رہتے تھے جن سے اسلامی تحریک مٹ جائے یا مسلمان ذلیل ہوں، اور اس چیلنج میں جس چیز کا ان سے مطالبہ کیا گیا وہ بہت ہی آسان بات تھی، اس میں کوئی بھی دقت یا دشواری نہیں تھی،

اب اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے نزدیک اپنے دعوے میں سچے نہ ہوئے تو آپؐ کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے وہ اتنی معمولی سی بات زبان سے ضرور کہہ سکتے تھے، بلکہ بار بار علی الاعلان زبان سے موت کی تمنا کرنے میں ان کا کیا خرچ ہوتا تھا وہ ایسا کر کے ساری دنیا میں مشہور کر سکتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جھوٹے ہیں، اور یہ بات کہہ کر انہوں نے اللہ پر تہمت رکھی ہے اپنی طرف سے انھوں نے جوڑ کر خدا کی جانب اس قول کو منسوب کر دیا ہے،

مزید یہ کہ اس اعلان کے بعد بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی یوں فرماتے کہ خدا کی قسم اگر کوئی یہودی اس قسم کی تمنا زبان سے کرے گا فوراً مر جائے گا، اور کبھی ارشاد فرماتے کہ اگر یہود موت کی تمنا کرتے تو فوراً موت واقع ہو جاتی حالانکہ ہم لوگ ہزاروں مرتبہ موت کی تمنا کرتے ہیں، اور کبھی نہیں مرتے، یہود کی جانب سے تمنائے موت سے اعراض کرنے اور بھاگنے سے باوجودیکہ وہ آپؐ کی تکذیب کے سب سے زیادہ حریص تھے ثابت ہو گیا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے،

آیت شریفہ میں دو غیبی امور کی خبر گیری گئی ہے، اوّل یہ کہ وہ ہرگز تمنا

نہ کریں گے" یہ الفاظ اس امر پہ دلالت کر رہے ہیں کہ آئندہ زمانہ میں یہودی زبان سے موت کی تمنا ہرگز نہ کر سکے گا، معلوم ہوا کہ یہ فیصلہ تمام یہودیوں کے لئے عام ہے دوسرے یہ کہ یہ حکم جس طرح ہر یہودی کے لئے عام ہے اسی طرح ہر زمانہ کے لئے عام ہے،

بائیسویں پیشگوئی قرآن کا اعجاز

ارشاد ہوتا ہے:۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ط

(بقرہ ۵)

ترجمہ: "اور اگر تمھیں اس کلام کے بارے میں شک ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو اُس جیسی ایک سورت بنا لاؤ، اور اس غرض کے لئے اللہ کے سوا اپنے تمام حمائیتیوں کو بلا لو اگر تم سچے ہو، پھر اگر تم یہ کام نہ کر سکے، اور یقین ہے کہ ہرگز نہ کر سکو گے تو پھر اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، وہ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے"

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ کفار کبھی بھی قرآن کی سی ایک سورت نہ بنا سکیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا، یہ آیت چار لحاظ سے قرآن کے اعجاز پر دلالت کر رہی ہے:

① اوّل یہ کہ یہ بات ہم کو یقینی اور قطعی طور پر معلوم ہے کہ اہلِ عرب ایک تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین دشمن تھے، دوسرے آپ کے دین کو غلط اور باطل ثابت کرنے کے سب سے زیادہ حریص تھے، ان کا محض اس بنا پر اپنے عزیز وطن کو چھوڑنا، قبیلہ اور کنبہ سے جدا ہونا، اپنی قیمتی جانوں کو برباد کرنا ہمارے دعوے کے شاہد ہیں، پھر جب اس کے ساتھ حضور صلی اللہ

اور پھر اتنے زبردست چیلنج کو بھی پیش نظر رکھا جائے کہ تم ہرگز قرآن کا معارضہ نہیں کر سکو گے تو ظاہر ہے کہ پھر تو آپ کو اور قرآن
کو جھٹلانے کی خواہش زیادہ ہی ہو گی، پھر اگر وہ لوگ قرآن جیسا قرآن یا اس جیسی ایک سورت بنانے پر قادر ہوتے تو ضرور ایسے کرتے، مگر چونکہ ایسا نہ کر سکے تو قرآن کا اعجاز ثابت ہو گیا،

(۲) دوسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ نبوت کے معاملے میں ان کے نزدیک متہم اور مشتبہ تھے، لیکن ان لوگوں پر آپؐ کی فرزانگی اور انجام بینی خوب روشن تھی، پھر اگر آپؐ (معاذ اللہ) جھوٹے ہوتے تو اتنے زبردست اور شدید مبالغہ کے ساتھ ان کو چیلنج نہ کرتے، بلکہ اس حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لازمی طور سے اس متوقع ذلت کا اندیشہ ضرور ہوتا جس کا نقصان اور اثر آپؐ کے مجموعی کاموں پر ضرور پڑ سکتا ہے لہٰذا اگر آپؐ وحی کے ذریعہ ان لوگوں کے معارضہ سے ناکامی اور عاجزی کا علم نہ ہوا ہوتا تو ہرگز آپؐ اُن کو چیلنج کر کے مشتعل نہ کرتے،

(۳) تیسرے اگر آپ کو اپنے مسلک اور مشن کی حقانیت اور سچائی کا یقین نہ ہوتا تو آپؐ اس بات کا یقین نہیں کر سکتے تھے کہ وہ لوگ قرآن کا معارضہ نہیں کر سکیں گے، کیونکہ جھوٹا آدمی اپنی بات اور دعوٰی پر خود یقین نہیں کرتا، لہٰذا آپؐ کا اپنی بات پر یقین کرنا بڑی دلیل اس امر کی ہے کہ آپؐ کو اپنی نبوت اور اپنے مسلک کا یقین تھا،

(۴) چوتھے یہ کہ اس پیشینگوئی کے مطابق قرآن کے معارضہ سے ان کا عاجز ہونا یقینی اور قطعی ہے، کیونکہ عہدِ نبوی سے لے کر ہمارے زمانہ تک کوئی بھی وقت ایسا نہیں گزرا کہ دین اور اسلام کے دشمن بے شمار نہ ہوئے ہوں، جنھوں نے آپ کی عیب جوئی میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی ہو، پھر اسقدر شدید حرص کے باوجود کبھی بھی معارضہ نہ ہو سکا،

یہ چار وجوہ ایسی ہیں جو اعجاز قرآن پر دلالت کرتے ہیں، ان پیشینگوئیوں

سے ثابت ہو رہا ہے کہ قرآن کریم یقیناً اللہ کا کلام ہے، کیونکہ عادۃ اللہ یوں ہی چلی آتی ہے کہ نبوّت کا مدعی اگر کسی بات کی خبر دے اور اس کو جھوٹ اللہ کی طرف منسوب کرے تو [illegible] وہ خبر درست نہیں نکلتی۔

"اور اگر تو اپنے دل میں کہے کہ جو بات خداوند نے نہیں کہی ہے اُسے ہم کیونکر پہچانیں تو پہچان یہ ہے کہ جب وہ نبی خداوند کے نام سے کچھ کہے، اور اس کے کہے کے مطابق کچھ واقع یا پورا نہ ہو تو وہ بات خداوند کی کہی ہوئی نہیں، بلکہ اس نبی نے وہ بات خود گستاخ بن کر کہی ہے تو اُس سے خوف نہ کرنا"[1]

قرآن کریم کی چوتھی خصوصیّت، ماضی کی خبریں

چوتھی خصوصیّت وہ واقعات اور خبریں ہیں جو آپؐ نے گذشتہ قوموں اور ہلاک کی جانے والی امتوں کے بارے میں بیان کیں، حالانکہ یہ امر قطعی ہے کہ آپؐ اُمّی اور ناخواندہ تھے، کسی سے نہ کبھی پڑھا تھا، نہ اہلِ علم کے ساتھ درس و تدریس کا اتفاق ہوا، اور نہ فضلاء کی مجلسوں میں شرکت کا موقع ملا، بلکہ ایسے لوگوں میں پرورش پائی جو بُت پرست تھے، اور کتاب کو جانتے بھی نہ تھے، عقلی علوم بھی کسی سے نہ پڑھے تھے، نہ کبھی اپنی قوم سے اتنا عرصہ غائب رہے جس میں کسی شخص کے لئے علوم حاصل کرنے کا امکان ہو سکتا ہے[2]۔

رہے وہ مقامات جہاں پر قرآن حکیم نے گذشتہ واقعات کے بیان کرنے میں دوسری کتابوں کی مخالفت کی ہے جیسے کہ مسیح علیہ السّلام کے سولی دیئے جانے کا واقعہ، سو یہ مخالفت ارادی طور پر ہوئی ہے، اس لئے کہ بعض

---

[1] آیت ۲۱-۲۲　[2] بڑا ظلم کرتے ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب شام تشریف لے گئے تھے تو بحیراء راہب سے آپؐ نے ان واقعات کی تعلیم حاصل کی، اوّل تو اس مختصر سی

کتابیں تو اپنی اصلی شکل میں موجود ہی نہ تھیں، جیسے کہ توریت اور انجیل، یا پھر وہ الہامی نہ تھیں، اور ان میں واقعات غلط طریقے سے منقول تھے، ہمارے اس دعوے کا شاہد قرآن کریم کی حسب ذیل آیت ہے:۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ملاقات میں اتنے تفصیلی واقعات کا علم کیسے ممکن تھا؟ اور اگر آنکھیں بند کر کے یہ فرض کر لیا جائے کہ بحیراء نے اس مختصر سی ملاقات میں اپنا پورا علم حضورؐ کو سکھلا دیا تھا تو پھر اسکو تمام تفصیلات کے ساتھ یاد رکھنا اور موقع بموقع اُسے ظاہر کرنا کہ سر مُو اختلاف نہ ہو کیا اُسے عقل تسلیم کر سکتی ہے؟

بعض لوگوں نے قرآن دشمنی میں عقل و خرد کے ہر تقاضے کو بالائے طاق رکھ کر یہ کہدیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ علم نجی استاد (TUTAR) سے حاصل کیا تھا، لیکن سوال یہ ہے کہ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے تب تو وہ استاد ظاہر ہے کہ علم میں (معاذ اللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھا ہوا ہونا چاہیئے، اس لئے کہ خود انجیل میں ہے "شاگرد اپنے استاد سے بڑا نہیں ہوتا" (متی ۱۰: ۲۴) پھر وہ استاد اس وقت کہاں تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا بھر کے انسانوں اور جنّات کو چیلنج کر رہے تھے کہ ہمت ہو تو اس جیسا کلام بنا کر لاؤ، اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دعویٰ کہ قرآن وحی سے نازل ہوتا ہے، معاذ اللہ درست نہیں تھا تو اس استاد نے آگے بڑھ کر کیوں نہ کہدیا کہ انہوں نے مجھ سے علم حاصل کیا ہے، جو آنحضرتؐ سے بھی زیادہ بڑا عالم ہو اسکی تو پورے جزیرۂ عرب میں شہرت ہونی چاہیئے، اس کے بیشمار شاگرد ہونے چاہئیں ان شاگردوں میں سے بھی کسی نے یہ راز کیوں فاش نہیں کر دیا؟ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو کوئی دولت یا اقتدار کا لالچ دیا تھا؟ مگر آپؐ کے تیرہ سال تو سخت ترین فقر و فاقہ افلاس اور معاشی مشکلات میں گزرے، کیا ایسی حالت میں کوئی شخص دولت و اقتدار کے لالچ میں آسکتا ہے؟ پھر کیا وہ لوگ آپؐ پر ایمان لا چکے تھے؟ اگر ایمان لے آئے تھے تو انہوں نے کونسی چیز آپؐ میں ایسی دیکھی تھی جس نے انہیں ایمان لانے پر مجبور کیا؟ یہ وہ سوالات ہیں جن پر اگر ایک کم عقل سے کم عقل انسان بھی غور کرے گا تو اُسے حقیقت تک پہونچنے میں دیر نہیں لگے گی، ۱۲ تقی

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ،

ترجمہ: "بلا شبہ یہ قرآن بنی اسرائیل پر اکثر وہ واقعات بیان فرماتا ہے جن میں وہ آپس میں اختلاف رکھتے ہیں"،

پانچویں خصوصیت دلوں کے بھید

قرآن کریم میں منافقین کی مخفی اور پوشیدہ باتوں کی قلعی کھولی گئی ہے، یہ لوگ اپنی خفیہ مجلسوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو متفقہ سازشیں اور مکاری و حیلہ سازی کرتے تھے حق تعالیٰ شانہٗ ان تمام مشوروں اور سازشوں کی اطلاع ایک ایک کرکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی کرتے رہتے تھے، اور آپؐ ان کی سازشوں کو طشت از بام کرتے تھے، یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پردہ دری میں سچائی کے سوا کچھ نہ پاتے تھے، اسی طرح قرآن میں یہود کے احوال کا انکشاف اور اُن کے اندرونی اور قلبی ارادوں اور نیتوں کا بھانڈا پھوڑا گیا ہے[1]،

چھٹی خصوصیت

قرآن حکیم میں ان علوم کلیہ اور جزئیہ کو جمع کر دیا گیا ہے، جو اہل عرب کے یہاں معروف و مروّج نہ تھے، بالخصوص حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ان علوم سے قطعی ناآشنا تھے، یعنی علومِ شرعیہ کے دلائلِ عقلیہ پر تنبیہ، سوانح اور مواعظ، احوالِ آخرت، اخلاقِ حسنہ، اس سلسلے میں تحقیقی بات یہ ہے کہ علوم یا تو دینی ہوتے ہیں، یا اس کے علاوہ دوسرے علوم، اور ظاہر ہے مرتبہ اور درجہ کے لحاظ سے علومِ دینی اعلیٰ اور ارفع ہیں، جن کا مصداق علومِ عقائد ہیں، یا علومِ اعمال، اور عقائدِ دین کا حاصل اللہ اور اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں اور یومِ آخرت کی پہچان اور شناخت ہے، اللہ کی معرفت سے مراد اس کی ذات اور صفات جلال و جمال کی معرفت ہے، اسی طرح اس کے احکام اور اور اسماء کی معرفت، اور قرآن ان سب کے دلائل اور تفصیلات اور تفریعات پر

[1] اس کی مثالیں دیکھنی ہوں تو سورۂ توبہ اور سورہ انفال کا مطالعہ فرمائیے ۱۲ تقی

پر اس طرح مشتمل ہے کہ جس کی نظیر دوسری سماوی کتابوں میں نہیں ملتی[1]، بلکہ اس کے قریب قریب بھی کوئی کتاب نہیں پہونچتی، رہا علمِ اعمال، سو یا تو اس کا مصداق ان تکالیف اور ذمہ داریوں کا جاننا ہے، جن کا تعلق ظاہری احکام سے ہے یعنی علمِ فقہ، اور ظاہر ہے کہ تمام فقہاء نے اپنے مباحث قرآن ہی سے مستنبط کئے ہیں، یا علمِ تصوف ہو سکتا ہے، جس کا تعلق تصفیۂ باطن اور قلوب کی ریاضت سے ہے، قرآن کریم میں اس علم کے مباحث بھی اسقدر کثرت سے موجود ہیں جس کی مثال کسی کتاب میں نہیں مل سکتی، مثلاً آیت خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ،

یا آیت اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ،

یا آیت شریفہ لَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ

اس میں اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ سے مراد یہ ہے کہ ان کی حماقت وجہالت کو اچھی خصلت یعنی صبر کے ساتھ دفع کیجئے، اور بدی کے عوض بھلائی کیجئے، اور فَاِذَا الَّذِیْ الخ کا حاصل یہ ہے کہ جب تم ان کی بدی کا جواب حسن سلوک سے دو گے اور بُری حرکتوں کے مقابلہ میں اچھا بدلہ دو گے تو وہ اپنے افعالِ قبیحہ سے باز آجائیں گے، اُن کی عداوت ودشمنی محبت سے، اور ان کا بغض دوستی سے بدل جائے گا، اس قسم کے اقوال قرآن میں بکثرت ہیں،

ثابت ہو گیا کہ قرآن کریم تمام علوم نقلیہ کا جامع ہے، خواہ وہ اصول ہوں یا فروع، نیز اس میں مختلف دلائل عقلیہ پر بھی جابجا تنبیہات[2] پائی جاتی ہیں، اور گمراہوں کا رد براہینِ قاطعہ سے کیا گیا ہے، جو آسان اور سہل ہونے کے علاوہ

[1] یعنی ان کتابوں میں جنھیں سماوی کہا جاتا ہے جیسے بائبل ۱۲ ت

[2] علامہ سیوطیؒ نے الاتقان میں قرآن کریم کی تمام اقسام کے عقلی دلائل اور اس کے مستنبط ہونے والے علوم

مختصر بھی ہیں،

مثلاً: اَوَلَيْسَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ

"کیا وہ ذات جس نے آسمان وزمین پیدا کئے، اس بات پر قادر نہیں کہ ان جیسوں کو دوبارہ پیدا کر دے[1]"

یا مثلاً:- قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِىْ اَنْشَاَهَا اَوَّلَ مَرَّةٍ ،

"آپ فرما دیجئے کہ ان (ہڈیوں) کو وہی (دوبارہ) زندہ کرے گا جس نے انھیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا"

یا مثلاً: لَوْكَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ، "اگر آسمان وزمین میں اللہ کے علاوہ اور معبود ہوتے تو ان دونوں کا نظام درہم برہم ہو جاتا"۔

کسی شاعر نے قرآن کے حق میں بالکل درست کہا ہے کہ ؎

جَمِيْعُ الْعِلْمِ فِى الْقُرْاٰنِ لٰكِنْ[2]
تَقَاصَرَ عَنْهُ اَفْهَامُ الرِّجَالِ

ساتویں خصوصیت

قرآن کریم اتنی بڑی ضخیم کتاب ہونے اور مختلف النوع علوم کا مجموعہ ہونے کے باوجود یہ کمال اور خصوصیت رکھتا ہے کہ اس کے مضامین اور مطالب اور بیانات میں نہ کوئی اختلاف وتضاد ہے، نہ تباین وتفاوت، اگر یہ انسانی کلام ہوتا تو لازمی طور پر اس کے بیان میں تناقض اور آیات میں تعارض ہوتا، اتنی بڑی اور طویل کتاب اس قسم کی کمزوری سے خالی نہیں ہو سکتی لیکن چونکہ قرآن میں اس تفاوت واختلاف کا کوئی بھی شائبہ نہیں پایا جاتا، اس لئے ہم کو قرآن کے منجانب اللہ ہونے کا جزم ویقین ہو جاتا ہے یہی بات خود قرآن کی آیت ذیل میں کہی گئی ہے،

[1] آخرت میں مردوں کے دوبارہ زندہ ہونے پر اہل عرب تعجب کیا کرتے تھے اس کا جواب دیا جا رہا ہے ۱۲ تقی

[2] تمام ہی علوم قرآن میں موجود ہیں، لیکن لوگوں کی عقلیں اُن تک رسائی حاصل کرنے سے عاجز رہ جاتی ہے ۱۲ ت

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا،

"تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یہ لوگ اس میں بہت اختلاف پاتے"۔

اوپر قرآن کریم کی جو سات خصوصیات بیان کی گئی ہیں انہی کے بارے میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ،

"اس (قرآن) کو اس ذات نے اُتارا ہے جو آسمانوں اور زمین میں چھپے ہوئے بھید کو جانتی ہے"۔

کیونکہ اس قسم کی بلاغت اور اسلوب عجیب اور غیبی امور کی اطلاع، مختلف النوع علوم پر حاوی ہونا، اور باوجود اتنی بڑی کتاب ہونے کے اختلاف و تناقض سے پاک ہونا، ایسی خصوصیت والا کلام اسی ذات سے صادر ہو سکتا ہے جس کا علم اسقدر ہمہ گیر اور محیط ہو کہ آسمان و زمین کا کوئی ذرّہ اس کے علم سے غائب اور باہر نہ ہو،

آٹھویں خصوصیّت، بقاء دوام

قرآن کی آٹھویں خصوصیّت اس کا دائمی معجزہ ہونا، اور قیامت تک اس کا باقی رہنا، اور تلاوت کیا جانا اور اللہ تعالیٰ کا اسکی حفاظت کا ضامن ہونا ہے، دوسرے انبیاء علیہم السلام کے معجزات وقتی اور ہنگامی تھے اپنے اپنے اوقات میں ظاہر ہو کر ختم ہو گئے، آج ان کا کوئی نشان ان کا تاریخی صفحات کے سوا اور کہیں دستیاب نہیں ہو سکتا، اس کے برعکس قرآنی معجزہ نزول کے وقت سے موجودہ دور تک جس کی مدت بارہ سو[1] اسّی سال ہوتے ہیں، اپنی اصلی حالت پر قائم ہے۔ اور تمام لوگ

[1] بلکہ اب تو پورے چودہ سو ۱۴ سال ہو چکے ہیں ۱۲ تقی

آج تک اس کے معارضہ سے عاجز و قاصر رہے، حالانکہ اس طویل عرصہ میں ہر ملک میں اہلِ زبان اور فصحا و بلغاء بکثرت ہوتے رہے جن میں اکثر بد دین معاند اور مخالف تھے، مگر یہ سدا بہار معجزہ جوں کا توں موجود ہے، اور انشاء اللہ تعالیٰ تا قیامِ قیامت موجود رہے گا،

اس کے علاوہ چونکہ قرآنِ کریم کی ہر چھوٹی سے چھوٹی سورۃ مستقل طور پر معجزہ ہے بلکہ چھوٹی سورۃ کے بقدر قرآن کا ہر جزو معجزہ ہے، اس لئے تنہا قرآنِ کریم دو ہزار سے زیادہ معجزات پر مشتمل ہے،

نویں خصوصیّت ہر مرتبہ نیا کیف

قرآن کریم کی نویں خصوصیّت یہ ہے کہ قرآن کریم کا پڑھنے والا نہ خود تنگ دل ہوتا ہے، اور نہ اس کا سننے والا اس کے سننے سے اکتاتا ہے، بلکہ جسقدر بار بار اور مکرر پڑھا جائے قرآن کریم سے انس اور محبت بڑھتی جاتی ہے[۱]

وخیر جلیس لا یُمَلُّ حدیثُه
وترداده یزداد فیه تجمّلا

اس کے برعکس دوسرے کلام خواہ کتنے ہی اعلیٰ درجہ کے بلیغ کیوں نہ ہوں ان کا ایک سے زیادہ بار تکرار کانوں کو ناگوار اور طبیعت کو گراں معلوم ہوتا ہے، لیکن اس کا ادراک صرف ذوقِ سلیم رکھنے والے لوگ ہی کر سکتے ہیں،

دسویں خصوصیّت

قرآن کریم کی دسویں خصوصیّت یہ ہے کہ وہ دعوے اور دلیل کو جامع ہے، چنانچہ اس کا پڑھنے والا اگر معانی کو سمجھتا ہو تو بیک وقت ایک ہی کلام میں دعویٰ اور دلیل دونوں کا مقام اور نشان اس کے مفہوم اور منطوق سے پا جاتا ہے، یعنی اسکی بلاغت سے اس کے اعجاز پر اور معانی سے اللہ کے امر و نہی اور وعدے وعید پر استدلال کرتا جاتا ہے،

---

[۱] وہ بہترین مصاحب اور ہمنشین ہے جس کی دلنشین باتوں سے کبھی دل نہیں اکتاتا، بلکہ اُسے جتنی بار پڑھا جائے اتنا ہی اس میں حُسن و جمال بڑھتا ہے ۱۲ ت

گیارہویں خصوصیت حفظ قرآن

متعلمین اور طالبین کے لیئے اس کا آسانی اور سہولت کے ساتھ یاد ہو جانا، آیت ذیل میں باری تعالیٰ نے اس چیز کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے کہا ہے کہ :-

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ

اور بلاشبہ ہم نے قرآن کریم کو نصیحت کیلئے آسان کر دیا۔

چنانچہ بہت ہی قلیل مدت میں کم عمر اور چھوٹے چھوٹے بچوں کا اس کو یاد کر لینا ہر شخص دیکھ سکتا ہے، اس امت میں اس دور میں بھی جب کہ اسلام بہت ہی انحطاط کی حالت سے گذر رہا ہے، اکثر علاقوں میں ایک لاکھ سے زیادہ حفاظ ایسے پائے جاتے ہیں کہ پورے قرآن کریم کا اول سے آخر تک محض ان کی یادداشت سے لکھا لکھا جانا اور قلم بند کیا جانا ممکن ہے، اور کیا مجال ہے کہ اس میں ایک اعراب یا نقطہ کا بھی فرق ہو جائے، چہ جائیکہ الفاظ اور کلمات میں کمی بیشی یا تفاوت،

اس کے برعکس سارے یورپ کے ممالک میں مجموعی طور پر انجیل کے حافظ اتنی تعداد میں بھی نہیں مل سکتے جس قدر حفاظ مصر کی کسی چھوٹی سی بستی میں بآسانی ملتے ہیں جب کہ اس کے ساتھ یہ بھی پیشِ نظر رکھا جائے کہ عیسائی دنیا فارغ البال اور خوشحال ہے، اور ان کی توجہات علوم و فنون اور صنعتوں کی جانب تین صدیوں سے بیش از بیش ہیں، یہ امتِ محمدیہ پر حق سبحانہٗ تعالیٰ کا کھلا ہوا انعام ہے،

بارہویں خصوصیت خشیت انگیزی

بارہویں خصوصیت وہ خشیت اور ہیبت ہے جو اسکی تلاوت کے وقت سننے والوں کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے اور پڑھنے والوں کے دل ہمار دیتی ہے، حالانکہ یہ خشیت اور ہیبت ان لوگوں پر بھی طاری ہوتی ہے جو قطعاً اس کے معانی نہیں سمجھتے، اور نہ اس کے مطالب تک اُن کے ذہن رسائی پاتے ہیں، چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ پہلی بار قرآنِ کریم کو سُنکر شدتِ تاثر کی بناء پر قبولِ اسلام پر مجبور ہو گئے، اور بعض لوگ اگرچہ اس وقت مشرف باسلام نہ ہوئے، مگر کچھ عرصہ بعد

اس کی کشش نے اسلام کا طوقِ اطاعت اُن کی گردنوں میں ڈال ہی دیا،

سُنا گیا ہے کہ کسی عیسائی کا ایک قرآن خوان کے پاس سے گزر ہوا، عیسائی کلام پاک کو سُنکر بے خود ہو گیا، اور زار و قطار رونے لگا، اس سے رونے کا سبب پوچھا گیا تو کہا کہ کلامِ خداوندی کو سُنکر مجھ پر زبردست ہیبت اور خشیت طاری ہوئی جس نے مجھے رُلا دیا،

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے جب شاہِ حبش نجاشی اور اس کے درباریوں کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت فرمائی تو یہ عالم تھا کہ پورا دربار تاثر میں ڈوبا ہوا تھا اور مسحور تھا، بادشاہ اور تمام اہلِ دربار برابر اس وقت تک روتے رہے جب تک حضرت جعفر رضی تلاوت کرتے رہے[1]،

یہی نہیں، بلکہ اس کے بعد شاہ حبش نے مذہب نصرانیت کے ستر علماء کو براہِ راست اس معاملہ کی تحقیق اور مشاہدہ کے لئے خدمت نبوی میں بھیجا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے سورۂ یٰسین کی تلاوت فرمائی، وہ سب علماء برابر روتے رہے، اور بے اختیار مسلمان ہو گئے، انہی بزرگوں کی شان میں یہ آیات نازل ہوئیں[2]

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ؕ

ترجمہ: "اور جب یہ لوگ رسول ؐ پر نازل ہونے والے کلام کو سُنتے ہیں تو تم دیکھو گے کہ ان کی آنکھیں حق شناسی کی وجہ سے آنسوؤں سے لبریز ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے، اس لئے ہمیں بھی (محمدؐ کی) تصدیق کرنیوالوں میں لکھ لیجئے۔

[1] نیز نجاشیؓ نے قرآن سُننے کے بعد کہا کہ "یہ کلام اور موسیٰ علیہ پر نازل ہونے والا کلام ایک ہی ڈیوٹ سے نکلے ہیں، رواہ احمد عن ام سلمہ رضؓ فی حدیث طویل (جمع الفوائد ص ۲۷، ج ۲)

[2] حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی تفسیر کے مطابق۔ (دیکھئے تفسیر کبیر ص ۴۳۶، ج ۳

اسی طرح اس سے قبل ہم جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ، عتبہ ابن مقفع، یحییٰ بن حکم، غزالی کے واقعات اور ان کی شہادتیں قرآن کریم کی حقانیت کے سلسلے میں بیان کر چکے ہیں،

قاضی نور اللہ شوستری نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ علامہ علی القوشجی جس وقت ماوراء النہر سے روم کی جانب روانہ ہونے لگے، تو ان کی خدمت میں ایک یہودی عالم اسلام کی تحقیق کے لئے آیا، اور علامہ موصوف سے برابر ایک مہینے تک مناظرہ کرتا رہا، اور ان کے دلائل میں سے کسی دلیل کو تسلیم نہیں کیا، اتفاق سے ایک روز وہ یہودی علامہ موصوف کی خدمت میں علی الصّباح حاضر ہوا، اس وقت علاّمہ موصوف اپنے مکان کی چھت پر قرآن کریم کی تلاوت میں مصروف تھے، اگرچہ علاّمہ کی آواز نہایت ہی بھونڈی اور کریہہ تھی، مگر جونہی وہ یہودی عالم دروازے میں داخل ہوا، اور قرآنی کلمات اس کے کانوں میں پڑے، اس کا قلب بے اختیار ہو گیا اور قرآن نے اس کے دل میں اپنی جگہ پیدا کر لی، علامہ موصوف کے پاس پہونچتے ہی اُس نے پہلی درخواست یہی کی کہ مجھ کو مشرف باسلام کر لیجئے، علامہ نے ان کو مسلمان کر لیا، پھر اس کا سبب دریافت کیا، کہنے لگا کہ میں نے پوری زندگی میں آپ سے زیادہ مکروہ اور بھونڈی آواز کسی کی نہیں سُنی، اس کے باوجود آپ کے دروازے پر پہونچتے ہی الفاظِ قرآن جوں ہی میرے کانوں میں پڑے میرے قلب کو اپنی شدت تاثیر سے مسخر کر لیا، مجھ کو اس کے وحی ہونے کا یقین ہو گیا،

ان واقعات سے ثابت ہوا کہ قرآن کریم معجزہ ہے، اور کلامِ خداوندی ہے اور کیوں نہ ہو؟ جب کہ کسی کلام کی خوبصورتی اور اچھائی تین وجہ سے ہوا کرتی ہے، یعنی اُس کے الفاظ فصیح ہوں، اسکی ترتیب و تالیف پسندیدہ ہو، اس کے مضامین پاکیزہ ہوں، یہ تینوں چیزیں قرآن کریم میں بلاشبہ موجود ہیں،

(صفحہ ہذا کے حاشیے بر صفحہ آئندہ)

خاتمہ، تین مفید باتیں

اعجازِ قرآن کی حکمت

ہم اس فصل کو تین فوائد کے بیان پر ختم کرتے ہیں، اوّل یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلاغت والا معجزہ عطا کئے جانے کی وجہ یہ ہے کہ عام طور سے انبیاء علیہم السلام کو اس جنس سے معجزے عطا کئے جاتے ہیں جو اس زمانہ میں ترقی پر ہو، کیونکہ وہ لوگ اس کے سبب سے اعلیٰ درجے تک پہنچ جاتے ہیں، اُن کو یہ احساس ہو جاتا ہے کہ اس فن میں وہ آخری حد کونسی ہے، جہاں تک انسانی رسائی ممکن ہے، پھر جب لوگ کسی کو اس حد سے نکلا ہوا پاتے ہیں تو سمجھ لیتے ہیں کہ یہ انسانی فعل نہیں ہے، بلکہ منجانب اللہ ہے،

جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں سحر اور جادو کا زور تھا، اور لوگ اس میں کمال پیدا کرتے تھے، ماہر جادوگروں نے اس حقیقت کو پالیا تھا، جادو کی آخری حد "تخئیل" ہے، یعنی ایک بے اصل چیز کا نظر آنا، جس کا حاصل "نظر بندی" ہے انھوں نے موسیٰ ؑ کی لاٹھی کو اژدہا بنا ہوا دیکھا جو اُن کے مصنوعی جادو کے سامان کو نگل رہا تھا، اُن کو یقین آگیا کہ یہ حدِ سحر سے خارج اور منجانب اللہ معجزہ ہے، نتیجہ یہ کہ وہ لوگ ایمان لے آئے،

(صفحہ گذشتہ کے حاشیے) ؎ قاضی نور اللہ شوستری، شیعہ کے مشہور عالم، لاہو میں شاہ اکبر نے قاضی بنایا تھا، پھر جہانگیر نے قتل کرادیا پیدائش ۱۵۴۹ء وفات ۱۰۱۹ھ، شیعہ حضرات انھیں شہید ثالث کہتے ہیں ۱۲

؎ "علاء الدین علی بن محمد قوشجی" کرمان میں علم حاصل کیا، پھر قسطنطنیہ آگئے، خاص طور سے ریاضی علوم میں مشہور ہیں، طوسی کی تجرید الکلام پر اُنکی شرح معروف ہے، وفات ۱۴۷۴ء، ۱۲ تقی

اس کے برعکس فرعون چونکہ اس فن کا ماہر اور کامل نہ تھا، اس لئے اس نے اس معجزہ کو بھی "سحر" خیال کیا، صرف اس قدر فرق محسوس کیا کہ جادوگروں کے جادو سے موسیٰ علیہ السلام کا جادو بڑا اور عظیم ہے،

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں فن طب کمال کے نقطہ پر پہنچ چکا تھا، اس علم میں اہلِ زمانہ کمال پیدا کرتے، اور اس کی آخری حد تک پہونچ جاتے تھے، پھر جب انھوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے مُردوں کو زندہ کر دینے اور کوڑھیوں کو تندرست کر دینے والے محیر العقول کارنامے مشاہدہ کئے، تو اپنے کمالِ فن سے انھوں نے اندازہ کر لیا کہ اس حد تک فن طب کی رسائی نہیں ہو سکتی، لہٰذا یہ منجانب اللہ معجزہ ہے،

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں زبان دانی اور فصاحت و بلاغت کا عروج تھا، چنانچہ لوگ اس میں کمال پیدا کر کے ایک دوسرے کو مقابلے کا چیلنج دیتے تھے، بلکہ یہ چیز ان کے لئے سرمایۂ فخر و مباہات شمار کی جاتی تھی چنانچہ اسی سلسلے میں وہ سات[1] مشہور قصیدے خانۂ کعبہ میں محض اسی لئے لٹکائے گئے تھے، کہ ان کا کوئی معارضہ نہیں کر سکتا، اور اگر کسی میں طاقت ہے تو ان کا جواب لکھ کر یہاں آویزاں کر دے، پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا بلیغ کلام پیش کیا، جس نے تمام بلغاء کو اس کے معارضہ سے عاجز کر دیا، تو چونکہ وہ لوگ انسانی بلاغت کی آخری حد کو جانتے تھے، قرآنی بلاغت کو انھوں نے اس سے برتر پایا، تو یقین کر لیا کہ یہ انسانی کلام نہیں ہے بلکہ معجزہ ہے،

---

[1] انہی قصیدوں کو "المُعَلَّقَاتُ السَّبْعَۃ" کہا جاتا ہے، زوزنی نے اپنی شرح میں یہ روایت نقل کی ہے کہ ان قصیدوں کو خانہ کعبہ میں اس غرض سے لٹکایا گیا تھا کہ کسی میں ہمت ہو تو اُن کے مقابلے کے قصیدے کہہ کر لائے ۱۲ تقی

قرآن کریم ایک دم کیوں نازل نہیں ہوا؟

دوسرا فائدہ

قرآن کریم کا نزول تھوڑی تھوڑی مقدار میں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر تیئیس ۲۳ برس میں ہوا، تمام قرآن ایک دم نازل نہیں ہوا، اس کی چند وجوہ ہیں:-

(۱) ــــــ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ پڑھے لکھے نہ تھے، اس لئے اگر سارا قرآن ایک دم نازل ہوتا تو اندیشہ تھا کہ آپؐ اس کو ضبط اور محفوظ نہ کر سکیں گے، بھول جانے کے قوی امکانات تھے،

(۲) ــــــ اگر قرآن کریم پورا ایک دم نازل ہوتا تو ممکن تھا کہ آپؐ لکھے ہوئے پر اعتماد کرتے اور یاد کرنے میں پورا اہتمام نہ ہوتا، اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے تھوڑا تھوڑا نازل کیا تو بسہولت اس کو محفوظ کر لیا، اور تمام اُمّت کے لئے حفظ کی سنّت جاری ہو گئی،

(۳) ــــــ پورا قرآن ایک دم نازل ہونے کی صورت میں اگر سارے احکام بھی اسی طرح ایک بار نازل ہوتے تو مخلوق کے لئے دشواری اور گرانی پیدا ہو جاتی، تھوڑا تھوڑا نازل ہونے کی وجہ سے احکام بھی تھوڑے تھوڑے نازل ہوئے اس لئے ان کا تحمل اُمّت کے لئے آسان ہو گیا، ایک صحابیؓ سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر بڑا احسان و کرم ہے، ورنہ ہم لوگ مشرک تھے، اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پورا دین اور سارا قرآن ایک دم لے آتے تو ہمارے لئے بڑا دشوار ہو جاتا، اور اسلام قبول کرنے کی ہمت نہ ہوتی، بلکہ ابتداء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو صرف توحید کی دعوت دی، جب ہم نے اس کو قبول کر لیا اور ایمان کی دعوت اور اس

کی شیرینی کا ذائقہ چکھ لیا، تو اس کے بعد آہستہ آہستہ تمام احکام ایک ایک کرکے قبول کرتے چلے گئے، یہاں تک کہ دین کامل اور مکمل ہوگیا،

(۴) ـــــ جب آپؐ وقتاً فوقتاً جبرئیل علیہ السلام سے ملاقات کرتے تو ان کے بار بار آنے سے آپؐ کے دل کو تقویت حاصل ہوتی، جس کی وجہ سے اپنے فریضۂ تبلیغ کی ادائیگی میں آپؐ مضبوطی کے ساتھ مستعد رہے، اور جو مشقتیں نبوت کا لازمہ ہیں ان پر صبر کرنے اور قوم کی ایذا رسانی پر ثابت قدم رہنے میں پختہ رہے۔

(۵) ـــــ جب باوجود تھوڑا تھوڑا نازل ہونے کے اس میں اعجاز کی شرائط پائی گئیں تو اس کا معجزہ ہونا ثابت ہوگیا، کیونکہ اگر لوگ اس کے معارضہ پر قادر ہوتے تو بڑی آسانی کے ساتھ تھوڑی مقدار میں نازل شدہ حصّے کے برابر کوئی کلام بنا سکتے تھے،

(۶) ـــــ قرآن کریم ان کے اعتراضات اور موجودہ زمانے میں پیش آنے والے واقعات کے مطابق نازل ہوتا رہتا تھا، اس طریقے پر ان کی بصیرت میں ترقی اور اضافہ ہو جاتا تھا کیونکہ، اس صورت میں قرآنی فصاحت کے ساتھ غیبی امور کی اطلاع اور پیشنگوئی بھی شامل ہوتی جاتی تھی،

(۷) ـــــ قرآن کریم جب تھوڑی تھوڑی مقدار میں نازل ہوتا، اور اُدھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے معارضہ کا چیلنج شروع ہی سے دیا تھا، تو گویا آپؐ نے قرآن کے ہر ہر جُزو کے بارے میں مستقل چیلنج کیا، جب وہ لوگ ایک ایک جُزو کے معارضے سے عاجز آگئے تو سارے قرآن کے معارضہ سے ان کا عاجز ہونا بدرجۂ اولیٰ معلوم ہوگیا، اسطرح لوگوں کا نفسِ معارضہ سے عاجز ہو جانا قطعی ثابت ہوگیا،

(۸) ـــــ اللہ اور اس کے نبیوں کے درمیان سفارت کا منصب ایک عظیم الشان اور جلیل القدر عہدہ ہے، اب اگر قرآن کریم ایک دم نازل ہوتا تو جبرئیل علیہ السلام سے اس منصب اور عہدے کے شرف سے محروم ہو جانے کا احتمال

تھا، قرآن کے تھوڑی تھوڑی مقدار میں نازل ہونے کی وجہ سے جبریئل علیہ السلام کے لئے یہ شرف باقی رہا،

قرآن کے مضامین میں تکرار کیوں ہے؟

تیسرا فائدہ

قرآن کریم میں مسئلہ توحید، احوالِ قیامت، اور انبیاء علیہم السلام کے واقعات کا بیان متعدد مقامات پر بار بار اس لئے آیا ہے، اہلِ عرب عام طور پر مشرک اور بُت پرست تھے، ان تمام چیزوں کے منکر تھے، اہلِ عجم میں سے بعض اقوام جیسے ہندوستانی و چین کے لوگ اور آتش پرست اہلِ عرب ہی کی طرح بُت پرست اور مشرک تھے، اور ان باتوں کے انکار میں اہل عرب ہی کی طرح تھے، اور بعض قومیں جیسے عیسائی ان اشیاء کے اعتقاد میں افراط و تفریط میں مبتلا تھے، اس لئے ان مضامین کی تحقیق و تاکید کے لئے مسائلِ توحید و معاد وغیرہ کو بار بار بکثرت بیان کیا گیا، پیغمبروں کے واقعات بار بار بیان کئے جانے کے اور بھی اسباب ہیں، مثلاً، چونکہ قرآن کریم کا اعجاز بلاغت کے لحاظ سے بھی تھا، اور اس پہلو سے بھی معارضہ مطلوب تھا، اس لئے قصص کو مختلف پیرایوں اور عبارتوں میں بیان کیا گیا ہے، اختصار اور تطویل کے اعتبار سے ہر عبارت دوسری سے مختلف ہونے کے باوجود بلاغت کے اعلیٰ معیار پر پہونچی ہوئی ہے، تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ انسانی کلام نہیں ہے، کیونکہ ایسا کرنا بلغاء کے نزدیک انسانی طاقت، اور قدرت سے خارج ہے، دوسرے یہ کہ ان کو یہ کہنے کی گنجائش تھی کہ جو فصیح الفاظ اس قصے کے مناسب تھے، ان کو آپ استعمال کر چکے ہیں، اور اب دوسرے الفاظ اس قصّہ کے لائق باقی نہیں رہے، یا یہ کہ ہر بلیغ کا طریقہ دوسرے بلیغ طریقے کے مخالف ہوتا ہے، بعض اگر طویل عبارت پر قادر ہوتے ہیں تو دوسرے صرف مختصر عبارت پر قدرت

رکھتے ہیں، اس لئے کسی ایک نوع پر قادر نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ دوسری نوع پر بھی قادر نہیں ہے،

یا یہ کہہ سکتے تھے کہ واقعات اور قصص کے بیان کرنے میں بلاغت کا دائرہ تنگ ہے اور آپؐ کو اگر ایک آدھ مرتبہ قصص کے بیان کرنے پر قدرت ہوگئی تو تو یہ محض بخت و اتفاق ہے، لیکن جب قصص کا بیان اختصار و تطویل کی رعایت کے ساتھ بار بار ہوا تو گذشتہ تینوں شبہات اس سلسلے میں باطل ہوگئے،

تیسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قوم کی ایذا رسانی کی وجہ سے تنگ دل ہوتے تھے، چنانچہ حق تعالیٰ شانہٗ نے آیت "وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ"[1] میں اس کی شہادت دی ہے، اس لئے اللہ تعالےٰ مختلف اوقات میں انبیاء علیہم السلام کے واقعات میں سے کوئی واقعہ بیان فرماتے جاتے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس وقت کے حسب حال ہوتا ہے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دلجمعی اور تسلّی حاصل ہو، چنانچہ اسی غرض کی جانب آیت ذیل میں اشارہ فرمایا گیا ہے:

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَاۗءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ وَجَاۗءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰي لِلْمُؤْمِنِيْنَ ؁

ترجمہ: "پیغمبروں کی خبروں میں سے ہم آپؐ کو وہ واقعہ سناتے ہیں جو آپؐ کے دل کی تسلی کا باعث ہو، اور ان قصوں کے ضمن میں آپؐ کے پاس حق باتیں اور مسلمانوں کے لئے نصیحت و پند کی باتیں پہنچی ہیں"

چوتھے یہ کہ مسلمانوں کو کفار کے ہاتھوں ایذاء اور تکلیف پہنچتی ہی رہتی تھی، اس لئے باری تعالیٰ ایسے ہر موقع پر کوئی نہ کوئی دقت کے مناسبِ حال ذکر کردیتے ہیں، کیونکہ پہلوں کے واقعات پچھلوں کے لئے موجبِ عبرت ہوتے ہیں،

---

[1] اور ہم جانتے ہیں کہ ان (کفار) کی باتوں سے آپؐ کا دل تنگ ہوتا ہے"

پانچویں یہ کہ کبھی ایک ہی واقعہ متعدد حقائق پر مشتمل ہوتا ہے، ضمناً ایک ایک مقام پر اس کے ذکر کرنے سے اگر ایک حقیقت مقصوداً بیان ہے اور دوسری ضمناً تو دوسری جگہ اس کے بیان سے دوسرے حقائق ملحوظ ہوتے ہیں، اور پہلی حقیقت ضمنی بن جاتی ہے ؛

دوسری فصل

قرآن پر عیسائی علماء کے اعتراضات

پہلا اعتراض

قرآن کی بلاغت پر

عیسائی علماء قرآن کریم پر پہلا اعتراض یہ کرتے ہیں کہ یہ بات تسلیم نہیں کی جا سکتی کہ قرآن کریم بلاغت کے اس انتہائی معیار پر پہنچا ہوا ہے جو انسانی دسترس سے باہر ہے، اور اگر اس کو مان بھی لیا جائے تب بھی یہ اعجاز کی ناقص دلیل ہے، کیونکہ اس کی پہچان اور شناخت صرف وہی شخص کر سکتا ہے جس کو عربی زبان اور لغت عرب کی پوری مہارت ہو،

اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ وہ تمام کتابیں جو یونانی لاطینی زبانوں میں بلاغت کے اعلیٰ معیار پر پہونچی ہوئی ہیں وہ بھی کلامِ الٰہی مانی جاتی ہیں، اور اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ باطل اور قبیح مضامین جن کو فصیح الفاظ اور بلیغ عبارت میں ادا کر دیا جائے، وہ بلاغت کے اس معیاری مقام تک پہونچ جائیں،

جواب: قرآن کریم کی عبارت کو بلاغت کے اعلیٰ درجہ تک پہنچا ہوا نہ ماننا سوائے ہٹ دھرمی کے کچھ نہیں، اس لئے کہ پہلی فصل ناقابلِ تردید

دلائل سے اس کو ثابت کیا جا چکا ہے،

رہی یہ بات کہ اس کی شناخت صرف وہی کر سکتا ہے جس کو عربی زبان کی کامل مہارت ہو، سو یہ درست ہے، لیکن اس سے ان کا مدعا ہرگز ثابت نہ ہوگا کیونکہ یہ معجزہ بلغاء اور فصحاء کو عاجز اور قاصر کرنے کے لئے تھا، اور ان کا عاجز ہونا ثابت ہو چکا، نہ صرف یہ کہ وہ معارضہ نہیں کر سکے، بلکہ اپنی عاجزی کا اعتراف بھی کیا، اہلِ زبان نے اس کی شناخت اپنے سلیقے سے کی ہے، اور علماء نے علومِ بلاغت اور اسالیب کلام کی مہارت سے اس کو پہچانا،

اب رہے عوام تو انہوں نے لاکھوں اہلِ زبان اور علماء کی شہادت سے یہ بات معلوم کر لی، لہٰذا اس کا معجزہ ہونا یقیناً ثابت ہو گیا، اور یہ دلیل کامل دلیل ہے، نہ کہ ناقص، جیسا کہ ان کا خیال ہے، اور یہ چیز ان اسباب میں سے ایک ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے،

ادھر مسلمان یہ دعویٰ کب کرتے ہیں کہ قرآن کے کلام اللہ ہونے کا سبب صرف اس کا بلیغ ہونا ہی ہے، بلکہ ان کا دعویٰ تو یہ ہے کہ بلاغت بھی قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے کے بے شمار اسباب میں سے ایک سبب ہے، اور قرآن کریم اس لحاظ سے منجملہ بہت سے معجزات کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ہے اور اس کا معجزہ ہونا آج بھی لاکھوں اہلِ زبان اور ماہرینِ بلاغت کے نزدیک عیاں ہے، اور مخالفین کا عاجز و قاصر ہونا ظہورِ معجزہ کے وقت سے موجودہ زمانہ تک ثابت ہے، جسے ہر شخص کھلی آنکھوں دیکھ سکتا ہے، جب کہ ایک ہزار دو سو اسی سال کی طویل مدت ہو چکی ہے،

نیز فصل اوّل کی دوسری خصوصیت میں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ نظّام کا قول باطل اور مردود ہے، معتزلہ کے پیشوا ابو موسیٰ مزدار کا یہ قول بھی نظّام کے قول کی طرح مردود ہے کہ "لوگوں کو اس قسم کے فصیح و بلیغ قرآن بنانے کی قدرت ہے" اس کے علاوہ یہ شخص ایک دیوانہ اور پاگل تھا، جس کے دماغ پر کثرتِ

ریاضت کی وجہ سے خشکی غالب آگئی تھی، اس کے نتیجے میں اس قسم کی بہت سی ہذیانی اور دیوانگی کی باتیں اس نے کی ہیں، مثلاً ایک جگہ یوں کہتا ہے کہ "خدا جھوٹ بولنے اور ظلم کرنے پر قادر ہے، اور اگر وہ ایسا کرے تب بھی وہ خدا ہوگا مگر جھوٹا اور ظالم"۔ دوسری جگہ کہتا ہے کہ جو شخص بادشاہ سے تعلق رکھے گا وہ کافر ہے، نہ خود کسی کا وارث بن سکتا ہے اور نہ اس کا کوئی وارث ہوگا،

رہی یہ بات کہ وہ تمام کتابیں جو دوسری زبانوں میں معیاری بلاغت رکھتی ہیں ان کو بھی کلامِ الٰہی ماننا پڑے گا، سو یہ بات ناقابلِ تسلیم ہے، اس لئے کہ ان کتابوں کا بلاغت کے اس اعلیٰ مرتبہ پر پہنچ جانا ان وجوہ کے مطابق ثابت نہیں ہوا جن کا بیان فصلِ اوّل کے امرِ اوّل و دوم میں گذر چکا ہے، اور نہ ان کے مصنفین کی جانب سے اعجاز کا دعویٰ کیا گیا ہے، نہ اس زبان کے فصحاء ہی ان کے معارضے سے عاجز ہوئے، پھر بھی اگر کوئی شخص ان کتابوں کی نسبت اس قسم کا دعویٰ کرے تو اس کے ذمے اس کا ثبوت دینا ہوگا، پھر اگر وہ ثابت نہ کر سکے تو اس قسم کے باطل دعوے سے احتراز ضروری ہے، اس کے علاوہ صرف بعض عیسائیوں کا ان کتابوں کے متعلق یہ شہادت دینا کہ ان زبانوں میں یہ کتابیں بلاغت کے اسی معیار پر پہونچی ہوئی ہیں جس معیار پر عربی زبان میں

۱؎ عیسیٰ بن صبیح ابو موسیٰ مزدار (م ۲۲۶ھ) نہایت غالی قسم کے معتزلہ میں سے ہیں، بے انتہا ریاضت کی بناء پر اس کے دماغ پر خشکی غالب آگئی تھی، قرآن کے مخلوق ہونے پر اس کا اعتقاد اس قدر شدید تھا کہ قرآن کو قدیم ماننے والوں کو کافر کہتا تھا، یہاں تک کہ علامہ شہرستانی نے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ کوفہ کے گورنر ابراہیم سندھی نے اس سے پوچھا کہ روئے زمین پر بسنے والوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ کہنے لگا کہ سب کافر ہیں، ابراہیمؒ نے کہا کہ بندۂ خدا! جنت کے بارے میں قرآن یہ کہتا ہے کہ تمام آسمانوں اور زمین کی وسعت رکھتی ہے، پھر کیا اس میں صرف تم اور تمہارے ساتھی رہیں گے؟ اس پر وہ کھسیانا ہو گیا، (الملل والنحل للشہرستانی، ص ۹۴ ج ۱)

۲؎ ملاحظہ ہو الملل والنحل للشہرستانی ص ۹۳ ج اوّل، قاہرہ ۱۹۴۸ء،

قرآن کریم ہے، قابلِ تسلیم نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ چونکہ یہ لوگ خود اہل زبان نہیں ہیں اس لئے نہ تو دوسری زبان کی تذکیر و تانیث میں، مفرد تثنیہ جمع میں امتیاز کر سکتے ہیں، نہ مرفوع و منصوب و مجرور میں تمیز کر سکتے ہیں، چہ جائیکہ زیادہ بلیغ اور کم بلیغ میں تمیز کرنا، اور یہ امتیاز نہ کرنا عربی زبان کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ اپنی زبان کے علاوہ کسی زبان میں بھی، عبرانی ہو یا یونانی، سریانی ہو یا لاطینی ان کو یہ مہارت حاصل نہیں ہوسکتی،

اور اس امتیاز نہ کرنے کا منشاء ان کی زبان کی تنگ دامنی، بالخصوص انگریزوں کا تو یہی حال ہے، کیونکہ یہ بھی اپنی تنگ دامنی میں عیسائیوں کے ساتھ شریک[ل] ہیں البتہ عام عیسائیوں سے یہ لوگ ایک خصوصیت میں ممتاز ہیں، اور وہ یہ کہ یہ لوگ کسی دوسری زبان کے چند گنتی کے الفاظ سے واقف ہوجانے کے بعد اپنے بارے میں یہ گمان کر لیتے ہیں کہ ہم اس زبان کے ماہر ہوگئے ہیں، اور کسی علم کے چند مسائل کے جان لینے کے بعد اپنے کو اس علم کے علماء میں شمار کرنے لگتے ہیں، ان کی اس عادتِ بد پر یونانی اور فرانسیسی حضرات بھی اعتراض وطعن کرتے ہیں،

ہمارے پہلے دعوے کا شاہد یہ ہے کہ شام کے بڑے پادری سرکیس مارونی نے اسقف اعظم اربانوس ہشتم[ت] کی اجازت سے بہت سے پادریوں راہبوں

ل انگریزی زبان میں مختلف اصناف (GEENDERS) کے لئے بالعموم ایک ہی قسم کے صیغے ہیں، اس کے برخلاف عربی میں ہر ایک کے لئے الگ ہے عدد (NUMBER) کے لحاظ سے انگریزی میں کلمے کی دو قسمیں ہیں، مفرد SINGULAR اور جمع PLURAL کے برخلاف عربی میں ان دونوں کے علاوہ تثنیہ DUAL کے لئے بھی الگ صیغہ ہے، یہ تو بنیادی امور میں عربی کی وسعت ہے اس کے علاوہ عربی کے لغات VOCABUDANY انگریزی کی نسبت بہت زیادہ ہے ۱۲ تقی

ت اربانوس ہشتم (URBAN VIII) ۱۶۲۳ء سے ۱۶۴۴ء تک پوپ رہا ہے، یہ وہی پوپ ہے جس نے مشہور سائنسدان گلیلیو کی مخالفت کی تھی (برٹانیکا) ۱۲ تقی

علماء اور عبرانی یونانی عربی زبان کے پڑھانے والے اساتذہ کو اس غرض سے جمع کیا کہ یہ لوگ اُس عربی ترجمہ کی اصلاح کریں جو بے شمار اغلاط سے بھرا ہوا اور بہت سے مضامین سے خالی ہے، ان لوگوں نے ۱۶۲۵ء میں اس سلسلہ میں بڑی محنت اور جانفشانی کے بعد اس میں اصلاح کی، لیکن چونکہ باوجود اصلاح تام کے ان کے ترجموں میں بہت سی خامیاں عیسائیوں کی روایتی خصلت کے مطابق باقی رہ گئیں، اس لئے ترجمہ کے مقدمہ میں انھوں نے معذرت پیش کی ہے، میں اس مقدمہ سے بعینہٖ ان کی عبارت اور الفاظ میں ان کی معذرت نقل کرتا ہوں، وہ یہ ہے:

"تم اس نقل میں بہت سی چیزیں ایسی پاؤگے جو عام قوانین لغت کے خلاف ہونگی مثلاً مونث کے عوض میں مذکر اور جمع کی جگہ مفرد اور تثنیہ کی بجائے جمع اور زیر کی جگہ پیش اور اسم میں نصب اور فعل میں جزم، حرکات کی جگہ حروف کی زیادتی وغیرہ وغیرہ ان تمام باتوں کا سبب عیسائیوں کی زبان کی سادگی ہے اور اس طرح انھوں نے زبان کی ایک مخصوص قسم بنالی ہے، یہ بات صرف عربی زبان کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ لاطینی اور یونانی عبرانی زبانوں میں بھی انبیاء اور رسولوں نے اور ان کے اکابر اور بڑوں نے لغات اور الفاظ میں اس قسم کا تغافل برتا ہے، وجہ اسکی یہ ہے کہ روح القدس کا یہ منشاء کبھی نہیں ہوا، کہ کلام الٰہی کو ان حدود اور پابندیوں کے ساتھ جکڑ دیا جائے جو نحوی قواعد نے لگائی ہیں، اسی لئے اسکنے ہمارے سامنے خدائی اسرار کو بغیر فصاحت و بلاغت کے پیش کیا"

دوسرے دعوے پر یہ شہادت موجود ہے کہ مشہور سیاح ابو طالب خان نے فارسی زبان میں ایک کتاب مسیر الطالبی تصنیف کی ہے، اس میں اس نے اپنا سفرنامہ لکھا ہے، اور مختلف ممالک کی سیاحت میں جو حالات اُس نے دیکھے ان کو قلمبند کیا ہے، انگلستان والوں کی خوبیاں اور عیب بھی اسی سلسلہ میں شمار کرائے ہیں، اُس کی کتاب سے آٹھویں عیب کا ترجمہ کرکے نقل کرتا ہوں، کیونکہ اس

موقع پر اسی کی ضرورت ہے، وہ کہتا ہے کہ:

"آٹھواں عیب ان کی وہ غلط کاری ہے جو علوم کی معرفت اور دوسری زبانوں کے سلسلہ میں ان سے سرزد ہوتی ہے، کیونکہ یہ لوگ خود کو ہر زبان کا ماہر سمجھ لیتے ہیں اور کسی اہلِ علم سے جب کچھ الفاظ اس زبان کے سیکھ لیتے ہیں، یا اس علم کے گنتی کے چند مسائل حاصل کر لیتے ہیں تو اس زبان اور اس علم میں کتابیں تصنیف کرنے لگتے ہیں اور پھر ان خرافات کو طبع کر کے شائع کر دیتے ہیں، مجھے اس چیز کا علم ابتداءً فرانسیسی اور یونانی لوگوں کے بیانات سے ہوا، کیونکہ ان ملکوں کی زبانوں کا سیکھنا اہلِ انگلستان کے یہاں عام طور پر رائج ہے، اور پھر مجھکو ان کے بیان پر یقین کرنے کا موقع اس وقت ملا جب میں نے فارسی زبان میں ان لوگوں کو اس طرح خیانت کرتے ہوئے پایا[1]"

اس کے بعد کہتا ہے کہ:

"لندن میں اس قسم کی بہت سی کتابیں جمع ہو گئی ہیں کہ اب کچھ زمانے کے بعد اہلِ حق کی کتابوں کا پہچاننا مشکل ہو جائے گا"

رہی ان لوگوں کی یہ بات کہ باطل مضامین اور قبیح مقاصد کو بھی فصیح و بلیغ عبارت اور الفاظ میں ادا کیا جا سکتا ہے، اس لئے ایسا کلام بھی کلامِ الٰہی ہونا چاہئے، سو یہ اعتراض قرآن کریم پر ہرگز وارد نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ قرآنِ حکیم شروع سے آخر تک حسب ذیل ستائیس مضامین کے بیان سے بھرا ہوا ہے، اس کی کوئی طویل آیت ایسی نہ پائیں گے جو اُن مضامین میں سے کسی مضمون سے خالی ہو،

قرآن کریم کے مضامین:-

(۱) خدا کی صفاتِ کاملہ و کمالیہ، اس کا واحد ہونا، قدیم و ازلی ہونا، ابدی اور قادر ہونا، عالم و سمیع و بصیر ہونا، متکلم حکیم و خبیر ہونا، خالق السمٰوٰت والارض ہونا، رحیم

[1] اس بات کی مثالیں دیکھنی ہوں تو آجکل کے مستشرقین کی کتب کا مطالعہ فرمالیجئے، ان میں اس قسم کی بے شمار مثالیں ملیں گی ۱۲ تقی

ورحمٰن ہونا، صبور وعادل ہونا، قدوس ومحی وممیت ہونا وغیرہ وغیرہ۔

(۲) اللہ تعالیٰ کا تمام عیوب مثلاً حدوث، عجز، ظلم اور جہل سے پاک ہونا،

(۳) توحید خالص کی دعوت، اور شرک سے مطلقاً ممانعت، اسی طرح تثلیث سے منع کرنا کہ یہ بھی یقینی طور پر شرک ہی کا ایک شعبہ ہے جیسا کہ آپ کو چوتھے باب سے معلوم ہو چکا ہے،

(۴) انبیاء علیہم السلام کا ذکر اور ان کے واقعات اور قصص،

(۵) انبیاء علیہم السلام کا ہمیشہ بت پرستی اور کفر و شرک سے احتراز کرنا اور محفوظ رہنا،

(۶) پیغمبروں پر ایمان لانے والے حضرات کی مدح اور تعریف کرنا،

(۷) انبیاء علیہم السلام کے نہ ماننے والے اور جھٹلانے والوں کی مذمت اور برائی کرنا،

(۸) تمام پیغمبروں پر ایمان لانے کی عموماً تاکید کرنا اور خصوصیت کے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کی تاکید،

(۹) یہ وعدہ کہ ایمان والے انجام کار منکروں اور کافروں پر غالب آئیں گے،

(۱۰) قیامت کی حقیقت کا بیان، اور اس دن میں اعمال کی جزا کی تفصیلات،

(۱۱) جنت اور دوزخ کا ذکر اور انکی نعمتوں اور عذابوں کی تفصیل،

(۱۲) دنیا کی مذمت اور اسکی بے ثباتی اور فانی ہونے کا بیان،

(۱۳) آخرت کی مدح اور فضیلت اور اس کے دائمی اور پائیدار ہونیکا بیان،

(۱۴) حلال چیزوں کی حلت اور حرام چیزوں کی حرمت کا بیان،

(۱۵) تدبیر منزل کے احکام،

(۱۶) سیاست مدنیہ کے احکام،

(۱۷) اللہ تعالیٰ کی محبت اور اللہ والوں کی محبت کی ترغیب اور شوق دلانا،

(۱۸) ان وسائل اور ذرائع کا بیان جن کو اختیار کرنے سے انسان کی رسائی خدا تک ممکن ہے،

(۱۹) بدکاروں اور فاسقوں کی صحبت اور ہمنشینی سے روکنا اور دھمکانا،

(۲۰) بدنی عبادتوں اور مالی عبادات میں نیت کو خالص رکھنے کی تاکید کرنا،

(۲۱) ریاکاری اور شہرت طلبی پر وعید،

(۲۲) تہذیب اخلاق کی تاکید، کہیں اجمالی طور پر کہیں تفصیل کے ساتھ،

(۲۳) بُرے اخلاق اور کمینی خصلتوں پر دھمکانا، اجمالی طور پر،

(۲۴) اخلاقِ حسنہ کی مدح اور تعریف جیسے بردباری، تواضع، کرم، شجاعت پاک دامنی وغیرہ،

(۲۵) بُرے اخلاق کی مذمت جیسے غصہ، تکبر، بخل، بزدلی اور ظلم وغیرہ،

(۲۶) تقوٰی اور پرہیزگاری کی نصیحت،

(۲۷) اللہ کے ذکر اور اسکی عبادت کی ترغیب[۱]،

بلاشبہ یہ تمام باتیں عقلی اور نقلی طور پر عمدہ اور محمود ہیں، ان مضامین کا ذکر قرآن میں بکثرت اور بار بار تاکید اور تقریر کے لئے کیا گیا ہے، اگر یہ مضامین بھی قبیح ہو سکتے ہیں تو پھر معلوم نہیں کہ اچھی بات پھر کونسی ہو سکتی ہے؟ البتہ قرآن میں مندرجہ ذیل باتیں آپ کو ہرگز نہیں ملیں گی،

بائبل کے فحش مضامین :-

(۱) فلاں پیغمبر نے اپنی بیٹی سے زنا کیا تھا[۲]،

[۱] مثلاً دیکھئے علی الترتیب فاتحہ، انعام، ۱ع، آل عمران ع۱، صٰفٰت ع۵، نساء ع۲۴، قصص بقرہ ع ۱۶ و ع۱ ونساء ع ۷، انعام ع ۲۰، المومنون ع ۱، نبأ ع۱، الواقعہ، عنکبوت ع۶، انعام ع ۴ المائدہ ع۱ نساء ع ۵، ع ۷، وتوبہ ع ۵، آل عمران ۳، الصف ع ۲، النساء ع ۲۰، مجادلہ ع ۲ الحجرات ع ۲۰ نحل ع ۱۳، آل عمران ع ۱۱، النور ع ۶، ۱۲ تقی [۲] جیسا کہ پیدائش ۱۹: ۳۳ تا ۳۶ میں حضرت لوط علیہ السلام کے بارے میں ہے، عبارت کیلئے دیکھئے کتاب ہذا صفحہ ۲۳۱ ج ۱ (حاشیہ)

(۲) یا فلاں نبی نے کسی دوسرے کی بیوی سے زنا کیا، اور اس کے خاوند کو حیلہ اور مکر سے قتل کر دیا[1]،

(۳) یا اس نے گائے کی پوجا کی تھی[2]،

(۴) یا وہ آخر میں مرتد ہو گیا تھا اور نہ صرف بت پرستی اختیار کی بلکہ بت خانے بنائے[3]،

(۵) یا اس نے اللہ پر تہمت اور بہتان رکھا، اور تبلیغ احکام میں دروغگوئی سے کام لیا اور اپنی فریب کاری سے ایک دوسرے نبی کو غضب خداوندی میں مبتلا کر دیا[4]،

(۶) یا یہ کہ داؤد علیہ السلام، سلیمان علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام (نعوذ باللہ) حرامزادوں کی اولاد ہیں، یعنی فارض بن یہوداکی[5] یا یہ کہ اللہ کے ایک بڑے رسول جو خدا کے بیٹے اور انبیاء کے باپ ہیں، ان کے بڑے لڑکے نے اپنے باپ کی بیوی سے زنا کیا[6]،

(۷) اور ان کے دوسرے بیٹے نے اپنے بیٹے کی بیوی سے زنا کیا[7]، مزید یہ کہ جب

[1] جیسا کہ ۲۔ سموئیل ۱۱: ۲ تا ۱۵ میں حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں ہے،

[2] جیسا کہ خروج ۳۲: ۲ تا ۶ میں حضرت ہارون علیہ السلام کے بارے میں ہے،

[3] جیسا کہ ۱۔ سلاطین ۱۱: ۲ تا ۱۳ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں ہے،

[4] جیسا کہ ۱۔ سلاطین ۱۳: ۱۱ تا ۲۹ میں ہے، پوری عبارت کیلئے دیکھئے کتاب ہذا ص ۲۵۳ ج ۱۲ تت

[5] فارض کی اولاد میں سے ہونا متی ۱: ۳ میں ہے، اور پیدائش باب ۳۸ میں ہے کہ یہودا نے اپنی بہو تمر سے زنا کیا تھا، جس سے فارض پیدا ہوا ۱۲ تقی

[6] "اللہ کے بڑے رسول" سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں، ان کے بڑے صاحبزادے کا نام روبن تھا (پیدائش ۲۹: ۳۲) اور ان کے بارے میں بائبل کے الفاظ یہ ہیں: "روبن نے جا کر اپنے باپ کی حرم بلہاہ سے مباشرت کی، اور اسرائیل کو یہ معلوم ہو گیا" (پیدائش ۳۵: ۲۲)

[7] دوسرے بیٹے سے مراد یہوداہ ہیں، جن کے بارے میں پیدائش ۳۸: ۱۸ میں تصریح ہے، کہ انہوں نے اپنی بہو سے زنا کیا، ۱۲،

اس عظیم الشان نبی نے اپنے دونوں محبوب بیٹوں کو اس حرکت کو سُنا، تو اُن کو کوئی سزا نہیں دی، سوائے اس کے کہ مرتے وقت انھوں نے بڑے کو اس شنیع حرکت پر بددعاء دی[1]، اور دوسرے لڑکے کے حق میں تو ناراضی کا بھی اظہار نہیں کیا، بلکہ مرتے وقت اُسے برکتوں کی دعاء دی[2]،

(۸) یا یہ کہ ایک دوسرا بڑا رسول جو خدا کا جوان بیٹا ہے، اور جس نے خود دوسرے شخص کی بیوی سے زنا کیا تھا جب اس کے محبوب بیٹے نے محبوب بیٹی یعنی اپنی بہن سے زنا کیا اور رسول نے سُنا، تو بھی اس کو کوئی سزا نہیں دی، شاید اس لئے اس کی ہمت نہیں ہوئی کہ وہ خود بھی زنا میں مبتلا تھا، ایسی حالت میں اس حرکت پر دوسرے کو کیا سزا دیتا؟ بالخصوص اپنی اولاد کو[3]، یہ تمام باتیں یہود و نصاریٰ کو تسلیم ہیں، اور ان واقعات کی تفریح عہدِ عتیق کی ان کتابوں میں ہے جو دونوں فریق کے نزدیک مسلّم ہیں،

(۹) یا یہ کہ یحییٰ علیہ السلام جیسی شخصیت جو عیسیٰ علیہ السلام کی شہادت کے مطابق اسرائیلی پیغمبروں میں جلیل القدر نبی ہیں (اگرچہ جو شخص آسمان کی بادشاہی میں چھوٹا ہے وہ ان سے بڑا ہے[4])، انھوں

[1] اے روبن ... تو پانی کی طرح بے ثبات ہے اس لیئے تجھے فضیلت نہیں ملے گی، کیونکہ تو اپنے باپ کے بستر پر چڑھا، تو نے اُسے نجس کیا، روبن میرے بچھونے پر چڑھ گیا۔" (پیدائش ۴۹ : ۴)

[2] "یہوداہ سے سلطنت نہیں چھوٹے گی ... اور قومیں اسکی مطیع ہوں گی الخ" (پیدائش ۴۹ : ۱۰)

[3] حضرت داؤد علیہ السلام مراد ہیں، بائبل میں آپ ہی کے بارے میں یہ من گھڑت اور شرمناک واقعہ ذکر کیا گیا ہے، کہ انہوں نے اپنے سپہ سالار اوریا کی بیوی سے زنا کرکے اوریا کو مروادیا (۲ سموئیل ۱۱: ۲ تا ۱۵) اور بیٹے امنون نے اپنی بہن تمر سے بڑی چالبازی کے ساتھ زنا کیا، (۲ سموئیل ۱۳ : ۱۴) ساتھ ہی یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو اسکی اطلاع ہوئی، مگر آپ نے اپنے بیٹے کو کوئی سزا نہیں دی، صرف غصہ ہوئے (۱۳ : ۲۱) (حاشیہ ۴ صفحہ آئندہ پر)

نے اپنے دوسرے معبود اور رسول بنانے والے یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو مجہول تعلق کی بناء پر تیس سال تک پورے طور پر[۴] نہیں پہچانا، جب تک یہ معبود اپنے بندے کا مرید نہیں ہوگیا[۲]، اور جب تک ان کی جانب سے بپتسمہ کی رسم کی تکمیل نہیں ہوئی، اور جب تک اس دوسرے معبود کے پاس تیسرا[۳] معبود کبوتر کی شکل میں نہیں آگیا، اس تیسرے معبود کو دوسرے معبود کے پاس کبوتر کی شکل میں آتا دیکھ کر یحییٰ علیہ السلام کو خدائے اول کا حکم دیا آیا کہ دوسرا معبود ہی میرا رب اور آسمان و زمین کا خالق ہے[۱]۔

(۱۰) یا ایک دوسرے رسول جو اعلیٰ درجے کے چور بھی ہیں، اور جن کے پاس چوری کا تھیلا بھی تھا، اور جن کا "نام نامی" یہوداہ اسکریوتی[۵] ہے، یہ صاحب کرامات

(صفحہ گذشتہ کا حاشیہ ۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس ارشاد کی طرف اشارہ ہے:

"جو عورتوں سے پیدا ہوئے ہیں ان میں یوحنا بپتسمہ دینے والے سے بڑا کوئی نہیں ہوا، لیکن جو آسمانی بادشاہی میں چھوٹا ہے وہ اس سے بڑا ہے" (متی ۱۱: ۱۲)

یہاں "جو آسمان کی بادشاہی میں چھوٹا ہے" سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں ۱۲

۱ (صفحہ ہذا کا حاشیہ) حضرت یحییٰ علیہ السلام کے اس ارشاد کی طرف اشارہ ہے:

"میں نے روح کو کبوتر کی طرح آسمان سے اترتے دیکھا ہے اور وہ اس پر ٹھہر گیا، اور میں تو اسے پہچانتا نہ تھا، مگر جس نے مجھے پانی سے بپتسمہ دینے کو بھیجا اسی نے مجھ سے کہا جس پر تو روح کو اترتے اور ٹھہرتے دیکھے وہی روح القدس سے بپتسمہ دینے والا ہے، چنانچہ میں نے دیکھا اور گواہی دی ہے کہ یہ خدا کا بیٹا ہے" (یوحنا ۱: ۳۲ تا ۳۴)

۲ عیسائیوں کے یہاں کسی سے بپتسمہ لینا اس سے مرید ہونے کے مرادف ہے، اور متی باب ۳ و یوحنا باب ۱ میں تصریح ہے کہ حضرت عیسیٰ نے حضرت یحییٰ سے بپتسمہ لیا، اس سے لازم آیا کہ خدا اپنے بندے کا مرید ہوگیا ۱۲

۳ تیسرا معبود یعنی روح القدس ۱۲ ت

۴ بلکہ متی ۱۱: ۲ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بھی نہیں پہچانا، چنانچہ قید ہونے کے بعد اپنے شاگردوں کو بھیجکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پچھوایا کہ "آنیوالا تو ہی ہے یا ہم دوسرے کی راہ دیکھیں" ۱۲ تقی۔

اور معجزوں والے بھی ہیں، اور حواریین ان میں ان کا شمار بھی ہے، اور جو عیسائیوں کے نظریہ کے مطابق حضرت موسیٰ اور دوسرے پیغمبروں سے افضل ہیں[۵۱]، ان صاحب نے اپنا دین دنیا کے عوض میں یعنی صرف تیس درہم میں فروخت کر دیا[۵۲]، یعنی اپنے معبود کو یہودیوں کے ہاتھوں سپرد کر دینے اور اس قلیل منفعت کے عوض میں گرفتار کرا دینے پر راضی ہوگیا، چنانچہ یہودیوں نے اس کے معبود کو پکڑ کر پھانسی دے دی، شاید یہ منفعت اسکی نگاہ میں بڑی ہوگی، کیونکہ وہ پیشہ کے لحاظ سے شکاری اور چور تھا، اور مفلوک الحال اور تنگدست بھی تھا، اگرچہ عیسائیوں کے خیال کے مطابق بایں اوصاف وہ رسول اور صاحب معجزات بھی ہے، یقیناً اسکی نظر میں تیس دراہم اسکی پھانسی پانے والے خدا سے زیادہ محبوب اور قیمتی تھے[۵۳]

(صفحہ گزشتہ کا حاشیہ ۵۰) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سر پر عطر ڈالنے کے واقعہ میں (دیکھئے کتاب ہذا ص ۴۳۹ ج) یوحنا نے نقل کیا ہے کہ اعتراض کرنیوالا یہوداہ اسکریوتی تھا اور پھر کہا ہے "اس لئے کہ چور تھا اور چونکہ اس کے پاس ان کی تھیلی رہتی تھی اس میں جو کچھ پڑتا وہ نکال لیتا تھا" (یوحنا ۱۲: ۶) نیز دیکھئے یوحنا ۱۳/۲۹، ۵۱ صفحہ ہذا کا حاشیہ) عیسائی نظریہ کے مطابق بارہ حواری حضرت مسیح علیہ السلام کے رسول ہیں، جن کے ذمے حضرت عیسیٰ ع کے دوبارہ زندہ ہونے کی شہادت اور ان کے پیغام کی نشر و اشاعت ہے، ۱۲ لوگ عیسائیوں کے نزدیک عام پیغمبروں کے مساوی ہیں، بلکہ بعض لوگوں کے نزدیک ان سے بھی افضل (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو برٹانیکا، ص ۱۱۸ ج ۲ مقالہ "APOSTLE")

۵۲ متی ۲۶: ۱۴ تا ۴۷ و مرقس ۱۴: ۱۰ تا ۴۳ و لوقا ۲۲: ۳ تا ۴۷ و یوحنا ۱۳: ۲۶، ۱۸: ۳

۵۳ عیسائیوں کا مشہور عالم ڈی کوئنسے (DE QUINCEY) یہوداہ اسکریوتی کی اس حرکت کی تاویل کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "یہوداہ اسکریوتی نے یہ کام خود غرضی کے بجائے اس لئے کیا تھا کہ وہ ہمارے خداوند کو اپنی قوتِ نجات دہندگی بروئے کار لانے پر مجبور کرے، تاکہ وہ اپنے آپ کو بھی بچالے اور تمام امت کو بھی نجات دیدے، (برٹانیکا، ص ۱۲۸ ج ۱۳ مقالہ: JUDAS ISCARIOT) لیکن یہ ایک ایسی تاویل ہے جو نہ صرف یہ کہ عقل کے خلاف ہے بلکہ بائبل کی تصریحات بھی اسکی تردید

(بقیہ برصفحہ آئندہ)

(۱۱) یا یہ کہ کالفا جو سردار کاہن تھا، اور جس کا نبی ہونا یوحنا انجیلی کی شہادت سے ثابت ہے[۵۱] اس نے بھی اپنے معبود کے قتل کا فتویٰ دیا تھا، اور اس کی تکذیب و تکفیر اور اہانت کی تھی[۵۲]۔

غرض سولی دیئے جانے والے معبود میں تین بیٹوں کی جانب سے تین عجیب امور واقع ہوئے، ——— اولاً اسرائیلی نبیوں[۵۳] کے سرگروہ نے اپنے معبود کو پورے تیس[۳۰] سال تک کامل طور پر نہیں پہچانا، جب تک وہ ان کا مرید نہیں ہو گیا، اور تیسرا معبود اس پر کبوتر کی شکل میں نازل نہیں ہو گیا، دوسرے اس معبود کے دوسرے نبی کا تھوڑی سی منفعت کے لالچ میں جس کی مقدار صرف تیس درہم تھی، اپنے معبود کو دشمنوں کے ہاتھ گرفتار کرا دینے، اور اپنے معبود کی محبت پر اتنی قلیل منفعت کو ترجیح دینے پر تیار ہو گیا، تیسرے اسی معبود کے تیسرے نبی نے اس کے قتل کا فتویٰ دیا اور اس کی تکذیب

(بقیہ صفحہ گذشتہ) کرتی ہیں، چنانچہ لوقا ۲۲: ۳ میں ہے "اور شیطان یہوداہ میں سمایا" اور یوحنا ۱۳: ۲۷ میں ہے: "اور اس نوالہ کے بعد شیطان اس میں سما گیا" اور ۶: ۷۰ میں ہے "تم میں سے ایک شخص شیطان ہے اس نے یہ شمعون اسکریوتی کے بیٹے یہوداہ کی نسبت کہا" اور اعمال ۱: ۱۸ میں ہے: "اس نے بدکاری کی کمائی سے ایک کھیت حاصل کیا"۔

اس کے علاوہ اگر اپنے آقا کو پکڑوانے سے یہی "نیک مقصد" پیش نظر تھا، جو ڈی کوٹنسے صاحب بیان فرماتے ہیں تو تیس روپے کے مول تول کے کیا معنی تھے؟ کیا یہ "نیک مقصد" بغیر پیسے لئے پورا نہیں ہو سکتا تھا؟ پھر اگر یہ واقعی نیک مقصد تھا تو پھر بعد میں اسکے یہ بات کہنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے کہ "میں نے گناہ کیا کہ بے قصور کو قتل کیلئے پکڑوا دیا" (متی ۲۷: ۴) اور پھر اپنے آپ کو پھانسی کیوں دی؟ جیسا کہ متی ۲۷: ۵ میں تصریح ہے ۱۲ تقی (صفحہ ہذا کا حاشیہ ۵۱) کالفا (CAIA PBAS) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں سردار کاہن تھا، یوحنا نے نقل کیا ہے کہ: "اس سال سردار کاہن ہو کر نبوت کی کہ یسوع اس قوم کے واسطے مریگا" (یوحنا ۱۱: ۵۱) اس میں اس کے نبی ہونے کی تصریح پائی جاتی ہے، [۵۲] اناجیل میں یہ واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ یہودی حضرت عیسیٰ ع کو پکڑ کر کائفا کے پاس لے گئے جہاں اس نے حضرت عیسیٰ ع کو واجب القتل قرار دیدیا، اور حاضرین نے آپ کے روئے مبارک پر تھوکا، اور

[۵۳] یعنی حضرت یحییٰ علیہ السلام ۱۲ ت

(بقیہ حاشیہ ۵۲ بر صفحہ آئندہ)

تکفیر کی،

بہرحال ہم خدا سے اس قسم کے بُرے عقائد سے پناہ مانگتے ہیں، جو انبیاء علیہم السلام کی شان میں روا رکھے گئے ہیں، واللہ ثم باللہ ہم اس قسم کے جھوٹے اعتقادات انبیاء کے بارے میں نہیں رکھتے، انبیاء علیہم السلام کی پاک ہستیاں ان شرمناک الزامات سے پاک ہیں،

رومن کیتھولک کے غیر معقول نظریات

میں نے یحیٰی علیہ السلام کے واقعہ سے لیکر کائفا کے حال تک جو کچھ نقل کیا ہے اس کی تصریح عہد جدید میں موجود ہے، اسی طرح اس نوع کے دوسرے مضامین جن میں ہماری اور ساری دنیا کی عقلیں حیران ہیں قرآن کریم میں کہیں ان کا نام ونشان نہیں ملتا، ان تمام شرمناک باتوں کا معتقد عیسائیوں کا سب سے بڑا اور کثیر التعداد فرقہ کیتھولک ہے، جس کی تعداد بعض پادریوں کے دعوے کے مطابق اس زمانہ میں بھی دو سو[۱] ملین کے برابر ہے، مثلاً :-

(۱) مریم علیہا السلام کی والدہ کو بھی بغیر خاوند کی صحبت کے مریم کا حمل رہا، یہ حقیقت ابھی تھوڑا عرصہ ہوا عیسائیوں پر منکشف ہوئی ہے،

(۲) مریم علیہا السلام کا حقیقتاً خدا کی ماں ہونا[۲]،

(گذشتہ سے پیوستہ حاشیہ ۵۲) ذلیل کیا (دیکھئے متی ۲۶: ۶۵ و مرقس ۱۴: ۶۳ و لوقا ۲۲: ۷۱) بعض عیسائی حضرات اس واقعہ کی تاویل وہی کرتے ہیں جو ہم نے یہوداہ اسکریوتی کے بارے میں بیان کی، لیکن متی ۲۶: ۶۵ میں تصریح ہے کہ جب حضرت عیسیٰ ع نے اپنے آپ کو خدا کا بیٹا قرار دیا، تو کائفا نے کہا کہ "اس نے کفر بکا ہے"، اگر عیسیٰ ع کائفا کے نزدیک حق پر تھے اور صرف ایک اجتماعی مصلحت کی وجہ سے وہ انھیں قتل کرنا چاہتا تھا تو پھر انھوں نے کافر کیوں قرار دیا؟ ۱۲ تقی

صفحہ ہذا کا حاشیہ ۱ بلکہ تازہ ترین اعداد وشمار کے مطابق تو چار سو ملین سے بھی زیادہ یعنی پچپن کروڑ تین لاکھ ستاون ہزار ہو چکی ہے، (برٹانیکا ایئر بک ۱۹۵۶ء ص ۴۲۴) ۱۲ ت

۲ یہ تصور تیسری صدی کے اختتام سے پایا گیا، اور بعد میں اس تصور کو فروغ حاصل ہوتا رہا یہاں تک کہ حضرت مریم ع کو مستقلاً "خدا کی ماں" کہا جانے لگا، اس تخیل کے ارتقاء کی پوری تاریخ کے لئے ملاحظہ

(۳) اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ تمام اطرافِ عالم کے پادری خواہ شمال میں ہوں یا جنوب میں، مشرق میں ہوں یا مغرب میں، سب ایک وقت میں عشاء ربانی کی رسم[1] انجام دے رہے ہیں، تو کیتھولک عقیدے کے مطابق لازم آتا ہے کہ کروڑوں روٹیاں ایک آن میں مختلف مقامات پر اس مسیح میں حلول کر جاتی ہیں جو خدائی اور انسانی دونوں صفتوں میں کامل بھی ہے اور کنواری مریم کے پیٹ سے بھی پیدا ہوا ہے،

(۴) ایک روٹی کو جب کوئی پادری توڑتا ہے، اگرچہ اس کے ایک لاکھ ٹکڑے کر دیئے اس کا ہر ٹکڑا کامل و مکمل طور پر مسیح بن جاتا ہے[2]، اگرچہ دانۂ گندم کا پایا جانا پھر اس کا پیسا جانا، پھر گوندھا جانا، پھر روٹی بننا، پھر ٹکڑے ہونا، یہ تمام باتیں محسوس اور مشاہد ہیں، مگر عیسائیوں کے خیال میں ان کاموں میں قوتِ حسّیہ بیکار اور معطل ہو جاتی ہے،

(۵) بُت اور مورتیں بنانا اور ان کے سامنے سجدہ کرنا لازم اور ضروری ہے[3]،

(۶) اسقفِ اعظم (پوپ) پر ایمان لائے بغیر نجات ممکن نہیں ہے، اگرچہ وہ واقع میں کیسا ہی بدکار و بدذات[4] ہو

---

[1] اس رسم کی تشریح و تفصیل کے لئے دیکھئے صـ ۴۴۲ جلد اوّل کا حاشیہ اور صـ ۸۸۲ تا ۸۸۹ جلد ہٰذا

[2] عشاء ربانی کی تشریح میں شروع ہی سے عیسائی علماء کا شدید اختلاف رہا ہے، اس عقیدے کو آخری شکل سینٹ تھامس اکوائنس (ST THOMAS AQUINAS A.D 1227-74) نے دی ہے، اور اس نے اپنی مشہور کتاب (SUMMA THEOLOGICA) میں تصریح کی ہے کہ روٹی کا ہر ٹکڑا کامل طور پر مسیح بن جاتا ہے، دیکھئے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مقالہ "EUCHARIST" صـ ۷۹۷ ج ۸

[3] ازالۃ الشکوک ص ۲۶، ج اوّل بحوالہ ترجمہ قرآن کریم از پادری سیل، مطبوعہ ۱۸۳۶ء، آج بھی آپ ہر کلیسا میں حضرت عیسٰیؑ اور مریمؑ کی تصویریں لٹکی ہوئی پائیں گے جنھیں باقاعدہ سجدہ کیا جاتا ہے ۱۲ ت

[4] پوپ کے بارے میں کیتھولک عقیدہ یہ ہے کہ وہ حواریوں کے سردار جناب پطرس کا نائب ہے اور وہ تمام اختیارات جو جناب پطرس کو حاصل تھے اس کو حاصل ہیں، یہاں تک کہ انجیل میں پطرس کے جو فضائل بیان ہوئے ہیں مثلاً یہ کہ وہ مسیح کی بھیڑوں کے گلہ بان ہیں (یوحنا ۲۱: ۱۶) یا یہ

(۷) روم کا پادری ہی اسقف اعظم بن سکتا ہے، اس کے سوا اور کسی کے لئے یہ منصب روا نہیں ہے، وہی عبادت گاہ (گرجا) کا سردار اور غلطی سے پاک ہے،

(۸) روم کا گرجا تمام گرجوں کی اصل اور جڑ ہے، اور سب کا معلم ہے[1]

مغفرت ناموں کی فروخت:

(۹) پوپ اور اس کے متعلقین کے پاس زبردست خزانہ ہے، جو ان کو پاک ہونے والوں کی جانب سے نذرانوں کی شکل میں ملتا ہے، ان عطیوں اور نذرانوں کے عوض میں پوپ کی جانب سے ان کو مغفرت اور بخشش عطا کی جاتی ہے، بالخصوص اس وقت جب کہ وہ اس کی گراں قیمت اور پورے پورے دام وصول کرلیں، جس کا ان میں کافی رواج ہے[2]

پوپ حرام کو حلال کر سکتا ہے:

(۱۰) پوپ اعظم کو حرام چیزوں کے حلال کرنے اور حلال کو حرام بنادینے کے مکمل اختیارات حاصل ہیں[3]، معلم میخائیل مشاقہ جو علماءِ پروٹسٹنٹ میں سے ہے، اپنی کتاب "اجوبۃ الانجیلین علی اباطیل التقلیدین" مطبوعہ بیروت ۱۸۵۲ء میں کہتا ہے:

(گذشتہ سے پیوستہ) کہ وہ کلیسا کی چٹان ہیں اور ان کے پاس آسمان کی بادشاہی کی کنجیاں ہیں (متی ۱۶: ۱۸) یہ تمام فضائل ہر پوپ پر بھی صادق آتے ہیں، کیتھولک فرقہ نے پوپ کو جو وسیع اختیارات دیئے ہیں اور ان کا جس طرح غلط استعمال کیا گیا اور اس پر جس قدر احتجاج ہوا، اسکی تفصیلی تاریخ کیلئے دیکھئے برٹانیکا، ص ۱۹۶ ج ۱۷ مقالہ (PAPACY) مختلف پاپاؤں کی بدکاری کا حال معلوم کرنے کے لئے دیکھئے تواریخ کلیسائے روم ص ۱۴۱، اور CLARKE کی تاریخ کلیسا، ص ۲۵۲؛

[1] ان باتوں کی تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو برٹانیکا مقالہ PAPACY اور ROMAN CATHALIC ت

[2] پادری خورشید عالم لکھتے ہیں: "مغفرت ناموں کی تجارت عام تھی جس کے باعث انسان بشپ صاحب کو گناہ کا بدل روپیہ دیکر سزا سے بری قرار دیا جاتا تھا" تواریخ کلیسائے روم، ص ۱۴۲ لاہور ۱۹۶۱ء

[3] "پوپ کو بحیثیت واضع قانون (LEGISLATOR) اور بحیثیت قاضی، تمام اختیارات ہیں" (برٹانیکا، ص ۲۲۳ ج ۱۸ مقالہ (POPE)

"اب تم ان کو دیکھو گے کہ وہ چچا کی شادی بھتیجی سے اور ماموں کا نکاح بھانجی سے اور کسی شخص کی شادی اپنی صاحب اولاد بھاوج سے کتب مقدسہ کی تعلیم اور ان کے پاک اور مقدس جامعین کے حکم کے خلاف جائز کرتے ہیں، یہ محرمات ان کے نزدیک اس وقت حلال اور جائز بن جاتے ہیں جب اس کام کے لئے ان کو رشوت کے طور پر کافی رقم مل جائے، اسی طرح بہت سی پابندیاں اور بندشیں ہیں جو انھوں نے اہل کلیسا پر لگادی ہیں، اور بہت سی ان چیزوں کو حرام کر دیا ہے جن کا صاحب شریعت نے حکم کیا تھا"

اس کے بعد کہتا ہے:

"بہت سی کھانے کی چیزیں ہیں جن کو حرام کر دیا ہے، پھر حرام کردہ کو دوبارہ حلال بنا دیا، اور ہمارے زمانے میں بڑے روزے کے دن جس کی تحریم بڑے زور شور سے مدت تک رہی گوشت کا کھانا جائز کر دیا"

اور کتاب "تیرہ خطوط" کے دوسرے خط کے صفحہ ۸۸ میں لکھا ہے کہ:-

"فرانسیسی کارڈینل[1] زباڈیلا کہتا ہے کہ پوپ اعظم کو اسقدر اختیارات حاصل ہیں کہ وہ حرام چیز کو جائز قرار دیدے، اور وہ خدائے تعالیٰ سے بھی بڑا ہے"

توبہ توبہ! اللہ تعالیٰ ان کے بہتانوں اور الزاموں سے پاک ہے،

مردوں کی مغفرت پیسوں سے

(۱۱) صدیقین کی ارواح "مطہر[2]" یعنی جہنم میں عذاب اور تکلیف میں مبتلا اور

---

[1] کارڈینل (CARDINAL) کلیسا کا ایک عہدہ ہے جو پوپ کے ماتحت سب سے اعلیٰ درجہ ہے، ایک پوپ کے تحت بہت سے کارڈینل ہوتے ہیں جن سے کلیسا کی ہیئتِ حاکمہ (SOVEREIGN BODY) تشکیل پاتی ہے، یہی لوگ نئے پوپ کا انتخاب کرتے ہیں، اور کلیسا کے نظم و نسق کی نگرانی کرتے ہیں بعض اوقات یہ لفظ دوسرے پادریوں پر بھی بول دیا جاتا ہے (برٹانیکا ص ۸۵۳ ج مقالہ CARDINAL)

[2] مطہر PORGATARY (?) کے لغوی معنی ہیں "پاک کرنیوالی چیز"، نصرانی حضرات اس لفظ کو جہنم کے معنی میں استعمال کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک جہنم کی آگ انسان کو پاک کرتی ہے ۱۲ ت

اس کی آگ میں لوٹ پوٹ رہتی ہیں، یہاں تک کہ پوپ اعظم ان کو بخشش عطا کرے، یا پادری لوگ اپنی قداسات[1] کی طاقت سے اسکی پوری قیمت[2] وصول کرنے کے بعد ان کو رہائی عطا کریں، اس فرقہ کے لوگ پوپ کے نائبین اور خلفاء سے حصول نجات کے لئے سندیں حاصل کرتے ہیں، مگر ان عقلمندوں پر تعجب ہوتا ہے کہ جب یہ اس معبود کے خلفاء سے حصول نجات کی سندیں خرید رہے ہیں کہ جس کا حکم آسمانوں اور زمین میں جاری اور نافذ ہے، تو جو لوگ اس عذاب سے نجات پاتے ہیں ان کی مہر لگی ہوئی رسیدیں کیوں طلب نہیں کرتے، اور چونکہ پوپ کی قدرت روزانہ روح القدس کے فیض سے برابر بڑھتی رہتی ہے، اس لئے پوپ لیو دہم[3] نے مغفرت اور بخشش کے لئے دستاویزی ٹکٹ ایجاد کئے، جو اسکی طرف سے یا اس کے وکیل کی جانب سے اپنی گذشتہ اور آئندہ خطاؤں اور گناہوں کی مغفرت کے خریدار کو دیئے جاتے ہیں، جس میں حسب ذیل مضمون لکھا ہوتا ہے،

> "ہمارا رب مسیح یسوع تجھ پر رحم کرے گا، اور تجھ کو اپنی رحمت کاملہ سے معاف کرے گا، امابعد مجھ کو سلطان الرسل پطرس و پولس اور اس علاقہ کے بڑے بڑے پوپ کی جانب سے جو اختیارات دیئے گئے ہیں ان کی بناء پر میں سب سے پہلے تیری خطاؤں کو بخشتا ہوں، خواہ کسی جگہ ان کو کیا گیا ہو، پھر دوسرے تیرے قصوروں کو اور کوتاہیوں کو اگرچہ وہ شمار سے زیادہ ہوں، بلکہ آئندہ کی لغزشوں کو جنھیں پوپ نے حلال کیا ہے، اور جب تک کنجیاں رومی کلیسا کے ہاتھ میں ہیں میں ان تمام عذابوں کو بخشتا ہوں، جن کا تو مطہر میں مستحق ہونے والا ہے، اور میں مقدس کلیسا کے اسرار اس کے اتحاد اور خلوص کی طرف سے تیری رہنمائی کروں گا،

---

[1] قداسات (SUFFRAGES) قدّاس کی جمع ہے، ان دعاؤں اور رسموں کو کہا جاتا ہے جو نصرانی مذہب میں انسانوں کو گناہوں سے پاک کرنے کے لئے کی جاتی ہے

[2] سی پی، الیس کلیرک اپنی تاریخ کلیسا میں کِڈ KIDD کے حوالے سے اس رسم کی تفصیل بتلاتے ہوئے لکھتا ہے، "اگر لوگ اس غرض کے لئے پیسے دینے کو تیار ہوتے تو جیسے ہی پادری کے صندوق میں سکوں کے گرنے کی آواز آئی تو مردہ کی وہ روح جسے نجات دلانے کے لئے پیسے ڈالے گئے ہیں فوراً اسیدھی جنت میں پہنچ جاتی[illegible] (SHORT HISTORY OF THE CHURCH P. 260 [illegible])

اور بپتسمہ کے بعد تو معصوم ہو جائے گا، یہاں تک کہ جب تو مرے گا تو تجھ پر عذابوں کے دروازے بند کر دیئے جائیں گے، اور فردوس کے دروازے تیرے لئے کھول دیئے جائیں گے، اور اگر تجھ کو فی الحال موت نہ آئی تو یہ بخشش آخری دم تک اپنے پورے اثر کے ساتھ تیرے لئے باقی اور قائم رہے گی، باپ اور بیٹے اور روح القدس کے نام سے، آمین، یہ لکھا گیا ہے بھائی یوحنا کے ہاتھ جو وکیل دوم کا قائم مقام ہے۔"

(۱۲) کہتے ہیں کہ جہنم زمین کے بیچوں بیچ ایک مکعب خلا ہے، جس کا ہر ضلع دو سو میل لمبا ہے۔

(۱۳) پوپ صلیب کا نشان اپنے جوتوں پر بناتا ہے، اور دوسرے لوگ اپنے چہروں پر، غالباً پوپ کے جوتے مرتبے میں صلیب سے اور دوسرے پادریوں کے چہروں سے کم نہیں ہیں،

قدّیس کرسٹافر:

(۱۴) بعض مقدس ہستیاں ایسی ہیں جن کی صورتیں تو کتے جیسی ہیں، اور جسم، انسانی جسم کی طرح، وہ اللہ کے یہاں بندوں کی شفاعت کریں گے، معلم میخائیل مذکور اپنی مذکورہ کتاب کے صفحہ ۱۱۴ میں کیتھولک فرقہ پر طعن کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:۔

لیو دہم (Leo X) ایک پوپ ہے جسے ۱۵۱۳ء میں نامزد کیا گیا اور ۱۵۲۱ء میں اس کا انتقال ہوا، بڑٹانیکا، ۱۲ صفحہ ہذا کا حاشیہ ۱ے مغفرت ناموں کی اسی طرح بہت سی تحریریں تاریخ میں ملتی ہیں، پوپ کو پیسے دیکر گناہ معاف کرانیکی یہ رسم سالہا سال سے بغیر کسی روک ٹوک کے جاری رہی ہے، اسکی دلچسپ تاریخ کیلئے ملاحظہ فرمائیے: انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ج ۱۲ ص ۲۷۵ مقالہ INDULGENCE اس رسم کیلئے کیسے کیسے گھناؤنے کاموں کا لائسنس دیدیا گیا تھا؟ تاریخ میں اسکے عجیب عجیب واقعات ملتے ہیں کلیرک نے تاریخ کلیسا میں کڈ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ: ۱۵۱۷ء میں ایک پادری جان ٹیٹزل (TETZEL) نے عام اعلان کر دیا تھا کہ اگر کسی عیسائی نے اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کی ہو اور وہ کچھ رقم پوپ کے مغفرت کے صندوق میں ڈال دے تو پوپ کو دنیا اور آخرت دونوں میں اختیار ہے کہ وہ اسکے گناہ معاف کر دے، اور اگر پوپ نے گناہ معاف کر دیا تو خدا کو ایسا ہی کرنا پڑے گا کو شارٹ ہسٹری آف دی چرچ ص ۲۷۰

"ان لوگوں نے بعض مقدس ہستیوں کا نقشہ اور صورت ایسی فرض کی ہے کہ اس قسم کی صورت اللہ نے کسی مخلوق کی نہیں بنائی، مثلاً سر کُتّے جیسا اور جسم انسان کا سا، اس کا نام انھوں نے قدّیس[1] خرلیسطفورس رکھ چھوڑا ہے، اس کے آگے قسم قسم کی عبادتیں کرتے ہیں، اس کے سامنے سجدے کرتے ہیں، اور اس کے آگے شمعیں جلاتے ہیں، خوشبوئیں لگاتے ہیں، اسکی شفاعت کی درخواست کرتے ہیں، کیا عیسائیوں کے لائق ہے کہ وہ کُتّے کے دماغ میں عقل ہونے کا اعتقاد رکھیں؟ اور اسے بزرگ سمجھیں؟ کہاں یہ فاسد اعتقادات اور کہاں ان کے کنیسوں کی عصمت؟"

اس کا یہ کہنا کہ کیا عیسائی کے لائق ہے" یہ یقیناً سچ اور صحیح ہے، کیوں کہ عیسائیوں کا یہ قدّیس ہندوستان کے بعض مشرکین کے قدیس کے بالکل مشابہ ہے، شاید یورپ کے عیسائیوں کا کُتّے سے والہانہ اور شدید محبت رکھنا اسی لئے ہو، کیوں کہ وہ اس محترم قدیس کے ہمشکل ہے،

صلیب کی عظمت کیوں؟

(۱۵) صلیب کی لکڑی اور ازلی باپ اور بیٹے نیز روح القدس کی تصویروں کو حقیقی

---

[1] قدّیس خرلیسطفوس (SAINT CHIRST PTAR) نصرانی حضرات اسے اپنی تاریخ کا ایک کردار مانتے ہیں، جس کے اعزاز میں لاطینی کلیسا ۲۵ جولائی اور یونانی کلیسا ۹ مارچ کو خاص رسمیں ادا کرتا ہے، اس کے کردار کے بارے میں مختلف کہانیاں مشہور ہیں، جن میں سے مشہور ترین روایت انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں یہ نقل کی گئی ہے کہ: "یہ دراصل ایک بُت پرست جن تھا، جو اپنے سے زیادہ طاقتور آقا کی تلاش میں پھرتا تھا، کچھ دنوں یہ شاہ کنعان کے پاس رہا، مگر چونکہ وہ جنات سے ڈرتا تھا اور یہ صلیب سے، اسلئے دونوں میں نبھاؤ نہ ہو سکا، یہ شاہ کنعان کے پاس سے چلا آیا، اور پھر ایک راہب نے اُسے عیسائی بنالیا، عیسائی ہوکر اُس نے نماز روزے کے بجائے خدمت خلق کے کام میں لگنا پسند کیا، اور ایک ایسے دریا کے کنارے رہنے لگا جس پر پل نہیں تھا، جب بھی کوئی مسافر وہاں سے گذرتا یہ اُسے اپنی پشت پر لاد کر دوسرے کنارے پہنچا دیتا، ایک روز ایک چھوٹے سے بچے نے اس سے دوسرے کنارے جانے کی فرمائش کی، چنانچہ یہ حسب معمول اُسے کندھے پر

بقیہ صفحہ گذشتہ پر

عبادت والا سجدہ کیا جاتا ہے، اور قدیس لوگوں کی تصویروں کو سجدۂ تعظیمی کیا جاتا ہے، میں حیران ہوں کہ پہلی قسم کی تصویروں کے سجدۂ عبادت کا مستحق ہونے کے کیا معنی ہیں؟ اسی لئے کہ صلیب کی لکڑی کی تعظیم یا تو اس لئے ہے کہ اس جیسی لکڑی مسیحؑ کے جسم سے مس ہوئی تھی، اور ان کے خیال کے مطابق مسیحؑ اس پر لٹکائے گئے تھے یا پھر اس لئے کہ وہ لکڑی ان کے کفارہ بننے کا ذریعہ ہوئی، یا اس لئے کہ آپ کا خون اس لکڑی پر بہا تھا، اب اگر پہلی وجہ ہے تو عیسائیوں کے نظریہ کے مطابق گدھوں کی ساری قوم صلیب سے زیادہ معبود ہونے کے لائق اور افضل ہے، کیونکہ مسیح علیہ السلام گدھے اور خچر پر سوار ہوا کرتے تھے، ان دونوں کو بھی آپ کے جسد مبارک سے مس ہونے کا شرف حاصل تھا، بلکہ انہوں نے تو آپ کو راحت پہنچائی، اور بیت المقدس تک لے جانے کی خدمت انجام دی تھی، اور گدھا اُن کے ساتھ جنسِ قریب اور حیوانیت میں شریک بھی ہے، اس لئے کہ گدھا بھی جسم نامی حساس متحرک بالارادہ ہے، بخلاف اس لکڑی کے کہ جس میں کسی قسم کی حس اور حرکت کی قدرت موجود نہیں ہے،

اور اگر دوسری وجہ ہے تو یہودا اسکریوتی تعظیم کا زیادہ مستحق ہے، کیونکہ مسیحؑ کے قربان ہونے کا وہ سب سے پہلا واسطہ اور ذریعہ ہے، کیونکہ اگر وہ مسیحؑ کو

(گذشتہ سے پیوستہ) لادکر چلا آدھے راستے پر پہونچ کر اسے اسقدر زبردست بوجھ محسوس ہوا کہ وہ لڑکھڑانے لگا، جوں توں کرکے اس نے بچے کو کنارے پر پہنچایا، اور اس سے کہا کہ "اگر میں ساری دنیا کو پشت پر لاد لیتا تب بھی مجھے اتنا بوجھ محسوس نہ ہوتا، جتنا تجھے اُٹھاکر محسوس ہوا ہے" اس پر بچے نے جواب دیا کہ "تعجب کی کوئی بات نہیں تم نے صرف دنیا کو نہیں بلکہ دنیا کے پیدا کرنے والے کو بھی پشت پر اُٹھایا تھا" کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد جب ۲۵۰ء میں ڈیشس (DEEISUS) نے عیسائیوں پر ظلم ڈھائے تو اُسے بھی مار دیا، (یہ تمام تفصیل برٹانیکا ج ۵ ص ۶۴۳ مقالہ: CHRISTOPHER میں موجود ہے) عیسائیوں نے اس بچے کی کہانی پر ایمان لاکر اس قدیس کا ایک عجیب ہیئت کا بت بنا چھوڑا، اور ہر سال اسکی یاد میں خاص رسمیں منانے لگے، اگر کوئی اس انسانیت سوز حرکت پر احتجاج کرے تو وہ "ملحد" "بدعتی" اور آگ میں جلانے کے قابل ہے، معاذ اللہ: ۱۲ت

یہود کے ہاتھ گرفتار نہ کراتا تو یہودیوں کے لئے مسیح کو پکڑ کر سولی دینا ممکن نہ ہوتا،
دوسرے وہ مسیح علیہ السلام کے ساتھ انسانیت کے وصف میں برابر ہے، اور انسانی صورت
وشکل پر بھی ہے جو اللہ کی صورت ہے[1]، نیز وہ روح القدس سے "بھرا ہوا" صاحب کرامات
ومعجزات بھی تھا، کتنی حیرت کی بات ہے کہ ایسا زبردست واسطہ جو پہلا واسطہ ہے وہ
تو ان کے نزدیک ملعون ہے، اور ایک چھوٹا واسطہ مبارک اور معظم ہے،

اور اگر صلیب کو مقدس ماننے کی تیسری وجہ ہے تو وہ بٹے ہوئے کانٹے جو مسیح
کے سر پہ تاج بنے ہوئے تھے[2] وہ بھی اس اعلیٰ منصب پر فائز ہوئے ہیں، یعنی ان پر بھی
مسیح علیہ السلام کا خون گرا ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ ان کی تعظیم اور عبادت نہیں کی
جاتی؟ بلکہ ان کو آگ میں جلایا جاتا ہے، اور اس لکڑی کی تعظیم کی جاتی ہے، سوائے
اس کے کہ یہ کہا جائے کہ یہ بھی ایک بھید ہے تثلیث کے سمجھ میں نہ آنے والے بھید
کی طرح، اور جس طرح مسیح میں حلول کر جانا انسانی عقلوں کے ادراک سے خارج ہے،

اس سے زیادہ فحش بات باپ کی تصویر کی تعظیم کرنا ہے، کیونکہ آپ کو باب ۴
کے مقدمہ کی تیسری اور چوتھی خصوصیت کے بیان میں معلوم ہو چکا ہے کہ نہ صرف
اللہ تعالیٰ مشابہت سے بری اور پاک ہے بلکہ نہ اسکو کسی نے دیکھا ہے اور نہ دنیا میں
کسی کو اس کے دیکھنے کی قدرت ہے، تو پھر کونسے پوپ نے اس کو دیکھا ہے؟ جو
اس کی تصویر بنانے کا امکان ہو سکے، اور یہ بات کیسے معلوم ہوئی کہ یہ تصویر خدا کی اصل
صورت کے مطابق ہے، اور کسی شیطان کی صورت یا کسی کافر کی صورت کے مطابق نہیں ہے[3]

---

[1] اشارہ ہے پیدائش ۱: ۲۷ کی طرف، جس میں کہا گیا ہے کہ "خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا"۔

[2] انجیل متی میں ہے: "اور کانٹوں کا تاج بنا کر اس کے سر پر رکھا، اور ایک سرکنڈا اس کے داہنے ہاتھ میں دیا" (متی ۲۷: ۲۹)

[3] یہ خدا کی تصویر بنانا کسی پرانے زمانے کی بات نہیں ہے، آج کے مہذب دور میں امریکہ کے "تہذیب ترین" رسالے لائف نے حال ہی میں "بائیبل نمبر" شائع کیا ہے، جس میں خدا کی کئی تصویریں دکھائی گئی ہیں اور وہ تمام تصویریں اپنے مصوروں کی گھٹیا ذہنیت کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں (دیکھئے لائف شمارہ ۱۹ اپریل ۱۹۶۵ء)،

پھر یہ لوگ ہر انسان کی عبادت کیوں نہیں کرتے، خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر، اس لئے کہ توریت کی تصریح کے مطابق انسان خدا کی شکل لئے ہوئے ہے[1]، تعجب ہے کہ پوپ صاحب اس وہمی پتھر کی مورت کو تو سجدہ کرتے ہیں، جس میں نہ حس ہے نہ حرکت، اور اللہ کی بنائی ہوئی صورت یعنی انسان کی توہین اور تحقیر کرتے ہیں، کہ اس کے آگے اپنے پاؤں پھیلا دیتے ہیں کہ وہ ان کے جوتوں کو بوسہ دے میرے نزدیک ان اہلِ کتاب اور ہندوستان کے مشرکین کے درمیان کوئی بھی فرق نہیں ہے، اور اس عبادت میں ان کے عوام مشرکین کے عوام کی طرح اور ان کے خواص مشرکین کے خواص کی طرح ہیں، ہندوستان کے مشرکین اہلِ علم بھی اپنی بُت پرستی کے لئے اسی قسم کے عذر پیش کرتے ہیں،

تفسیر کا حق صرف پوپ کو ہے:

(۱۶) پوپ کتابوں کی تفسیر و تشریح میں سب سے بڑی اتھارٹی ہے، یہ عقیدہ آخر زمانے میں گھڑا گیا ہے، ورنہ اگر پہلے بھی یہ عقیدہ رائج ہوتا تو آگسٹین اور کریزوسٹم جیسے مفسرین اپنی تفسیریں نہ لکھ سکتے، کیونکہ نہ تو وہ پوپ تھے، اور نہ انہوں نے اپنے زمانے کے پاپاؤں سے تفسیر لکھنے کی اجازت حاصل کی تھی، اور ان کی تفسیریں اس زمانے کے کلیساؤں میں بہت مقبول ہوئیں، غالباً بعد کے پاپاؤں نے ان تفسیروں کے مطالعے کے بعد ہی یہ منصب حاصل کیا ہے،

(۱۷) اسقفوں اور شماسوں[2] کو نکاح کی اجازت نہیں دی گئی، اسی لئے وہ لوگ وہ

---

[1] دیکھئے پیدائش ۱: ۲۷،

[2] شماس (DEACON) اُسے اردو بائبل میں "خادم" کا نام بھی دیا گیا ہے (فلپیوں ۱: ۱، اور ۱-تیمتھیس ۳: ۸ تا ۱۳) یہ کلیسا کا ایک عہدہ ہے، جو اسقف (بشپ) سے نیچے ہوتا ہے، قدیم کلیساؤں میں ان لوگوں کے یہ فرائض تھے کہ کلیسا کی مملوکات کی دیکھ بھال کریں۔ بیماروں، یتیموں، بیواؤں اور غریبوں کی مدد کریں، جب ہسپتال اور دوسرے رفاہی ادارے وجود میں آگئے تو یہ رفاہی کام ان کے سپرد کر دیئے گئے، آخر دور میں ڈیکن کا عہدہ اُس شخص کو دیا جانے لگا جو پادری بننے کا امیدوار ہو، ان کے فرائض بھی رسوم ادا کرنے اور انجیل کی تلاوت تک محدود کر دیئے گئے (برٹانیکا، ص ۹۲ ج ۷، مقالہ ڈیکن) ۱۲ ت

کام کرتے ہیں جو شادی شدہ لوگ نہیں کر سکتے، ان کے بعض معلمین نے پاپاؤں کے اس اجتہاد کا مقابلہ کیا ہے، میں اُن کے بعض اقوال کتاب ثلاث عشرہ رسالہ کے دوسرے رسالے ص ۴۴ و ۴۵ سے نقل کرتا ہوں، قدّیس برنرڈوس[1] غزل الغزلات نے نغمہ نمبر ۶۶ کے ذیل میں کہتا ہے:

"ان لوگوں نے کلیسا سے نکاح کی شریف رسم کو اُڑا دیا، اور وہ ہمبستری جو کدورت اور میل سے پاک تھی اس کو برطرف کر دیا، اس کے بجائے خوابگاہوں کو لڑکوں، ماؤں بہنوں کے ساتھ زناکاری سے ملوث کر ڈالا، اور ہر قسم کی گندگیوں سے بھر دیا، اور فاروسؔس[2] پیلا جیوس جو پرتگال کے علاقے کا ۱۳۰۰ء میں بشپ رہا ہے، کہتا ہے کہ کیا اچھا ہوتا کہ کلیسا والے پاک دامنی کی نذر نہ مانتے، بالخصوص اندلس کے اہلِ کلیسا اس قسم کی پابندی عائد نہ کرتے، اس لئے کہ رعیت کی اولاد اس علاقے میں راہبوں اور پادریوں کی اولاد سے شمار میں کچھ ہی زیادہ ہے، اور پندرھویں صدی کا اسقف جان سالٹز برگ[3] کہتا ہے کہ میں نے بہت تھوڑے راہب اور پادری پائے ہیں جو عورتوں کے ساتھ کثرت سے حرامکاری کے عادی نہ ہوں، اور راہب عورتوں کی خانقاہیں رنڈیوں کے چکلوں کی طرح حرامکاری کے اڈے بنی ہوئی ہیں"۔

بھلا پادریوں اور راہبوں کے بارے میں پاک دامنی کا تصور ایسی حالت میں کیونکر ممکن ہے جب کہ وہ لوگ بکثرت شراب نوشی کرتے ہیں، اور نوجوان بھی ہوں، اور جب کہ یعقوب علیہ السلام کا بیٹا روبن اس لعنت سے نہ بچ سکا، کیونکہ اس نے اپنے والد کی باندی بلہاہ سے زنا کیا، اور نہ ان کا دوسرا بیٹا یہوداہ، جس نے اپنے بیٹے کی بیوی سے زنا کیا، اور نہ ہی داؤد علیہ السلام جنھوں نے باوجود بہت سی منکوحہ بیویوں کے اوریا کی بیوی

---

[1] ST BERNARD

[2] BISHOP PELAGE BOLAGIUS

[3] JONH SATT3 BOURG

سے زنا کیا، اور نہ ہی لوط علیہ السلام اس شنیع فعل سے محفوظ رہ سکے جنھوں نے شراب کے نشے میں اپنی دو حقیقی بیٹیوں کے ساتھ زنا کیا، وغیرہ وغیرہ[1]، پھر جب عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق نبیوں اور ان کے بیٹوں کا حرام کاری اور زنا کاری میں یہ ریکارڈ ہے، تو پادریوں کی پاک دامنی کی کیا توقع کی جا سکتی ہے؟ سچی بات تو یہ ہے کہ فاروس بیلاجیوس اور جان دونوں اس بیان میں سچے ہیں کہ اس علاقے میں رعیت کی اولاد راہبوں اور پادریوں کی اولاد سے کچھ ہی زیادہ ہے، اور یہ کہ راہب عورتوں کی خانقاہیں رنڈیوں کے چکلوں کی طرح زنا کاری کی گندگی سے بھری ہوئی ہیں،

اب مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ قرآن کریم میں اگر اس قسم کے مضامین عیسائی لوگ موجود پاتے تو شاید وہ اس کو اللہ کا کلام تسلیم کر لیتے اور قبول کر لیتے، اس لئے کہ ان کے محبوب اور دل پسند مضامین تو یہی ہیں، نہ کہ وہ جو قرآن نے بیان کئے ہیں، مگر جب وہ دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم ان کے من پسند اور مرغوب مضامین سے قطعی خالی ہے تو ایسے قرآن کو کس طرح قبول کر سکتے ہیں؟ رہے وہ بعض مضامین جو قرآن نے جنت و دوزخ کے سلسلے میں بیان کئے ہیں جن کو عیسائی لوگ قبیح قرار دیتے ہیں اس کا ذکر مع جواب کے انشاء اللہ تعالیٰ تیسرے اعتراض کے ذیل میں کروں گا،

◎

[1] یہ سب قصے بائبل میں مذکور ہیں، حوالوں کے لئے دیکھئے اسی جلد کے ص ۱۰۴۸، کے حواشی ۱۲

قرآن کریم نے بائبل کی مخالفت کی ہے

دوسرا اعتراض

یہ ہے کہ چونکہ قرآن کریم نے بعض مقامات پر عہد جدید و عہد قدیم کی کتابوں کی مخالفت کی ہے اس لئے وہ خدا کا کلام نہیں ہوسکتا،

پہلا جواب:

چونکہ ان کتابوں کا سلسلۂ سند متصل اپنے مصنفوں تک ثابت نہیں ہوسکا اور نہ یہ ثابت ہوسکا کہ یہ کتابیں الہامی ہیں، اُدھر یہ بھی ثابت ہے کہ ان کتابوں میں خود بے شمار مقامات پر آپس میں معنوی اختلاف پایا جاتا ہے، اور یقینی طور پر بے شمار غلطیوں سے بھری پڑی ہیں، جیساکہ آپ کو پہلے باب سے معلوم ہوچکا ہے، اسی طرح ان کتابوں میں تحریف بھی ثابت ہوچکی ہے، جیساکہ دوسرے باب سے معلوم ہوچکا ہے، تو پھر قرآن کریم کا بہت سے مقامات پر ان کے مخالف ہونا کوئی مضر نہیں ہے بلکہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان مقامات میں غلطیاں ہیں، یا پھر تحریف کی گئی ہے جس طرح دوسری اغلاط اور تحریفات موجود ہیں، جن کا بیان پہلے دو بابوں میں ہوچکا ہے اور اس باب کی پہلی فصل کی چوتھی خصوصیت میں واضح ہوچکا ہے کہ قرآن کریم کی یہ مخالفت ارادی اور قصدی ہے، اس سے یہ جتانا مقصود ہے کہ قرآن کے خلاف جو کچھ ہے، یا غلط ہے، یا تحریف شدہ ہے، یہ بات نہیں کہ یہ مخالفت سہواً ہوئی ہو۔

دوسرا جواب:

عیسائی پادری قرآنِ کریم اور بائبل کے درمیان جو مخالفتیں بیان کرتے ہیں وہ تین قسم کی ہیں: اوّل منسوخ احکام[1] کے لحاظ سے، دوسرے وہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ بعض واقعات ایسے ہیں جن کا ذکر قرآن میں موجود ہے اور دونوں عہد ناموں میں

[1] کہ قرآن نے سابقہ کتب کے احکام کو منسوخ کردیا،

نہیں پایا جاتا، تیسرے قرآن کے بعض بیان کردہ حالات ان کتابوں کے بیان کئے ہوئے احوال کے مخالف ہیں،

ان تینوں لحاظ سے عیسائیوں کا قرآن پر طعن کرنا محض بے جا اور بے معنی ہے اوّل اعتبار سے اس لئے کہ آپ تیسرے باب میں پڑھ چکے ہیں کہ نسخ قرآن کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ کثرت سے پچھلی شریعتوں میں پایا جاتا رہا ہے، اور اس میں کوئی محال عقلی نہیں ہے، چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت نے سوائے نو[۹] احکام کے تمام احکام کو منسوخ کر دیا، یہاں تک کہ توریت کے مشہور دس احکام بھی منسوخ کر دیئے گئے، اور عیسائی نظریئے کے مطابق اس میں تکمیل واقع ہوئی، اور تکمیل بھی ان کے خیال کے مطابق نسخ ہی کی ایک قسم ہے، لہٰذا یہ احکام بھی اس لحاظ سے منسوخ ہی کہلائیں گے، اس کے بعد کسی عقلمند مسیحی کے لئے اس لحاظ سے قرآن پر طعن کرنے کی مجال باقی نہیں رہی،

دوسرے لحاظ سے بھی اعتراض نہیں کیا جا سکتا، اس لئے کہ عہد نامۂ جدید میں بہت سے قصے وہ ذکر کئے گئے ہیں جن کا ذکر عہد نامۂ قدیم کی کسی کتاب میں نہیں ہے، میں ان میں سے صرف تیرہ[۱۳] قصوں کو بیان کرنے پر اکتفا کرتا ہوں،

عہد جدید کے وہ واقعات جن کا ذکر عہدِ قدیم میں نہیں ہے،

پہلا شاہد:

یہوداؔ کے خط کی آیت نمبر ۹ میں:

"لیکن مقرب فرشتہ میکائیل نے موسیٰؑ کی لاش کی بابت ابلیس سے بحث و تکرار کرتے وقت لعن طعن کے ساتھ اس پر نالش کرنے کی جرأت نہ کی، بلکہ یہ کہا کہ خداوند تجھے ملامت کرے"!

اس میں میکائیل علیہ السلام کے شیطان کے ساتھ جس جھگڑے کا ذکر ہے اس کا کوئی پتہ نشان عہدِ قدیم کی کسی کتاب میں نہیں ملتا،

دوسرا شاہد:

اسی خط کی آیت نمبر ۱۴ میں ہے:

"ان کے بارے میں حنوک نے بھی جو آدمؑ سے ساتویں پشت میں تھا یہ پیشینگوئی کی تھی کہ دیکھو! خداوند اپنے لاکھوں مقدسوں کے ساتھ آیا، تاکہ سب آدمیوں کا انصاف کرے، اور سب بے دینوں کو ان کی بے دینی کے ان کاموں کے سبب سے جو انھوں نے بے دینی سے کیے ہیں ان سب سخت باتوں کے سبب سے جو بے دین گنہگاروں نے اسکی مخالفت میں کہی ہیں قصوروار ٹھہرائے"!

حضرت حنوک علیہ السلام کی اس پیشینگوئی کا بھی عہد نامۂ قدیم کی کسی کتاب میں تذکرہ نہیں ہے،

تیسرا شاہد:

عبرانیوں کے نام خط کے باب ۱۲ آیت ۲۱ میں ہے:

"اور وہ نظارہ ایسا ڈراؤنا تھا کہ موسیٰؑ نے کہا کہ میں نہایت ڈرتا ہوں اور کانپتا ہوں[۱]"

ان جملوں میں جس واقعے کی طرف اشارہ ہے وہ کتاب خروج کے باب ۱۹ میں بیان کیا گیا ہے، مگر اس میں حضرت موسیٰؑ کا یہ جملہ کہیں مذکور نہیں، اور نہ عہدِ قدیم کی کسی اور کتاب میں اس کا تذکرہ ہے،

چوتھا شاہد:

تیمتھیس کے نام دوسرے خط کے باب ۳ آیت نمبر ۸ میں ہے:

"جس طرح ینّیس اور یمبریس نے موسیٰؑ کی مخالفت کی تھی (اسی طرح یہ لوگ بھی حق کی مخالفت کرتے ہیں)[۲]"

مخالفت کے جس واقعے کی طرف اس عبارت میں اشارہ کیا گیا ہے وہ کتاب خروج کے باب ۷ میں ذکر کیا گیا ہے، لیکن ان دونوں ناموں کا کہیں کوئی نشان نہیں ہے، نہ اس باب میں اور نہ کسی اور باب میں، اور نہ عہدِ عتیق کی کسی اور کتاب میں،

پانچواں شاہد:

کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب ۱۵ آیت ۶ میں ہے،

"پھر پانچسو سے زیادہ بھائیوں کو ایک ساتھ دکھائی دیا، جن میں سے اکثر اب تک موجود ہیں، اور بعض سو گئے"

پانچسو آدمیوں کو نظر آنے کا یہ واقعہ نہ تو چاروں انجیلوں میں سے کسی میں موجود ہے اور نہ کتاب اعمال میں، حالانکہ لوقا اس قسم کی باتیں بیان کرنے کا بے حد شائق ہے،

چھٹا شاہد:

کتاب اعمال باب ۲۰ آیت نمبر ۳۵ میں ہے:

"اور خداوند یسوع کی باتیں یاد رکھنا چاہئے کہ اس نے خود کہا: دینا لینے سے مبارک ہے"

حضرت مسیح علیہ السلام کے اس ارشاد کا چاروں انجیلوں میں کہیں کوئی نشان نہیں،

۱؎ یہ حضرت موسیٰؑ کے کوہ طور پر جا کر اللہ سے ہمکلام ہونے کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے ۱۲ تقی۔ ۲؎ قوسین کی عبارت اظہار الحق کے متن [illegible] ۱۲ ت

ساتواں شاہد :

انجیل متی کے پہلے باب میں حضرت مسیح علیہ السلام کا نسب بیان کرتے ہوئے جو نام ذکر کئے گئے ہیں ان میں زربابل کے بعد والے ناموں کا کوئی ذکر عہد قدیم کی کسی کتاب میں نہیں ہے،

آٹھواں شاہد :

کتاب اعمال باب آیت نمبر ۲۳ میں ہے :

"اور جب وہ قریباً چالیس برس کا ہوا تو اس کے جی میں آیا کہ میں اپنے بھائیوں بنی اسرائیل کا حال دیکھوں، چنانچہ ان میں سے ایک کو ظلم اٹھاتے دیکھ کر اس کی حمایت کی، اور مصری کو مار کر مظلوم کا بدلہ لیا، اُس نے تو خیال کیا کہ میرے بھائی سمجھ لیں گے کہ خدا میرے ہاتھوں انھیں چھٹکارا دے گا، مگر وہ نہ سمجھے، پھر دوسرے دن وہ ان میں سے دو لڑتے ہوؤں کے پاس آنکلا، اور یہ کہہ کر انھیں صلح کرنے کی ترغیب دی کہ "اے جوانو! تم تو بھائی بھائی ہو، کیوں ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہو؟" لیکن جو اپنے پڑوسی پر ظلم کر رہا تھا اُس نے یہ کہہ کر اُسے ہٹا دیا کہ تجھے کس نے ہم پر حاکم اور قاضی مقرر کیا؟ کیا تو مجھے بھی

لہ (صفحہ گذشتہ کے حاشیے ۲ لہ صفحہ ہذا پر) سے انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ مذکور ہے کہ وہ ایک مرتبہ انتقال کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اپنے حواریوں کو دکھائی دیئے تھے، مگر پانچ سو کا کہیں تذکرہ نہیں، گیارہ کا ہے، چنانچہ مفسر آر، اے ناکس نے اس کا اعتراف کیا ہے، اور پھر یہ تاویل کی ہے کہ چونکہ حضرت عیسیٰ ع یعقوب اور پطرس کو بار بار دکھائی دیئے ہیں، اس لئے پولس نے ہر مرتبہ کو الگ شمار کر لیا (تفسیر عہد نامہ جدید ص۱۶۷ ج ۲) لیکن یہ ایسی تاویل ہے جسے کسی کی عقل قبول نہیں کر سکتی ۱۲ تقی

لے نصرانی حضرات اسکی تاویل کر کے کہتے ہیں کہ یہ متی ۱۰: ۸ کی طرف اشارہ ہے جس میں ہے کہ "تم نے مفت پایا، مفت دینا"، مگر یہ نرم تاویل ہے، اسلئے کہ دونوں جملوں میں بڑا فرق ہے، چنانچہ آر اے ناکس اپنی تفسیر میں اس کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے: "یہ ارشاد جستجو کے باوجود چاروں انجیلوں میں سے کہیں نہیں مل سکا"، لے دیکھئے متی ۱: ۱۳ تا ۱۶ ، لے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام

قتل کرنا چاہتا ہے جسطرح کل اُس مصری کو قتل کیا تھا؟" (آیات ۲۳ تا ۲۸)
یہ واقعہ کتاب خروج میں بھی ذکر کیا گیا ہے، لیکن بعض باتیں کتاب اعمال میں زیادہ ہیں، جن کا ذکر کتاب خروج میں نہیں ہے، خروج کی عبارت یہ ہے :

"اتنے میں جب موسیٰ بڑا ہوا تو باہر اپنے بھائیوں کے پاس گیا، اور ان کی مشقتوں پر اس کی نظر پڑی، اور اُس نے دیکھا کہ ایک مصری اس کے ایک عبرانی بھائی کو مار رہا ہے، پھر اُس نے اِدھر اُدھر نگاہ کی، اور جب دیکھا کہ وہاں کوئی دوسرا آدمی نہیں ہے تو اس مصری کو جان سے مار کر اُسے ریت میں چھپا دیا، پھر دوسرے دن باہر گیا، اور دیکھا کہ وہ عبرانی آپس میں مار پیٹ کر رہے ہیں، تب اس نے اُسے جس کا قصور تھا کہا کہ تو اپنے ساتھی کو کیوں مارتا ہے؟ اُس نے کہا تجھے کس نے ہم پر حاکم یا منصف مقرر کیا؟ کیا جس طرح تو نے اُس مصری کو مار ڈالا مجھے بھی مار ڈالنا چاہتا ہے؟" (آیات ۱۱ تا ۱۴)

نواں شاہد :

اور یہوداہ کے خط کی آیت ۶ میں ہے :

"اور جن فرشتوں نے اپنی حکومت کو قائم نہ رکھا، بلکہ اپنے خاص مقام کو چھوڑ دیا ان کو اس نے دائمی قید میں تاریکی کے اندر روزِ عظیم کی عدالت تک رکھا ہے"

دسواں شاہد :

اور یہی بات پطرس کے دوسرے خط باب ۲ آیت ۴ میں ہے :

"کیونکہ جب خدا نے گناہ کرنے والے فرشتوں کو نہ چھوڑا، بلکہ جہنم میں بھیجکر تاریک غاروں میں ڈال دیا، تاکہ عدالت کے دن تک حراست میں رہیں"

فرشتوں کے بارے میں یہ بات جسے یہوداہ اور پطرس کی طرف منسوب کیا گیا ہے، عہد نامۂ قدیم کی کسی کتاب میں موجود نہیں ہے، بلکہ ظاہراً یہ جھوٹ ہے، کیونکہ بظاہر اُن قید میں ڈالے ہوئے فرشتوں سے مراد شیاطین ہیں، حالانکہ شیاطین بھی ابدی اور دائمی قید میں نہیں ہیں، جیسا کہ کتاب ایوب کے باب ۱ انجیل مرقس باب ۱ آیت

نمبر ۱۲ پطرس[۱] کے پہلے خط باب ۵ آیت نمبر ۸ اور دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے،

گیارہواں شاہد:

عربی ترجمے کے مطابق زبور نمبر ۱۰۴ اور دوسرے ترجموں کے مطابق زبور نمبر ۱۰۵ کی آیت نمبر ۱۸ میں حضرت یوسف علیہ السلام کی قید کے بارے میں مذکور ہے:

"انہوں نے اس کے پاؤں کو بیڑیوں سے دکھ دیا، وہ لوہے کی زنجیروں میں جکڑا رہا"

حضرت یوسف علیہ السلام کے قید ہونے کا واقعہ کتاب پیدائش کے باب ۳۹ میں ذکر کیا گیا ہے، مگر اس میں یہ بات ذکر نہیں کی گئی، ویسے بھی قیدی کے لئے ان باتوں کا ہمیشہ ہونا ضروری نہیں، اگرچہ اکثر ہوتی ہیں،

بارہواں شاہد:

کتاب ہوسیع باب ۱۲ آیت ۴ میں ہے:

"ہاں وہ فرشتے سے کشتی لڑا، اور غالب آیا، اس نے رو کر مناجات کی"

حضرت یعقوب علیہ السلام کی کشتی کا یہ قصہ کتاب پیدائش کے باب ۳۲ میں مذکور ہے، لیکن اس میں کہیں آپ کا رو کر مناجات کرنا مذکور نہیں،[۲]

تیرہواں شاہد:

انجیل میں جنت و دوزخ، قیامت، اور وہاں پر اعمال کی جزا[۳] و سزا کا بیان مختصراً موجود ہے، لیکن اُن چیزوں کا کوئی نشان موسیٰ ؑ کی پانچوں کتابوں میں نہیں ہے، ان کتابوں میں فرماں برداروں کے لئے دنیوی فوائد کے وعدوں اور نافرمانوں کے لئے دنیوی نقصانات کی دھمکیوں کے سوا کوئی دوسرا مضمون نہیں، دوسرے، مقامات کا

---

[۱] "تم ہوشیار اور بیدار رہو، تمہارا مخالف ابلیس گرجنے والے شیر ببر کی طرح ڈھونڈتا پھرتا ہے کہ کسی کو پھاڑ کھائے" اس میں ابلیس کا آزاد ہونا مذکور ہے، دوسری آیتوں سے بھی اسی طرح اسکی آزادی معلوم ہوتی ہے ۱۲

[۲] پوری عبارت کیلئے دیکھئے ص ۸۶۸ جلد ہذا، ۱۲ ت

[۳] دیکھئے متی ۱۳: ۴۲ و ۲۵: ۴۱ و لوقا ۱۶: ۲۳ و پطرس ۲: ۴ و مکاشفہ ۱۶: ۱۰ وغیرہ،

بھی یہی حال ہے[۱]،

ہمارے اس بیان سے ثابت ہو گیا کہ اگر کوئی واقعہ کسی کتاب میں ذکر کیا گیا ہو اور اس سے پہلی کتابوں میں مذکور نہ ہو، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسری کتاب جھوٹی ہے ورنہ انجیل کا جھوٹا ہونا لازم آئے گا، کیونکہ وہ ان احوال پر مشتمل ہے جو نہ توریت میں مذکور ہیں، اور نہ عہدِ عتیق کی کسی کتاب میں، لہٰذا ضروری نہیں کہ پہلی کتاب سارے حالات کو حاوی اور محیط ہو، دیکھئے: آدمؑ و شیثؑ اور آنوسؑ کی تمام اولاد کے نام اور ان کے احوالِ توریت میں موجود نہیں ہیں، اور ڈی آئلی اور رچرڈ مینٹ کی تفسیر میں کتاب سلاطین دوم کے باب ۱۴ کی آیت ۲۵[۲] کی شرح کے ذیل میں یوں کہا گیا ہے کہ:

"اس رسول یونس کا ذکر سوائے اس آیت کے اور اُس مشہور پیغام کے جو نینوی والوں کے نام تھا اور کہیں نہیں پایا جاتا، اور نہ کسی کتاب میں یہ مذکور ہے کہ حضرت یونسؑ نے یربعام کے بارے میں کوئی پیشینگوئی کی تھی جس کی بناء پر بادشاہ یربعام نے شام کے سلاطین کے خلاف جنگ کی جرأت کی، اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ انبیاء کی بہت سی کتابیں ہمارے پاس موجود نہیں، بلکہ اس کا سبب یہ ہے کہ انبیاء نے بہت سے پیش آنے والے حوادث کی نسبت کوئی خبر نہیں دی"

[۱] مثلاً کتاب خروج میں ہے "اگر تو سچ مچ اس کی بات مانے اور جو میں کہتا ہوں وہ سب کرے تو میں تیرے دشمنوں کا دشمن اور تیرے مخالفوں کا مخالف ہونگا" (خروج ۲۳: ۲۲) اور کتاب احبار میں ہے: اور اگر تم میرے سب حکموں پر عمل نہ کرو بلکہ میرے عہد کو توڑو تو میں بھی تمہارے ساتھ اس طرح پیش آؤں گا کہ دہشت تپ دق اور بخار کو تم پر مقرر کر دونگا" (احبار ۲۶: ۱۵ و ۱۶) تقریباً تمام تورات میں یہی حال ہے فرمانبرداری کے فوائد کے لئے مزید دیکھئے خروج ۱۹: ۵ و احبار ۲۶: ۳، استثناء ۴: ۸ و ۱۱: ۲۹ اور نافرمانیوں کے نقصانات کیلئے ملاحظہ ہو: استثناء ۸: ۱۱ و ۲۸: ۱۵ وغیرہ ۱۲

[۲] اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ شاہ یربعام کو شام کے بعض علاقوں پر جو غلبہ حاصل ہوا ہے وہ حضرت یونس علیہ السلام کی پیشینگوئی کے مطابق تھا، مگر یونسؑ کی ایسی کوئی پیشینگوئی کسی کتاب میں موجود نہیں ہے، ڈی آئلی اور رچرڈ مینٹ اسی کی وجہ بیان کر رہے ہیں ۱۲ تقی

یہ قول صاف طور پر ہمارے دعوے پر دلالت کر رہا ہے، اسی طرح انجیل یوحنا کے باب ۲۰ کی آیت نمبر ۳۰ میں ہے کہ:

"اور یسوع نے اور بہت سے معجزے شاگردوں کے سامنے دکھائے، جو اس کتاب میں لکھے نہیں گئے"

اور یوحنا باب ۲۱ آیت ۲۵ میں ہے:

"اور بھی بہت سے کام ہیں جو یسوع نے کئے، اگر وہ جُدا جُدا لکھے جاتے تو میں سمجھتا ہوں کہ جو کتابیں لکھی جاتیں اُن کے لئے دنیا میں گنجائش نہ ہوتی"

یہ قول اگرچہ شاعرانہ مبالغے سے خالی نہیں، مگر اس سے یہ بات یقینی طور پر معلوم ہوگئی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے تمام حالات ضبطِ تحریر میں نہیں آسکے، لہٰذا قرآن پر جو شخص دوسرے لحاظ سے طعن کرتا ہے اس کا حال ایسا ہی ہوگا جیسا پہلے اعتبار سے طعن کرنے والے کا۔

تیسرے لحاظ سے بھی قرآن پر اعتراض[1] نہیں کیا جاسکتا، اس لئے کہ اس قسم کے اختلافات خود عہد نامہ قدیم کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں، اسی طرح انجیلوں میں بعض کا بعض سے اختلاف ہے یا انجیل اور عہدِ عتیق کے درمیان بے شمار اختلافات ہیں، جیسا کہ پہلے باب کی تیسری فصل میں معلوم ہوچکا ہے، یا جیسے وہ اختلاف جو توریت کے تین نسخوں یعنی عبرانی، یونانی اور سامری میں موجود ہے، بعض اختلافات کا علم آپ کو دوسرے باب سے ہوچکا ہے، مگر پادریوں کی عادت ہے کہ وہ اکثر اوقات ناواقف مسلمانوں کو اس شبہ کے ذریعے مغالطے میں ڈالتے ہیں، اس لئے بعض مزید اختلافات کا ذکر کرنا مناسب ہے، چونکہ اس میں عظیم الشان فائدے کی توقع ہے اس لئے تھوڑی سی تطویل کی پرواہ نہیں کی جائے گی،

پہلا اختلاف:

آدم کی پیدائش سے طوفانِ نوح تک عبرانی[52] نسخے کے اعتبار سے ۱۶۵۶ء سال

---

[1] یعنی یہ اعتراض کہ قرآن میں بہت سے واقعات بائبل کے خلاف ہیں ۱۲ تقی

[52] موجودہ تراجم آئندہ تمام اختلافات میں عبرانی نسخے کے مطابق ہیں، جہاں کہیں اس کے خلاف ہوگا وہاں حا

کی مدت ہے، اور یونانی نسخے کے اعتبار سے ۲۲۶۲[1] سال اور سامری نسخے کے لحاظ سے ۱۳۰۷ سال،

دوسرا اختلاف:

طوفانِ نوح سے ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش تک عبرانی نسخے کے اعتبار سے ۲۹۲ سال اور یونانی نسخے کے لحاظ سے ۱۰۷۲ سال اور سامری نسخے کے اعتبار سے کل ۹۴۲[2] سال ہوتے ہیں،

تیسرا اختلاف:

یونانی نسخے میں ارفخشد اور سالح کے درمیان صرف ایک بطن یعنی قینان کا فصل ہے، مگر عبرانی اور سامری نسخوں میں اسی طرح کتاب[3] تواریخ اول میں نیز تاریخ یوسفیس میں یہ درمیانی واسطہ نہیں پایا جاتا، لیکن لوقا انجیلی نے یونانی نسخے پر اعتماد کیا ہے، اور مسیح کے نسب میں قینان کا اضافہ کیا، اس لئے عیسائیوں پر لازم ہے کہ وہ یونانی نسخے کے صحیح ہونے کا اعتقاد رکھیں، اور دوسرے نسخوں کے غلط ہونے کا، تاکہ ان کی انجیل کا جھوٹا ہونا لازم نہ آئے گا،

چوتھا اختلاف:

ہیکل، یعنی مسجد کی عمارت کا مقام عبرانی نسخے کے مطابق کوہِ عیبال ہے، اور سامری نسخے کے موافق کوہِ جرزیم ہے، ان اختلافات کا حال چونکہ دوسرے باب میں آپ معلوم کر چکے ہیں، اس لئے اس کی توضیح میں زیادہ طوالت کی حاجت نہیں ہے"

بائبل کے نسخوں کے مزید اختلافات

پانچواں اختلاف:

آدم علیہ السلام کی پیدائش سے مسیح کی ولادت تک عبرانی نسخے کے لحاظ سے

---

[1] تفصیل کیلئے دیکھئے ص۶۱۷ جلد ہذا، وہاں ہم نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ یونانی نسخے کے لحاظ سے کل مدت دوہزار دوسو باسٹھ کے بجائے دوہزار تین سو باسٹھ بنتی ہے ۱۲ تقی [2] دیکھئے صفحہ ۶۱۹ جلد ہذا [3] "اور ارفکسد سے سلح پیدا ہوا" (۱۔ تواریخ ۱: ۱۸) تفصیل ص ۶۱۹ تا ۶۲۱ جلد ہذا پر ہے۔

چار ہزار[۴۰۰۴] سال کی مدت ہے، اور یونانی نسخے کے مطابق پانچ ہزار آٹھ سو بہتر[۵۸۷۲] سال، اور سامری نسخے کے لحاظ سے چار ہزار سات سو سال ہوتے ہیں، ہنری اور اسکاٹ کی تفسیر کی جلد اوّل میں لکھا ہے:

"اہیلز نے یوسیفس کی تاریخ اور یونانی نسخے کی غلطیوں کو درست کرنے کے بعد تاریخ شروع کی، اس کی تاریخ کے مطابق ابتدائے عالم سے مسیح کی ولادت تک پانچ ہزار چار سو گیارہ سال کی مدت ہے، اور طوفان سے ولادتِ مسیح تک تین ہزار ایک سو پچپن سال"

چارلس روچر نے اپنی کتاب میں جس کے اندر انگریزی ترجموں کا موازنہ کیا ہے، ابتدائے آفرینش سے ولادتِ مسیح ؑ تک کی مدت کے بیان میں مورخین کے پچپن قول بیان کئے ہیں، اسی طرح ۱۸۴۷ تک کی مدت میں بھی، پھر اس نے اقرار کیا کہ ان میں سے دو قول بھی ایک دوسرے کے مطابق نہیں ہیں، اور صحیح کا غلط سے امتیاز محال ہے، میں اُس کے کلام کا ترجمہ نقل کرتا ہوں، اور صرف مسیح ؑ کی ولادت کے بیان پر اکتفاء کروں گا، کیونکہ اس کے بعد کی مدت میں مورخین کا آپس میں کوئی اختلاف نہیں ہے:۔

نمبر شمار	مورخین کے نام	آدمؑ سے ولادتِ مسیح تک کا زمانہ	نمبر شمار	مورخین کے نام	آدمؑ سے ولادتِ مسیح تک کا زمانہ
۱	ماریانوس سکوتوس	۴۱۹۲	۹	ارازمس رین ہولٹ	۴۰۲۱
۲	لارنٹ یوس کودومانوس	۴۱۴۱	۱۰	جیکوبوس کیپالوس	۴۰۰۵
۳	تومالیدپٹ	۴۱۰۳	۱۱	ارنج بشپ اشر	۴۰۰۳
۴	میکائیل مستلی نوس	۴۰۷۹	۱۲	دیلونی سیوس پیٹاویوس	۳۹۸۳
۵	جی بیپٹسٹ رک کیولس	۴۰۶۲	۱۳	بشپ بک	۳۹۷۴
۶	جیکب سلیانوس	۴۰۵۳	۱۴	کرن زیم	۳۹۷۱
۷	ہنری کوس پوندانوس	۴۰۵۱	۱۵	ایلی اس ریوس نیزس	۳۹۷۰
۸	ولیم لینگ	۴۰۴۱	۱۶	جوہانیس کلادریوس	۳۹۶۸

نمبر شمار	مورخین کے نام	آدمؑ سے ولادت مسیح تک کا زمانہ	نمبر شمار	مورخین کے نام	آدمؑ سے ولادت مسیح تک کا زمانہ
۱۷	کرسیتیانوس لونگر مونٹانوس	۳۹۶۶	۲۲	مینتھوس پرول دیوس	۳۹۲۷
۱۸	فلپ ملا تختون	۳۹۶۴	۲۳	اندریاس ہل دی گیوس	۲۸۳۶
۱۹	جیک ہین لی نوس	۳۹۶۳	۲۴	یہودیوں کا مشہور قول	۳۷۶۰
۲۰	الفون سوس سال مردن	۳۹۵۸	۲۵	عیسائیوں کا مشہور قول	۴۰۰۴
۲۱	اسکی لیکر	۳۹۴۹			

اُن میں سے کوئی سے ۲ قول بھی ایک دوسرے کے مطابق نہیں ہیں، اب جو شخص کسی وقت اس میں غور کرے گا وہ سمجھے گا کہ یہ عجیب بڑا ٹیڑھا معاملہ ہے، مگر ظاہر یہ ہے کہ مقدس مورخین نے کسی وقت بھی یہ ارادہ نہیں کیا کہ تاریخ کو نظم کے ساتھ لکھیں اور نہ اُس وقت کسی شخص کے لئے بھی اُس دَور کی صحیح مدّت جاننے کے امکانات موجود ہیں،

مورّخ چارلس روچر کے اس بیان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ موجودہ زمانے میں اس کا پتہ چلانا کہ اس دَور کی صحیح مدّت کیا ہے؟ محال ہے، اور عہدِ عتیق کے مورخین نے اس سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے، وہ سب اندازے اور تخمینے کے سوا کچھ نہیں ہے، پھر یہودیوں کے یہاں عام طور پر جو مدّت مروّجہ ہے وہ عیسائیوں کی مروّجہ مدّت کے خلاف ہے،

اب دانشمند ناظرین فیصلہ کریں کہ اگر قرآنِ کریم ان کی کسی مقدس تاریخ کی مخالفت کرے جن کا حال آپ دیکھ چکے ہیں، تو ان تاریخوں کی بناء پر ہمیں قرآن کے بیان میں کوئی شک نہ ہوگا، خدا کی قسم ہم ہرگز ایسا نہیں کر سکتے، بلکہ یہ کہتے ہیں کہ عیسائیوں کے مقدس بزرگوں نے اس باب میں غلطی کی ہے، اور محض قیاس اور تخمینے سے جو چاہا لکھ ڈالا بالخصوص جب کہ تاریخ عالم کی دوسری کتابوں پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ہم کو یقین ہو جاتا ہے کہ ان مقدس لوگوں کی تحریر اس معاملے میں قیاس اور تخمینے سے زیادہ نہیں ہے، یہی وجہ

ہے کہ ہم اس قسم کے کمزور اقوال و روایات پر اعتماد نہیں کرتے،
علامہ تقی الدین مقریزیؒ اپنی کتاب کی جلد اول[1] میں فقیہ ابن حزمؒ کے حوالے سے کہتے ہیں کہ :-

"ہم لوگ یعنی مسلمان کسی معین اور خاص عدد پر یقین نہیں کرتے، اور جن لوگوں نے سات ہزار سال یا کم و بیش مدت کا دعویٰ کیا ہے، انھوں نے ایسی بات کہی ہے جس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک لفظ بھی یقینی اور صحیح منقول نہیں ہے، بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اُس کے برعکس منقول ہے، بلکہ ہم اس پر یقین کرتے ہیں کہ دنیا کی مدت کا صحیح علم اللہ کے سوا کسی کو بھی نہیں ہے، باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ما اشھدتھم خلق[2] السموات والارض ولا خلق انفسھم"، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "تم لوگ گذشتہ اُمتوں کے مقابلے میں سیاہ بیل کے جسم میں ایک سفید بال، یا سفید بیل کے جسم میں ایک سیاہ بال سے زیادہ نہیں ہو"، جو شخص اس نسبت پر غور کرے، اور پھر مسلمانوں کی تعداد کا اندازہ کرے، اور پھر دنیا کے ان بے شمار ممالک کا جو مسلمانوں کے قبضے میں ہیں، وہ خوب سمجھ سکتا ہے کہ واقعی دنیا کی صحیح عمر اور مدت کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے"۔

ہمارا بھی بعینہٖ یہی خیال ہے،

چھٹا اختلاف :

گیارہواں حکم جو دس[3] مشہور حکموں کے علاوہ ہے، سامری نسخے میں پایا جاتا ہے مگر عبرانی نسخے میں ندارد ہے،

ساتواں اختلاف :

کتاب خروج کے باب ۱۲ آیت ۴۰ عبرانی نسخے میں اس طرح ہے کہ :-

---

[1] دیکھئے الخطط المقریزیہ، ص جلد اول طبع لبنان، [2] یعنی: "میں نے نہ انھیں آسمان و زمین کی تخلیق کا گواہ بنایا ہے، اور نہ خود اُن کی اپنی تخلیق کا" [3] دیکھئے صفحہ ۹۰، جلد ہذا،

"اور بنی اسرائیل کو مصر میں بودوباش کرتے ہوئے چار سو تیس برس ہوئے تھے"۔

اور سامری اور یونانی نسخے میں یوں ہے کہ :۔

"بنی اسرائیل اور ان کے باپ دادا کو مصر اور کنعان میں بودوباش کرتے ہوئے چار سو[1] تیس سال ہوئے تھے"۔

اور صحیح وہی ہے جو ان دونوں نسخوں میں ہے، اور عبرانی نسخے کی بیان کردہ مدت یقیناً غلط ہے،

آٹھواں اختلاف :

کتاب پیدائش عبرانی نسخے کے باب ۴ کی آیت ۸ میں اسطرح ہے :

"اور قائن نے اپنے بھائی ہابل کو کچھ کہا، اور جب وہ دونوں کھیت میں تھے تو یوں ہوا الخ"۔

یونانی اور سامری نسخے میں یوں ہے کہ :

"قائن نے اپنے بھائی ہابیل سے کہا، آؤ ہم کھیت میں چلیں، اور جب دونوں کھیت کو روانہ ہوئے تو یوں ہوا الخ"۔

محققین کے نزدیک یونانی اور سامری نسخہ ہی درست اور صحیح ہے :

نواں اختلاف :

کتاب پیدائش عبرانی نسخے کے باب ۷ آیت ۱۷ میں ہے کہ :

"اور چالیس دن تک زمین پر طوفان رہا"۔

یونانی نسخے میں یوں ہے کہ :۔

"اور طوفان زمین پر چالیس دن رات رہا"۔

صحیح نسخہ یونانی ہی ہے،

دسواں اختلاف :

[1] اظہار الحق کے تمام عربی نسخوں میں یہ عدد اسی طرح مذکور ہے، مگر ظاہر ہے کہ یہ غلط ہے، کتاب کے انگریزی مترجم نے یہاں "چار سو تیس" کے بجائے "چار سو بیس" کا ذکر کیا ہے، اور یہی درست ہے ۱۲ تقی

کتاب پیدائش عبرانی نسخے کے باب ۲۹ آیت ۸ میں یوں ہے کہ:

"جب تک کہ سب ریوڑ جمع نہ ہو جائیں"۔

اور سامری اور یونانی نسخوں میں اور کنی کاٹ نیز ہیوبی گینیٹ کے عربی ترجمے میں اس طرح ہے کہ:

"یہاں تک کہ چرواہے اکٹھے ہو جائیں اور صحیح وہی ہے جو ان کتابوں میں ہے نہ کہ جو عبرانی میں ہے"۔

گیارہواں اختلاف:

کتاب پیدائش عبرانی کے باب ۳۵ آیت ۲۲ میں ہے[1] کہ:۔

"اور روبن نے جا کر اپنے باپ کی حرم بلہاہ سے مباشرت کی اور اسرائیل کو یہ معلوم ہو گیا"۔

اور یونانی نسخے میں یوں ہے کہ:۔

"روبن سویا اپنے باپ کی باندی بلہاہ کے ساتھ، پس اسرائیل نے سنا، اور وہ اپنے باپ کی نگاہ میں بُرا تھا"۔

اور صحیح نسخہ یونانی ہے،

بارہواں اختلاف:

کتاب پیدائش یونانی نسخے میں یہ جملہ موجود ہے کہ (باب ۴۴ آیت ۵)

"جب تم نے میرا پیالہ چرا لیا"،

یہ جملہ عبرانی نسخوں میں موجود نہیں ہے، اور صحیح وہی ہے جو یونانی نسخے میں ہے،

تیرہواں اختلاف:

کتاب پیدائش عبرانی نسخہ کے باب ۵۰ آیت ۲۵ میں یوں ہے کہ:

"سو تم ضرور ہی میری ہڈیوں کو یہاں سے لے جانا"۔

اور یونانی اور سامری نسخوں میں ہے:

"پھر تم میری ہڈیاں اپنے ساتھ یہاں سے لے جانا"۔

---

[1] اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے ص ۶۲۵، جلد ہذا،

چودہواں اختلاف :

کتاب خروج یونانی نسخے کے باب ۲ آیت ۲۲ میں یہ عبارت ہے کہ :-

"اور ایک دوسرا لڑکا جنا، اور اس کو عازار کے نام سے یہ کہہ کر پکارا کہ میرے باپ کے جو دنے میری مدد کی، اور مجھ کو فرعون کی تلوار سے بچایا"

یہ عبارت عبرانی نسخے[۱] میں نہیں ہے، اور یونانی نسخے کی عبارت صحیح ہے، عربی مترجمین نے بھی اس کو اپنے ترجموں میں داخل کیا ہے،

پندرہواں اختلاف :

کتاب خروج عبرانی نسخے کے باب ۶ آیت ۲۰ میں یوں ہے کہ :

اُس عورت[۲] کے اس سے ہارون اور موسیٰ پیدا ہوئے"

اور سامری اور یونانی نسخوں میں اس طرح ہے :-

"اور اُس عورت سے ہارون اور موسیٰ اور ان کی بہن مریم پیدا ہوئے"

سامری و یونانی نسخہ ہی صحیح[۳] ہے

سولہواں اختلاف :

کتاب گنتی ترجمہ یونانی کے باب ۱۰ آخر آیت ۶ میں یہ عبارت ہے کہ :-

"اور جب تیسری پھونک ماریں گے تو مغربی خیمے روانگی کے لئے اُٹھالئے جائیں گے اور جب چوتھی پھونک ماریں گے تو شمالی خیمے روانگی کے لئے اٹھائے جائیں گے"

یہ عبارت عبرانی نسخے میں موجود نہیں ہے، اور یونانی نسخے کی عبارت صحیح ہے،

سترہواں اختلاف :

کتاب گنتی سامری نسخے کے باب ۱۰ آیت ۱۰ اور ۱۱ کے درمیان یہ عبارت ہے :

---

[۱] عبرانی نسخے میں آیت ۲۲، اس عبارت پر ختم ہوگئی ہے "اور اس کو ایک بیٹا ہوا اور موسیٰ نے اس کا نام جیرسوم یہ کہہ کر رکھا کہ میں اجنبی ملک میں مسافر ہوں"۱۲ [۲] یعنی عمران کی بیوی یوکبد سے، [۳] چنانچہ ۱۔ تواریخ ۶: ۳ میں ایسا ہی ہے "اور عمرام کی اولاد ہارون اور موسیٰ اور مریم" ۱۲ تقی

"خداوند ہمارے خدا نے (موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے کہا) کہ تم اس پہاڑ پر بہت رہ چکے ہو، سو اب پھرو، اور کوچ کرو، اور اموریوں کے کوہستانی ملک اور اس کے آس پاس کے میدان اور (طور کے قطعے[۲]) اور نشیب کی زمین، اور جنوبی اطراف میں اور سمندر کے ساحل تک جو کنعانیوں کا ملک ہے، بلکہ کوہِ لبنان اور دریائے فرات تک جو ایک بڑا دریا ہے، چلے جاؤ، دیکھو میں نے ایک ملک (تم کو دیدیا ہے[۳]) پس جاؤ اور اس ملک کو اپنے قبضے میں کرلو، جس کی بابت خداوند نے تمہارے باپ دادا ابرہام اور اضحاق اور یعقوب سے قسم کھا کر یہ کہا تھا کہ وہ اسے ان کو اور ان کے بعد ان کی نسل کو دے گا۔"

یہ عبارت عبرانی نسخے میں موجود نہیں ہے، مفسّر ہارسلی اپنی تفسیر کی جلد ۱ صفحہ ۱۶۱ میں کہتا ہے کہ:

"گنتی، سامری نسخے کے باب آیت ۱۰ و ۱۱ کے درمیان جو عبارت موجود ہے وہ سفر استثناء باب آیت ۶، ۷، ۸ میں پائی جاتی ہے[۴]، اس کا انکشاف پر وکوبیس کے زمانے میں ہوا"

اٹھارہواں اختلاف:

کتاب استثناء عبرانی نسخے کے باب آیت ۶ میں یہ عبارت موجود ہے:

"پھر بنی اسرائیل بیروت بنی یعقان سے روانہ ہو کر موسیرہ میں آئے، وہیں ہارون نے رحلت کی، اور دفن بھی ہوا، اور اس کا بیٹا الیعزر کہانت کے منصب پر مقرر ہو کر اس کی جگہ خدمت کرنے لگا، وہاں سے وہ جدجودہ کو اور جدجودہ

---

[۱] یہ عبارت ہم نے استثناء ۱: ۶، ۷، ۸ سے نقل کی ہے، مگر اس میں قوسین کی عبارت کی جگہ یہ عبارت ہے "حورب میں ہم سے یہ کہا تھا"۔ [۲] استثناء: "اور پہاڑی قطعہ"، [۳] استثناء: "تمہارے سامنے کر دیا ہے"، ۱۲ تقی [۴] مگر استثناء کے یہ الفاظ کہ: "خداوند ہمارے خدا نے حورب میں ہم سے یہ کہا تھا" اس بات کی دلیل ہیں، ان آیتوں میں جو حکم بیان کیا گیا ہے وہ حورب میں بہت پہلے نازل ہو چکا تھا، لہٰذا یہ حکم گنتی میں موجود ہونا چاہیئے، اس لئے سامری نسخہ یہاں صحیح معلوم ہوتا ہے ۱۲

سے یطبات کو چلے، اس ملک میں پانی کی ندیاں ہیں، اس موقع پر خداوند نے لاوی کے قبیلہ کو اس غرض سے الگ کیا کہ وہ خداوند کے عہد کے صندوق کو اٹھایا کرے، اور خداوند کے حضور کھڑا ہو کر اس کی خدمت کو انجام دے، اور اس کے نام سے برکت دیا کرے جیسا آج تک ہوتا ہے" (آیات ۶ تا ۸)

یہ عبارت گنتی کے باب ۳۳ کے مخالف ہے، گنتی میں راستے کی منزلوں کی تفصیل اس سے بہت مختلف بیان کی گئی ہے، اور سامری نسخے نے کتاب استثناء میں بھی گنتی ہی کی موافقت کی ہے، گنتی کی عبارت مندرجہ ذیل ہے:

"اور حشمونہ سے چل کر موسیروت میں ڈیرے کھڑے کئے، اور موسیروت سے روانہ ہو کر بنی یعقان میں ڈیرے ڈالے، اور بنی یعقان سے چل کر حور ہجد جاد میں خیمہ زن ہوئے، اور حور ہجد جاد سے روانہ ہو کر یوطباتہ میں خیمے کھڑے کئے، اور یوطباتہ سے چل کر عبرونہ میں ڈیرے ڈالے، اور عبرونہ سے چل کر عصیون جابر میں ڈیرا کیا، اور عصیون جابر سے روانہ ہو کر دشت صین میں جو قادس ہے قیام کیا، اور قادس سے چل کر کوہ ہور کے پاس جو ملک ادوم کی سرحد ہے خیمہ زن ہوئے، یہاں ہارون کاہن خداوند کے حکم کے مطابق کوہ ہور پر چڑھ گیا، اور اس نے بنی اسرائیل کے ملک مصر سے نکلنے کو چالیسویں برس کے پانچویں مہینے کی پہلی تاریخ کو وہیں وفات پائی، اور جب ہارون نے کوہ ہور پر وفات پائی تو وہ ایک سو تیئس برس کا تھا، اور عراد کے کنعانی بادشاہ کو جو ملک کنعان کے جنوب میں رہتا تھا، بنی اسرائیل کی آمد کی خبر ملی، اور اسرائیل کوہ ہور سے کوچ کر کے ضلمونہ میں ٹھہرے، اور ضلمونہ سے کوچ کر کے فونون میں ڈیرے ڈالے" (آیات ۳۰ تا ۴۲)

آدم کلارک نے اپنی تفسیر کی جلد اوّل ص ۷۷۹، و ۷۸۰ میں کتاب الاستثناء کے دسویں باب کی شرح میں کنی کاٹ کی ایک بہت طویل تقریر نقل کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نسخہ سامری کے متن کی عبارت صحیح ہے، اور عبرانی کی غلط، اور چار آیتیں ۵، ۱۰ کے درمیان والی یعنی ۶ سے ۹ تک اجنبی محض اجنبی ہیں، اگر ان کو ساقط کر دیا

جائے تب بھی بہترین ربط قائم رہتا ہے، لہٰذا یہ آیات کاتب کی غلطی سے اس جگہ لکھی گئیں، جو کتاب الاستثناء کے دوسرے باب کی تھیں، اس تقریر کو نقل کرنے کے بعد اس نے بس پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا اور کہا کہ:

"اس تقریر کے انکار میں جلد بازی نہیں کرنا چاہئے۔"[۵۱]

ہم کہتے ہیں کہ ان چار آیتوں کے الحاقی ہونے پر خود وہ آخری جملہ دلالت کرتا ہے جو آٹھویں آیت کے آخر میں پایا جاتا ہے[۵۲]

اُنیسواں اختلاف:

کتاب استثناء عبرانی باب ۳۲ آیت ۵ میں ہے:

"یہ لوگ اس کے ساتھ بری طرح سے پیش آئے، ان کا عیب ایسا عیب نہیں جو اُس کے فرزندوں کا ہو، یہ سب کج رو اور ٹیڑھی نسل ہیں"

اور یونانی و سامری نسخوں میں یہ آیت اس طرح ہے:

"یہ لوگ اس کے ساتھ بری طرح سے پیش آئے، یہ اُس کے فرزند نہیں، یہ اُن کا عیب ہے"

ہنری و اسکاٹ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

"یہ عبارت اصل کے زیادہ قریب ہے"

منسر ہارسلی جلد اول صفحہ ۲۱۵ میں کہتا ہے کہ:

"اس آیت کو سامری اور یونانی نسخوں کے مطابق پڑھا جائے"[۵۳]

---

۵۱ کیتھولک بائبل ( ) میں استثناء ۱۰: ۷ کے تحت ایک حاشیہ دیا گیا ہے جس میں لکھا ہے کہ: "آیات ۶، ۷ کے بارے میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی تشریحی حاشیہ تھا جو سفروں کے کسی ریکارڈ سے لے لیا گیا تھا، اور اسکی جگہ شاید استثناء ۹: ۲۰ کی تشریح کرنے کے لئے اُسے بڑھا دیا گیا" ۵۲ اس میں یہ جملہ ہے کہ "جیسا آج تک ہوتا ہے" یہ جملہ بھی اس آیت کے الحاقی ہونے پر دلالت کرتا ہے ۱۲ تقی

۵۳ چنانچہ موجودہ ترجمے یونانی و سریانی نسخے ہی کے مطابق ہیں، ۱۲ ت

اور ہیوبی کینٹ اور کنی کاٹ اور عربی کے متن میں اس مقام پر تحریف کی گئی ہے، اور یہ عبارت عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۴ء اور ۱۸۲۸ء میں اس طرح ہے:

اخطوا الیہ وھو بریٔ من ابناء القبائح ایھا الجیل الاعوج الملتوی، «اس کی طرف قدم بڑھاؤ، وہ بدی کے فرزندوں سے بری ہے اے ٹیڑھی اور کجرو نسل!»

بیسواں اختلاف:

کتاب پیدائش عبرانی کے باب ۲۰ آیت ۲ میں یوں ہے:

«اور ابرہام نے اپنی بیوی سارہ کے حق میں کہا کہ وہ میری بہن ہے، اور جرار کے بادشاہ ابی ملک نے سارہ کو بلا لیا»

ہنری و اسکاٹ کی تفسیر میں لکھا ہے:

«یہ آیت یونانی نسخے میں اس طرح ہے کہ "اور کہا اپنی بیوی سارہ کی نسبت کہ یہ میری بہن ہے، کیونکہ اس کو بیوی کہنے سے اندیشہ ہوا کہ ایسا کہنے سے شہر والے اس کو قتل کر ڈالیں گے، پس فلسطین کے بادشاہ نے کچھ لوگوں کو بھیج کر سارہ کو بلوا لیا"»

لہٰذا یہ عبارت کہ "ان کو بیوی کہنے سے اس امر کا ڈر ہوا کہ اس کی وجہ سے شہر والے اس کو قتل کر دیں گے" عبرانی نسخے میں موجود نہیں ہے،

اکیسواں اختلاف:

کتاب پیدائش باب ۳۱ اور آیت ۳۶ کے سامری نسخے میں یہ عبارت ہے:

«خداوند کے فرشتے نے یعقوب سے کہا کہ اے یعقوب! یعقوب نے کہا حاضر ہوں، فرشتے نے کہا، اپنی نگاہ اٹھا اور بکروں اور دنبوں کو دیکھ، جو بکریوں اور بھیڑوں کو (مار رہے ہیں[1]) اور وہ ابلق (بچے والی[2]) اور چتلی ہیں، اور او رجو کچھ لابن نے

[1] اظہار الحق کے عربی نسخے میں ایسا ہی ہے، مگر کتاب کے انگریزی مترجم نے اس کا ترجمہ "مار رہے ہیں" کے بجائے "کی طرف جا رہے ہیں" سے کیا ہے ۱۲ [2] یہاں اظہار الحق میں اصل لفظ مُثمِرۃ ہے، جس کا ترجمہ حضرت نے سیاق و سباق کے مطابق "بچے والی" سے کیا ہے، لیکن چونکہ سامری نسخہ ہمارے پاس نہیں ہے، اس لئے اس پر یقین نہیں کیا جا سکتا ۱۲ تقی

تیرے سامنے کیا وہ تو نے دیکھ لیا، میں بیت آیل کا خدا ہوں، جہاں تو نے پتھر کو مسح کیا تھا، اور میرے لئے نذر مانی تھی"

مگر عبرانی نسخے میں یہ عبارت نہیں ہے،

بائیسواں اختلاف:

کتاب خروج نسخہ سامری باب ۱۱ آیت ۳ کے پہلے جملے کے بعد یہ عبارت موجود ہے:

"موسیٰؑ نے[1] فرعون سے کہا کہ خدا کہتا ہے کہ اسرائیل میرا پہلوٹھا ہے، پھر میں نے تجھ سے کہا کہ میرے بیٹے کو آزاد کر دے تاکہ وہ میری پرستش کرے، اور تو نے اس کو آزاد کرنے سے انکار کیا، آگاہ ہو اب میں تیرے جوان بیٹے کو قتل کر دوں گا"

یہ عبارت عبرانی نسخے میں موجود نہیں ہے،

تیئیسواں اختلاف:

کتاب گنتی عبرانی کے باب ۲۴ کی آیت ۷ میں اس طرح ہے:

"اس کے چرسوں سے پانی بہے گا، اور سیراب کھیتوں میں اس کا بیج پڑے گا، اس کا بادشاہ اجاج سے بڑھ کر ہوگا، اور اسکی سلطنت کو عروج حاصل ہوگا"

اور یونانی نسخے میں یوں ہے کہ:

"اور اس سے ایک انسان ظاہر ہوگا جو بہت سی قوموں پر حکومت کرے گا، اور اس کی سلطنت اجاج کی سلطنت سے بھی بڑی ہوگی، اور اسکی بادشاہت بلند ہوگی"

چوبیسواں اختلاف:

کتاب احبار عبرانی کے باب ۹ آیت ۲۱ میں یہ جملہ موجود ہے:

"موسیٰؑ کے حکم کے مطابق"

اس کے بجائے یونانی اور سامری نسخوں میں یہ جملہ ہے:

"جیسا کہ حکم دیا رب نے موسیٰؑ کو"

---

[1] یہ عربی سے ترجمہ ہے، سامری نسخہ دستیاب نہیں ہے ۱۲ تقی

پچیسواں اختلاف:

کتاب گنتی عبرانی کے باب ۲۶ آیت ۱۰ میں اس طرح ہے کہ:

"اسی موقع پر زمین نے منہ کھول کر قورح سمیت ان کو بھی نگل لیا تھا، اور وہ سب عبرت کا نشان ٹھہرے"

سامری نسخے میں یوں ہے کہ:

"اور اُن کو زمین نگل گئی، اور جب کہ وہ لوگ مر گئے، اور آگ نے قورح کو مع ڈھائی سو اشخاص کے جلا دیا، تو یہ بڑی عبرت کی چیز ہوئی"

ہنری واسکاٹ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ عبارت سیاق کے مناسب اور زبور نمبر ۱۰۶ کی آیت ۱۷ کے مطابق ہے،

چھبیسواں اختلاف:

عیسائیوں کے مشہور محقق لیکلرک نے سامری اور عبرانی نسخوں کے درمیان پائے جانے والے اختلافات کا استخراج کر کے انھیں چھ قسموں پر تقسیم کیا ہے:

(۱) وہ اختلافات جن میں سامری نسخہ عبرانی سے زیادہ صحیح ہے، ایسے اختلافات گیارہ ہیں،

(۲) وہ اختلافات جن میں قرینہ اور سیاق سامری نسخے کی صحت کا مقتضی ہے، وہ کل سات اختلافات ہیں،

(۳) وہ اختلافات جن میں سامری نسخے میں کچھ زیادتی پائی جاتی ہے، ایسے اختلافات کی تعداد تیرہ ہے،

(۴) وہ اختلافات جن میں سامری نسخے میں تحریف کی گئی ہے، اور تحریف کرنے والا محقق اور بڑا ہوشیار تھا، ایسے اختلافات ۱۷ ہیں،

(۵) وہ اختلافات جن میں مضمون کے لحاظ سے سامری نسخہ زیادہ پاکیزہ ہے ایسے اختلافات دس ہیں،

(۶) وہ اختلافات جن میں سامری نسخہ ناقص ہے، ایسے اختلافات کی تعداد دو ہے،

(نقشہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

اختلافات مذکورہ کی تفصیل

قسم اوّل کُل گیارہ[11] اختلافات

کتاب پیدائش میں ۹ اختلاف	کتاب خروج میں ۲ اختلاف
آیت ۲۴[1] باب ۲ و ۳ ؛ ۷ و ۱۹ : ۱۹، و ۲ : ۲۰ و ۱۶ ؛ ۲۳ و ۱۴ : ۳۴ و ۱۰ و ۱۱ : ۴۹ و ۲۶ ؛ ۵۰،	آیت ۲ باب ۱، و ۲ ؛ ۴

دوسری قسم کل سات[7] اختلافات

کتاب پیدائش میں چھ[6]	کتاب استثناء میں ایک[1]
۴۹ ؛ ۳۱ و ۲۹ ؛ ۳۵ و ۷ : آیات ۳۷ و ۳۴ و ۳۴، باب ۴۱ و ۳ ؛ ۴۷،	۵ ؛ ۳۲،

تیسری قسم کُل تیرہ[13] اختلافات

کتاب پیدائش میں تین[3]	کتاب خروج میں سات[7]
۱۵ : ۲۹ و ۳۶ ؛ ۳۰ و ۱۶ : ۴۱،	۱۸ : ۷ و ۲۳ ؛ ۸ و ۵ : ۹ و ۲۰ ؛ ۲۱ و ۵ : ۲۲ و ۱۰ : ۲۳ و ۹ ؛ ۳۲،

[1] واضح رہے کہ اس نقشے میں پہلا نمبر آیت کا ہے، اور دوسرا باب کا، یعنی ۳ : ۷ کا مطلب یہ ہے کہ ساتویں باب کی تیسری آیت، ۱۲ تقی

کتاب احبار میں دو[۲]	کتاب استثناء میں ایک[۱]
۱۰ : ۱ و ۴ : ۱۷	۲۱ : ۵

چوتھی قسم سترہ اختلافات

کتاب پیدائش میں تیرہ[۱۳]	کتاب خروج میں تین[۳]
۲ : ۲ و ۱۰ : ۴ و ۵ : ۹ و ۱۹ : ۱۰ و ۲۱ : ۱۱ و ۳ : ۱۸ و ۱۲ : ۱۹ و ۱۶ : ۲۰ و ۳۸ و ۵۵، باب ۲۴ و ۷ : ۳۵ و ۶ : ۳۶ و ۴۱ : ۵۰،	۱ : ۵ و ۶ : ۱۳ و ۵ : ۱۵، کتاب گنتی میں ایک[۱] ۳۲ : ۲۲،

پانچویں قسم کل دس[۱۰] اختلافات

کتاب پیدائش میں چھ[۶]	کتاب خروج میں دو[۲]
۸ : ۵ و ۳۱ : ۱۱ و ۹ : ۱۹ و ۲۴ : ۳۷ و ۴ : ۳۹ و ۲۵ : ۴۳،	۴۰ : ۱۲ و ۱۷ : ۴۰،
کتاب گنتی میں ایک[۱]	کتاب استثناء میں ایک[۱]
۱۴ : ۴،	۱۶ : ۲۰

چھٹی قسم کل دو[۲] اختلافات

کتاب پیدائش میں دو[۲]
۱۶ : ۲۰ و ۱۴ : ۲۵

عیسائیوں کا مشہور محقق ہورن اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۲۲ء جلد ثانی میں کہتا ہے:

"مشہور محقق لیکلرک نے عبرانی اور سامری نسخوں کا بڑی جانفشانی اور تحقیق کے ساتھ مقابلہ اور موازنہ کیا، اور ان مقامات کا استخراج کیا، ان مقامات میں سامری نسخہ بمقابلہ عبرانی نسخے کے صحت کے زیادہ قریب ہے۔"

کوئی شخص بھی گمان نہیں کر سکتا کہ محقق لیکلرک کے بیان کردہ اختلافات کی تعداد جو عبرانی اور سامری نسخوں میں پائے جاتے ہیں صرف ساٹھ ۶۰ ہی میں منحصر ہے، اس لئے کہ اختلافات نمبر ۴، ۸، ۱۰، ۱۵، ۱۷، ۱۸، ۲۲، ۲۴، ۲۵، ان ساٹھ میں داخل نہیں ہیں، بلکہ لیکلرک کا مقصود صرف ان مقامات کو ضبط کرنا ہے جن میں اس کے نزدیک عبرانی و سامری نسخوں میں بہت شدید اور زیادہ اختلاف ہے، ورنہ ان ساٹھ میں ہمارے بیان کردہ اختلافات میں سے صرف چار ۴ شامل ہیں، اب جب ہم اپنے بیان کردہ ۲۱ اختلافات کو جو کل چھبیس ہیں مشترک اختلافات کو نظرانداز کرنے کے بعد شامل کرلیں تو ان اختلافات وشواہد کی مقدار جو توریت کے تینوں نسخوں میں پائی جاتی ہے بیاسی ۸۲ ہو جاتی ہے، ہم اس مقدار پر اکتفاء کرتے ہیں، اور ان اختلافات کے درپے نہیں ہوتے جو توریت کے عبرانی اور یونانی نسخوں اور عہد عتیق کی دوسری کتابوں کے درمیان پائے جاتے ہیں، سمجھدار کے لئے اتنی مقدار کافی ہے، ثابت ہو گیا کہ تیسرے اعتبار سے بھی معترض کا اعتراض پہلے کی طرح بالکل غلط ہے،

قرآن کریم پر تیسرا اعتراض

گمراہی کی نسبت اللہ کی جانب

قرآن کریم میں کہا گیا ہے کہ ہدایت اور گمراہی اللہ کی جانب سے ہے، جنت میں نہریں اور حوریں اور محلات ہیں، اور کافروں کے ساتھ جہاد کرنا واجب ہے یہ تینوں کام قبیح اور بُرے ہیں، جو اس امر کی دلیل ہے کہ قرآن جو ایسے قبیح مضامین پر مشتمل ہے وہ اللہ کا کلام نہیں ہوسکتا،

یہ اعتراض عیسائیوں کا بڑا معرکۃ الآرا اور زبردست اعتراض ہے، یہاں تک کہ شاید ہی کوئی کتاب جو مسلمانوں اور اسلام کی تردید میں ان کی جانب سے نکلتی ہے وہ اس اعتراض کے ذکر و بیان سے خالی ہوتی ہو، عیسائی حضرات اس اعتراض کے بیان کرنے میں اپنے اپنے ذہنی و عقلی تفاوت کے مطابق عجیب عجیب تقریریں کرتے ہیں، ان تقریروں کا پڑھنے والا عیسائیوں کے انتہائی تعصب کو دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے،

جواب

پہلی بات کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس قسم کا مضمون عیسائیوں کی مقدس کتابوں میں بہت سے مقامات پر موجود ہے، لہٰذا اُن کو یہ ماننا پڑے گا کہ اُن کی مقدس کتابیں بھی یقینی طور پر منجانب اللہ نہیں ہیں، ہم کچھ آیات ناظرین کے فیصلے کے لئے نقل کرتے ہیں،

مسئلۂ تقدیر پر بائبل اور علماءِ نصرانیت کے اقوال

(۱) کتاب خروج باب ۴ آیت ۲۱ میں ہے:

"اور خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ جب تو مصر میں پہونچے تو دیکھ وہ سب کرامات جو میں نے تیرے ہاتھ میں رکھی ہیں فرعون کے آگے دکھانا، لیکن میں اس کے دل کو سخت کردوں گا، اور وہ ان لوگوں کو جانے نہیں دے گا"

(۲) اور خروج ہی کے باب ۷ آیت ۳ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"اور میں فرعون کے دل کو سخت کروں گا، اور اپنے نشان اور عجائب ملکِ مصر میں کثرت سے دکھاؤں گا"

(۳) خروج ہی کے باب ۱۰ آیت ۱ میں ہے:

"اور خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ فرعون کے پاس جا، کیونکہ میں ہی نے اس کے دل اور اس کے نوکروں کے دل کو سخت کر دیا ہے، تاکہ میں اپنے یہ نشان ان کے بیچ دکھاؤں"

(۴) اور اسی باب کی آیت ۲۰ میں ہے:

"پر خداوند نے فرعون کے دل کو سخت کر دیا، اور اس نے بنی اسرائیل کو جانے نہ دیا"

(۵) اور آیت ۲۷ میں ہے:

"لیکن خداوند نے فرعون کے دل کو سخت کر دیا، اور اس نے ان کو جانے ہی نہ دیا"

(۶) اور خروج ہی کے باب ۱۱ آیت ۱۰ میں ہے:

"اور خداوند نے فرعون کے دل کو سخت کر دیا، کہ اس نے اپنے ملک سے بنی اسرائیل کو جانے نہ دیا"

(۷) اور کتاب استثناء باب ۲۹ آیت ۴ میں ہے:

"لیکن خداوند نے تم کو آج تک نہ تو ایسا دل دیا جو سمجھے اور نہ دیکھنے کی آنکھیں اور سننے کے کان دیئے"

(۸) کتاب یسعیاہ کے باب ۶ آیت ۱۰ میں ہے:

"تو ان لوگوں کے دلوں کو چربا دے، اور ان کے کانوں کو بھاری کر، اور ان کی آنکھیں بند کر دے، تا نہ ہو کہ وہ آنکھوں سے دیکھیں، اور اپنے کانوں سے سنیں، اور اپنے اور اپنے دلوں سے سمجھ لیں، اور باز آئیں اور شفا پائیں"۔

(۹) اور رومیوں کے نام خط باب ۱۱ آیت ۸ میں ہے:

"چنانچہ لکھا ہے کہ خدا نے اُن کو آج کے دن تک سُست طبیعت دی، اور ایسی آنکھیں جو نہ دیکھیں، اور ایسے کان جو نہ سنیں"۔

(۱۰) اور انجیل یوحنا باب ۱۲ میں ہے:

"اس سبب سے وہ ایمان نہ لاسکے، کہ یسعیاہ نے پھر کہا، اس نے انکی آنکھوں کو اندھا اور دل کو سخت کر دیا، ایسا نہ ہو کہ وہ آنکھوں سے دیکھیں اور دل سے سمجھیں اور رجوع کریں"۔

تورات، انجیل اور یسعیاہ کی کتاب سے معلوم ہوا کہ اللہ نے بنی اسرائیل کو اندھا کر دیا تھا، ان کے دلوں کو سخت اور کانوں کو بہرا بنا دیا تھا، تاکہ نہ وہ توبہ کرسکیں نہ خدا اُن کو شفا دے، اسی وجہ سے نہ وہ حق کو دیکھتے ہیں، نہ اُس میں غور کرتے ہیں، نہ اس کو سنتے ہیں، آیت قرآنی خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ الخ کے معنی بھی تو صرف اسی قدر ہیں،

(۱۱) کتاب یسعیاہ ترجمہ عربی مطبوعہ سنہ ۱۶۷۱ء و سنہ ۱۸۳۱ء و سنہ ۱۸۴۴ء کے باب ۶۳ آیت ۱۷ میں یوں کہا گیا ہے:

"اے خداوند تو نے ہم کو اپنی راہوں سے کیوں گمراہ کیا؟ اور ہمارے دلوں کو سخت کیا کہ تجھ سے نہ ڈریں؟ اپنے بندوں کی خاطر اپنی میراث کے قبائل کی خاطر باز آ"۔

(۱۲) کتاب حزقی ایل ترجمہ مذکورہ کے باب ۱۴ آیت ۹ میں ہے:

"اور اگر نبی فریب کھا کر کچھ کہے تو میں خداوند نے اس نبی کو فریب دیا، اور میں اپنا ہاتھ اس پر چلاؤں گا، اور اُسے اپنے اسرائیلی لوگوں میں سے نابود کر دوں گا"۔

ف موجودہ اردو تراجم بھی اسی کے مطابق ہیں، اسی لئے ہم نے یہ عبارتیں اسی سے نقل کر دی ہیں ۱۲ تقی

یسعیاہ ؑ کے کلام میں تصریح ہے کہ اے رب! تو نے ہمیں گمراہ کیا، اور حزقی ایل ؑ کے کلام میں پیغمبر کو فریب دینے کا تذکرہ ہے:

(۱۳) اور کتاب سلاطین اوّل باب ۲۲ آیت ۱۹ میں ہے:

"تب اُس[1] نے کہا کہ اچھا تو خداوند کی سخن کو سُن لے، میں نے دیکھا کہ خداوند اپنے تخت پر بیٹھا ہے، اور سارا آسمانی لشکر اس کے داہنے اور بائیں کھڑا ہے، اور خداوند نے کہا کون اخی اب کو بہکائے گا، تاکہ وہ چڑھائی کرے، اور راما ت جلعاد میں کھیت آئے؟ تب کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ، لیکن ایک روح نکل کر خداوند کے سامنے کھڑی ہوئی، اور کہا میں اُسے بہکاؤں گی خداوند نے اس سے پوچھا کس طرح؟ اُس نے کہا میں جاکر اس کے سب نبیوں کے مُنہ میں جھُوٹ بولنے والی روح بن جاؤں گی، اُس نے کہا تو اُسے بہکائے گی اور غالب بھی ہو گی، روانہ ہو جا، اور ایسا ہی کر، سو دیکھ خداوند نے تیرے ان سب نبیوں کے منہ میں جھوٹ بولنے والی روح ڈالی ہے اور خداوند نے تیرے حق میں بدی کا حکم دیا ہے۔ (۱-سلاطین ۲۲: ۱۹ تا ۲۳)

یہ روایت صراحۃً یہ بتلا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے تخت پر بیٹھتا ہے، اور لوگوں کو گمراہ کرنے اور فریب دینے کے لئے اسی طرح مجلس مشاورت منعقد ہوتی ہے جس طرح لندن میں کسی سرکاری بات پر غور کرنے کے لئے پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا کرتا ہے، اس مجلسِ مشاورت میں تمام آسمانی لشکر شرکت کرتے ہیں، اور مشورے کے بعد اللہ تعالیٰ گمراہی کی روح کو بھیجتا ہے، پھر یہ روح لوگوں کو گمراہ کرتی ہے، اب آپ ہی غور فرمائیے کہ جب خود اللہ میاں اور آسمانی لشکر ہی انسان کو گمراہ کرنے کا ارادہ کر لیں تو یہ بے چارہ ناتواں انسان کیسے نجات پا سکتا ہے؟

اور یہاں ایک اور عجیب بات قابلِ غور ہے، وہ یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود مشورے کے بعد گمراہی کی رُوح کو اخی اب کے گمراہ کرنے کے لئے بھیج دیا تو حضرت میکاہ علیہ السلام نے اس مجلس کے سربستہ راز کو کیسے افشا کر دیا؟ اور اخی اب کو اس کی اطلاع کیونکر دی؟

---

[1] یعنی میکاہ علیہ السلام نے،

(۱۴) تھسلنیکیوں کے نام دوسرے خط باب۲ آیت ۱۱ میں ہے:

"اسی سبب سے (یعنی ان کے حق کو قبول نہ کرنے کے سبب سے) خدا ان کے پاس گمراہ کرنے والی تاثیر بھیجے گا، تاکہ وہ جھوٹ کو سچ جانیں، اور جتنے لوگ حق کا یقین نہیں کرتے بلکہ ناراستی کو پسند کرتے ہیں وہ سب سزا پائیں۔"

اس عبارت میں نصاریٰ کا مقدس پولس بہانگ دہل کہہ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہلاک ہونے والوں کے پاس گمراہ کرنے والی تاثیر بھیجتا ہے جس سے وہ جھوٹ کی تصدیق کرتے ہیں، اور سزا پاتے ہیں،

(۱۵) اور جب مسیح علیہ السلام ان شہروں کو قیامت کے عذاب سے ڈرا کر فارغ ہوئے جنھوں نے توبہ نہیں کی تھی تو فرمایا:

"اے باپ! آسمان اور زمین کے خداوند! میں تیری حمد کرتا ہوں کہ تونے یہ باتیں داناؤں اور عقلمندوں سے چھپائیں، اور بچوں پر ظاہر کیں، ہاں اے باپ! کیونکہ ایسا ہی تجھے پسند آیا۔" (متی باب ۱۱[۵۱])

(۱۶) کتاب یسعیاہ ترجمہ عربی مطبوعہ[۵۲] ۱۶۷۱ء و ۱۸۳۱ء و ۱۸۴۴ء کے باب ۴۵ آیت ۷ میں ہے:

"میں ہی روشنی کا موجد اور تاریکی کا خالق ہوں، میں سلامتی کا بانی اور بلا کو پیدا کرنے والا ہوں، میں ہی خداوند یہ سب کچھ کرنے والا ہوں۔"

(۱۷) نوحۂ یرمیاہ کے باب ۳ آیت ۳۸ میں ہے:

"کیا بھلائی اور برائی حق تعالیٰ ہی کے حکم سے نہیں ہے؟"

فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں بھی ہے

"آیا خیر و شر از دہانِ خدا صادر نمی شود؟"

اس استفہام انکاری کا مطلب یہی تو ہے کہ خیر و شر دونوں اللہ سے صادر ہوتے ہیں

---

۵۱ آیت نمبر ۲۵، ۲۶۔

۵۲ موجودہ اردو تراجم چونکہ اس کے مطابق ہیں، اس لئے عبارت وہیں سے نقل کر دی گئی ہے ۱۲ ت

(۱۸) مذکورہ تراجم کی کتاب میکاہ باب ۱ آیت ۱۲ میں ہے :

"کیونکہ خداوند کی طرف سے بلا نازل ہوئی جو یروشلم کے پھاٹک تک پہونچی"

اور فارسی ترجمے کی عبارت ہے :

"امّا ہر بدی بدروازۂ اورشلیم از خداوند نازل شد"

لہٰذا معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جس طرح خیر کے خالق ہیں، اسی طرح شر کے خالق بھی وہی ہیں،

(۱۹) رومیوں کے نام خط کے باب ۸ آیت ۲۹ میں ہے :

"کیونکہ جن کو اس نے پہلے سے جانا ان کو پہلے سے مقرر بھی کیا، کہ اس کے بیٹے کے ہمشکل ہوں، تاکہ وہ بہت سے بھائیوں میں پہلوٹھا ٹھہرے[1]"

(۲۰) اور اسی خط کے باب ۹ آیت ۱۱ میں ہے :

"اور ابھی تک نہ تو لڑکے پیدا ہوئے تھے، اور نہ انھوں نے نیکی یا بدی کی تھی کہ اس سے کہا گیا کہ بڑا چھوٹے کی خدمت کرے گا" تاکہ خدا کا ارادہ جو برگزیدگی پر موقوف ہے اعمال پر مبنی نہ ٹھہرے، بلکہ بلانے والے پر، چنانچہ لکھا ہے کہ میں نے یعقوب سے تو محبت کی مگر عیسو سے نفرت،

پس ہم کیا کہیں؟ کیا خدا کے ہاں بے انصافی ہے؟ ہرگز نہیں! کیونکہ وہ موسیٰ سے کہتا ہے کہ جس پر رحم کرنا منظور ہے اس پر رحم کروں گا، اور جس پر ترس کھانا منظور ہے اس پر ترس کھاؤں گا، پس یہ نہ ارادہ کرنے والے پر منحصر ہے نہ دوڑ دھوپ کرنے والے پر، بلکہ رحم کرنے والے خدا پر، کیونکہ کتاب مقدس

[1] اس عبارت میں پولس یہ کہنا چاہ رہا ہے کہ حضرت مسیح کا صحیح وارث (ہمشکل) ہونے کے لئے ضروری ہے کہ انسان اس قسم کی تکلیفیں بھی برداشت کرے جیسی حضرت مسیح نے برداشت کی تھیں، اس لئے اللہ تعالیٰ بعض اوقات انسان کو حضرت مسیح کا مشابہ قرار دینے کے لئے اس پر مصیبتیں بھی نازل کرتا ہے، (تفسیر عہد نامۂ جدید، از ناکس، ص ۱۰۰ ج ۲) مصنفؒ کے اس عبارت کو پیش کرنے کا منشاء یہ ہے کہ اس عبارت سے خدا کا خالقِ شر ہونا بھی معلوم ہوتا ہے، ۱۲ تقی

میں فرعون سے کہا گیا ہے کہ میں نے اسی لئے تجھے کھڑا کیا ہے کہ تیری وجہ سے
اپنی قدرت ظاہر کروں، اور میرا نام تمام روئے زمین پر مشہور ہو، پس وہ
جس پر چاہتا ہے رحم کرتا ہے، اور جسے چاہتا ہے سخت کر دیتا ہے،
پس تو مجھ سے کہے گا پھر وہ کیوں عیب لگاتا ہے؟ کون اس کے ارادے
کا مقابلہ کرتا ہے؟ اے انسان بھلا تو کون ہے جو خدا کے سامنے جواب دیتا
ہے؟ کیا بنی ہوئی چیز بنانے والے سے کہہ سکتی ہے کہ تو نے مجھے کیوں ایسا بنایا؟
کیا کمہار کو مٹی پر اختیار نہیں کہ ایک ہی لوندے میں سے ایک برتن عزت
کے لئے بنائے اور دوسرا بے عزتی کے لئے؟" (آیات ۱۱ تا ۲۱)

پولس کی مذکورہ بالا عبارت تقدیر کے مسئلے کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ ہدایت اور گمراہی دونوں اللہ کی طرف سے ہوتی ہیں، اور اس معاملے میں حضرت اشعیاہ علیہ السلام کا وہ ارشاد بہت خوب ہے جو کتاب یسعیاہ باب ۴۵ آیت ۹ میں مذکور ہے:

"افسوس اس پر جو اپنے خالق سے جھگڑتا ہے!
ٹھیکرا تو زمین کے ٹھیکروں میں سے ہے، کیا
مٹی کمہار سے کہے کہ تو کیا بناتا ہے؟ کیا تیری
دستکاری کہے اس کے تو ہاتھ نہیں؟"[۱]

غالباً انہی آیات کے پیشِ نظر فرقہ پروٹسٹنٹ کا پیشوا لوتھر عقیدۂ جبر[۲] کی طرف

---

[۱] یہاں تک مصنفؒ نے اکیس۲۱ حوالوں سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ بائبل کے نزدیک خدا شر کا بھی خالق ہے، اور وہ لوگوں کو گمراہ بھی کرتا ہے، بائبل اس قسم کی عبارتوں سے لبریز ہے، جو اس دعوے کا ثبوت مہیا کرتی ہیں، مزید دیکھئے یرمیاہ ۶: ۳۰، رومیوں ۱: ۲۸، ۲-تمتھیس ۳: ۸، ططس ۱: ۱۶، اور ۲-کرنتھیوں ۱۳: ۵،

[۲] "عقیدۂ جبر کا مطلب یہ ہے کہ انسان خدا کے آگے مجبور محض ہے، وہ اپنے اختیار سے کوئی کام نہیں کر سکتا، نیکی ہو یا بدی، تمام کام اس سے خدا کراتا ہے، اسے خود نیکی یا بدی میں سے کسی ایک کو پسند کر کے اس پر عمل کرنے کا اختیار نہیں ہے، ۱۲ تقی

مائل رہا ہے، چنانچہ اس کا کلام بظاہر اسی پر دلالت کرتا ہے، کیتھولک ہیرلڈ کی جلد ۹ ص ۲۷۷ میں اس مقتدا کے اقوال درج کئے گئے ہیں، ہم ان میں سے دو قول نقل کرتے ہیں،

عقیدۂ جبر کے بارے میں لوتھر کی رائے

"انسان کی پیدائش گھوڑے کی طرح ہوئی ہے، اگر اس پر خدا کا تسلّط ہو جائے تو وہ اسی طرح چلے گا، جس طرح خدا چلائے گا، اور اگر اس پر شیطان کا تسلّط ہو جائے تو وہ شیطان کی طرح چلے گا، وہ اپنی طرف سے .... کسی سوار کو پسند کرنے کا اختیار نہیں رکھتا، بلکہ دونوں سوار کوشش کرتے ہیں کہ اس پر قبضہ اور تسلّط حاصل کرلیں"۔

کیتھولک ہیرلڈ ہی میں اس کا دوسرا قول اس طرح منقول ہے:

"جب کسی مقدس کتاب میں یہ حکم پایا جائے کہ فلاں کام کرو تو سمجھ لو کہ یہ کتاب اس اچھے کام کے نہ کرنے کا حکم دے رہی ہے، کیونکہ تم اس کے کرنے پر قادر نہیں ہو"۔

بظاہر اُس کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جبر کا معتقد ہے،

پادری طامس انگلس کی رائے

پادری موصوف اپنی کتاب موسوم مرآۃ الصدق مطبوعہ ۱۸۵۱ء کے صفحہ ۳۳ پر فرقہ پروٹسٹنٹ پر طعن کرتے ہوئے کہتا ہے:

"ان کے پُرانے واعظوں نے یہ بیہودہ اقوال اُن کو سکھائے ہیں:

(۱) خدا گناہ کا موجد[1] ہے،

---

[1] سینٹ تھامس ایکوائنس اپنی مشہور کتاب ( ) میں لکھتا ہے "لہٰذا جس طرح تقدیر الٰہی انسان کو عظمت سے ہمکنار کرتی ہے، اس طرح خدا کی لعنت (خدا کے اس ارادے کو شامل ہے، جس کے ذریعے وہ ایک شخص کو گناہ میں مبتلا

(۲) انسان کو گناہ سے بچنے کا کوئی اختیار نہیں،

(۳) دسوں احکام پر عمل کرنا ناممکن ہے،

(۴) کبائر خواہ کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہوں، اللہ کی نگاہ میں انسان کو نہیں گھٹاتے،

(۵) فقط ایمان نجات کے لئے کافی ہے، کیونکہ ہم کو ایمان ہی پر سزا و جزا دی جا سکتی ہے، یہ تعلیم بہت ہی مفید اور سکون سے لبریز ہے،

(۶) اور دین کی اصلاح کا علمبردار یعنی لوتھر کہتا ہے کہ صرف ایمان لاؤ اور یقین رکھو کہ تم کو نجات حاصل ہو گی، روزے کی مشقت اور تقوے کے بوجھ اور اعتراف کی مشقت، اور اعمالِ حسنہ کی مشقت کی ضرورت نہیں، تم کو بلاشبہ اعلیٰ درجے کی نجات ملے گی، جس قسم کی خود مسیح کو ملی، خوب دلیری سے گناہ کرو، ہاں البتہ ایمان لاؤ اور یقین رکھو، ایمان تم کو نجات دے گا، اگرچہ تم ایک دن میں ہزار مرتبہ زنا یا قتل کے گناہ میں ملوث ہوتے رہو، تم فقط ایمان قائم رکھو، میں کہتا ہوں کہ تمہارا ایمان تم کو نجات دے گا"

معلوم ہوا کہ فرقہ پروٹسٹنٹ کے علماء نے قرآن حکیم کے حق میں جو پہلی بات کہی تھی وہ بلاشبہ مردود اور خود ان کی مقدس کتابوں اور مقتدا کے قول کے خلاف ہے خدا کے شر پیدا کرنے سے خدا کا شریر ہونا لازم نہیں آتا، بالکل اسی طرح جس طرح سیاہ و سپید رنگوں کے پیدا کرنے سے خدا کا سیاہ یا سپید ہونا لازم نہیں آتا، اور شر کے پیدا کرنے سے وہی حکمت ہے، جو شیطان کے پیدا کرنے میں ہے، جو ہر برائی کی اصل اور تمام مفاسد کی جڑ ہے، باوجودیکہ علمِ الٰہی ازلی میں یہ بات تھی کہ شیطان سے فلاں فلاں کام صادر ہوں گے، اسی طرح جو حکمتِ انسانی طبائع میں شہوت اور حرص کے پیدا کرنے کی ہے، حالانکہ وہ تمام مفاسد جو افراد انسانی میں ان دونوں خصلتوں پر مرتب ہونے والے ہیں علم الٰہی ازلی میں تھے، اسی طرح اللہ کو قدرت تھی

(گذشتہ سے پیوستہ) کرتا ہے، اور اس گناہ کی وجہ سے اس پر عذاب مسلط کرتا ہے،، (بیسک رائٹنگس آف سینٹ تھامس ایکوائنس صـ۲۴۲ ج اوّل، نیویارک ۱۹۴۵ء، تھامس ایکوائنس خود کیتھولک ہے، اس لئے اگر تھامس انگلس کے نزدیک یہ عقیدہ قابلِ اعتراض ہے تو یہ اعتراض صرف پروٹسٹنٹ ہی نہیں کیتھولک پر بھی عائد ہوتا ہے ۱۲ تقی

کہ شیطان کو پیدا نہ کرتا، یا اگر پیدا کیا تھا تو اسے گمراہ کرنے کی قدرت نہ دیتا، اور بشر سے اس کو روک دیتا، اس کے باوجود نہ صرف پیدا کیا، بلکہ کسی حکمت کی بناء پر اس کو برائی سے نہیں روکا، اسی طرح اس کو قدرت تھی کہ برائی کو پیدا نہ کرتا لیکن اس کے پیدا کرنے میں حکمت[1] ہے،

جنّت کی لذّتیں

دوسری بات کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ اس امر میں کہ جنت حور و قصور اور دوسری نعمتوں پر مشتمل ہے، عقلی طور پر کوئی قباحت نہیں ہے، نیز مسلمان یہ نہیں کہتے کہ جنّت کی لذّتیں جسمانی لذتوں تک محدود ہیں، جس طرح فرقہ پروٹسٹنٹ کے علماء غلطی سے یا عوام کو غلطی میں ڈالنے کے لئے کہتے ہیں، بلکہ ہم قرآنی نصوص اور تصریحات کی بناء پر یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ جنّت روحانی اور جسمانی ہر دو قسم کی لذتوں پر مشتمل ہے، ان میں سے پہلی لذت دوسری سے بڑھی ہوئی ہے، مؤمنین کو دونوں قسم کی لذتیں نصیب ہونگی، سورۂ توبہ میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ. ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۵	"اللہ نے مومن مردوں اور عورتوں سے ان باغات کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اور غیر فانی باغات میں پاکیزہ رہائش گاہوں کا وعدہ کیا ہے، اور اللہ کی رضا اور خوشنودی ان سب سے بڑھ کر ہے، یہی عظیم کامیابی ہے"

اس میں رضوان من اللہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی خوشنودی اور

[1] اور یہ حکمت بالکل ظاہر ہے کہ برائی کو ظاہر کئے بغیر نہ انسانوں کی آزمائش ہو سکتی ہے، اور نہ اچھائی کی قدر معلوم ہو سکتی ہے، اگر تاریکی نہ ہوتی تو روشنی میں کوئی لطف نہ ہوتا، اگر گرمی اور حبس نہ ہوتی تو بارش بے معنی تھی، اور اگر بیماری نہ ہوتی تو صحت میں کوئی کیف نہ تھا، ۱۲ تقی

رضا پچھلی بیان کردہ جنّت کی تمام نعمتوں سے مرتبے اور درجے میں بڑی ہے، باغات سے بھی اور نہروں سے بھی، اور عمدہ عمدہ مکانوں سے بھی، یہ ارشاد اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جنّت میں اللہ کا سب سے بڑا عطیہ روحانی لذتیں ہیں، یہ دوسری بات ہے کہ جسمانی لذتیں بھی ملیں گی، اسی وجہ سے آگے فرمایا کہ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ کیونکہ انسان کی خلقت دو جوہروں سے ہوئی ہے، ایک لطیف علوی، اور دوسرا کثیف سفلی، جسمانی سعادت وشقاوت کا حصول ان دونوں ہی کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے، جب جسمانی منافع اور فوائد کے ساتھ ساتھ روحانی سعادتوں کا حصول بھی ہو تو بلاشبہ روح ان سعادتوں کے حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتی ہے، جو اس کے لائق اور مناسب ہیں، اسی طرح جسم ان سعادتوں کے حاصل کرنے میں کامیاب ہوگا جو اس کی شان کے لائق ہیں، یقیناً فوز عظیم کا مصداق صرف یہی ہو سکتا ہے، اور اگر علماء پروٹسٹنٹ یہ کہیں کہ جنّت میں ان دونوں قسموں کی لذتوں کا اجتماع بھی ہمارے خیال میں نامناسب ہے، تو ہم اُن کے جواب میں صرف اس قدر کہیں گے کہ گھبرایئے نہیں، خدا نے چاہا تو آپ کو یہ لذتیں نصیب نہیں ہوں گی،

جنّت کی لذتوں کے بارے میں عیسائی نظریات

ناظرین کو بابِ اول سے معلوم ہو چکا ہے کہ ہمارے نزدیک انجیل کا مصداق وہ کتاب ہے جو صرف عیسیٰ ؑ پر نازل کی گئی، اب اگر اتفاق سے مسیحؑ کا کوئی قول بظاہر کسی قرآنی حکم کے معارض ہو تو اس امر کو نظر انداز کرتے ہوئے کہ وہ خبر واحد کے طور پر منقول ہے، اور مقدس کتابوں کا قرآن کے مخالف ہونا قرآن کے لئے قطعی بھی مضر نہیں (جیساکہ آپ کو دوسرے اعتراض کے جواب میں معلوم ہو چکا ہے) پھر بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس قول کی یقیناً کوئی تاویل کی جائے گی، اور عیسائیوں

ے اس بحث کو پڑھنے سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ پروٹسٹنٹ فرقے کے نزدیک جنت کی تمام تر لذتیں روحانی ہونگی، جسمانی نہیں ہونگی، علماء پروٹسٹنٹ اپنے اس نظریئے کو ثابت کرنے کے لئے بائبل کی بعض عبارتوں سے استدلال کرتے ہیں، مصنفؒ اس کا رد فرما رہے ہیں،

کے نظریئے کے مطابق جنتیوں کا فرشتوں کے مشابہ ہونا خود انکی کتابوں کے فیصلے کے مطابق کھانے اور پینے کے منافی نہیں ہو سکتا، کیا اُن حضرات کو معلوم نہیں کہ وہ فرشتے جو ابراہیمؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، اور آپ نے اُن کے آگے بھنا ہوا بچھڑا، گھی اور دودھ پیش کیا تھا وہ فرشتے ان سب چیزوں کو نوش جان کر گئے چنانچہ اس کی تصریح کتاب پیدائش کے باب ۱۸ میں موجود ہے[۱]

اسی طرح وہ دو فرشتے جو لوط علیہ السلام کے پاس آئے، اور انھوں نے اُن کے لئے کھانا، روٹی اور پرندے کا سالن تیار کیا تھا، دونوں فرشتوں نے خوب کھایا، جیساکہ کتاب پیدائش کے باب ۱۹ میں صاف طور پر لکھا ہے،

زیادہ تعجب تو اس پر ہے کہ جب عیسائی حضرات حشر جسمانی کے قائل ہیں، تو پھر جسمانی لذتوں کے مستبعد ہونے کے کیا معنی؟ ہاں اگر وہ مشرکین عرب کی طرح سرے سے حشر ہی کے منکر ہوتے، یا ارسطو کے ماننے والوں کی طرح حشر جسمانی کے منکر اور حشر روحانی کے قائل ہوتے، تو بھی بظاہر ان کے استبعاد کے لئے کوئی گنجائش ہو سکتی تھی،

نیز عیسائیوں کے نظریئے کے مطابق اللہ کا جسمانی ہونا اور کھانا پینا اور جملہ جسمانی لوازمات اس لحاظ سے ہیں کہ وہ انسان بھی ہے، ادھر عیسیٰ علیہ السلام، یحیٰی علیہ السلام کی طرح ریاضت گذار اور نفیس کھانوں اور شراب نوشی سے احتراز و اجتناب کرنے والے نہیں تھے، جس کی بناء پر ان کے منکرین اُن کو بسیار خوری اور بسیار نوشی کا طعنہ دیتے ہیں، (جیساکہ انجیل متی کے باب ۱۱ میں تصریح موجود ہے) ہمارے نزدیک گو انکی ذات گرامی پر یہ اعتراض بالکل نامعقول ہے، تاہم یہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ بلاشبہ عیسیٰ علیہ السلام جسمانی لحاظ سے خالص انسان ہی انسان تھے، پھر جس

---

[۱] پیدائش ۱۸: ۸ میں تصریح ہے کہ فرشتوں نے یہ چیزیں کھائیں، یاد رہے کہ قرآن کریم نے بھی یہ واقعہ ذکر کیا ہے، مگر اس نے صاف کہا ہے کہ فرشتوں نے بچھڑے کو ہاتھ بھی نہیں لگایا (سورۂ ذاریات) مصنفؒ یہاں الزامی طور پر نصاریٰ کے قول کے مطابق جواب دے رہے ہیں ۱۲ ت

طرح اس دنیا میں رہتے ہوئے عمدہ کھانے اور مشروبات ان کے حق میں روحانی لذتوں سے مانع نہیں بن سکے بلکہ آپ پر روحانی احکام ہی کا غلبہ رہا اسی طرح جسمانی لذتیں جنتیوں کے لئے روحانی لذتوں سے مانع نہیں ہوسکیں گی، جب کہ وہ جنت میں ہونگے[۱]

[۱] حقیقت یہ ہے کہ علماء پروٹسٹنٹ کا یہ نظریہ کہ جنت میں جسمانی لذتیں نہیں ہونگی، خود بائبل کے بے شمار اقوال کے مخالف ہے جنہیں ہم مختصراً درج ذیل کرتے ہیں،

کتاب پیدائش میں ہے: "اور خداوند خدا نے آدمؑ کو حکم دیا کہ تو باغ کے ہر درخت کا پھل بے روک ٹوک کھا سکتا ہے" (۲: ۱۶) اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں کھانے کے درخت بہت سے تھے اس پر کہا جاتا ہے کہ حضرت آدمؑ کی جنت زمین پر تھی اور آخرت کی جنت آسمان پر، اس لئے ایک کو دوسری پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، لیکن اول تو حضرت آدمؑ کی جنت کا زمین پر ہونا ہمیں تسلیم نہیں، بائبل کی کوئی عبارت بھی اس پر دلالت نہیں کرتی، اور اگر بفرض محال مان لیا جائے کہ وہ زمین پر تھی، تب بھی اسکی کیا دلیل ہے کہ آخرت والی جنت حضرت آدمؑ کی جنت سے مختلف ہوگی، بلکہ انجیلوں سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آخرت کی جنت میں بھی جسمانی لذتیں ہونگی چنانچہ اناجیل میں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے عشاء ربانی کے واقعہ میں حواریوں سے ارشاد فرمایا:

"میں تم سے کہتا ہوں کہ انگور کا یہ شیرہ پھر کبھی نہ پیوں گا، اس دن تک کہ تمہارے ساتھ اپنے باپ کی بادشاہی میں نہ پیوں" (متی ۲۶: ۲۹، مرقس ۱۴: ۲۵، لوقا ۲۲: ۱۸) اسی طرح انجیل میں ایک اور جگہ یوم آخرت کا بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ: "اور پورب پچھم اتر دکھن سے لوگ آکر خدا کی بادشاہی کی ضیافت میں شریک ہونگے" (لوقا ۱۳: ۲۹) اگر جنت میں جسمانی لذتیں نہیں ہوں گی تو انگور کا شیرہ پینے اور خدا کی بادشاہی کی ضیافت میں شریک ہونے کے کیا معنی؟ یہی وجہ ہے کہ اکثر پرانے عیسائی علماء نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ جنت میں جسمانی اور روحانی دونوں قسم کی لذتیں ہوں گی، چنانچہ سینٹ آگسٹائن کہتا ہے کہ مجھے یہی رائے بھلی معلوم ہوتی ہے کہ جنت جسمانی بھی ہے اور روحانی بھی"! ( )

اور سینٹ تھامس ایکوائنس نے

اپنی کتاب ( ) میں پوری تفصیل کے ساتھ ان لوگوں

(بقیہ برصفحہ آئندہ)

تیسری بات کا جواب انشاء اللہ چھٹے باب میں آرہا ہے، کیونکہ جہاد کا اعتراض عیسائیوں کے خیال کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کئے جانے والے اعتراضوں میں سب سے بڑا اعتراض اور عیب شمار کیا جاتا ہے، اس لئے ہم اس کو اسی موقع پر مطاعن کی بحث میں ذکر کریں گے،

قرآن کریم پر چوتھا اعتراض

قرآن کریم میں وہ مضامین نہیں پائے جاتے جو روح کے مقتضیات اور اس کے پسندیدہ ہو سکتے ہیں،

جواب

دو چیزیں جو روح کے مقاصد اور مقتضیات ہیں، اور جو اس کی پسند اور چاہت کی چیزیں ہیں وہ صرف دو ہیں، کامل اعتقادات اور نیک اعمال، اور قرآن کریم ان دونوں قسم کے مضامین کو مکمل طور پر بیان کرتا ہے، جیسا کہ پہلے اعتراض کے جواب سے واضح ہو چکا ہے، اب ان چیزوں کے قرآن میں مذکور نہ ہونے سے جو علماء پروٹسٹنٹ کے خیال کے مطابق روح کے مقاصد میں سے ہیں قرآن کریم کا ناقص ہونا اسی طرح لازم نہیں آتا جس طرح توریت اور انجیل اور قرآن میں ان چیزوں کے مذکور نہ ہونے سے کوئی نقص لازم نہیں آتا، جو مشرکین ہند کے علماء یعنی برہمنوں کے خیال میں روح کی پسندیدہ ہیں، چنانچہ آپ نے برہمنوں کا یہ اعتراض سنا ہوگا کہ جانور کا ذبح کرنا محض کھانے اور لذت کے لئے ہے، اور روح کے تقاضوں کے خلاف ہے، بلکہ عقل کے نزدیک بھی ناپسندیدہ حرکت ہے اس کا امکان ہی نہیں کہ اللہ

(گذشتہ سے پیوستہ) کے دلائل کا رد کیا ہے جو جنت کے جسمانی ہونے سے انکار کرتے ہیں، ملاحظہ ہو لیبنگ رائٹنگس آف سینٹ تھامس ایکوائنس، ص ۹۴۴ تا ۹۴۶ ج اول)،

کی طرف سے ایسے شنیع فعل کی اجازت دی جائے، تو جو کتاب اس قسم کے مضمون پر مشتمل ہوگی وہ خدائی کتاب نہیں ہو سکتی،

قرآن کریم پر پانچواں اعتراض

اختلافات مضامین

قرآن میں جابجا معنوی اختلاف پائے جاتے ہیں، مثلاً آیت:

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ — "دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں ہے"

اور:

فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ — "پس اے نبی آپ نصیحت کیجئے۔ آپ نصیحت کرنیوالے ہی تو ہیں، آپ اُن کے داروغہ نہیں"

اور:

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُم مَّا حُمِّلْتُمْ وَإِن تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ۝ — "بلا شبہ آپ کہہ دیجئے کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، پھر اگر وہ اعتراض کریں تو رسول کے اعمال رسول کے ساتھ ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے ساتھ، اور اگر تم اسکی اطاعت کروگے تو ہدایت پاؤ گے اور رسول پر سوائے واضح تبلیغ کے اور کوئی ذمہ داری نہیں"

یہ تمام آیتیں اُن آیات کے مخالف ہیں جن میں جہاد کا حکم پایا جاتا ہے، اسی طرح اکثر آیتوں میں کہا گیا ہے کہ مسیح انسان اور صرف رسول ہیں، اس کے برعکس دوسرے موقع پر اس کے خلاف یہ کہا گیا ہے کہ وہ نوعِ انسانی میں سے نہیں ہیں بلکہ ان کا مقام بلند تر ہے، پہلا مضمون سورۂ نساء کی آیت ذیل میں ہے:

إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ — "بلا شبہ عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول

رَسُوْلُ اللّٰہِ وَکَلِمَتُہٗ اَلْقَاھَا اِلٰی مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْہُ ؛　اور اللہ کا وہ کلمہ ہیں، جو اللہ نے مریم پر نازل کیا، اور اللہ کی رُوح ہیں "

اور دوسرا مضمون سورۂ تحریم کی آیتِ ذیل میں موجود ہے :

وَمَرْیَمَ ابْنَۃَ عِمْرَانَ الَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَھَا فَنَفَخْنَا فِیْہِ مِنْ رُّوْحِنَا ؛　"اور مریم بنت عمران جس نے اپنی شرمگاہ کو بدکاری سے) محفوظ رکھا، تو ہم نے اس میں اپنی رُوح پھونک دی "

بڑے زبردست اختلافات ہیں، اسی لئے میزان الحق میں مصنف نے اس کتاب کے باب ۳ فصل ۳ میں انہی دو کے بیان پر اکتفاء کیا ہے ،

جواب : پہلے اختلاف کی نسبت تو یہ کہا جائے گا کہ اس کو اختلاف کہنا ہی غلط ہے ، بلکہ یہ حکم جہاد کے حکم سے قبل کا ہے، جب جہاد کا حکم نازل ہوا تو پہلا حکم منسوخ ہوگیا اور نسخ کو اختلافِ معنوی کہنا بالکل لغو ہے، ورنہ لازم آئے گا کہ توریت اور انجیل کے تمام احکامِ منسوخہ میں اختلافِ معنوی تسلیم کیا جائے ، اسی طرح مطلقاً توریت اور انجیل کے احکام میں بھی تضاد ماناجائے ، جیساکہ آپ کو تیسرے باب سے وضاحت کے ساتھ معلوم ہوچکا ہے، اس کے علاوہ ارشادِ خداوندی "لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ "، منسوخ نہیں ہے[۱]،

دوسرے اختلاف کا جواب آپ کو کتاب کے مقدمہ کے امر ہفتم سے معلوم ہوچکا ہے[۲]، وہاں پر آپ کو یہ چیز واضح ہوچکی ہے کہ یہ دونوں قسم کی آیات ہرگز اس پر دلالت نہیں کرتیں کہ عیسیٰؑ بن مریم نوعِ انسانی میں سے نہیں ہیں، آیاتِ مذکورہ سے یہ معنیٰ سمجھنا محض فاسد خیالی اور لغویات ہے، تعجب اور حیرت تو یہ ہے کہ یہ عقلمند ان اختلافات اور غلطیوں کو نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے جو اُن کی کتابوں میں بھرے پڑے ہیں، جن کا نمونہ آپ نے پہلے باب کی تیسری فصل میں دیکھ لیا ہے ،

---

[۱] اور اس حکم کا جہاد کے حکم کے ساتھ کوئی تعارض بھی نہیں ہے ، تفصیل اپنے مقام پر آئے گی ،

[۲] ملاحظہ ہو، ص ۲۹۳ جلد اوّل ،

تیسری فصل

احادیث کی صحت کا ثبوت

اس فصل میں ہم ان احادیث کی صحت کا بیان کریں گے جو کتبِ صحاح میں منقول ہیں، اور یہ فصل تین فائدوں پر مشتمل ہے:

زبانی روایات بھی قابلِ اعتماد ہوسکتی ہیں، پہلا فائدہ

تمام اہلِ کتاب خواہ یہودی ہوں یا عیسائی، پہلے ہوں یا پچھلے، زبانی روایات کو ایسا ہی معتبر مانتے ہیں جیسا لکھی ہوئی روایتوں کو، بلکہ یہودی حضرات تو ایسی .... روایات کو لکھی ہوئی روایتوں سے زیادہ مرتبہ اور درجہ دیتے ہیں، عیسائیوں کے مشہور فرقے کیتھولک کے نزدیک دونوں برابر درجے کی ہیں، اور دونوں ہی واجب التسلیم ہیں، اور ایمان کی اصل ہیں، البتہ عیسائیوں کا دوسرا فرقہ پروٹسٹنٹ ان روایات کا ایسا ہی منکر ہے، جیسا کہ یہودیوں کا فرقہ صدوقی، مگر فرقہ پروٹسٹنٹ والے اپنے اس انکار میں مجبور ہیں، اس لئے کہ اگر وہ ان روایات کا انکار نہ کریں تو ان کے لئے اپنے اصل مذہب اور نوایجاد عقیدوں کو ثابت

کرنا مشکل ہو جائے گا، اس کے باوجود وہ بھی بہت سے موقعوں پر زبانی روایات کے محتاج نظر آتے ہیں، اور اسی اعتبار کی سند اُن کی مقدس کتابوں میں ملتی ہے، چنانچہ اگر خدا نے چاہا تو ناظرین پر یہ سب چیزیں عنقریب واضح ہو جائیں گی،

مشنا[1] اور تالمود کی حقیقت

آدم کلارک اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۵۱ء جلد ثانی میں کتاب عزراء کے دیباچے کی شرح میں یوں کہتا ہے:

"یہودیوں کا قانون دو قسم کا تھا، ایک لکھا ہوا جس کو وہ توریت کہتے تھے، اور دوسرا بغیر لکھا ہوا، جس کو زبانی روایات کہا جاتا ہے، یہ اُن کو بزرگوں کے ذریعے پہونچی تھیں، ان کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر دونوں قسم کے قوانین دیئے تھے، جن میں سے ایک بذریعہ تحریر ہم تک پہونچا، اور دوسرا بزرگوں کے واسطے سے جو اُن کو نسلاً بعد نسلٍ بیان کرتے چلے آئے، اس لئے ان کا عقیدہ ہے کہ دونوں مرتبے میں مساوی اور منجانب اللہ ہونے اور واجب التسلیم ہونے میں قطعی برابر ہیں، بلکہ یہ لوگ دوسری قسم کو ترجیح دیتے ہیں، اور یہ کہتے ہیں کہ لکھا ہوا اکثر ناقص اور پیچیدہ ہوا کرتا ہے، اور اُسے بغیر زبانی روایات کے پورے طور پر ایمان کی بنیاد قرار نہیں دیا جا سکتا، اور زبانی روایتیں نہایت واضح اور مکمل طور پر قانون کی تشریح کرتی ہیں، اسی لئے یہ لوگ لکھے ہوئے قوانین کی ان تفسیروں کا قطعی انکار کرتے ہیں جو زبانی روایات کے مخالف پائی جائیں، اور یہ بات یہودیوں میں مشہور ہے کہ وہ عہد جو بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا وہ اس لکھے ہوئے قانون کو کے لئے ہرگز نہ تھا، بلکہ ان زبانی روایات ہی کے لئے لیا گیا تھا[2]"

---

[1] یہ دونوں یہودیوں کی مذہبی کتابیں ہیں جن کا مفصل تعارف آدم کلارک اور ہورن کے الفاظ میں آپ کے سامنے آرہا ہے، ۱۲ ت [2] بنی اسرائیل سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ وہ خدا کے دیئے ہوئے احکام کی پابندی کریں گے، (دیکھئے استثناء ۲۹:۱)، تقی

گویا انھوں نے اس حیلے سے لکھے ہوئے قانون کو نظر انداز کر دیا، اور زبانی روائیتوں کو اپنے دین کی بنیاد قرار دیا، بالکل اسی طرح رومانیہ کے کیتھولک فرقہ کے لوگوں نے اپنے مذہب کے لئے اسی طریقے کو اختیار کیا، اور اللہ کے کلام کی تفسیر ان روائتی ہی کے مطابق کرتے رہے، اگرچہ یہ روایتی تفسیر بہت سے مقامات کے مخالف ہی کیوں نہ ہو، ان کی یہ کیفیت ہمارے خدا کے زمانے میں اس درجہ پر پہونچ چکی تھی کہ خدا نے ان لوگوں پر اس معاملے میں گرفت کی کہ تم لوگ اللہ کے کلام کو ان کی سنت کی وجہ سے باطل کرتے ہو؟ اور خدائی عہد کے بارے میں بھی انھوں نے حد سے تجاوز کیا، یہاں تک کہ ان روایات کو لکھے ہوئے سے برتر بنا دیا، ان کی کتابوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ مشائخ کے الفاظ توریت کے الفاظ سے زیادہ محبوب ہیں، اور توریت کے بعض کلمات اچھے عمدہ اور بعض بالکل نکمّے اور ناپسندیدہ ہیں، اور مشائخ کے سارے کلمات عمدہ اور پسندیدہ ہی ہیں، بلکہ مشائخ کے الفاظ پیغمبروں کے کلمات سے بہت ہی بہتر ہیں، مشائخ کے کلمات سے ان کی مراد یہی زبانی روایات ہیں، جو اُن کو مشائخ کے واسطے سے پہنچی تھیں، نیز یہودیوں کی کتابوں میں لکھا ہے کہ لکھا ہوا قانون پانی کی طرح ہوتا ہے، اور مشنا اور تالمود کی بیان کردہ روایات جو دونوں مذہبوں میں منضبط ہیں سیاہ مرچ والی شراب کے مانند ہیں، نیز ان کی کتابوں میں لکھا ہے کہ لکھا ہوا قانون نمک کے مانند ہے، اور مشنا اور تالمود سیاہ مرچ اور میٹھے تخم کی طرح ہیں، اس قسم کے اور بھی اقوال ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ لکھے ہوئے قانون کے مقابلے میں زبانی روایات کی برتری اور فوقیت کے قائل ہیں، اور اللہ کے کلام کا مفہوم اُن زبانی روایات کی روشنی میں سمجھتے ہیں، اس لئے لکھے ہوئے قانون کی حیثیت ان کی نگاہ میں مردہ جسم سے زیادہ نہیں ہے، اور زبانی روایات اُن کے خیال میں اُس رُوح

کے مانند ہیں جو حیات اور زندگی کی بنیاد ہے،

ان زبانی روایات کے بنیادی ہونے کی دلیل وہ لوگ یہ پیش کرتے ہیں کہ جب خدائے تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو توریت دی تھی، تو توریت کے معانی اور تفسیر بھی سمجھائی تھی، اور یہ بھی حکم دیا تھا کہ توریت کو لکھا جائے، اور تفسیر کو یاد رکھا جائے اور اس کو صرف زبانی طریقے پر دوسروں تک پہنچایا جائے، اور وہ اسی طرح نسلاً بعد نسلٍ منقول ہوتی رہیں، اسی لئے پہلی قسم کے لئے یہ لوگ "قانونِ مکتوب" کے الفاظ اور دوسری قسم کے لئے — "زبانی قانون" کا لفظ استعمال کرتے ہیں، اور وہ فتاویٰ جو ان روایات کے مطابق ہوں ان کا نام "قوانینِ موسیٰؑ"، (جو اُن کو کوہِ سینا پر ملے تھے) رکھتے ہیں،

ان کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ موسیٰؑ کو توریت جس طرح چالیس روز میں دی گئی تھی جو اُن کے اور خدا کے درمیان براہِ راست مکالمہ اور بات چیت کی حیثیت رکھتی ہے، اسی طرح ان کو زبانی روایات بھی عطا کی گئی تھیں، اور موسیٰؑ دونوں کو کوہِ طور سے لے کر آئے اور بنی اسرائیل کو پہنچا دیا، جس کی صورت یہ ہوئی کہ آپ نے اپنے بھائی ہارون کو کوہِ طور سے واپسی کے بعد اپنے خیمہ میں بلایا اور پہلے ان کو لکھا ہوا قانون سکھایا، پھر وہ روایات سکھائیں جو لکھے ہوئے قانون کی شرح اور تفسیر تھیں جن کو انھوں نے خدا کے ہاں سے حاصل کیا تھا، ہارونؑ تعلیم حاصل کرنے کے بعد موسیٰؑ کے داہنے ہاتھ آ بیٹھے، اور ہارونؑ کے دو بیٹے الیعزر اور ایتمر داخل ہوئے، اور جس طرح اُن کے باپ نے اُن دونوں چیزوں کو سیکھا تھا، ان دونوں نے بھی سیکھا پھر ان میں سے ایک موسیٰؑ کے بائیں ہاتھ اور دوسرا ہارون کے دائیں ہاتھ جا بیٹھا، پھر ستر مشہور مشائخ حاضر ہوئے، انھوں نے بھی وہ قوانین سیکھے، اور سب لوگ خیمے میں بیٹھ گئے، پھر جو لوگ سیکھنے کے مشتاق تھے

انھوں نے بھی سیکھا، پھر موسیٰ اُٹھ کھڑے ہوئے، اور ہارون نے سیکھا ہوا سبق سنایا، پھر وہ بھی اُٹھ کھڑے ہوئے، تو الیعزر اور اتیمر نے سبق سنایا، وہ بھی اُٹھ کھڑے ہوئے، پھر اُن ستر مشائخ نے لوگوں کے سامنے سیکھا ہوا قانون سُنایا، غرض ان سب حاضرین نے چار مرتبہ اس قانون کو سُنا، اور خوب یاد کر لیا، پھر ان لوگوں نے موسیٰ کی مجلس سے واپسی پر تمام بنی اسرائیل کو خبر دی، اور لکھے ہوئے قانون کو تحریر کے ذریعے، اور اس کے معانی کو نقل وروایت کے ذریعے دوسری نسل تک پہونچایا، اور وہ احکام جو توریت میں لکھے ہوئے تھے اُن کی تعداد ۶۱۳ تھی، اس لئے اس قانون کو اسی لحاظ سے تقسیم کر لیا،

اور یہ بھی کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السّلام نے تمام بنی اسرائیل کو خروجِ مصر کے چھیالیسویں سال کے گیارھویں مہینے کی پہلی تاریخ کو جمع کیا تھا، اور اُن کو اپنی وفات کی بھی اطلاع دے دی، اور حکم دیا کہ اگر کوئی شخص اس قانونِ الہٰی کا کوئی قول جو میرے ذریعہ سے اس کے پاس پہونچا ہے، بھول گیا ہے تو وہ میرے پاس آکر مجھ سے دریافت کر لے، یا کسی کو اگر ان اقوال میں سے کسی قول پر اعتراض ہو تو میرے پاس آکر اپنا شک دور کر لے، اس کے بعد اپنی آخری زندگی تک تعلیم ہی میں مشغول رہے (یعنی گیارہویں مہینے کی پہلی تاریخ سے بارہویں مہینے کی چھٹی تاریخ تک) اور لکھا ہوا اور بے لکھا ہوا دونوں قسم کے قوانین سکھا دیئے، اور اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے "قانونِ مکتوب" کے تیرہ ۱۳ نسخے بنی اسرائیل کو عطا کئے، یعنی ہر فرقے کو ایک ایک نسخہ دیدیا گیا، تاکہ وہ اُن کے پاس نسلاً بعد نسلٍ محفوظ رہے، اور ایک نسخہ لاوی کی اولاد کو بھی عطا کیا، تاکہ وہ عبادت خانے میں محفوظ رہے،

اور زبانی قانون (یعنی زبانی روایات) یوشع کو سُنایا، پھر آپ

اسی مہینے کی ساتویں تاریخ کوہ نبو پر چڑھ گئے، اسی مقام پر آپ کی وفات ہوگئی، یوشع ؑ نے موسیٰ ؑ کی وفات کے بعد یہ روایات مشائخ کے حوالے کر دیں، اور انھوں نے پیغمبروں کے سپرد کیں، پھر ہر نبی دوسرے آنے والے نبی کے حوالے کرتا رہا، یہاں تک کہ ارمیاہ ؑ نے بارُوخ تک اور بارُوخ نے عزراء ؑ تک اور عزراء ؑ نے علماء کے اُس مجمع تک پہنچا دیا، جن میں سب سے آخر شمعون صادق تھے، پھر اُس نے انیتی کونوس تک، اور انھوں نے یوثی بن یحنان تک اور اُس نے یوسی بن یوسیر تک پھر اس نے نتھان اربلی اور یوشع بن برخیا تک، پھر ان دونوں نے یہوداہ بن یحییٰ اور شمعون بن شطاۃ تک اور انھوں نے شمایا اور ابی طلیون تک، پھر ان دونوں نے ہلل تک اور اس نے اپنے بیٹے شمعون تک، اور گمان یہ ہے کہ یہ شمعون وہی شمعون ہیں جنھوں نے ہمارے نجات دہندہ خدا کو مریم ؑ سے اپنے ہاتھوں میں لیا تھا، جب کہ وہ اپنے ایامِ نفاس سے پاک ہوکر عبادت گاہ میں آئی تھیں، پھر اس نے اپنے بیٹے گملائیل تک پہونچایا، اس گملائیل سے ہی پولس نے سیکھا، پھر اُس نے اپنے بیٹے شمعون کو سکھایا، اور اس نے اپنے بیٹے گملائیل کو، پھر اس نے اپنے بیٹے ربی یہوداحق دوشش کو، پھر یہوداؔ نے ان تمام روایات کو کتابی شکل میں جمع کر کے اس کا نام مشناہ رکھا۔"

پھر آدم کلارک کہتا ہے :

"یہودی اس کتاب کی بے حد تعظیم کرتے ہیں، ان کا یہ عقیدہ ہے کہ اس کتاب میں جو کچھ ہے سب منجانب اللہ ہے، جو اس نے موسیٰ ؑ پر کوہِ طور کے مقام پر لکھے ہوئے قانون کی طرح وحی کیا تھا، اس لئے اس کی طرح یہ بھی واجب التسلیم ہے جب سے یہ کتاب تصنیف ہوئی ہے برابر یہودیوں میں درس و تدریس کے طور پر رائج ہے، بڑے بڑے علماء نے اس کی دو شرحیں لکھی ہیں، پہلی شرح تیسری

صدی میں اورشلیم میں لکھی گئی، اور دوسری شرح چھٹی صدی کے شروع میں بابل کے اندر لکھی گئی، ان دونوں شرحوں کا نام گمرا ہے، کیونکہ گمرا کے معنی لغت میں "کمال" کے ہیں، ان کے خیال میں ان دونوں شرحوں سے متن کی پوری پوری توضیح ہوگئی ہے، شرح اور متن دونوں کے مجموعے کا نام تالمود ہے، ویسے الگ الگ امتیاز کے لئے یوں کہا جاتا ہے کہ "تالمود اورشلیم" اور "تالمود بابل" موجودہ زمانے کا یہودی مذہب مکمل طور پر ان دونوں "تالمودوں" میں جو انبیاء کی کتابوں سے خارج ہیں درج ہے اور چونکہ "تالمود اورشلیم" پیچیدہ ہے، اس لئے ان کے یہاں موجودہ زمانے میں تالمود بابل زیادہ مروّج ہے"۔

اور ہورن اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۲۲ء جلد ۲ حصہ اوّل کے باب ۷ میں کہتا ہے:

"مشناوہ کتاب ہے جو یہودیوں کی مختلف روایتوں پر اور مقدس کتابوں کے متون کی شرحوں پر مشتمل ہے، اُن کا خیال اُس کے بارے میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو کوہِ طور پر جس وقت توریت عطا فرمائی تھی اسی وقت یہ روایات بھی دے دی تھیں، پھر موسیٰ سے ہارونؑ کو اور یوشع سے الیعزر کو اور ان سے دوسرے پیغمبروں کو اور ان سے دوسرے مشائخ کو، اسی طرح ایک پشت سے دوسری پشت کو چلتے ہوئے شمعون تک پہونچیں، یہ وہی شمعون تھے جنھوں نے ہمارے نجات دہندہ خدا کو اپنے ہاتھوں میں لیا تھا، ان سے گملائیل کو پھر اس سے یہوداہ حق دوش کو پہنچیں، اس نے بڑی محنت سے چالیس سال میں ان کو دوسری صدی میں کتابی صورت میں جمع کیا، یہ کتاب نسلاً بعد نسلٍ یہودیوں میں اس وقت سے مستعمل چلی آتی ہے، اور اکثر اس کتاب کی عزّت لکھے ہوئے قانون کی نسبت زیادہ ہوتی ہیں"

پھر کہتا ہے کہ:

مشنا کی دو شرحیں ہیں، جن میں سے ہر ایک کا نام گمرا ہے، ایک "گمرا اور شلیم" جو بعض محققین کی رائے کے مطابق تیسری صدی میں اور شلیم میں لکھی گئی، اور فادر مون کی رائے کے مطابق پانچویں صدی میں، دوسری "گمرا بابل"، جو چھٹی صدی میں بابل کے اندر لکھی گئی، "یہ گمرا" قطعی بیہودہ قصوں اور کہانیوں پر مشتمل ہے، لیکن یہی یہودیوں کے نزدیک زیادہ معتبر ہے اور اس کا پڑھنا پڑھانا ان میں مروّج ہے، یہ لوگ ہر مشکل اور پیچیدہ معاملے میں اس یقین کے ساتھ اس کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ وہ ان کی رہنمائی کرے گی، گمرا کا نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس لفظ کے معنیٰ کمال کے ہیں، ان کا خیال یہ ہے کہ یہ شرح توریت کا کمال ہے، اور کسی شرح کا اس سے بہتر ہونا ناممکن ہے، اور نہ اس کے بعد اور کسی شرح کی ضرورت باقی رہتی ہے، اور جب متن کے ساتھ گمرا اور شلیم کو شامل کر لیا جائے تو مجموعے کو "تالمود اور شلیم" کہا جاتا ہے، اور جب "گمرا بابل" کو متن کے ساتھ ملا لیا جائے تو مجموعے کو "تالمود بابل" کہا جاتا ہے[1]۔

اوّل یہ کہ یہودی زبانی روایات کا توریت کی طرح اعتبار کرتے ہیں، بلکہ بسا اوقات ان کی اس سے زیادہ تعظیم کرتے ہیں، وہ اُن کو بمنزلۂ رُوح اور توریت کو بمنزلۂ جسم سمجھتے ہیں، پھر جب توریت کی پوزیشن یہ ہے تو دوسری کتابوں کا اندازہ آپ خود کر سکتے ہیں،

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ان روایات کا جامع یہوداہ حق ددش ہے جس نے ان کو دوسری صدی کے آخر میں جمع کیا، یہ روایات ایک ہزار سات سو سال تک محض زبانی یادداشت کی حیثیت رکھتی تھیں، پھر اس دوران میں یہود پر بڑے بڑے مصائب اور شدائد بھی واقع ہوئے، مثلاً بخت نصر اور انٹیوکس اور طیطوس وغیرہ کے حادثے

[1] "تالمود بابل" اور "تالمود یروشلم" میں سے ہر ایک کے پھر دو دو حصّے ہیں، پہلے حصّے کو "ھلکہ" کہا جاتا ہے اور دوسرے حصّے کو "ہجدہ"، ھلکہ میں چھ سو تیرہ احکام ہیں، اور ہجدہ میں روایات اور قصّے، (تاریخ صحف سماوی از سید نواب علی صاحب، ص ۲۸، کراچی ۱۹۶۳ء)، ت

جن میں تواتر کی صورت یقیناً منقطع ہوگئی تھی، اور کتابیں بھی ضائع اور برباد ہو چکی تھیں، جیسا کہ دوسرے باب سے معلوم ہو چکا ہے[1]، ان حالات کے باوجود یہود کے نزدیک اس کا اعتبار توریت سے بھی زیادہ ہے،

تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ یہ روایتیں اکثر طبقات میں صرف ایک ایک راوی سے منقول ہوتی رہیں جیسے کملائیل اول و دوم اور شمعون دوم و سوم، حالانکہ یہود کے نزدیک یہ لوگ انبیاء میں بھی شامل نہیں ہیں، اور عیسائیوں کے نزدیک شدید ترین کافر اور منکرین مسیح میں سے ہیں، اس کے باوجود یہ روایات یہود کے نزدیک ایمان کی بنیاد اور اصل عقائد ہیں، اس کے برعکس ہمارے نزدیک وہ صحیح حدیث بھی جو آحاد[2] کی روایت سے منقول ہو، عقائد کی بنیاد ہرگز قرار نہیں دی جاسکتی،

چوتھی بات یہ معلوم ہوئی کہ جب "کمرا بابل" چھٹی صدی میں لکھی گئی ہے، تو اس کے بیہودہ قصے کہانیاں ہورن کے قول کے موافق دو ہزار سال تک محض زبانی روایات کے ذریعے محفوظ تھے،

جب محققین فرقہ پروٹسٹنٹ کے اعتراف کے مطابق یہود کی پوزیشن یہ ہے تو اس سے تمام مسیحی متقدمین کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں، یوسی بیس جس کی تاریخ علماء کیتھولک اور فرقۂ پروٹسٹنٹ دونوں کے یہاں معتبر ہے اپنی تاریخ مطبوعہ ۱۸۴۸ء کی کتاب ۲ کے باب ۹ میں یعقوب حواری کے حال میں یوں کہتا ہے کہ:

"کلیمنٹس نے ایک قابل یادداشت قصہ اپنی ساتویں کتاب میں اس یعقوب کے حال کے بیان میں نقل کیا ہے، ظاہر یہ ہے کہ کلیمنٹس نے یہ قصہ ان زبانی روایات سے نقل کیا ہے، جو اس کو اپنے باپ دادوں سے پہونچی تھیں"

اس کے بعد تیسری کتاب کے تیسرے باب میں ص ۱۲۳ پر ارینیوس کا قول نقل کرتا ہے:

"افسس کا گرجا جس کو پولس نے تعمیر کیا تھا اور جس میں یوحنا حواری نے

---

[1] دیکھئے ص ۸۹، و ۹۰، جلد دوم [2] یعنی تین سے کم اس کے راوی ہوں،

سلطنت ٹرجانوس تک قیام کیا، حواریوں کی احادیث کا پختہ گواہ ہے "

پھر اسی صفحہ پر کلیمنٹس کا یہ قول نقل کیا ہے :

" یوحنا حواری کی نسبت ایسا قصہ جو سچا اور واقعی ہے جس میں اصلا جھوٹ نہیں ہے اور جو سینوں میں محفوظ چلا آتا ہے "

پھر کتاب ثالث کے باب ۲۴ ص ۱۲۶ میں کہتا ہے :

" مسیح کے شاگردوں کی تعداد حوارین کی طرح بارہ ہے، اور ۷۰ رسول ہیں، اور دوسرے بہت سے لوگ ہیں جو حالات مذکورہ سے ناواقف نہ تھے، (یعنی ان حالات سے جن کو انجیل والوں نے لکھا ہے) لیکن ان میں سے فقط یوحنا اور متی نے انھیں لکھا ہے اور زبانی روایات سے بھی معلوم ہوا کہ ان دونوں کا لکھنا بھی ضرورت کی وجہ سے تھا "

پھر کتاب ثالث کے باب ۲۸ صفحہ ۱۳۲ میں کہتا ہے :

" ارینیوس نے اپنی تیسری کتاب میں ایک قصہ لکھا ہے جو اس لائق ہے کہ لکھا جائے اس کو یہ واقعہ پولیکارپ سے بطور زبانی روایت کے پہونچا "

پھر کتاب رابع کے باب ۵ ص ۱۴۷ میں کہتا ہے :

" میں نے اورشلیم کے پادریوں کے حالات ترتیب وار کسی کتاب میں نہیں دیکھے مگر زبانی روایت سے ثابت ہے کہ وہ تھوڑی مدت تک رہے "

پھر کتاب ثالث کے باب ۳۶ صفحہ ۱۳۸ میں کہتا ہے :

" زبانی روایت کے ذریعے ہم کو معلوم ہوا ہے کہ وہ لوگ جب اگناشس کو قتل کرنے کے لئے روم لے گئے، تاکہ اس کو صرف عیسائی ہونے کے جرم میں درندوں کے آگے ڈال دیا جائے، اور اس کا گذر ایشیا پر فوجی حفاظت میں ہوا، تو راستے میں جس قدر مختلف گرجا ملے وہاں کے لوگوں نے اس کی نصیحتوں اور اقوال سے قوت حاصل کی، اس نے ان لوگوں کو ان بدعات سے بھی باخبر کیا جو اس زمانے میں پھیلی ہوئی تھیں، اور ان کو زبانی روایات کے ساتھ

چمٹے رہنے کی سخت تاکید کی، اور مزید یادداشت کے لئے اس نے بہتر سمجھا کہ ان روایات کو لکھ لیا جائے، اور ان پر اپنی گواہی بھی ثبت کر دی،

پھر کتاب ثالث کے باب ۳۹، ص ۱۴۲ پر کہتا ہے کہ:

"پےپیاس نے اپنی کتاب کے دیباچے میں کہا ہے کہ میں تمہارے فائدے کے لئے وہ تمام چیزیں لکھے دیتا ہوں جو مجھ تک مشائخ کے ذریعے پہونچی ہیں، اور پوری تحقیق کے بعد میں نے ان کو محفوظ کر لیا تھا تاکہ اس پر میری مزید شہادت سے ان کی تحقیق اور سچائی اور زیادہ ثابت ہو جائے، کیونکہ میں ہمیشہ سے اُن لوگوں کی روایات سننا پسند نہیں کرتا جو بکثرت لغو گوئی کرتے ہیں، اور دوسری نصیحتوں کی بھی تعلیم کرتے ہیں، بلکہ میں نے صرف ایسے لوگوں سے احادیث سُنی ہیں جو سوائے ان سچی نصیحتوں کے جو ہمارے سچے خداوند سے منقول ہیں اور کچھ نہیں جانتے، اور مشائخ کے متبعین میں سے جن جن سے میں ملا ہوں، ان سے میں نے یہ سوال کیا کہ اندرائس یا پطرس یا فیلپس یا توما یا یعقوب یا متی یا ہمارے خدا کے کسی شاگرد نے یا ارستیون یا حضرت یوحنا نے جو ہمارے خدا کے مرید تھے کیا کہا؟ کیونکہ مجھ کو جو فائدہ زبانی روایات سے ہوا وہ کتابوں سے قطعی نہیں ہوا"

پھر کتاب رابع کے باب ۸ ص ۱۵۱ میں کہتا ہے:

"ہجیسی پوس کنیسا کے مورخین میں مشہور ہے، میں نے اس کی تالیفات سے بہت سی چیزیں نقل کی ہیں، جن کو اس نے حواریین سے بذریعہ زبانی روایات کے نقل کیا ہے، اس مصنف نے حواریین کے مسائل کو جو اُس کو زبانی روایات کے طور پر پہنچے آسان عبارت میں پانچ کتابوں میں لکھا ہے"

پھر کتاب رابع کے باب ۱۴ ص ۱۵۸ پر پولیکارپ کے حال میں ارینیوس کا قول نقل کیا ہے:

"پولیکارپ نے ہمیشہ انہی چیزوں کی تعلیم دی جو اس نے حواریین سے اور

کنیسہ کی لغت سے بذریعہ روایت حاصل کی تھیں، اور جو سچی باتیں تھیں"
پھر کتاب خامس کے باب ۳ میں ارینیوس کے واسطے سے روم کے اسقفوں کی فہرست نقل کرتا ہوا ص ۲۰۱ پر کہتا ہے:
"رب تہیر دس تک جو اس سلسلے کا بارہواں اسقف ہے جو ہم تک صحیح اور سچے واسطے سے اور حواریوں سے بذریعے زبانی روایات کے پہونچا ہے"
پھر کتاب خامس کے باب ۸ ص ۲۰۶ میں کلیمنٹس کا قول نقل کرتا ہے:
"میں نے یہ کتابیں بڑائی اور برتری حاصل کرنے کے لئے نہیں لکھی ہیں، بلکہ اپنے بڑھاپے کے خیال سے، اور اس لئے تاکہ میری بھول کا تریاق ہو سکے، بطور تفسیر کے میں نے ان کو جمع کیا ہے، گویا یہ اُن الہامی مسائل کی شروح ہیں جن کی بدولت میں بلندی اور بزرگی کو پہونچا، اور سچوں، برکتوں والوں میں شامل ہوا، ان میں سے یونی کوس بھی ہے جو یونان میں تھا، اور دوسرا جو میگنیا گریشیا میں مقیم تھا، باقی دوسرے لوگ سب مشرق کے رہنے والے تھے، ان میں ایک شامی اور دوسرا اعرانی، فلسطین کا باشندہ تھا، اور وہ شیخ جن کی خدمت میں میں سب سے آخر میں پہونچا ہوں، وہ مصر میں گوشۂ تنہائی و گمنامی میں رہتے تھے، جو سارے مشائخ سے افضل تھے، ان کے بعد پھر میں نے کسی شیخ کے تلاش کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی، کیونکہ ان سے بہتر کوئی شیخ دنیا میں موجود نہ تھا، یہ تمام مشائخ وہ سچی روایات محفوظ اور زبانی یاد رکھتے تھے جو مقدس پولس و یعقوب و یوحنا پولس سے پشت در پشت اور نسل بعد نسل نقل ہوتی چلی آئی تھیں"
پھر کتاب خامس کے باب ۲۰ ص ۲۱۹ پر ارینیوس کا قول نقل کرتا ہے:
"میں نے خدا کے فضل سے یہ روایتیں بڑے اہتمام اور کوشش کے ساتھ سُنی ہیں اور ان کو اپنے سینے کی تختی پر بجائے کاغذ کے لکھا ہے، اور عرصۂ دراز سے میرا معمول ہے کہ میں ایمانداری سے ان روایات کا تکرار اور

اعادہ کرتا رہتا ہوں ''۔

پھر کتاب خامس کے باب ۲۴ ص ۲۲۲ میں کہتا ہے :

''پولی کراٹیس اسقف نے ایک روایت جو اس کو زبانی روایات کے طور پر پہونچی تھی، اپنے اس خط میں لکھی ہے جو اس نے کنیسہ روم اور وکٹر کو بھیجا تھا ''۔

پھر کتاب خامس کے باب ۲۵ ص ۲۲۶ پر کہتا ہے :

''نارکشوس اور تھیوفلوس وکاسیوس جو فلسطین کے اسقف ہیں، اور کنیسۂ صور کے اسقف نیز اسقف تولما ئی کلاروس اور دوسرے لوگ جو ان اسقفوں کے ہمراہ آئے تھے، ان سب نے بہت سی چیزیں اس روایت کے سلسلے میں جو اُن کو عید فصح کے بارے میں حواریین سے پہونچی تھی، اور بذریعہ زبانی روایات نسلاً بعد نسلٍ منقول ہوتی چلی آئی تھیں پیش کیں، اور سب نے کتاب کے آخر میں لکھا کہ اس کی نقلیں کرا کر تمام کنیسوں کو بھیج دی جائیں، تاکہ جو لوگ سیدھی راہ سے جلد بھٹک جاتے ہیں اُن کے لئے بھاگنے کی کوئی گنجائش نہ رہے ''۔

پھر کتاب سادس کے باب ۱۳، ص ۲۴۶ میں کلیمنٹس اسکندریانوس کے حال کے بیان میں (جو حواریوں کے تبع تابعین میں سے تھے) کہتا ہے :

'' وہ اپنی اس کتاب میں جس کو عید فصح کے بیان میں تالیف کیا ہے کہتا ہے کہ مجھ سے دوستوں نے درخواست کی کہ میں ان روایتوں کو جو اسقفوں سے میں نے سنی ہیں آنے والی نسلوں کے فائدے کے لئے لکھدوں ''۔

پھر کتاب سادس کے باب ۳۱ ص ۲۶۳ میں کہتا ہے ''۔

'' الفریکانوس اپنے اس رسالے میں جو اس زمانے میں بھی موجود ہے، اور جس کو اس نے ارستدلیس کے پاس بھیجا تھا مسیحؑ کے نسب کے بارے میں جو روایت اسے اس کے باپ دادوں کے واسطے سے پہونچی تھی اس کے مطابق وہ متی اور لوقا کے متعارض بیانات میں تطبیق دیتا ہے ''۔

ان سترہ اقوال سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ عیسائیوں کے متقدمین زبانی روایتوں پر بڑا بھاری اعتماد کرتے تھے، جان ملنر کیتھولک اپنی کتاب میں جو ڈربی میں ۱۸۴۳ء میں طبع ہوئی ہے جیمس بروان کے نام اپنے دسویں خط میں کہتا ہے:

"میں اس سے پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ فرقہ کیتھولک کے ایمان کی بنیاد صرف وہ کلام اللہ نہیں ہے جو لکھا ہوا ہے، بلکہ عام ہے، خواہ لکھا ہوا ہو یا بے لکھا ہوا، یعنی کتب مقدسہ اور زبانی روایات اس تشریح کے مطابق جو کنیسہ کیتھولک نے کی ہے"

پھر اسی خط میں کہتا ہے:

"ارینوس نے اپنی کتاب کی جلد نمبر ۳ باب نمبر ۵ میں کہا ہے کہ طالبینِ حق کے لئے اس سے زیادہ آسان اور سہل اور کوئی صورت نہیں ہے کہ وہ ہر کنیسہ میں اُن زبانی روایات کی جستجو اور تلاش رکھیں جو حوارین سے منقول ہیں اور ان کو سارے عالم میں پھیلائیں"

پھر اسی خط میں کہتا ہے کہ:

"ارینوس نے اپنی کتاب کی جلد ۱ کے باب نمبر ۳ میں کہا ہے کہ قوموں کی زبانیں اگرچہ مختلف ہیں، لیکن زبانی روایتوں کی حقیقت ہر مقام پر یکساں ہوگی، جرمنی کے کنیسے تعلیم و عقائد میں فرانس اور اسپین اور مشرق و مصر اور لیبیا کے کنیسوں کے خلاف نہیں ہیں"

پھر اسی خط میں کہتا ہے کہ:

"ارینوس نے جلد نمبر ۳ کے باب نمبر ۲ میں کہا ہے کہ چونکہ سارے کلیسوں کے سلسلوں کا حال طوالت سے خالی نہیں ہے، اس لئے رومی کلیسا کی روایت اور عقیدے کو بنیاد قرار دیا جائے گا، جو سب سے زیادہ قدیم اور بڑا مشہور ہے، جس کے بانی پطرس اور پولس ہیں، باقی تمام کنیسے اسکی موافقت کرتے ہیں، کیونکہ وہ زبانی روایات جو حوارین سے نسلاً بعد نسل منقول ہوتی آئی

ہیں وہ سب اس میں محفوظ ہیں"۔

پھر اسی رسالے میں کہتا ہے:

"ارینوس نے کتاب رابع کے باب ۴ میں کہا ہے کہ ہم اگر فرض کریں کہ حواریین نے ہمارے لئے کتابیں نہیں چھوڑیں، پھر بھی ہم کہیں گے کہ یا تو ہم پر یہ بات لازم ہے کہ ہم ان زبانی روایتوں کے ذریعے ثابت ہونے والے احکام کو مانیں، جو حواریین سے منقول ہوتی چلی آتی ہیں جن کو حواریین نے ایسے لوگوں کے حوالے کیا تھا جنھوں نے ان کو کنیسہ تک پہنچا دیا، اور یہ وہی روایتیں ہیں جن کے مطابق وہ وحشی لوگ عمل کرتے ہیں، جو مسیح پر بغیر حروف اور روشنائی کے استعمال ایمان لائے تھے"۔

پھر اسی خط میں کہتا ہے کہ:

"ٹرٹولین نے اپنی کتاب میں جس کو اس نے اہلِ بدعت کے رد میں تالیف کیا ہے، اور جو شہر رعنان میں طبع ہوئی ہے صفحہ ۳۶، ۳۷ میں کہا ہے کہ بدعتی لوگوں کی عادت ہے کہ وہ صرف کتبِ مقدسہ سے استدلال کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ کتبِ مقدسہ کے علاوہ اور کوئی چیز ایمان کی بنیاد ہونے کے لائق نہیں ہے، تو ہی لوگوں کو اس حیلے سے عاجز کرتے ہیں، اور کمزوروں کو اپنے جال میں پھانستے ہیں، اور درمیانی قسم کے لوگوں کو شک میں مبتلا کرتے ہیں، اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو بھی اسبات کی اجازت نہ دو کہ وہ خالی کتبِ مقدسہ سے استدلال کریں، کیونکہ اس مباحثے سے ذرہ برابر بھی فائدے کی توقع نہیں جو کتبِ مقدسہ کے ساتھ کیا جائے، سوائے اس کے کہ دماغ اور پیٹ دونوں خالی ہو جائیں، اس لئے کتبِ مقدسہ کی طرف رجوع کرنا محض غلط ہے، کیونکہ ان کتابوں سے کسی بات کا قطعی فیصلہ ممکن نہیں، اور اگر کچھ حاصل بھی ہو گا تو وہ ناقص ہو گا، اور اگر یہ بات بھی نہ ہوتی تب بھی اس صورت میں مباحثے کا طریقہ یہ ہوتا کہ سب سے پہلے یہ تحقیق کی جاتی ہے کہ ان

کتبِ مقدسہ کا تعلق کن لوگوں سے ہے؟ اور کس شخص نے کس شخص کو کس وقت پہنچائیں؟ جس کی بدولت ہم مسیحی قرار پائے، اس لئے کہ جس مقام میں بھی دینِ مسیحی کے احکام اور عقائد موجود ہوں گے، وہاں انجیل اور اس کے معانی اور دین مسیحی کی ان تمام روایتوں کی صداقت موجود ہوگی جو صرف زبانی ہیں''۔

پھر اسی خط میں کہتا ہے:

''آریجن نے کہا ہے کہ یہ بات ہمارے لئے مناسب نہیں ہے کہ ہم ان لوگوں کا اعتبار کریں جو کتبِ مقدسہ سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کلام تمہارے آگے ہے، تم اس کو دیکھو، اور اسی پر غور کرو، کیونکہ یہ بات ہمارے لئے لائق نہیں ہے کہ ہم کنیسے کی روایت کو ترک کردیں، بلکہ ہم اس چیز کے سوا کسی اور شے کے معتقد ہوں، جو ہم تک اللہ کے کنیسوں سے مسلسل روایت کے ذریعے پہونچی ہے''۔

پھر اسی خط میں کہتا ہے کہ:

''باسلیوس نے کہا ہے کہ بہت سے مسائل کنیسہ میں محفوظ ہیں، جن کو وعظ و نصیحت کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، کچھ تو ان میں سے کتبِ مقدسہ سے لئے گئے ہیں، اور کچھ زبانی روایتوں سے، اور دین میں دونوں قوت کے لحاظ سے برابر ہیں، جس شخص کو شریعتِ عیسوی سے تھوڑی سی بھی واقفیت ہوگی وہ اس پر اعتراض نہیں کرے گا''۔

پھر اسی خط میں کہتا ہے کہ:

''ایپی فانیس نے جو کتاب بدعتی لوگوں کے مقابلے میں تالیف کی ہے اس میں کہا ہے کہ زبانی روایتوں کو استعمال کرنا ضروری ہے، کیونکہ کتبِ مقدسہ میں تمام چیزیں موجود نہیں ہیں''۔

پھر اسی خط میں کہتا ہے کہ:

''کریزاسٹم نے تھسلنیکیوں کے نام دوسرے خط کے باب ۲ آیت ۱۵ [1] کی شرح

---

[1] اس آیت کے الفاظ آگے ص ۹۲۱ پر دیکھئے

میں تصریح کی ہے کہ اس سے صاف ثابت ہوا کہ حوارین نے ہم تک تمام باتیں تحریر کے ذریعہ نہیں پہنچائیں، بلکہ بہت سی چیزیں بغیر تحریر کے بھی پہنچائی ہیں، اعتبار میں دونوں برابر ہیں، اسی لئے ہماری رائے ہے کہ کلیسا کی روایت ہی ایمان کی بنیاد ہے، اور جب بھی ہمکو کوئی بات زبانی روایت سے ثابت ملے گی اس سے زیادہ اور کوئی خبر ہم تلاش نہیں کریں گے ''

پھر اسی خط میں کہتا ہے :۔

''آگسٹائن ایک ایسے شخص کے حق میں جس کو اہل بدعت سے بپتسمہ (اصطباغ) حاصل ہوا ہو لکھتا ہے کہ اگرچہ اس بارے میں کوئی تحریری سند تو موجود نہیں ہے، لیکن یہ چیز قابل لحاظ ہے کہ یہ رسم زبانی روایت کے ذریعے جاری ہوئی ہے، کیونکہ بہت سی چیزوں کی نسبت عام کلیسا تسلیم کرتے ہیں کہ ان کو حوارین نے تجویز کیا ہے، حالانکہ وہ لکھی ہوئی نہیں ہیں''

پھر اسی خط میں کہتا ہے کہ :۔

''اسقف ون سنٹ نے کہا ہے کہ مبتدمین کو کتب مقدسہ کی تفسیر عام کنیسوں کی روایت کے مطابق کرنا چاہئے''

ان بارہ اقوال سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ زبانی روایتیں فرقہ کیتھولک کے یہاں ایمان کی بنیادی چیز ہیں، اور متقدمین کے نزدیک معتبر، کیتھولک ہیرلڈ کی جلد نمبر ۳، ص ۶۳ میں ہے کہ :۔

''ربی دوسی قدسی نے بہت سے شواھد اس بات کے پیش کئے ہیں کہ کلام مقدس کا متن حدیث اور زبانی روایت کی مدد کے بغیر سمجھا جانا ممکن نہیں ہے، کیتھولک کے مشائخ نے ہر زمانے میں اسکی پیروی کی ہے، اور ترتولین کہتا ہے کہ مسیحؑ نے جن باتوں کی تعلیم حواریوں کو دی تھی اُن کو سمجھنے کے لئے ان کلیساؤں کی جانب رجوع کرنا ضروری ہے جن کو حوارین نے قائم کیا، اور ان کو اپنی تحریرات اور زبانی روایات کی تعلیم دی ''

ان مذکورہ روایات سے معلوم ہوا کہ یہودیوں کے نزدیک روایات واحادیث کی عظمت توریت کی عظمت سے زیادہ ہے، اسی طرح عیسائیوں کے تمام متقدمین مثلاً کلیمنٹس، ارینوس، کلاروس، سکندریانوس، ایفریکانوس، ٹرٹولین، آریجن، باسیلیوس، ایپی فاینس، کریزاسٹم، آگسٹائن، ون سنٹ اسقف وغیرہ تمام زبانی روایتوں کی عظمت کے قائل ہیں، اور ان کو معتبر اور مستند مانتے ہیں، اور اگناشس نے اپنی آخری عمر میں زبانی روایتوں کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رہنے کی وصیت کی تھی، اسی طرح کلیمنٹس اپنے مشائخ کی تاریخ میں لکھتا ہے:

"وہ لوگ ان سچی روایتوں کے حافظ تھے، جو پطرس، یعقوب، یوحنا، پولس سے نسلاً بعد نسل منقول ہوتی آئی ہیں"

ایپی فاینس نے کہا:

"جو نفع مجھ کو دستوں کی زبانی روایتوں سے پہونچا وہ کتابوں سے نہیں پہنچ سکا"

ارینوس نے کہا: کہ

"خدا کے فضل سے میں نے احادیث کو کامل غور واہتمام کے ساتھ سنا، اور بجائے کاغذ کے سینے میں لکھ لیا ہے، اور عرصہ دراز سے میری عادت اور معمول ہے کہ میں ایمانداری سے ان روایتوں کا تکرار اور اعادہ کرتا رہتا ہوں"

اور یہ بھی کہا کہ:

"طالبینِ حق کے لئے اس سے زیادہ سہل صورت نہیں کہ وہ کلیساؤں میں ان زبانی روایتوں کو تلاش کریں جو حواریین سے منقول چلی آئی ہیں، اور ان کو سارے عالم میں پھیلائیں"

اور یہ بھی لکھا کہ:-

"اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ حواری ہمارے لئے کتابیں نہیں چھوڑ گئے، پھر بھی ہم کہیں گے کہ ہم پر لازم ہے کہ ان احکام کو مانیں جو ایسی زبانی روایتوں سے ثابت

ہوں جو حواریین سے منقول ہوتی آئی ہیں؛

اور آریجن اور ٹرٹولین دونوں ایسے شخص کو ملامت کرتے ہیں جو احادیث کا منکر ہو، باسلیوس نے کہا ہے کہ جو مسائل کتبِ مقدسہ سے مستنبط ہوں وہ اور جو احادیث سے ماخوذ ہوں وہ دونوں اعتبار میں برابر ہیں، اور کلیسا کی روایت بنیادِ ایمان ہے، اور جب کوئی بات زبانی روایت سے ثابت ہو جائے، پھر مزید کسی چیز کی تلاش کی ضرورت نہیں ہے،

آگسٹائن نے صاف کہدیا ہے کہ بہت سی چیزوں کے متعلق عام کلیسا تسلیم کرتے ہیں کہ حواریین نے ان کو مقرر کیا ہے حالانکہ وہ لکھی ہوئی نہیں ہیں، اس لئے انصاف کی بات یہ ہے کہ سب کو رد کرد ینا تعصب اور جہالت سے خالی نہ ہوگا، اور خود انجیل بھی اسکی تکذیب کرتی ہے :-

زبانی روایات کے حق میں انجیل کی شہادتیں

چنانچہ انجیل مرقس کے باب ۴ آیت ۳۴ میں یوں ہے کہ :-

"اور بے تمثیل[1] ان سے کچھ نہ کہتا تھا، لیکن خلوت میں اپنے خاص شاگردوں سے سب باتوں کے معنی بیان کرتا تھا"

اور یہ بات بعید ہے کہ یہ تمام تفسیریں یا اُن میں سے بعض منقول نہ ہوں، اور یہ بھی ناقابلِ یقین ہے کہ حواری تو تفسیر کے محتاج ہوں اور ہمارے ہمعصر لوگ ان سے بے نیاز اور مستغنی ہوں، اور انجیل یوحنا کے باب ۲۱ آیت ۲۵ میں ہے کہ :

"اور بھی بہت سے کام ہیں جو یسوع نے کئے، اگر وہ جدا جدا لکھے جاتے تو میں سمجھتا ہوں کہ جو کتابیں لکھی جاتیں ان کے لئے دنیا میں گنجائش نہ ہوتی"

انجیل کی اگرچہ یہ بات مبالغہ اور غلو سے خالی نہیں ہے لیکن اس میں کوئی شک

[1] یعنی حضرت مسیح علیہ السلام اپنی ہر بات کو تمثیلات میں کہا کرتے تھے، اور تنہائی میں ان تمثیلات کی تشریح کرتے تھے ۱۲ تقی

نہیں اسکا یہ کہنا کہ "اور بہت سے کام ہیں" یہ مسیح کے تمام افعال کو شامل اور عام ہے، خواہ وہ معجزات ہوں یا دوسری چیزیں، اور بات بعید ہے کہ ان میں سے کوئی چیز زبانی روایت سے منقول نہ ہو،

اور تھسلنیکیوں کے نام دوسرے خط کے باب ۲ آیت ۱۵[1] میں ہے:

"اے بھائیو! ثابت قدم رہو، اور جن روایتوں کی تم نے ہماری زبانی یا خط کے ذریعے تعلیم پائی ہے اُن پر قائم رہو"

اس کے یہ الفاظ کہ "خواہ زبانی ہوں یا خط کے واسطے سے" صاف اس پر دلالت کر رہے ہیں کہ بعض چیزیں تو ہم تک بذریعہ تحریر پہنچی ہیں، اور بعض روبرو بات چیت کے ذریعے سے، لہذا ضروری ہوا کہ عیسائیوں کے نزدیک دونوں معتبر ہوں جیسا کہ اس مقام کی شرح میں کریز اسٹم نے تصریح کی ہے[2]،

کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب ۱۱ آیت ۳۴ میں (عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۴ء کے مطابق اس طرح ہے):

"اور باقی باتوں (کی) میں آکر (تم کو نصیحت کروں گا)"[3]

اور ظاہر ہے کہ یہ باتیں جن کی نصیحت کرنے کا وعدہ پولس نے کیا ہے لکھی ہوئی نہیں ہیں اور یہ بات بعید ہے کہ ان میں سے کوئی بھی منقول نہ ہو،

اور تیمتھیس کے نام دوسرے خط کے باب اول آیت ۱۳ میں ہے:

"جو صحیح باتیں تو نے مجھ سے سُنیں اسے ایمان اور محبت کے ساتھ جو مسیح یسوع میں ہے ان کا خاکہ یاد رکھ"

اور اس عبارت میں یہ الفاظ کہ "جو صحیح باتیں تو نے مجھ سے سُنیں" صاف دلالت کر رہے

---

[1] پروٹسٹنٹ بائبل میں یہ آیت نمبر ۱۵ ہے، اور کیتھولک بائبل میں آیت نمبر ۱۴،

[2] دیکھئے ص ۹۱۷،

[3] یہ اظہار الحق میں نقل کی ہوئی عربی عبارت کا ترجمہ ہے، بائبل کے جتنے ترجمے ہمارے پاس ہیں، ان سب میں عبارت یہ ہے "اور باقی باتوں کو میں آکر درست کر دوں گا" ۱۲ تقی

ہیں کہ بعض باتیں زبانی بھی نقل کی گئی ہیں، اور اسی خط کے باب ۲ آیت ۲ میں ہے:

"اور جو باتیں تو نے بہت سے گواہوں کے سامنے مجھ سے سُنی ہیں، اُن کو ایسے دیانت دار آدمیوں کے سپرد کر جو اوروں کو بھی سکھانے کے قابل ہوں"

دیکھئے! اس عبارت میں نصاریٰ کا مقدس پیشوا تیمتھیس کو وضاحت کے ساتھ یہ تعلیم دے رہا ہے کہ تم نے جو زبانی باتیں مجھ سے سُنی ہیں وہ نہ صرف یہ کہ یاد رکھو بلکہ ایسے لوگوں کو پہنچاؤ جو دوسروں تک پہنچانے کی صلاحیت رکھتے ہوں، اور یوحنا کے دوسرے خط کے آخر میں ہے:

"مجھے بہت سی باتیں تم کو لکھنا ہے، مگر کاغذ اور سیاہی سے لکھنا نہیں چاہتا بلکہ تمہارے پاس آنے اور روبرو بات چیت کرنے کی امید رکھتا ہوں تاکہ تمہاری خوشی کامل ہو"

اور تیسرے خط کے آخر میں ہے:

"مجھے لکھنا تو تجھ کو بہت کچھ تھا، مگر سیاہی اور قلم سے تجھ کو لکھنا نہیں چاہتا بلکہ تجھ سے جلد ملنے کی امید رکھتا ہوں، اس وقت ہم روبرو بات چیت کریں گے"

یہ دونوں آیات اس بات کو بتاتی ہیں کہ یوحنا نے بہت سی باتیں وعدے کے مطابق زبانی بتائی ہیں، اب یہ چیز بعید ہے کہ وہ تمام باتیں یا ان میں سے بعض بذریعۂ روایت منقول نہ ہوں،

لہٰذا ان بیانات مذکورہ سے ثابت ہوا کہ فرقۂ پروٹسٹنٹ میں سے جو شخص مطلقاً احادیث کے معتبر ہونے کا انکار کرتا ہے وہ جاہل ہے، یا پھر انتہائی متعصب اور ہٹ دھرم ہے، اور اس کی بات کتبِ مقدسہ اور جمہور علماء متقدمین کے خلاف ہے، اور بعض متقدمین کے فیصلے کے مطابق اس کا شمار بدعتیوں میں ہے، اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے فرقے کی بہت سی طبع زاد چیزوں میں روایات کا اعتبار کرتے پر

مجبور ہے، مثلاً یہ کہ بیٹا جوہر کے اعتبار سے باپ کے برابر ہے، اور یہ کہ روح القدس باپ اور بیٹے سے نکلا ہے، اور یہ کہ مسیح دو طبیعتوں والا اور ایک اقنوم ہے، وہ دو ارادوں والا ہے، خدائی اور انسانی، اور یہ کہ وہ مرنے کے بعد جہنم میں داخل ہوا، وغیرہ وغیرہ، حالانکہ یہ خرافات بعینہٖ عہد جدید میں کہیں نہیں پائی جاتیں، اور یہ لوگ ان چیزوں کے معتقد محض روایات اور تقلید کی بناء پر ہوئے ہیں،

زبانی روایات کے معتبر ہونے پر بائبل کی دوسری شہادتیں

نیز اس سے یہ بھی لازم آئے گا کہ کتب مقدسہ کے اجزاء کا انکار کیا جائے مثلاً انجیل مرقس و لوقا کا اور کتاب اعمال الحواریین کے انیس ابواب کا انکار کرنا پڑے گا، کیونکہ یہ سب زبانی روایات کے ذریعے لکھے گئے ہیں، نہ انھیں مشاہدے کے ذریعے لکھا گیا ہے اور نہ وحی کے ذریعے، جیسا کہ باب اوّل میں معلوم ہو چکا ہے، اسی طرح کتاب امثال کے پانچ بابوں کا بھی (۲۵ سے ۲۹ تک) انکار کرنا پڑے گا، کیونکہ یہ سب حزقیاہ کے عہد میں ان زبانی روایتوں سے جمع کئے گئے ہیں جو اُن کے یہاں رائج تھیں، اور ان روایات کی تدوین اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے درمیان دو سو ستر سال کا عرصہ ہے، چنانچہ کتاب امثال کے باب ۲۵ آیت ۱ میں ہے:

> "یہ بھی سلیمان کی امثال ہیں جن کی شاہ یہوداہ حزقیاہ کے لوگوں نے نقل کی تھی"

آدم کلارک مفسّر اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۰۱ء میں اس آیت کی شرح کرتے ہوئے کہتا ہے:

> "معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کے آخر میں کچھ واقعات ہیں جو بادشاہ حزقیاہ کے حکم سے ان زبانی روایات سے جمع کئے گئے ہیں جو عہدِ سلیمانؑ سے مشہور چلی آرہی تھیں، ان واقعات کو ان روایات سے ہی لوگوں نے جمع کیا، پھر ان

کو اس کتاب کا ضمیمہ بنا دیا، ممکن ہے کہ حزقیاہ کے دوستوں سے اشعیاہ شنیاہ وغیرہ مراد ہوں، جو اس عہد کے پیغمبروں میں سے ہیں، اس صورت میں یہ ضمیمہ بھی سند کے لحاظ سے باقی کتاب کی طرح ہو جائے گا، ورنہ اس کو کتاب مقدس کا ضمیمہ کیونکر بنا سکتے تھے ؟"

اس میں مفسر مذکور کا یہ کہنا کہ بادشاہ کے حکم سے زبانی روایتیں جمع کی گئی ہیں، ہمارے دعوے کی واضح دلیل ہے، رہا اس کا یہ کہنا کہ ممکن ہے یہ نقل کرنے والے بھی پیغمبر ہوں، سو یہ بات بالکل غلط ہے، اس لئے کہ خالی احتمال بغیر کسی دلیل کے مخالف پر حجت نہیں ہو سکتا، دلیل ان لوگوں کے پاس کوئی بھی نہیں ہے، محض احتمال اور ظنی چیز ہے، اور یہ کہنا کہ اگر یہ روایتیں پیغمبروں سے مروی نہ ہوتیں تو اس کو کتاب مقدس کے ساتھ کیونکر شامل کر سکتے تھے باطل ہے، کیونکہ یہودیوں کے نزدیک زبانی روایات کا درجہ توریت کے درجے سے زیادہ ہے، جب توریت باوجودیکہ وہ مشائخ کی روایات سے تقریباً سترہ سو سال بعد جمع کی گئی ہے یہودیوں کے نزدیک معتبر اور سند بن گئی، نیز کمرا بابل کے قصے کہانیاں بھی معتبر ہو گئے باوجودیکہ وہ دوسو سال بعد جمع کئے گئے ہیں، تو پھر ان پانچ بابوں نے کیا قصور کیا (جو صرف دوسو ستر سال بعد جمع کئے گئے) کہ وہ معتبر نہ مانے جائیں ؟

بعض محققین علماء پروٹسٹنٹ کا اعتراف

بعض محققین علماءِ پروٹسٹنٹ نے انصاف سے کام لیتے ہوئے اعتراف کیا ہے کہ زبانی روایات بھی لکھی ہوئی کتاب کی طرح معتبر ہیں، کتاب کیتھولک ہیرلڈ جلد نمبر ۲ صفحہ ۶۳ میں اس طرح ہے :

"ڈاکٹر بریٹ جو فرقۂ پروٹسٹنٹ کے فضلاء میں سے ہے، اپنی کتاب کے ص ۳۷ پر کہتا ہے کہ یہ بات کتب مقدسہ سے واضح ہے کہ دین عیسوی پہلے

اسقفوں اور حواریوں کے تابعین کو زبانی روایت کے ذریعے حوالے کر دیا گیا تھا، اور ان کو اس بات کا حکم دیا گیا تھا کہ وہ اسکی حفاظت کریں، اور پچھلی نسل کے حوالے کر دیں، اور کسی مقدس کتاب سے خواہ وہ پولس حواری کی ہو، یا کسی دوسرے حواری کی، یہ ثابت نہیں ہوتا کہ انھوں نے ان تمام چیزوں کو جن کو نجات میں دخل ہے اجتماعی طور پر یا انفرادی طریقے پر لکھا ہو، اور اس کو قانون بنایا ہو، جس سے یہ بات سمجھی جائے کہ دینِ عیسوی میں کوئی ایسی ضروری چیز جس کو نجات میں دخل ہے، سوائے لکھی ہوئی چیز کے نہیں ہے، اور اسی کتاب کے صفحہ ۳۲، ۳۳ میں کہتا ہے کہ تم دیکھتے ہو کہ پولس وغیرہ حواریوں کو کہ انھوں نے جس طرح احادیث کو ہم تک بذریعۂ تحریر پہنچایا ہے اسی طرح زبانی روایات کے ذریعے بھی پہنچایا ہے، تو ان لوگوں کے لئے بڑی ہلاکت ہے جو دونوں کو محفوظ نہ رکھیں اور احادیثِ عیسویہ ایمان کے باب میں لکھی ہوئی کے مانند معتبر ہیں اور بشپ مون ٹیک کہتا ہے کہ حوارین کی احادیث ایسی ہی معتبر ہیں جیسے ان کے خطوط اور تحریریں، پروٹسٹنٹ راویوں میں سے کوئی شخص اس کا انکار نہیں کرسکتا کہ حوارین کی زبانی تقریریں اُن کی تحریرات سے بڑھی ہوئی ہیں، جلنگ ورتھ کہتا ہے کہ: کہ یہ جھگڑا کہ کونسی انجیل قانونی ہے اور کونسی قانونی نہیں ہے زبانی روایت سے ختم ہوسکتا ہے جو ہر جھگڑے کے لئے انصاف کا قاعدہ ہے۔"

پادری تھامس انگلس کیتھولک کا فیصلہ

پادری تھامس اپنی کتاب مرآۃ الصدق مطبوعہ سنہ ۱۸۵۱ء کے صفحہ ۱۸۰ و ۱۸۱ پر کہتا ہے:

"اسقف مانی سیک جو پروٹسٹنٹ کے علماء میں سے ہے، اس بات

کی شہادت دیتا ہے کہ چھ سو احکام ایسے ہیں جن کو اللہ نے دین میں مقرر کیا ہے، اور کلیسا ان کا حکم کرتا ہے، لیکن اُن کے بارے میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ کتاب مقدس نے نہ ان کو کسی مقام پر بیان کیا ہے نہ تعلیم دی ہے"

اس فاضل کے اعتراف کے مطابق چھ سو احکام زبانی روایت سے ثابت ہوئے ہیں اور فرقہ پروٹسٹنٹ کے نزدیک واجب التسلیم ہیں

دوسرا فائدہ: اہم باتیں یاد رہتی ہیں

یہ بات صحیح تجربے سے ثابت ہے کہ جو چیز عجیب اور مہتم بالشان ہوتی ہے وہ اکثر لوگوں کو یاد ہوتی ہے، اور جو معمولی اور سرسری ہوتی ہے وہ عموماً اہم نہ ہونے کی وجہ سے محفوظ نہیں رہتی، یہی وجہ ہے کہ اگر آپ ایسے لوگوں سے جو کسی مخصوص کھانے یا مخصوص کھانوں کے عادی نہ ہوں یہ سوال کریں کہ آپ نے گذشتہ کل یا پرسوں کونسا کھانا کھایا تھا؟ تو یہ بات ان کو اس لئے یاد نہیں ہوگی کہ نہ تو ان کو اس کا خاص اہتمام ہوتا ہے، نہ ان کی نگاہ میں کھانا کوئی عجیب اور اہم معاملہ ہے کہ وہ ہر کھانے کو یاد رکھیں، یہی صورت تمام عمومی افعال و اقوال کی ہے،

لیکن اگر آپ اُن سے اُس دُمدار ستارے کے متعلق دریافت کریں جو صفر ۱۲۵۹ھ مطابق مارچ ۱۸۴۳ء میں نمودار ہوا تھا، اور پورے ایک مہینے تک فضائے آسمانی پر چمکتا رہا، اور کافی لمبا تھا، تو یہ واقعہ اکثر دیکھنے والوں کو محفوظ ہوگا، یہ دوسری بات ہے کہ اس کے نمودار ہونے کا مہینہ اور سال اُن کو یاد نہ رہا ہو، حالانکہ اس واقعہ کو اکیس سال سے زیادہ ہو چکے ہیں یہی کیفیت بڑے بڑے زلزلوں اور بڑی بڑی لڑائیوں اور نادر واقعات کی ہوتی ہے،

چونکہ مسلمانوں کو ہر زمانے میں حفظِ قرآن کا اہتمام رہا ہے، اس لئے اُن

میں قرآن کے حافظ اس زمانے میں بھی اسلامی ممالک میں ایک لاکھ سے زیادہ موجود ہیں، حالانکہ اکثر ملکوں سے اسلامی سلطنت مٹ گئی، اور ان ممالک میں دینی امور میں سستی بھی پیدا ہو گئی، اگر کسی عیسائی کو ہمارے اس دعوے میں کوئی شک ہو تو وہ تجربہ کر لے، اور صرف جامع ازہر میں جاکر دیکھ لے، جہاں اُس کو ہر وقت ایک ہزار سے زائد حافظِ قرآن ملیں گے، جنہوں نے کامل تجوید کے ساتھ قرآن کو یاد کیا ہے، اور اگر مصر کے دیہات میں تلاش کیا جائے تو مسلمانوں کا کوئی بھی گاؤں قرآن کے حافظوں سے خالی نہیں ملے گا، مصر کے بہت سے خچر، ٹٹو اور گدھے ہانکنے والے حافظ قرآن ملیں گے، پھر اگر وہ منصف مزاج ہو گا تو ضرور اقرار کرے گا کہ یہ گدھے اور ٹٹو ہانکنے والے یقیناً اس معاملے میں ان پاپاؤں، بشپوں، اور پادریوں سے فائق ہیں جو اس زمانے میں مشرق سے مغرب تک پھیلے پڑے ہیں، حالانکہ یہ زمانہ عیسائی دنیا کی علمی ترقی اور عروج کا ہے، چہ جائیکہ وہ گذشتہ عیسائی دور جس کی ابتداء ساتویں صدی سے پندرہویں صدی تک ہے، جس میں علماء پروٹسٹنٹ کے اعتراف کے مطابق جہالت علماء کا شعار تھا، ہمارا خیال تو یہ ہے کہ تمام یورپین ممالک میں مجموعی طور پر بھی توریت یا انجیل کے یا دونوں کتابوں کے دس حافظ بھی ایسے نہیں ملیں گے جن کو کوئی ایک کتاب یا دونوں کتابیں ان گدھے اور خچر ہانکنے والے حافظوں کے برابر یاد ہوں،

فائدہ ۱ میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ ار ینوس نے کہا ہے کہ:

"میں نے اللہ کے فضل سے یہ حدیثیں بڑے غور و تدبر سے سُنی ہیں، اور میں نے ان کو اپنے سینے میں لکھا ہے، نہ کہ کاغذ میں، اور میرا معمول عرصۂ دراز سے یہ ہے کہ میں ان کو دیانت کے ساتھ دُہراتا رہا ہوں"

اور یہ بھی کہا تھا کہ:

"قوموں کی زبانیں اگرچہ مختلف ہوں، لیکن زبانی روایت کی حقیقت ایک ہی رہتی ہے، اس لئے کہ جرمنی کلیسا تعلیم اور عقائد کے معاملے میں فرانس، اسپین"

مشرق، مصر، لیبیا کے کلیساؤں کے مخالف نہیں ہیں"۔

ولیم میور تاریخ کلیسا مطبوعہ ۱۸۴۸ء کے باب ۳ میں کہتا ہے کہ:

"متقدمین عیسائیوں کے یہاں ایمانی عقیدوں میں جو عقیدے ایسے ہیں کہ ان کا اعتقاد نجات کے لئے ضروری ہے، ان میں سے ایک بھی اُن کے پاس لکھا ہوا نہیں ہے، حالانکہ وہ بچوں کو اور ان اشخاص کو جو مذہب عیسوی میں داخل ہوتے ہیں زبانی طور پر سکھائے جاتے ہیں، اور یہ عقیدے ہر قریب، و دور مقامات پر یکساں ہی چلے آتے تھے، پھر جب اُن کو کتابت کے ذریعے ضبط کیا گیا اور مقابلہ کیا گیا تو ٹھیک اور مطابق پایا گیا، اور سوائے معمولی لفظی اختلاف کے نفس مطلب اور اصل مقصد میں کوئی فرق نہیں پایا گیا"۔

معلوم ہوا کہ جو بات اہم اور مہتم بالشان ہوتی ہے وہ محفوظ رہتی ہے، اس میں زمانۂ دراز گزرنے کی وجہ سے کوئی خلل واقع نہیں ہوتا، یہ وصف اور خصوصیت قرآن کریم میں نمایاں ہیں، حالانکہ بارہ سو اسّی سال کا طویل عرصہ گذر چکا ہے، مگر وہ جس طرح ہر زمانے میں تحریر کے ذریعے محفوظ رہا، اسی طرح ہر دور میں ہزاروں لاکھوں سینوں کے ذریعے محفوظ چلا آتا ہے، پھر اس زمانے میں عیسائیوں کے بہت سے فرقے ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کے خواص اور بڑے بڑے عالموں کی جانب نگاہ ڈالیں، اور عوام اور جہلاء کو نظر انداز کریں تو بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اُن کو کبھی اپنی کتاب مقدس کی تلاوت کرنا نصیب نہیں ہوتا،

معلّم میکائیل

معلّم میکائیل مشاقہ جو علماءِ پروٹسٹنٹ میں سے ہے اپنی کتاب الدلیل الی طاعۃ الانجیل مطبوعہ ۱۸۴۹ء کے صفحہ ۳۱۶ پر کہتا ہے:

"میں نے ایک روز فرقۂ کیتھولک کے ایک کاہن سے پوچھا کہ کتاب مقدس کے مطالعہ کی نسبت مجھ کو سچ سچ بتاؤ کہ تم نے اپنی زندگی میں اس کو کتنی مرتبہ پڑھا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ پہلے تو میں کبھی کبھی پڑھ لیا کرتا تھا، اور بسا اوقات

تمام کتابیں، لیکن اب ۱۲ سال سے رعیت کی خدمت میں منہمک ہونے کی وجہ سے مجھے کتاب مقدس کے مطالعہ کی کبھی فرصت نہیں ملی، تعجب کی بات یہ ہے کہ اکثر عوام کلیسا کے ان ناخداؤں کی جہالت سے واقف ہیں، پھر بھی جب یہ لوگ انھیں ہدایت بخشنے والی کتابوں کا مطالعہ کرنے سے روکتے ہیں تو عوام مان جاتے ہیں"۔

تیسرا فائدہ: تدوینِ حدیث کی مختصر تاریخ

صحیح حدیث مسلمانوں کے یہاں بھی اسی طریقے اور شرائط کے مطابق، جو عنقریب ہم تفصیل سے بیان کریں گے معتبر ہے، اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی:

اتقوا الحدیث عنی الا ما علمتم فمن کذب علیّ متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار۱؎	"مجھ سے حدیثیں صرف وہ نقل کرو جن کے بارے میں تمھیں علم ہو، باقی باتیں بیان کرنے سے بچو اس لئے کہ جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے گا وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے"۔

حدیث متواتر ہے، جس کو ۶۲ صحابہ نے جن میں عشرۂ مبشرہ بھی شامل ہیں روایت کیا ہے، اس بناء پر قرن اوّل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا اہتمام رہا ہے، اُن کا یہ اہتمام عیسائیوں کے اہتمام سے بہت زیادہ ہے، جیساکہ ان کو ہر زمانے میں حفظ قرآن کا اہتمام عیسائیوں کے کتب مقدسہ کے حفظ کرنے کے اہتمام سے زیادہ رہا ہے، مگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے اپنے زمانے میں بعض مجبوریوں کی بناء پر ان روایتوں کو کتابی

۱؎ یہ حدیث معنیً متواتر ہے، لم اجد ھذا اللفظ الذی ذکرہ المصنف وللروایۃ طرق کثیرۃ اخرجھا الشیخان والترمذی والبزار عن علیؓ والمغیرۃ وابن مسعود رضؓ راجع جمع الفوائد، ص ۲۷، ج اوّل)۔

شکل میں جمع نہیں کیا، جس کی ایک بڑی مصلحت یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام قرآنِ کریم کے ساتھ مخلوط اور مشتبہ نہ ہو جائے[1]، البتہ تابعین میں سے امام زہریؒ ربیع بن صبیحؒ، سعیدؒ وغیرہ رحمہم اللہ جیسے بزرگوں نے اس کی تدوین اور جمع کی ابتداء کی، مگر انہوں نے فقہی ابواب کی ترتیب کے مطابق ان کو ترتیب نہیں دیا، لیکن چونکہ یہ ترتیب عمدہ اور بہترین تھی، اس لئے طبع تابعین نے اسی ترتیب کو اختیار کیا، چنانچہ امام مالکؒ نے جن کی پیدائش ۹۵ھ میں ہے مدینہ میں مؤطا تصنیف کی، اور مکہ میں ابو محمد عبدالمالک بن عبدالعزیز بن جریج رحؒ نے، شام میں عبدالرحمٰن بن اوزاعی رحؒ نے، کوفہ میں سفیان ثوری رحؒ نے، بصرہ میں حماد بن سلمہ رحؒ نے حدیث میں کتابیں جمع کیں، پھر بخاریؒ اور مسلمؒ نے اپنی صحیحین تصنیف کیں، اور ان میں صرف صحیح حدیثوں کے ذکر پر اکتفاء کیا، اور دوسری کمزور اور ضعیف روایتوں کو ترک کر دیا،

ائمہ محدثین نے احادیث کے معاملے میں انتہائی جانفشانی اور محنت کی، چنانچہ "اسماء الرجال" کا ایک عظیم الشان فن قائم کیا، جس کے ذریعے ہر ایک ناقل حدیث کا پورا حال اور کچا چٹھا معلوم ہو سکے، کہ اسکی دیانت اور یادداشت کا کیا حال ہے؟ اور صحاح کے مصنفوں میں سے ہر ایک نے ہر روایت کی سند اپنے سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک بیان کرتے ہوئے روایت کی، اور بخاری کی بعض حدیثیں ثلاثی ہیں،

[1] اس کے باوجود بعض صحابہ رضؓ کے پاس احادیث کے لکھے ہوئے مجموعے موجود تھے، جنھیں انہوں نے کامل احتیاط کے ساتھ قرآن کریم سے الگ رکھا ہوا تھا، چنانچہ عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کے بارے میں ابوداؤدؒ کی روایت میں تصریح ہے کہ انہوں نے آنحضرتؐ کے حکم سے احادیث لکھی ہیں (جمع الفوائد، ص ۲۶ ج ۱) بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے اپنے مجموعے کا نام "الصحیفۃ الصادقہ" رکھا تھا، اس کے علاوہ حال ہی میں ہمام بن منبہؒ کا جمع کیا ہوا ایک مجموعۂ حدیث دریافت ہوا ہے، جو انھیں حضرت ابوہریرہؓ نے املا کرایا تھا، جو اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ اس وقت ہی سے کتابتِ حدیث کی ابتداء ہو چکی تھی تفصیل کا یہاں موقع نہیں، اس مسئلے کی مسلسل اور محققانہ بحث حضرت مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی رحؒ کی کتاب تدوینِ حدیث مطبوعہ مجلسِ علمی، کراچی میں ملے گی، ۱۲ تقی،

یعنی صرف تین واسطوں سے براہِ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتی ہیں ،

حدیث کی تین قسمیں

پھر صحیح حدیث کی تین قسمیں قرار دی گئی ہیں :
۱، متواتر ۲، مشہور۔ ۳، خبر واحد۔

حدیث متواتر وہ کہلاتی ہیں جس کو ایسی جماعت دوسری جماعت سے نقل کرتی ہے کہ جن سب کا کسی جھوٹی بات پر متفق ہوجانا عقل کے نزدیک محال ہو، اس کی مثال نماز کی رکعتوں والی روایت یا زکوٰۃ کی مقداروں والی روایت وغیرہ،

خبر مشہور وہ ہے کہ جو صحابہؓ کے دور میں تو "اخبار آحاد" کی طرح تھی، پھر تابعین کے زمانے میں یا تبع تابعین کے دور میں مشہور ہوگئی، ان دونوں زمانوں میں سے کسی ایک زمانے میں تمام امت نے اس کو قبول کر لیا، اور اب وہ متواتر کے درجے کی ہوگئی، مثلاً سنگساری کا حکم زنا کے سلسلے میں ،

خبر واحد وہ ہے کہ جس کو ایک راوی نے دوسرے ایک راوی سے یا ایک جماعت سے یا ایک جماعت نے ایک شخص سے روایت کیا ہو،

متواتر حدیث علم یقینی کو مستلزم ہے، اور اس کا انکار کفر ہے، حدیث مشہور علم طمانیت[1] کی موجب ہے، اس کا انکار بدعت اور فسق ہے، خبر واحد دونوں قسم کے علم کی موجب نہیں مگر واجب العمل ہونے کی حد تک معتبر ہے، نہ اس سے عقائد کا اثبات ممکن ہے اور نہ اصول دین کا، اور اگر دلیل قطعی کے خلاف ہو خواہ وہ عقلی ہو یا نقلی تو اگر تاویل ممکن ہے تو اس میں تاویل کی جاوے گی ورنہ اسے چھوڑ دیا جائے گا، اور اس کی جگہ دلیل قطعی پر عمل ضروری ہوگا ،

حدیث صحیح اور قرآن میں فرق

یہ فرق تین طرح سے ہے : اوّل یہ کہ قرآن پورا کا پورا تواتر کے طریقے پر منقول ہے،

---

[1] علم طمانیت حاصل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو بات خبر مشہور سے ثابت ہو اس کے بارے میں اگرچہ متواتر کی طرح یقین تو نہیں ہوتا مگر اس کے صحیح ہونے کا غالب گمان اور اطمینان ہو جاتا ہے ،

بالکل اسی طرح جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا، اس کے نقل کرنے والوں نے اس کے کسی لفظ کو کسی دوسرے لفظ سے نہیں بدلا، خواہ وہ اسکے ہم معنی ہی کیوں نہ ہو، اس کے برعکس صحیح حدیث کا روایت[1] بالمعنیٰ کے طور پر نقل کرنا ایسے ناقل کے لئے جائز تھا جو لغت عرب کا ماہر اور ان کے طرزِ کلام سے واقف ہو،

دوسرا فرق یہ ہے کہ قرآن چونکہ سارا متواتر ہے، اس لئے اس کے کسی جملے کا انکار بھی مستلزم کفر ہے، برخلاف حدیث صحیح کے کہ اس کی ایک قسم یعنی متواتر کے علاوہ اور کسی کے انکار سے کفر لازم نہیں[2] آتا،

تیسرا فرق یہ ہے کہ بہت سے احکام کا تعلق خالی قرآن کے الفاظ سے بھی ہے جیسے نماز کا صحیح ہونا اور اسکی عبارت کا معجز ہونا بخلاف حدیث کے کہ اس کے الفاظ سے احکام کا کوئی تعلق نہیں ہے،

اب تینوں بیان کردہ فوائد کے بعد آپ کے خوب ذہن نشین ہوگیا ہوگا کہ اس خاص طریقے پر صحیح حدیث کا اعتبار کرنے سے مسلمانوں پر کسی قسم کی برائی یا اعتراض لازم نہیں آسکتا۔

◎

---
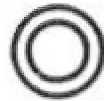
[1] "روایت بالمعنی" کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو لفظ ارشاد فرمائے تھے راوی بعینہ ان الفاظ کو تو نقل نہیں کرتا مگر ان کا مفہوم پوری طرح ادا کر دیتا ہے، تقی

[2] یعنی کوئی شخص کسی مخصوص حدیث مشہور یا خبر واحد کے انکار کرنے سے کافر نہیں ہوتا، لیکن یہ واضح رہے کہ جو شخص احادیث کو اصولی طور پر ہی حجت تسلیم نہ کرتا ہو وہ تمام مسلمان مکاتب فکر کے نزدیک کافر ہے، اسکی مثال تقریباً ایسی ہے جیسے کہ نصاریٰ کے یہاں اگر کوئی شخص بائبل کی کسی آیت کو الحاقی قرار دیدے تو وہ ان کے نزدیک عیسائیت سے خارج نہیں ہوتا، چنانچہ بہت سے نصرانی علماء نے بائبل کی بہت سی عبارتوں کو الحاقی تسلیم کیا ہے، لیکن جو شخص بائبل کو اصولی طور پر تسلیم نہ کرے اُسے وہ عیسائیت سے خارج قرار دیتے ہیں ۱۲ تقی

تصانیف

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی

- اسلام اور جدید معیشت وتجارت
- اندلس میں چند روز
- اسلام اور سیاست حاضرہ
- اسلام اور جدت پسندی
- اصلاح معاشرہ
- اصلاحی خطبات (۱۶ جلد)
- اصلاحی مواعظ ۳ جلد
- اصلاحی مجالس ۳ جلد
- احکام اعتکاف
- اکابر علمائے دیوبند کیا تھے؟
- آسان نیکیاں
- بائبل سے قرآن تک کامل ۳ جلد
- بائبل کیا ہے؟
- پرنور دعائیں
- تراشے
- سود پر تاریخی فیصلہ
- تقلید کی شرعی حیثیت
- جہانِ دیدہ
- حضرت معاویہؓ وتاریخی حقائق
- حجیت حدیث
- حضور ﷺ نے فرمایا
- حکیم الامتؒ کے سیاسی افکار
- درس ترمذی کامل ۳ جلد
- دنیا مرے آگے
- دینی مدارس کا نصاب ونظام
- ذکر وفکر
- ضبط ولادت
- عیسائیت کیا ہے؟
- علوم القرآن
- عدالتی فیصلے ۲ جلد
- فرد کی اصلاح
- فقہی مقالات ۴ جلد

- قادیانی فتنہ اور ملت اسلامیہ کا موقف
- ملکیت زمین اور اس کی تحدید
- مآثر حضرت عارفی
- میرے والد میرے شیخ
- نقوش رفتگاں
- نشری تقریریں
- نقوش و تاثرات
- نفاذ شریعت اور اس کے مسائل
- نمازیں سنت کے مطابق پڑھیں
- ہمارے عائلی مسائل
- البلاغ حضرت مفتی اعظمؒ نمبر ۲ جلد
- ہمارا تعلیمی نظام
- ہمارا معاشی نظام
- تکملہ فتح الملہم کامل ۶ جلد
- بحوث فی قضایا فقہیہ معاصرۃ ۲ جلد
- احکام الذبائح
- نظرۃ عابرۃ
- ماھی النصرانیہ
- فتاویٰ عثمانی ۲ جلد
- انعام الباری
- تذکرے
- البلاغ حضرت عارفیؒ نمبر

ENGLISH BOOKS

- The Noble Quran 2 Volume
- An Introduction to Islamic Finance
- The Historic Judgment on Interest
- Contemporary Fatawa
- The Language of the Friday Khutbah
- Discoures on the Islamic way of life
- The Legal Ststes of Following a madhab
- Legal Rulling Slaughtered Animals
- Perform Salah Correctly
- Islam and Mdernism
- Saying of Muhammad
- Spiritual Discorses
- Islamic Months
- What is Christianity
- Redinat Prayers
- Qur,anic Science
- The Authority of Sunnah
- Easy Good Deeds

تصانیف

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم العالی

- حیات مفتی اعظم
- درس مسلم ۲ جلد
- دینی جماعتیں اور موجودہ سیاست
- علامات قیامت اور نزول مسیح
- علم الصیغہ
- عورت کی سربراہی کی شرعی حیثیت
- فقہ اور تصوف ایک تعارف
- کتابت حدیث عہد رسالت و عہد صحابہ میں
- میرے مرشد حضرت عارفیؒ
- یورپ کے تین معاشی نظام
- احکام زکوٰۃ
- یہ تیرے ...... پراسرار بندے
- گلگت کے پہاڑوں میں یادگار آپ بیتی (سفرنامہ)
- انبیاء کی سرزمین (سفرنامہ)

- نوادر الفقہ ۲ جلد
- علمائے دیوبند کے تین فرائض منصبی
- حج کے بعد زندگی کیسے گزاریں
- مسئلہ تقدیر کا آسان حل
- شرح عقود رسم المفتی
- مکانة الاجماع وحجیة
- المقالات الفقھیة
- ضابطہ المفطرات فی مجال التداوی

﴿رسائل﴾

- دینی مدارس اور نفاذ شریعت
- خدمت خلق
- حب جاہ ایک باطنی بیماری
- طلبائے دین سے خطاب

- اللہ کا ذکر
- جہاد کشمیر اور ہماری ذمہ دار
- مخلوق خدا کو فائدہ پہنچاؤ
- دوسرا جہاد افغانستان
- دینی تعلیم اور عصبیت
- محبت رسول اور اس کے تقا
- ملت اسلام اور وحدت کفر
- مستحب کام اور ان کی اہمی